نام کتاب ———— تبرکاتِ عالمی مبلغِ اسلام

مرتبہ ———— محمد نعیم اللہ خاں قادری
بی ایس سی۔ بی۔ ایڈ
ایم اے اردو۔ پنجابی۔ تاریخ

ناشر ———— فیضان مدینہ پبلیکیشنز کاموں کے

صفحات ———— ۸۹۶

بار اول ———— اکتوبر ۲۰۰۲ء

ہدیہ ———— -/300 روپے

ملنے کے پتے :

- ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور 72250885 ☎ 7247350
- ضیاء القرآن پبلیکیشنز کراچی 2210212 ☎ 021-2630411
- شبیر برادرز لاہور ☎7246006 • مکتبہ جمال کرم لاہور ☎ 7324948
- فرید بک سٹال لاہور 7224899 • رضا ورائٹی لاہور • پروگریسو بکس لاہور
- مسلم کتابوی لاہور • مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور • سنی کتب خانہ لاہور
- مکتبہ قادریہ گوجرانوالہ 237699☎ • مکتبہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ 217986☎
- مکتبہ نبویہ لاہور • مکتبہ مہریہ رضویہ ڈسکہ • غوثیہ کتب خانہ گوجرانوالہ

فہرست رسائل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مُبَسْمِلاً وَّحَامِدًا وَّ مُحَمِّدًا

وَّمُصَلِّيًا وَّ مُسَلِّمًا مُّحَمَّدًا

عرضِ اوّل

بفحوائے!

محبت جس کی ہوتی ہے اسی کا ذکر کرتے ہیں

زباں پر میری جز نامِ محمد ﷺ اور کیا آئے

ذکرِ محبوب، جانِ اہل ایمان اور دردِ دل اہل محبت کا درمان، پیارے کی پیاری باتوں میں جو لذت، وہ چاہنے والوں پر عیاں، پھر محبوب بھی وہ محبوب جو نہ صرف محبوب خلق وجہاں، بلکہ محبوب وحبیب خالق کون ومکان۔

انعقاد محافل میلاد حبیب ومحبوب (ﷺ) اسی لئے اہل محبت کو محبوب ومرغوب کہ وہاں، محبوب کی محبوب باتوں کا بیان۔ ایک طرف اہل محبت اس ذکر سے تسکین پائیں، دوسری طرف بیان سیرت طیبہ واخلاق جیدہ سے اتباع سنت سنیہ نبویہ علی صاحبہا التحیۃ، کی تحریص ہو، تاکہ اس اسوۂ محمودہ مرضیہ پر چل کر محبوب الٰہی بن جائیں۔ چونکہ اس ذکر خیر کیلئے ہر جگہ مستند معتقد صحیح العقیدہ جید علماء خطباء کا میسر آنا دشوار لہٰذا اسلاف کبار وآئمہ اطہار میں سے بعض اولی الابصار نے اس موضوع پر رسائل مختصر تالیف فرمائے تاکہ جہاں ایسے سمجھدار علماء وخطباء نہ پائے جائیں۔ معمولی زبان دان ان ہی رسائل کی تلاوت فرمائیں۔

جن دیار و امصار میں زبان عربی لغت خواص و عوام مولد برزنجی و شرف الانام مقبول و معمول خاص و عام رہے اور ہیں۔ اسی سنت متقدمین پر اردو داں متاخرین بھی عامل ہوئے اور اُردو زبان میں ذکر میلاد کے مختلف رسائل ترتیب دیئے۔ "سرور القلوب فی ذکر المحبوب" اس باب میں ایک مبسوط و معتبر و مستند کتاب مگر اب کمیاب' تواریخ حبیب الٰہ راحت القلوب بہار جنت' گلستان لطافت' بھی علماء معتمد کی تالیفات اور صحیح الروایات مگر قلیل الاشاعت' جن رسائل کی طباعت بکثرت ہوئی اور ہو رہی ہے۔ اُن میں اکثر رطب و یابس کا مجموعہ' ضعیف روایات کیسی جا بجا موضوعات۔ نعت نگاری کیلئے بھی بعض قلم اس انداز میں اُٹھے کہ کہیں محبوب حقیقی صلی اللہ علیہ وسلم سے عامیانہ و سوقیانہ انداز میں تخاطب' کہیں منصب نبوت والوہیت میں وحدت' نہ آداب کی رعایت نہ الفاظ میں تناسب۔ ایسی کتب کے مطالعہ سے شرعاً اجتناب واجب اور بہتر نمونہ پیش کرتے ہوئے اصلاح و درستی' ہر خادم دین کا فرض منصبی' نظر بریں حالات کئی بار احباب کا اصرار ہوا کہ ضرورت وقت کے مطابق آسان و سلیس زبان میں اس موضوع پر لکھا جائے تاکہ وہ اہل محبت جو میلاد خوانی کی سعادت پائیں۔ اس تالیف کو اپنا معمول بنائیں اور اس صورت سے تبلیغ دین کی خدمت بجالائیں۔ بغیر نیت جلب منفعت جس قدر ہو سکے اس کی اشاعت کی جائے تاکہ ادنیٰ و اعلیٰ ہر ایک فائدہ پائے۔

بیرون ہند تبلیغی اسفار کے دوران میں کام کا انبار' اس وقت ایسی تالیفات کیلئے فرصت دشوار' البتہ اُن دنوں میں جن کو میں وقت راحت اور فی الجملہ رخصت سے تعبیر کیا کرتا ہوں۔ تحقیق و مطالعہ کے بعد قدرے مہلت ملتی ہے۔ چنانچہ انہی اوقات میں سے

چند ساعات اس خدمت کی نذر کیں۔

چند روز ہوئے نور نظر' لخت جگر' دختر بلند اختر امت السبوح حبیبہ سلمہا الاکبر نے اصرار کیا' اُن کے پڑھنے کیلئے ایک مضمون لکھا دیا۔ میرے محترم بھائی صوفی سید بشارت علی صاحب قادری' نقشبندی' مجددی' توکلی' محبوبی کا دیرینہ ارشاد تھا کہ اس موضوع پر کسی رسالہ کی اشاعت کی جائے۔ خدائے قدوس انہیں جزائے خیر عطا فرمائے کہ اُن کی بدولت یہ کتابی صورت اختیار کرتے ہوئے ہدیہ ناظرین ہے۔ کاش مالک عالم شرف قبول سے نوازے اور اس ناچیز خدمت کو مقبول خاص و عام بنائے۔

آمین ثم آمین، بجاہ طٰہٰ و یٰسین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

محمد عبدالعلیم الصدیقی القادری
محلۃ المشائخ شہر میرٹھ

===============

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ

اَمَّا بَعۡدُ

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ ؕ صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡمُ وَ بَلَّغَ رَسُوۡلُہُ الۡکَرِیۡمُ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ صَحۡبِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۝

الٰہی وہ زباں دے جو ثنا خوان محمد ہو ثناء ایسی جو ہر آئینہ شایان محمد ہو

وہ جانِ پاک دے یا رب جو قربانِ محمد ہو وہ دل دے جو شکار تیر مژگان محمد ہو

جنون عشق دگرما گرمی سوز محبت سے یہ آوارہ ہو اور دشت و بیابان محمد ہو

شرابِ شوق سے لبریز ہو پیمانہ الفت نگار حسن ہو، میں ہوں، خیابانِ محمد ہو

مقام لی مع اللہ تک بھلا کس کی رسائی ہو جب اُس خلوت کدہ میں خاص جانان محمد ہو

بدل جائے شبِ بختِ سیہ صبح دل آرا سے اگر جلوہ نما روئے درخشانِ محمد ہو

علیم خستہ جاں تنگ آ گیا ہے دردِ ہجراں سے

الٰہی کب وہ دن آئے کہ مہمان محمد ﷺ ہو

اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اُس نے ہمیں آدمی بنایا، قسم قسم کی نعمتیں عطا فرمائیں لیکن سب نعمتیں بیکار تھیں۔ اگر ہمیں ان نعمتوں کے کام میں لانے اور خدا کی دی ہوئی ان چیزوں کے استعمال کرنے کا طریقہ نہ معلوم ہوتا بلکہ خود ہمارا وجود ہی بے کار تھا۔ اگر ہمیں یہ معلوم نہ ہوتا کہ ہم کہاں کے لئے بنے اور کیوں اس دنیا میں آئے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو ہماری زندگی کا مقصد اور دنیا میں رہنے اور اس کی نعمتوں کو صحیح طور پر استعمال میں لانے کا طریقہ بتانے کیلئے اپنے سب سے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری دنیا کیلئے اپنا پیغام لانے والا بنا کر بھیجا۔

دنیا کا قاعدہ ہے کہ انسان بچپن ہی سے ایک نمونہ کا محتاج ہوتا ہے۔ بچوں کے سامنے جیسی بولی ہم اور آپ بولتے ہیں۔ بچے اسی کی نقل کرتے ہیں۔ جو کام ہم کو کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اس کی نقل خود بھی اتارتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کے بچے عربی بولتے' ہندوستان کے بچے اُردو بولتے اور وہی طریقہ سیکھتے ہیں جو اپنے ماں باپ اور گھر والوں کو کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ بڑے ہو کر لکھنا، پڑھنا، سینا پرونا، کھانا پکانا، غرض ہر کام کیلئے اس کی ضرورت ہے کہ کوئی عمل کر کے دکھائے، سیکھنے والے اس نمونہ کو دیکھ کر اسی طرح خود بھی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے ہمارے واسطے رسولوں اور پیغمبروں کو اس دنیا میں بھیجا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے وہ باتیں سیکھیں جو اس کو پسند ہیں۔ پھر وہی باتیں دنیا والوں کو زبان سے بتائیں اور کر کے دکھائیں تا کہ وہ بھی وہی کام کر کے اللہ کے پیارے بن جائیں۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡکَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہ

وَسَلَّمۡ عَلَیۡکَ یَا حَبِیۡبَ اللّٰہ

مجھے اس کا جلوہ دکھا دے خدایا جسے تو نے آئینہ اپنا بنایا

نبی کی حقیقت کے ہوں ہم شناسا وہ چشم بصیرت عطا کر خدایا

محمد وہ پیارے کہ خاص ان میں تو نے دکھانا تھا جو کچھ وہ سب کو دکھایا

خدا نور ہے آسمان و زمین کا محمد ہے اس نور کا پہلا سایہ

خدا کے حبیب آپ ہیں یا حبیبی رسُولوں میں یہ مرتبہ کس نے پایا

حکومت وہ بخشی کہ اللہُ اکبرُ ہر اک ذرّ ذرّہ پہ ہے جمایا

الٰہی بحق شفیع قیامت مرے سر پہ ہو ابر رحمت کا سایا

یہ مختار عاصی بھی پہنچے مدینہ

کوئی راہ ایسی بتا دے خُدایا

شُروع میں قرآن شریف کی جو آیت تلاوت کی گئی اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ سے یوں فرمایا۔ ہے کہ اے ہمارے پیغمبر آپ دنیا والوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم

اللہ کو چاہتے ہو تو میری پیروی کرو (یعنی ہر کام جس طرح میں کرتا ہوں اسی طرح تم بھی کرو) تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا پیارا بنالے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف بتا دیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے پیارے ہیں اور اگر ہم دنیا میں ویسے کام کریں جیسے انہوں نے کیے تو ہم بھی اللہ کے پیارے بن جائیں۔ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کو اتنے پیارے ہیں کہ اُس نے قرآن شریف میں جا بجا ان کی تعریف فرمائی اپنے نام کے ساتھ اُن کا نام لیا اور اپنے ذکر کے ساتھ ان کا ذکر کیا۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

محبوب ہے کیا صلِّ علیٰ نامِ محمد — آنکھوں کی جلا دل کی ضیا نامِ محمد

اللہ رے رفعت کہ سرِ عرش خدا نے — ہے نام کے ساتھ اپنے لکھا نامِ محمد

جب لوح پہ توحید خدا لکھی قلم نے — مرقوم رسالت سے کیا نامِ محمد

آئی یہ ندا اب ہوئی کامل تری کشتی — جب نوح نے کشتی پہ لکھا نامِ محمد

تکبیر میں کلمہ میں نمازوں میں اذاں میں — ہے نامِ الٰہی سے ملا نامِ محمد

اس نام کی لذّت دلِ عشاق سے پوچھو — جاں آ گئی تن میں جو لیا نامِ محمد ﷺ

وردِ اپنا ہمیشہ یہی دو نام ہیں بیدلؔ

یا نامِ خُدا لب پہ ہے یا نامِ محمد ﷺ

ثمراتِ محبُوبیّت

اللہ تعالیٰ نے اپنے ان محبوب رسول کو تمام مخلوق پر عزت بخشی اور سارے جہاں پر اختیار عطا فرمایا۔ بعض مغرور اور سرکش انسان جو ان کا کہنا نہیں مانتے، اس کی سزا کبھی کبھی دنیا میں اُن کو دے جاتی ہے اور مرنے کے بعد جہنم میں وہ سخت عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔ باقی زمین سے لے کر

آسمان تک تمام عالم پر اُس رسول کی حکومت ہے۔ انسان حیوان، فرشتے، جانور، پتھر سب ان کا کہنا مانتے اور ان کے اختیار کو جانتے ہیں۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ہمارے رسول ﷺ ایک گاؤں میں تشریف لے گئے۔ گاؤں کی ایک عورت نے جب یہ سنا تو آپ کو آزمانے اور یہ دیکھنے کے لئے کہ آپ خدا کے کیسے پیارے ہیں۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس عورت کی گود میں ایک دودھ پیتا ہوا بچہ تھا۔ جس نے ابھی بولنا بھی نہ سیکھا تھا۔ وہ اس بچہ کو لئے ہوئے حضور کے سامنے پہنچی۔ بچے نے اس کی گود سے سر نکالا اور

گفت کودک سَلَّمَ اللّٰہُ عَلَیْکَ

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ جِئْنَا اِلَیْکَ (مثنوی معنوی)

بچہ بولا کہ اے اللہ کے رسول آپ پر سلام ہو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ بچہ کو اس طرح بولتا ہوا دیکھ کر عورت کو بہت تعجب ہوا اور حیرت کے ساتھ بچہ سے پوچھنے لگی کہ "تجھے بات کرنا کس نے سکھایا؟ تجھے بولنا کیونکر آیا؟ تو نے کیسے جانا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور تجھے انہیں سلام کرنا چاہئے"۔ بچہ نے پھر ایسے ہی صاف صاف لفظوں میں اپنی ماں کو جواب دیا۔

؎ گفت حق آموخت و آنگہ جبرئیل

در بیاں باجبر ئیلم من رسیل (مثنوی معنوی)

کہ مجھے خدا نے سکھایا اور مجھ سے اللہ کے فرشتہ جبرئیل علیہ السلام نے کہلوایا بچہ کے اس جواب کو سن کر حضرت رسول اللہ ﷺ نے اس سے پیار کے ساتھ فرمایا کہ "میاں تمہارا نام کیا ہے؟"

؎ گفت نامم پیش حق عبدالعزیز

عبدِ عُزّیٰ پیش ایں یکمشت خیز

بچے نے جواب دیا کہ "میرا نام اللہ نے تو عبدالعزیز رکھا ہے مگر میری ماں نے میرا نام عبدالعزیٰ رکھ دیا ہے"۔ (عزیٰ ایک بت کا نام تھا جس کی پوجا وہ عورت کرتی تھی اس نے اپنی بیوقوفی سے اس بچہ کو اس بت کا بندہ سمجھا اور عزیٰ کا بندہ اس کا نام رکھا) مگر بچہ نے صفائی کے ساتھ کہا کہ

من ز عزّیٰ پاک و بے زار و بری!

حق آنکہ وادت ایں پیغمبری (مثنوی)

یارسُول اللہ میں تو عزّیٰ سے بے زار ہوں مجھے اس سے کچھ واسطہ نہیں خدا تو وہ ہے جس نے آپ کو پیغمبر بنا کر اس دنیا میں بھیجا ہے۔

اب آپ نے غور کیا کہ ننّا سمجھ بچہ بھی جانتا ہے کہ آپ اللہ کے پیارے رسول ہیں۔ بڑے ہو کر دنیا کی باتوں میں اُلجھ کر ماں باپ جیسا سدھا تے ہیں۔ ان کے کہنے میں آجاتے ہیں اور خدا اور رسول کو بھول جاتے ہیں۔ ورنہ انسان تو انسان جانور بھی اُن کے مرتبہ کو پہنچانتے ہیں۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنگل میں گزرے جہاں ایک ہرنی درخت سے بندھی ہوئی تھی۔ ہرنی نے آپ کو دیکھتے ہی ادب کے ساتھ سلام کیا اور عرض کرنے لگی۔

یا رسول اللہ مدد کیجئے مری — آپ ہی فریاد سُن لیجئے میری
میرا بچہ دودھ پیتا ہے ابھی — اس کو کھانے کی نہیں عادت ہوئی
چر رہی تھی گھاس کو میں بے خبر — ہو گیا اس جا شکاری کا گزر
مجھ کو پکڑا اور باندھا ہے یہاں — اور تڑپتا ہے مرا بچہ وہاں
دودھ میں کیونکر پلاؤں اب اسے — سینہ سے اپنے لگاؤں کب اسے
کھول دیجئے میری رسی یا رسُول — عرض میری آپ کر لیجئے قبول
دودھ میں اس کو پلا کر آؤں گی! — بلکہ اس کو ساتھ اپنے لاؤں گی
سن کے یہ حضرت نے فرمایا رہا! — اور واپس آنے کا وعدہ لیا!
بھاگتی اور دوڑتی ہرنی گئی! — کچھ شکاری کو خبر اس کی نہ تھی
اتنے میں آیا شکاری بھی وہاں — اور پوچھا ہے مری ہرنی کہاں
آپ نے اس سے کہا تو ٹھہر جا! — میں نے کھولا اس کو اور وعدہ لیا
اس کا بچہ بھوک سے بے چین تھا — اس لئے ہم نے کیا اس کو رہا

دودھ بچہ کو پلا کر آئے گی — بلکہ بچہ ساتھ اپنے لائے گی
باتیں اُس سے ہو رہی تھیں یہ ابھی — دیکھتے ہیں کیا کہ ہرنی آ گئی
دیکھ کر حیرت شکاری کو ہوئی — آپ کی وہ بات پوری ہو گئی
پوچھا ہرنی سے شکاری نے کہ تو — کرتی ہے انسان کی سی گفتگو
وعدہ کر کے اس کو پورا بھی کیا — یہ سبق تجھ کو بھلا کس نے دیا
بولی ہرنی یہ رسُول اللہ ہیں! — حق کے پیارے اور حبیب اللہ ہیں
حکم ان کا ٹالتی کیونکر بھلا — لازمی وعدہ تھا جو پورا کیا
معجزہ دیکھا رسُول اللہ کا — اور شکاری بھی مسلمان ہو گیا

اسی طرح نہ صرف جانور بلکہ گھاس پات اور درخت بھی حضور کا کہنا مانتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنگل میں کھڑے ہوئے تھے۔ اتفاقاً ایک گاؤں کا رہنے والا آیا اور کہنے لگا کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ آپ اللہ کے پیارے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا "تو کس قسم کا ثبوت چاہتا ہے"۔ وہ کہنے لگا کہ "اگر یہ کھجور کا درخت جو دور جنگل میں کھڑا ہے آپ کے اللہ کا پیارا رسول ہونے کی گواہی دے تو میں ابھی مسلمان ہو جاؤں گا"۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ "اس درخت کے پاس جا اور اُس سے کہہ دے کہ تجھے اللہ کے رسول نے بلایا ہے"۔ وہ اعرابی فوراً گیا اور جیسے ہی درخت کو حکم سنایا درخت جھومنے لگا اپنی جڑوں کو ہلایا اور زمین کو چیرتا ہوا حضور ﷺ کے سامنے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ" یہ سنتے ہی اس اعرابی نے فوراً کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

وَسَلَّمَ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

مظہرِ شانِ خدا ہو یا حبیبِ کبریا — تم نبی الانبیا ہو یا حبیبِ کبریا
جس کو حق نے نور سے اپنے کیا ہے جلوہ گر — تم ہی وہ نورِ خدا ہو یا حبیبِ کبریا
اللہ اللہ کنزِ مخفی کا ہوا جس سے ظہور — تم ہی وہ شمعِ ہُدیٰ ہو یا حبیبِ کبریا

جس کے انوار ہدایت سے منور ہے جہاں — تم ہی وہ شمس الضحیٰ ہو یا حبیب کبریا
نور نے جسکے کیا ہے کفر کی ظلمت کو دور — تم ہی وہ بدرالدجیٰ ہو یا حبیب کبریا
سب سے اعلیٰ مرتبہ جس کا ہے مخلوقات میں — تم ہی وہ صدر العلیٰ ہو یا حبیب کبریا
حق نما آئینہ جس کا ہے جمال باکمال — تم ہی وہ نامِ خدا ہو یا حبیب کبریا
مجھ کو بھی اپنی زیارت سے مشرف کیجئے — میری جاں تم پر فدا ہو یا حبیب کبریا
شوقِ دیدار الٰہی میں ہو مستغرق حکیم — روح جب تن سے جدا ہو یا حبیب کبریا

ہرے بھرے درخت ہی نہیں، سوکھی لکڑیاں تک ہمارے رسول اللہ ﷺ کا کہنا مانتی بلکہ آپ کی محبت میں انسانوں کی طرح تڑپتی اور بے چین ہوتی' جب ہمارے رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں پہنچے تو وہاں ایک مسجد بنائی جس میں فقط کھجور کی سوکھی لکڑیاں کے ستون کھڑے کر کے اوپر کھجور کی شاخوں ہی کا سائبان بنالیا تھا۔ جب کبھی وعظ کہنے کیلئے اس مسجد میں کھڑے ہوتے تو کھجور کی لکڑی کے ستون سے کمر مبارک لگالیا کرتے تھے۔ جب رفتہ رفتہ نمازی بڑھ گئے ضرور ہوئی کہ آپ اونچی جگہ کھڑے ہوں تا کہ سب کو آواز پہنچ جائے۔ اس لئے منبر بنوایا گیا اور جب پہلے پہل منبر پر چڑھے، تمام مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے وعظ فرمانا شروع کیا کہ اتنے میں ایسی آواز آنے لگی جیسے کوئی بچہ بلک بلک کر روتا ہے۔ سب نمازی حیران تھے کہ رونے کی آواز کہاں سے آرہی ہے، حضور اکرم ﷺ منبر سے اترے اور جس ستون سے کمر لگا کر آپ کھڑے ہوا کرتے تھے۔ اسے کلیجہ سے لگالیا وہ ستون سسکیاں لینے لگا۔ آپ نے محبت کے ساتھ دلاسا دے کر فرمایا

گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستوں — گفت جانم از فراقت گشتہ خوں
مسندت من بودم از من تافتی — برسرِ منبر تو مسند ساختی

ستون بولا کہ یارسول اللہ آپ کی جدائی میں میری جان کا خون ہو رہا ہے۔ پہلے آپ مجھ سے تکیہ لگا کر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ اب میں اس دولت سے محروم ہو گیا۔ آپ مجھ سے جدا ہو گئے اور آپ نے منبر پر اپنی مسند بنالی۔ آپ نے فرمایا کہ منبر کا ہونا تو بہت ضروری ہے اب تو یہ بتا کہ تیری اس

محبت کے بدلہ میں ہم تجھے کیا عطا فرمائیں۔

؎ گر تو میخواہی ترا نخلے کنند — شرقی و غربی زتو میوہ چنند

اگر تو چاہتا ہے تو تجھ کو ابھی ہرا بھرا درخت بنا دیں کہ قیامت تک ہر طرف سے آنے والے تبرک کے طور پر تیرا میوہ کھایا کریں اور اگر چاہے تو تجھے جنت میں پہنچا دیں۔ ستون نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں وہ بات چاہتا ہوں جو ہمیشہ رہے۔

چنانچہ اس ستون کو مردہ آدمیوں کی طرح زمین میں دفن کر دیا گیا تا کہ قیامت کے دن وہ بھی مدینہ کے مسلمانوں کے ساتھ اٹھے اور جنت میں داخل ہو۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ
وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

درخت اور لکڑی ہی نہیں، پتھر بھی حضور کا کلمہ پڑھتے، حضور کو سلام کرتے۔ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان کی دیوار کا ایک پتھر ہمارے حضور ﷺ کے ساتھ اس قدر محبت رکھتا تھا کہ جب بھی حضرت اس گلی سے گزرتے تو وہ پتھر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں نہایت ادب کے ساتھ سلام عرض کیا کرتا۔ حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اس پتھر کو اچھی طرح پہچانتا ہوں ہم جب کبھی اپنے بچپن میں اس طرف سے گزرتے تھے تو وہ ہم کو سلام کیا کرتا تھا۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ
وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

ہاں شفیع المذنبین تم ہی تو ہو — رحمۃ للعالمین تم ہی تو ہو
کنجیاں ہیں آپ ہی کے ہاتھ میں — گنج قدرت کے امیں تم ہی تو ہو
دو جہاں میں آپ ہی کا راج ہے — صاحب تاج و نگیں تم ہی تو ہو
ہیں منور ہر دو عالم آپ سے — نور رب العالمین تم ہی تو ہو
حسن والے جس کی طلعت پر فدا — وہ ملیح و مہ جبیں تم ہی تو ہو

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ذکر حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم)
(حصہ اوّل)
تصنیف :
حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صاحب صدیقی میرٹھی

چاند شرمائے تمہارے سامنے — حسن میں یکتا حسین تم ہی تو ہو
دستگیر بے کساں کیجئے مدد — سارے عالم کے معیں تم ہی تو ہو
دو جہاں میں لاج رکھ لیجئے میری — مالک دنیاؤ دیں تم ہی تو ہو!
ڈوبتی کشتی مری منجدھار سے — کھینے والے بالیقیں تم ہی تو ہو
آپ کی فرقت میں دل بے چین ہے — راحت جان حزیں تم ہی تو ہو
دینے والے اپنی نذر غوث کو — دولت علم ، یقیں تم ہی تو ہو

ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن مکہ معظمہ میں ابوجہل تھا۔ جب آپ نے لوگوں کو خدا کا پیغام سنانا شروع کیا' بتوں کی پوجا سے روکا' نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ تو بتوں کے پجاریوں کو بہت ناگوار گزرا۔ وہ ہر طرح آپ کو ستاتے اور بری بری باتیں آپ کی شان میں بکتے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ:

سنگہا اندر کف بوجہل بود
گفت اے احمد بگو کیں چیست زود

ابوجہل اپنی مٹھی کو بند کئے ہوئے حضرت کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ "آپ آسمان کی چھپی ہوئی باتیں بتاتے اور رسول ہونے کا دعویٰ فرماتے ہیں۔ بھلا یہ تو بتایئے کہ میری مٹھی میں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

گر تو ی خواہی بگویم کاں چہاست
یا بگویند آنکہ ما حقیم وراست!

"میں بتاؤں کہ تیری مٹھی میں کیا ہے یا کہ جو چیز تیری مٹھی میں ہے اس سے پچھوا دوں کہ میں خدا کا پیارا رسول ہوں"۔ ابوجہل نے کہا یہ دوسری بات تو بہت ہی عجیب و غریب ہے۔ میری مٹھی کی چیز کیسے بول سکتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

گفت شش پارہ حجر در دست تست
بشنواز ہر یک تو تسبیح درست

"تیری مٹھی میں پتھر کی چھ کنکریاں ہیں۔ ہر کنکری سے ہمارا کلمہ سن لے"۔ آپ کے یہ فرماتے ہی اس کی مٹھی میں ہر ہر کنکری نے کلمہ پڑھنا شروع کیا اور صاف صاف آواز سب کے کانوں میں آئی کہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" یہ معجزہ دیکھ کر ابوجہل کم بخت کو غصہ آیا۔ کنکریوں کو زمین پر پھینک مارا اور آپ کو جادوگر اور کیا کیا کہتا چلا گیا۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ
وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

زمین ہی نہیں آسمان پر بھی ہمارے سرکار کی ایسی ہی حکومت ہے۔ ایک دن چند کافر آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ زمین کی چیزوں پر تو حکومت کی شان دکھاتے ہی رہتے ہیں۔ یہ دکھایئے کہ آسمان پر چمکنے والے اس چودھویں رات کے چاند پر بھی آپ کو آپ کے خدا نے اختیار دیا ہے؟ آپ نے فوراً اپنی انگلی سے اشارہ فرمایا۔ چاند کی ٹکیہ کے دو ٹکڑے ہو گئے، آدھا ٹکڑا پہاڑ کی ایک جانب نظر آیا تھا اور آدھا دوسری جانب۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی لڑائی سے واپس آتے ہوئے جنگل میں ٹھہرے ہوئے تھے، سفر کے تکان کے باعث آپ تو عصر کی نماز پڑھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گھٹنے پر سر رکھ کر سو رہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس وقت تک عصر کی نماز نہ پڑھی تھی اب یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر نماز کیلئے اُٹھتے ہیں تو حضور اکرم ﷺ کے آرام میں خلل پڑتا ہے اور اگر نہیں اُٹھتے تو نماز عصر جاتی ہے۔ سوچتے سوچتے وقت تنگ ہونے لگا اور سورج ڈوبنے کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نماز نہ پڑھنے کا صدمہ اس قدر ہوا کہ چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ اتفاقاً حضور کی آنکھ کھلی، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پریشانی کا سبب پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ "میں نے نماز عصر نہیں پڑھی اور سورج غروب ہو گیا"۔ یہ ہیں ایمان والے جن کو نماز میں دیر ہو جانے کا اس قدر صدمہ کہ چہرہ کا رنگ زرد ہو گیا۔ آنکھوں میں حلقے پڑ گئے' دل سخت گھبرانے لگا، آج ہم ہیں کہ جان بوجھ کر نماز جیسی دولت کو چھوڑتے ہیں۔ جس میں بندہ کو اللہ کے دربار میں حاضری کی اجازت ملتی اور

اللہ سے باتیں کرنے کی عزت بخشی جاتی ہے۔ الغرض حضورﷺ نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس قدر بے قرار دیکھا تو فرمایا گھبراؤ نہیں اور فوراً اپنی انگشت شہادت سے سورج کو اشارہ فرمایا کہ اُوپر کو ہو جائے، اشارہ ہوتے ہی سورج فوراً بلند ہو گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عصر کا عمدہ وقت پا کر نماز کو ادا کیا۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

عرش حق ہے مسند رفعت رسول اللہ کی!

دیکھی ہے حشر میں عزت رسول اللہ کی

سورج اُلٹے پاؤں پلٹے چاند اشارہ سے ہو شق

منکرو دیکھو یہ ہے قدرت رسول اللہ کی

یہ سب کمالات آنحضرتﷺ کو اللہ کا محبوب ہونے کے سبب سے عطا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے کہ ان رسول کے پیارے رستہ پر چلنے والے بھی اللہ کے پیارے بن جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت غوث الاعظم بڑے پیر دستگیر رضی اللہ عنہ جو یہ اعلان فرماتے ہیں کہ میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بہ قدم چلتا ہوں۔ حضور کے رستہ پر چل کر اللہ کے ایسے پیارے بنتے ہیں کہ زمین و آسمان پر نبی کریمﷺ کی ماتحتی میں اُن کی حکومت چلتی ہے، یانی ان کی دعاؤں سے برسے، روزی اُن کی دعاؤں سے ملے، اولاد ان کی دعاؤں سے عطا ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی کسی مشکل میں مبتلا ہو اوّل وضو کرے، دو رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد گیارہ گیارہ مرتبہ قُلْ ھُوَاللّٰہ پڑھے، سلام پھیرنے کے بعد درود شریف پڑھ کر کھڑے ہو کر گیارہ قدم بغداد کی جانب چلے (جو یہاں ہندوستان میں قبلہ کے رُخ سے ذرا دائیں ہاتھ کی جانب ہے) اور ہر قدم پر یوں کہے یَا شَیْخ عَبْدُالْقَادِرِ جِیْلَانِیْ شَیْئًا لِلّٰہِ (کہ اے شیخ عبدالقادر جیلانی اللہ کے واسطے مجھے بھی خدا سے کچھ دلوائے) گیارہ قدم پورے کر کے کھڑے کھڑے دعا مانگے تو انشاء اللہ جو حاجت ہو پوری ہوگی۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ   وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا   اُونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا   اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا   شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا تیرا

قسمیں دے دے کے کھلاتا ہے پلاتا ہے تجھے   پیارا اللہ ترا چاہنے والا تیرا

کیوں نہ قاسم ہو کہ تو ابن ابی القاسم ہے   کیوں نہ قادر ہو کہ مختار ہے بابا تیرا

حسن نیت ہو، خطا پھر کبھی کرتا ہی نہیں   آزمایا ہے یگانہ ہے دوگانہ تیرا

اے رضاؔ یوں نہ بلک تو نہیں جید تو نہ ہو   سید جید ہر دہر ہے مولیٰ تیرا

حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اور جو لوگ اللہ کے پیارے بن جاتے ہیں اُن کی شان کو جتاتے ہیں کہ "پھٹے پرانے حال میں رہنے والے اللہ کے پیارے کو معمولی آدمی نہ سمجھو لیکن رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ لَوْ حَلَفَ بِاللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ"

بعضے میلے کچیلے خستہ حال اللہ کے ایسے مقبول ہوتے ہیں کہ اگر وہ کسی بات کیلئے قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ویسا ہی کرتا ہے جیسا کہ وہ کہہ بیٹھتے ہیں۔ پس اب ہمیں سوچنا چاہیئے کہ وہ کون سا طریقہ ہے جس پر چل کر ہم بھی اللہ کے ایسے پیارے اور مقبول بن جائیں۔ جیسے ہم سے پہلے اللہ کے بہت سے بندے تھے اور اب بھی ایسے اللہ والے دنیا میں موجود ہیں۔ ہمیں اس اللہ تعالیٰ کے کلام ہی میں دیکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے ان مقبول بندوں کی پہچان کیا بتاتا ہے۔ جن سے وہ راضی ہوا اور بندے اس سے راضی ہوئے۔

اللہ والوں کی پہچان

پارہ ۳۰ کی سورۃ بینہ میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ ؀ جَزَآؤُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ ؕ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ ؕ

جو لوگ ایمان لاتے اور نیک کام کرتے ہیں ان کیلئے عمدہ عمدہ باغ ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے (یہ وہ لوگ ہیں) کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے یہ مقامات انہیں کو ملیں گے اور اللہ انہیں سے راضی ہوگا اور انہیں کو راضی کرے گا (جو اپنے رب سے ڈرے)

خدا کی رضا مندی اور پیار حاصل کرنے کیلئے اس جگہ تین شرطیں بتائی جا رہی ہیں۔ بیان کے اوّل حصہ میں جو آیت ہم نے پڑھی اس میں بتایا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے سے اللہ کے پیارے بن جاتے ہیں۔ یہاں اس پیروی کی تفصیل بتائی جاتی ہے اور تین باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔ غور کرو ارسول اللہ ﷺ کی پیروی انہی تین باتوں کا نام ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ایمان لائیں، دوسری بات یہ کہ اچھے کام کریں، لیکن یہ دونوں باتیں بھی اگر خدا کیلئے نہیں بلکہ کسی اور مقصد سے کی گئیں تو بے کار ہیں۔ حدیث میں آیا ہے "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَ اِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیٍٔ مَّا نَوٰی" تمام کاموں کا دارومدار نیت اور ارادہ پر ہے اور ہر ایک شخص کو نیت ہی کا پھل ملتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص دنیا کے دکھانے کیلئے کہتا ہے کہ وہ مومن ہے، دنیا میں نمازی کہلانے کیلئے نماز پڑھتا ہے، روزہ دار، سخی اور حاجی کہلوانے کیلئے روزہ رکھتا ہے، خیرات کرتا ہے، حج ادا کرتا ہے تو یہ سب اللہ کے نزدیک بیکار۔

قیامت کے دن اللہ کے دربار میں کچھ لوگ حاضر کئے جائیں گے جن کو اپنے نیک کاموں پر ناز ہوگا۔ وہ سمجھیں گے کہ ہم نے نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں، خیرات کی ہے، حج کیا ہے وغیرہ وغیرہ، اللہ پاک فرمائے گا کہ سنو تم نے نماز اس لئے پڑھی تھی کہ لوگ تمہیں نمازی کہیں۔ لوگوں نے تم کو دنیا میں نمازی کہا، تمہاری نمازوں کا بدلہ مل گیا۔ تم نے روزہ رکھا، اس لئے کہ لوگ تمہیں روزہ دار اور نیک آدمی سمجھیں۔ دنیا نے تمہیں ایسا ہی سمجھا، پس اس کا بدلہ مل گیا۔ حاجی کہلوانے کیلئے حج کیا لوگوں نے تمہیں حاجی کہا، بدلہ مل گیا، دنیا کو دکھانے اور سخی کہلائے جانے کیلئے خیرات کی۔ لوگوں نے تم کو ایسا سمجھا تمہاری شہرت ہوئی بڑے دیندار حاجی نمازی سخی مشہور ہو گئے۔ اب مجھ سے کیا بدلہ مانگتے ہو۔

خاص میرے لئے یہ نیک کام کرتے تو مجھ سے بدلہ لیتے۔ یہ سن کر وہ سب لوگ شرمندہ

ہوں گے اور ہاتھ ملیں گے کہ ہائے ریا اور دکھاوے کی نیت نے ہماری تمام محنت کو ضائع اور برباد کر دیا لہٰذا اب سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ تمام اچھی باتوں کی جان نیت کا درست ہونا ہے جو کام کرو محض اللہ کے لئے ہو اس میں کسی دوسرے کو دکھانے اور نام پانے کا خیال اور وہم تک نہ آنے پائے۔ دکھاوا اور ریا نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے لوہے کے میل کو آگ کھا جاتی ہے۔ پھر یہ کہ نہ صرف لوگوں کے دکھانے کا خیال بلکہ خود اپنے نفس کو خوش کرنے کا خیال بھی نہ ہو۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ — وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

ہے تو ہی تو اگر تجھے پہچان جائیں ہم — پھریاں سے کیوں بہ حسرت و ارمان جائیں ہم
وہ علم دے ہمیں کہ تجھے جان جائیں ہم — بندے ہیں تیرے اور کو کیوں مان جائیں ہم
ہر شان میں ہے جلوہ نما تو ہی اے خدا — آنکھیں عطا ہوں کاش کہ پہچان جائیں ہم
یا رب ہمارے ساقی کوثر ہوں میزبان — جب حشر میں بصورت مہمان جائیں ہم
شان جناب احمد مرسل حبیب حق — گر حق نما نظر ہو عطا، جان جائیں ہم
برقع اٹھایئے رُخِ روشن سے یا نبی ﷺ — اللہ کے حبیب ہو قربان جائیں ہم
لَا تَقْنَطُوْا ہے سامعہ افروز جان حکیم — واعظ کے قیل و قال کو کیوں مان جائیں ہم
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ — وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

ایک دفعہ مسلمانوں اور آگ کے پوجنے والے کافروں کے درمیان لڑائی ہو رہی تھی۔ کافروں میں سے ایک بہادر نے آگے بڑھ کر للکارا کہ مسلمانوں میں ہے۔ کوئی بہادر جو میرے مقابلہ میں آئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سینہ سپر ہو کر آگے بڑھے اس پر حملہ کیا اور پہلے ہی حملہ میں اُسے زمین پر گرا کر اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھے اور خنجر نکال کر اس سے کہا کہ کلمہ پڑھو اور مسلمان ہو جاؤ یا اس کا وعدہ کرو کہ ہم سے نہ لڑے گا۔ امن چین سے رہے گا اور اگر یہ دونوں باتیں منظور نہیں تو یہ خنجر ہے اور تیرا سینہ ابھی ذبح کئے دیتا ہوں، اتنا سنتے ہی

؎ او خدو انداخت بر روئے علی
افتخار ہر نبی و ہر ولی!

اس نے بجائے اس کے کہ کوئی جواب دیتا، بے تحاشہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھوک دیا۔ جونہی اس نے تھوکا آپ نے فوراً خنجر کو الگ پھینکا اور اسے چھوڑ کر دور کھڑے ہو گئے۔ وہ شخص حیران ہوا کہ تھوکنے کے سبب تو انہیں جلدی سے مجھے قتل کرنا چاہیے تھا۔ اس لئے کہ میں نے ان کی توہین کی، یہ کیا الٹی بات ہوئی کہ مجھے چھوڑ کر الگ ہو گئے، وہ بھی لڑائی بھول گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ "آپ نے مجھے کیوں چھوڑا اور علیحدہ ہو کر کیوں کھڑے ہو گئے"۔ آپ نے فرمایا:

چوں خدو انداختی بر روئے من — نفس جنبید و تبہ شد خوئے من

نیم بہر حق شدہ نیمے ہوا — شرکت اندر کار حق نبود روا

"ہم تجھ سے محض اس لئے لڑ رہے تھے کہ تو خدا کا دشمن اور اس کے دین کے پھیلانے میں آڑے آتا ہے، اسی لئے ہم نے تجھ کو گرایا چھاتی پر چڑھے، کہ تو ایمان لائے خدا کی دشمنی سے باز آئے یا کم از کم ہم سے نہ الجھے۔ چپ چاپ بیٹھے اور ہمیں خدا کے دین کو دنیا میں پھیلانے دے، ہمارا لڑنا محض خدا کے لئے تھا نہ کہ بہادر کہلوانے یا بادشاہ بننے اور حکومت وسلطنت پر قبضہ کرنے کے لئے۔ ہم نے اسی نیت سے خنجر اٹھایا تھا مگر جب تو نے ہمارے منہ پر تھوکا، تو ہمارے نفس کو بہت برا معلوم ہوا اور اس نے خواہش ظاہر کی کہ چونکہ تو نے ہماری توہین کی، ہمیں ذلیل سمجھا اس لئے تجھے جلد قتل کر کے تکے بوٹی کر ڈالیں۔ جونہی نفس میں یہ خواہش پیدا ہوئی اب اگر تجھے مارتے تو اس مارنے میں ہمارا نفس بھی آدھے کا شریک ہو جاتا اور ہم خدا کے کام میں اپنے نفس کو شریک نہیں کیا کرتے، خدا اگر ہم سے یوں فرمائے کہ تم نے اس کافر کو تھوکنے کے سبب بھی تو مارا تھا۔ خالص میرا دشمن ہونے کے سبب ہی تو نہ مارا تھا تو ہم کیا جواب دیں گے۔ اس لئے ہم نے تجھے چھوڑ دیا کہ ہمارے اخلاص وللہیت میں فرق نہ آ جائے"۔ اس گفتگو نے اس شخص کے دل پر عجیب اثر کیا اور وہ کہنے لگا کہ "اے علی ہمیں خبر نہ تھی کہ مسلمان خدا سے اس قدر ڈرتے اور جو کام کرتے ہیں فقط خدا کیلئے کرتے ہیں۔ ہم تو یہی سمجھتے تھے کہ جیسے اور بادشاہ دنیا کیلئے لڑا کرتے ہیں۔ تم بھی اسی واسطے لڑتے ہو۔ اب معلوم ہوا ایسا پیارا دین تو مجھے بھی سکھا دو جو انسان کو خدا کا ایسا سچا عاشق اور پیارا بندہ بنا دے۔ آپ نے فرمایا پڑھ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا

اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ) اس نے فوراً کلمہ پڑھا مسلمان ہوا اور اسے دیکھ کر اس کی فوج کے پچاسیوں آدمی فوراً مسلمان ہو گئے۔

یہ ہے نمونہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا اور یہ اثر ہے ان تعلیمات پر عمل کرنے والوں کے مخلصانہ اعمال کا۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ — وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

عجب کرم شہ والا تبار کرتے ہیں — کہ نا اُمیدوں کو اُمیدوار کرتے ہیں

جما کے دل میں صفیں حسرت و تمنا کی — نگاہِ لطف کا ہم انتظار کرتے ہیں

ہمارے دل کی لگی بھی وہی بجھا دیں گے — جو دم میں آگ کو باغ و بہار کرتے ہیں

اشارہ کر دو تو بادِ خلاف کے جھونکے — ابھی ہمارے سفینے کو پار کرتے ہیں

تمہارے در کے گداؤں کی شان عالی ہے — وہ جس کو چاہتے ہیں تاجدار کرتے ہیں

تمام خلق کو منظور ہے رضا جن کی! — رضا حضور کی وہ اختیار کرتے ہیں

کبھی وہ تاجوران زمانہ کر نہ سکیں — جو کرم آپ کے خدمت گزار کرتے ہیں

حسنؔ کی جان ہو اس وسعت کرم پہ نثار — کہ اک جہان کو اُمیدوار کرتے ہیں

ایمان کا بیان

آپ نے دیکھا عمل میں اخلاص اور للہیت اسے کہتے ہیں کہ دنیا کے اور آدمی تو کیسے خود اپنے نفس کو بھی خدا کے کام میں شریک نہ کیا جائے۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ سب سے پہلے خدا کا ڈر اپنے دل میں بٹھائیں، جو کام بھی کریں، وہ اللہ کیلئے کریں کہ وہ اللہ ہر حال میں ہمیں دیکھنے والا بلکہ ہمارے دل کے ارادوں کو بھی جاننے والا، یہ سمجھیں اور یقین کریں کہ ہم اس نظر سے ایک آن کیلئے بھی چھپ نہیں سکتے، وہ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے، اندھیری کوٹھری میں جنگل بیابان میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں وہ ہمیں نہ دیکھ رہا ہو، بلکہ ہمارے دل کے ارادوں اور نیتوں کو بھی جان رہا ہے۔ اُسی اللہ نے ہمیں بتایا کہ خود

رسول اللہ ﷺ اُس خدا پر ایمان رکھنے اور ایمان کی حقیقت کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ "ایمان خوف اور اُمید کے درمیان ایک درجہ کا نام ہے"۔ یعنی خدا سے ڈر کر اس قدر مایوس بھی نہ ہو جائے کہ بس ہماری زندگی کا ایک حصہ برائیوں میں گزرا، اب ہماری نجات کی کوئی صورت نہیں، بلکہ خدا کے ڈر کے ساتھ یہ امید بھی رکھے کہ وہ یقیناً قہار ہے، عذاب دینے والا ہے اور اس کا عذاب اس قدر سخت ہے کہ جہنم بھی اس کے غضب سے تھراتا ہے۔ لیکن وہ رحمٰن بھی ہے رحیم بھی ہے، غفار بھی ہے، ستار بھی ہے ہم پر مہربانی کی نظر کرتا ہے ہم سچے دل سے توبہ کرتے ہیں، اس کے سامنے روتے ہیں، وہ ہمارے گناہوں کو بخشتا ہے، ہمارے عیبوں کو چھپاتا ہے ماں اپنی اولاد پر کیا مہربان ہوگی اس سے ستر درجہ زیادہ محبت اللہ کو ہمارے ساتھ ہے۔ پس ایمان اسی کا نام ہے کہ خدا سے ڈر کر بری باتوں سے بچیں اور اللہ کی رحمت پر بھروسہ کرتے ہوئے اس سے معافی کی اُمید رکھیں۔ اُس کی اس مہربانی کو مانیں، کہ اُس نے ہمیں اندھیرے میں بھٹکنے نہ دیا بلکہ ہمیں اچھی باتیں بتانے اور ٹھیک رستہ سکھانے کیلئے نبیوں اور رسولوں کو بھیجا۔ جن میں سے بعض کے نام ہمیں قرآن میں بتا دے اور باقی کے متعلق یہ عام بات سنا دی کہ "اللہ نے ہر قوم کی ہدایت کیلئے کسی نہ کسی پیغمبر کو بھیجا"۔ اللہ کو ماننے کے معنی یہی ہیں کہ جن کو اس نے نبی بنا کر بھیجا، انہیں اس کا نبی اور رسول مانیں۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہندو، پارسی، عیسائی، یہودی اگرچہ زبانوں سے یوں کہتے ہیں کہ وہ خدا کو مانتے ہیں۔ لیکن وہ بے ایمان ہیں۔ اس لئے کہ اللہ نے جن کو اپنا پیارا رسول اور نبیوں اور رسولوں کا سردار اور آخری نبی بنا کر بھیجا۔ یعنی حضرت محمد ﷺ وہ انہیں نہیں مانتے اگر خدا کو مانتے تو اس کے ان پیارے پیغمبر کو بھی ضرور مانتے اللہ کے ماننے کی یہ صورت ہے کہ جو حکم اس نے بھیجے، جو کتابیں اس نے ہماری ہدایت کیلئے اپنے نبیوں پر اتاریں اُن سب کو سچی کتاب مانیں جن میں سب سے آخری اور پوری کتاب قرآن مجید ہے۔

دوسری قوموں نے اپنے نبیوں کی لائی ہوئی کتابوں کو کھو دیا یا اُن میں گھٹا بڑھا دیا لیکن قرآن جیسا اُترا ویسا ہی اب تک موجود ہے۔ اسمیں نہ کوئی کمی ہوئی نہ کوئی زیادتی۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه — وَسَلَّمْ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

نورِ دل روشنی جان ہے قرآن شریف — ہادی انس و بنی جان ہے قرآن شریف
کہتا ہے دل، میرا ایمان ہے قرآن شریف — جان کہتی ہے مری جان ہے قرآن شریف
دین و ایمان کی پہچان ہے قرآن شریف — کرتا کافر کو مسلمان ہے قرآن شریف
ملتی ہر حرف کے پڑھنے میں ہیں دس دس رحمت — واہ کیا رحمت رحمٰن ہے قرآن شریف
دس گنہگاروں کو لے کا وہ جہنم سے بچا — حفظ رکھتا جو مسلمان ہے قرآن شریف
مانو قرآن کے فرمان مسلمانو تم! — دیکھو اللہ کا فرمان ہے قرآن شریف
بے وضو ہاتھ لگاتے نہیں اس کو مومن — کیا ہی ذی عزت و ذیشان ہے قرآن شریف
تاج اس شخص کے ماں باپ کے سر پر ہوگا — پڑھتا جو عاشق قرآن ہے قرآن شریف

جس کا جی چاہے رہے سیر چمن میں بیدلؔ
اپنا منظر تو یہ بستان ہے قرآن شریف

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه — وَسَلَّمْ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

بندہ کو چاہیئے کہ اللہ کو مانے اور اس طرح مانے کہ وہ اللہ جس نے ہمیں پیدا کیا ساری دنیا کو بنایا۔ ایک دن تمام جہان کو مٹا دے گا پھر مکرر عالم بنائے گا۔ سب انسانوں کو قبروں سے اُٹھائے گا اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا ہے قیامت کے دن ان کا حساب لے گا۔ حساب کے بعد جس کو چاہے گا جنت میں داخل کرے گا (جو انعام کی جگہ ہے) جنہوں نے دنیا میں اس کا کہنا نہیں مانا اُن کو جہنم میں ڈالے گا (کہ وہ سزا کا مقام ہے) اگرچہ ساری طاقتیں خدا ہی طرف سے ہیں لیکن اللہ نے انسان کو ہر قسم کی طاقت دے کر برائی بھلائی سمجھا کر انسان کو اس کے کاموں کا ذمہ دار بنایا۔ اسی لئے نیک کاموں کا اچھا بدلہ دے گا اور بری باتوں پر سزا۔

اعمالِ صالحہ

اس ایمان کے ساتھ خدا سے ڈرتے ہوئے، دیکھنا چاہیئے کہ نیک عمل اور اچھی باتیں جن کے بدلہ میں جنت ملتی اور اللہ کا پیار ہوتا ہے، وہ کیا ہیں؟ یوں تو اگر ایک ایک چیز کو گنایا جائے تو دفتر درکار، اللہ تعالیٰ نے یہ بتا کر کہ میرے محبوب رسول کی پیروی کرو۔ سارے نیک عملوں کی ایک تصویر ہمارے سامنے کھینچ دی اور وہ بھلی باتوں کی مجسم تصویر ہمارے آقا ہمارے مولیٰ حضرت محمد ﷺ ہیں۔ جو تمام گناہوں سے معصوم اور ہر عیب سے بالکل پاک اُن کی صورت ایسی موہنی صورت کہ حسن و خوبی کا اس سے اچھا نقشہ نہ کھچا ہے نہ کھچے گا، نہ کھنچ سکتا ہے۔ ان کی سیرت ان کی عادت ایسی پیاری عادت کہ ان سے بہتر نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا، نہ ہو سکتا ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

وہ کمالِ حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
وہی لا مکاں کے مکیں ہوئے، سرِ عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جن کا مکان ہے وہ، وہ خدا ہی جس کا مکان نہیں
بخدا خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مفر مقر!
جو وہاں سے ہو، یہیں آ کے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں
سرِ عرش پر ہے تری گزر، دلِ فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے، نہیں وہ، جو تجھ پہ عیاں نہیں
کروں تیرے نام پہ جان فدا، نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا، کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں
کرے مدح اہلِ دول رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا، مرا دین پارۂ ناں نہیں

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ مجھ کو میرے رب نے ادب سکھایا اور کیسا اچھا ادب سکھایا، ہم اپنے بچوں کو سدھاتے ہیں اور جیسی عادتیں سکھاتے ہیں وہ ویسے ہی بن جاتے ہیں۔ اپنے پیارے رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود سکھایا اور انہیں ایسی اچھی عادتوں والا بنایا کہ خود قرآن مجید میں اُن کی عادتوں کو یہ کہہ کر جتایا اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ یارسول اللہ آپ تو بڑے ہی اخلاق والے ہیں۔

دنیا میں انسان کی عادتوں کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کے ساتھ کس طرح پیش آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اللہ کے بندوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا ہے۔ یہ تو ہم ابھی بتا چکے کہ تفصیل کے ساتھ ایک ایک چیز کا ذکر کرنا دشوار، یہ وہ دریا ہے جس کو کوزہ میں بند کرنا مشکل۔ ہم اس وقت مختصر طور پر ان دونوں پہلوؤں کے متعلق چند ایسی باتیں پیش کرتے ہیں جن پر عمل کر کے ہم اللہ کے پیارے بن سکتے ہیں۔

ابتداء وحی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اپنی پیغمبری کا اعلان فرمانے سے پہلے بھی اللہ کے ساتھ اس قدر دھیان لگاتے تھے کہ اُس بستی کو چھوڑ کر جہاں بتوں کے پجاری دنیا کی ہر قسم کی گندگی میں مبتلا رہتے ہیں۔ دو دو تین تین دن کا ناشتہ اپنے ساتھ لے کر، ایک پہاڑ کے غار میں تنہا جا بیٹھتے وہاں ٹھہر کر اپنے اللہ سے دھیان لگاتے اور اس سے دعائیں کرتے۔ اسی حال میں ایک دن وہیں بیٹھے تھے کہ خدا کی طرف سے اس کے سب سے بڑے فرشتہ جبریل علیہ السلام آسمان سے آئے اور حضور سے کہا کہ پڑھیئے" آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں (چونکہ آپ نے نہ کبھی کسی دنیوی استاد سے پڑھا نہ کسی سے لکھنا سیکھا) جبریل علیہ السلام نے پھر کہا کہ "پڑھیئے"۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ جبریل علیہ السلام نے یہ سن کر آپ کو گلے لگایا، خوب زور سے دبایا اور پھر چھوڑ کر خدا کے

کلام کی یہ آیتیں آپ کو سنائیں۔ "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ" "اس رب کے نام سے پڑھئے جس نے پیدا کیا۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ انسان کو خون سے بنایا۔ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ۔ پڑھیئے آپ کا رب تو ایسا کرم کرنے والا ہے کہ اُس نے قلم کے ذریعہ انسان کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو وہ نہ جانتا تھا۔ ان آیتوں کو سن کر آپ نے بھی اُسی طرح ان کو پڑھا، اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو نماز پڑھنے کا طریقہ سکھایا، آپ نے اسی طرح نماز پڑھی، گھر تشریف لائے اور اپنی بی بی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ سارا حال سنایا۔ وہ آپ کو اپنے ایک رشتہ دار ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جو خدا کی اگلی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ انہوں نے یہ حال سنتے ہی کہا کہ یہ آنے والے جبرئیل علیہ السلام وہی ہیں جو اور نبیوں، رسولوں کے پاس بھی آتے تھے اور اسی طرح خدا کا کلام لاتے تھے۔ عنقریب آپ کو خدا کی طرف سے حکم ملے گا کہ آپ خدا کا یہ کلام اُس کے بندوں کو سنائیں اور خدا کی عبادت کا یہ طریقہ جو اللہ نے آپ کو بتایا ہے، دوسروں کو بھی سکھائیں۔ اُس وقت مکہ کے لوگ آپ کو بہت ستائیں گے۔ اس لئے کہ آپ اُن کو بتوں کی پوجا سے منع فرما کر ان کے سر کو خدا کے سامنے جھکائیں گے۔ میں تو بہت بوڑھا ہو گیا ہوں کاش اس وقت تک زندہ رہتا تو آپ کی مدد کرتا۔ آپ کی بی بی حضرت خدیجہ اسی وقت مسلمان ہو گئیں اور آپ سے نماز کا طریقہ سیکھ کر خدا کی عبادت میں وہ بھی مشغول ہو گئیں۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ   وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

بشارت ہو نبی آئے ہمارے رہنما بن کر!   حبیب کبریا ہو کر شفیع دوسرا بن کر
کہے یہ کس طرح کوئی نبی آئے خدا بن کر   مگر ہاں! آئے اس کی ذات ہی کا آئینہ بن کر
اگر چشم بصیرت ہے رسول اللہ کو دیکھو   ہوا ہے جلوہ گر نور خدا نور الہدیٰ بن کر
کہاں ہیں تشنگان دید حق اُن کی تسلی کو   یہ آیا عکس نور حق جمال مصطفےٰ بن کر
محمد مصطفےٰ نور ظہور کنز مخفی ہیں   ہدایت کیلئے آئے نبی الانبیاء بن کر
گنہگارو چلو خوش ہو بڑی تقدیر ہے اپنی   کہ وہ آئے شفیع المذنبین صاحب لوا بن کر

زبان کھلتی نہیں مختار کی شرم معاصی سے   دلِ مجبور خود حاضر ہے عرض مدعا بن کر
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ   وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

نماز کا بیان

آپ کو اس نماز میں ایسا لطف آتا تھا کہ ساری ساری رات خدا کی عبادت میں گزارتے۔ اس کے بہت دنوں بعد پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوئیں اور ہمیں تمہیں پانچ وقت کی نماز کیلئے تاکیدی حکم دیا گیا، مگر حضور ﷺ کی یہ حالت تھی کہ رات بھر کھڑے ہوئے نماز پڑھتے۔ یہاں تک کہ آپ کے پیر بھی سوج جاتے، آج ہمیں فرض نماز پڑھنا دشوار معلوم ہوتا ہے جس کیلئے اس قدر تاکید کی گئی کہ حدیث میں آیا "جس نے جان بوجھ کر نماز کو چھوڑا اس نے دین ہی چھوڑ دیا۔ اُسے خدا سے کیا واسطہ رہا" ہمیں پھر بھی اس کا خیال نہیں آتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی عبادت کا یہ سب سے اچھا نمونہ ہمیں دکھایا کہ خدا کی پوجا اس طرح کرو اور خدا سے اپنا رشتہ اس طرح جوڑو۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ   وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

جلوہ ہے خاص رحمت حق کا نماز میں!
انوار قدس کا ہے نظارہ نماز میں
جب ہاتھ اُٹھائے باندھ کے نیت تو یوں سمجھ!
دونوں جہاں سے ہاتھ اُٹھایا نماز میں
مولیٰ سے اپنے ملتا ہے بندہ نماز میں
اُٹھ جاتا ہے جدائی کا پردہ نماز میں
آ پہنچا خاص اپنے شہنشاہ کے حضور!
جب بندہ ہاتھ باندھ کے آیا نماز میں
مت کر قضا نماز کھڑی سر پہ ہے قضا

سُن مالک قضا کا تقاضا نماز میں

گر قبر کی اندھیری سے ڈرتا ہے پڑھ نماز

ہے ظلمت لحد کا اُجالا نماز میں

بیشک نماز کیوں نہ ہو معراج مومنین

پاتا عروج و قرب ہے بندہ نماز میں

صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه وَسَلَّمْ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

حقیقت نماز

انسان کے وجود میں دو چیزیں ہیں، ایک جسم دوسری روح، جس طرح جسم کو غذاؤں کی ضرورت اسی طرح روح کو بھی غذا کی حاجت، جسم کی غذا مختلف قسم کا کھانا جس کا مزا سب سے پہلے زبان کو ملتا ہے، اسی طرح روح کی غذا خدا کی عبادت اور خدا کا ذکر۔ اس کی لذت سب سے پہلے دل پاتا ہے اسی لئے قرآن پاک میں فرمایا جاتا ہے کہ "اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب" بے شک خدا کے ذکر سے دل اطمینان پاتے ہیں۔ نماز ہی سے دل آرام پائے۔ روح کو چین ملے۔ پانچ وقت کی نماز اسی لئے فرض کی گئی کہ دن رات میں کم از کم پانچ بار لازمی طور پر یہ غذا روح کو پہنچائی جائے۔ اگر نہ پہنچائی جائے گی تو روح میں بھی اسی طرح کمزوری پیدا ہوگی جیسی جسم کو کھانا نہ پہنچنے کے سبب ہوتی ہے۔ آپ کو تجربہ ہے کہ دن رات میں جو اوقات ہم نے کھانے کیلئے مقرر کئے ہیں ان میں سے ایک وقت بھی اگر کھانا نہ ملے تو ہمارا کیا حال ہو جاتا ہے اور اگر اسی طرح لگاتار چند وقت بے کھائے گزر جاتے ہیں تو کیا نوبت پہنچتی ہے کہ چلنا، پھرنا، ہلنا جلنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بار بار نماز کے چھوڑنے اور خدا کے ذکر کی غذا روح کو نہ پہنچانے کے سبب روحانی فاقہ سے روح بھی اس قدر کمزور ہو جاتی ہے کہ کسی نیک کام کی قوت نہیں معلوم ہوتی۔۔ وعظ میں دل نہیں لگتا، وظیفہ پڑھنے بیٹھتے ہیں تو دل گھبراتا ہے۔ ہاں گانے باجے، کھیل کود اور فضول کاموں میں دلچسپی ہوتی ہے۔ نہ نیند ہے نہ کسل،

اس کی وجہ اصل میں یہی ہے کہ ہم نے نمازیں چھوڑ کر خدا کے ذکر سے غافل رہ کر اپنی روح کو کمزور بنا دیا ہے جیسے کمزور بدن بھاری کام سے گھبراتا ہے۔ کمزوری کے سبب اب یہ کام روح پر بھی بار معلوم ہوتے ہیں۔

صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه وَسَلَّمْ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

اے فخر رُسل شہ ہر دوسرا، کرو قید الم سے جلد رہا

مجھے رنج و فکر نے گھیر لیا میرے درد دل کی تمہیں ہو، دوا

رہے ذوق عبادت دل میں مرے، اسی شوق میں ہو انجام مرا

کوئی عارج راہ خیر نہ ہو، کروں گوشہ میں بیٹھ کے یاد خدا

نہ میں طالب دولت دنیا ہوں، نہ امارت و عیش کی خواہش ہے

تری الفت میں دیوانہ رہوں، مجھے طالب صادق اپنا بنا

ترے عشق میں اے محبوب خدا، مری عمر عزیز گزر جائے!

نہ کسی کی محبت دل میں رہے، نہ کسی سے تعلق ہووے مرا

کوئی مونس حال زار نہیں، مری جان حزیں ہے اور غم ہے

کروں کس سے میں شکوہ جور فلک، مری کون سنے گا تیرے سوا

میں بشر ہوں بھلا کیوں کر جھیلوں، یہ ستم یہ جفا یہ رنج و الم

مجھے چین سے رہنا مشکل ہے، مرا ضبط پہ بھی قابو نہ رہا

کرو مجھ پہ نگاہ کرم جو شہا، ابھی بگڑی ہوئی بن جائے مری

ہوا اشرفیؔ مسکیں کیلئے دوران آمادہ جو روجفا

صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه وَسَلَّمْ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

روزہ کی حقیقت

قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ نفس تو برائی ہی کی طرف بلاتا ہے۔ ہمارا نفس ہم کو دنیا کی باتوں اور مزیدار چیزوں کی طرف کھینچتا ہے۔ شیطان الگ راہ زنی کرتا ہے کہ یہ دونوں بڑے دشمن ہیں اور ان دشمنوں کا مقابلہ سب سے مقدم ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ روح تو عبادت نہ کرنے کے سبب کمزور ہوگئی اور نفس اور شیطان اپنی دلچسپیوں کی چیزیں پا کر تر و تازہ اور تیز ہوتے گئے۔ اب خدا کی طرف دھیان جمے تو کیوں جمے۔

اسی لئے خدا نے بارہ مہینہ میں سے ایک مہینہ کے روزہ مقرر کئے کہ رمضان میں صبح سے شام تک اس نفس کو جو ناجائز باتوں کی طرف لے جاتا ہے۔ حلال چیزوں کے کھانے پینے وغیرہ سے بھی روکو اور اس کو جتا دو کہ ہم خدا پر ایمان لائے ہیں۔ اس کے کہنے سے نفس کو حلال چیز بھی نہ دیں گے اگر واقعی اس نیت اور پکے ارادہ سے ایسا روزہ رکھا جائے کہ اس میں غیبت کرنا گالی بکنا، کوسنے دینا، جھوٹ بولنا، گندی باتیں کرنا، کیسا فضول اور بے ہودہ قصہ کہاں کے، کھانے پینے اور غیر ضروری باتوں سے بھی روکا گیا۔ مہینہ بھر کی یہ ریاضت اور ورزش اگر باقاعدہ کی جائے تو امید ہے کہ باقی گیارہ مہینہ تک نفس خبیث سر نہ اُٹھائے اور بندہ برے کاموں سے بچ کر خدا کی طاعت میں لگا رہے۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

روزہ کیا چیز ہے بتائیں تمہیں   حرص کی قید نفس کی تہدید
تیس دن بھوک پیاس کو روکو   یہ ریاضت ہے آدمی کو مفید
سب کو بھولو کرو خدا کو یاد   سب کو چھوڑو بجز خدائے وحید
دو جہاں میں اسی کا جلوہ ہے   ہے وہی مثل آفتاب پدید
دل کی آنکھوں سے دیکھئے لیکن   کہ خدارا بچشم نتواں دید
وحدہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُو   کچھ نہیں ہے سوائے رب مجید

تا بمقدور کیجئے تہلیل   تا با مکان چاہیئے تجمید
معتکف خانۂ خدا میں بنو   کچھ تو سیکھو طریقۂ تجرید

رمضان کا مہینہ یوں گزرا
ختم روزے ہوئے تو آئی عید

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

زکوٰۃ مال: مال کی محبت بھی ایک ایسی چیز ہے، جو انسان کو خدا کی یاد سے غافل کرتی ہے، مگر اس کی ضرورت ظاہر، اسی لئے ایک طرف ہمارے دین میں مال جمع کرنے کی اجازت دی گئی۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہ (کمانے والا خدا کا پیارا ہوتا ہے) فرما کر دولت کمانے کا حکم سنایا مگر دوسری طرف مال کی محبت میں گرفتاری سے بچنے کیلئے زکوٰۃ کی فرضیت کا اعلان فرمایا اور بتایا کہ ''جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا دونوں چیزیں مل کر کسی ایک کی قیمت کے برابر ہو جائیں اور ایک برس تک اُس کی ملک میں رہیں، تو ایک برس پورا ہونے پر، اس میں سے چالیسواں حصہ یعنی ایک روپیہ پانچ آنے کے قریب گویا سو میں سے ڈھائی روپیہ ہزار میں سے پچیس روپیہ، اس ایک سال کی زکوٰۃ مستحق مسلمانوں کو دے کر اپنے مال کو پاک کرے اور دل سے مال کی محبت کم کرتے ہوئے نفس کو یہ سبق دے کہ میں خدا کا بندہ میری جان، میرا مال سب اسی کا، جان بھی اس کی راہ میں حاضر، اور مال بھی اس کے نام پر قربان

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

اہل حاجت کو دیتے ہیں جو زکوٰۃ   اُن سے راضی ہے قاضی الحاجات
کیا مولیٰ نے فرض بندوں پہ   حصہ چالیسواں کریں خیرات
ایک دیں سات سو کا پائیں ثواب   ایک سے سات سو ملیں درجات
ہائے منہ موڑ و ایسے محسن سے   اے بخیلان تارکان زکات
موت آئے جب ان بخیلوں کو   ہاتھ مل مل کے یہ کہیں ہیہات

ہائے کیوں ہم نے خرچ کر نہ لیا | اب چلے چھوڑ کر یہ سب ترکات
دل پہ اُس دم ہو حسرتوں کی مار | جان پر ہووے موت کی سکرات
ہو وہ حالت کہ بس خدا نہ دکھائے | وہ قلق وہ تڑپ وہ تکلیفات
لپٹے محشر میں ان کو بن کر سانپ | ان کا مال و متاع و فخر و نات
کہے وہ سانپ میں وہی ہوں مال | جان دیتے تھے جس پہ تم دن رات

کر کے گرم ان کا سب زرو زیور!
داغ دیں جسم پر بعد صدمات

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

حج کی حقیقت

بال، بچے، گھربار، یہ بھی وہ چیزیں ہیں جو دھیان کو ہٹاتی اور خدا سے غافل بناتی ہیں۔ اسلام نے ایک طرف یہ اجازت ہی نہیں بلکہ حکم دیا کہ خدا کی ان نعمتوں سے فائدہ اُٹھاؤ، بال بچے، گھر بار سب سے محبت کرو، مگر محبت، خدا کے لئے ہو اور اس کا ثبوت اس طرح دو، کہ اگر اتنا روپیہ پاس ہے کہ بیوی بچوں کا نفقہ دے کر مکہ معظمہ تک سواری پر سوار ہو کر کھاتے پیتے، آرام سے پہنچ کر واپس ہونے کے لئے کافی ہو تو، خدا کے گھر کی طرف اس شان سے بڑھو کہ احرام بندھا ہو، نہ بناؤ سنگار کا دھیان ہو، نہ غیر ضروری آرام و راحت کی فکر، مکہ پہنچو، کعبہ کے پاس جاؤ اور اس کے چاروں طرف اس طرح سات بار گھومو جیسے پروانہ چراغ کے چاروں طرف گھومتا ہے اور اپنی جان کی پروا نہیں کرتا۔ طواف کے بعد صفا و مروا کے درمیان دوڑ کر یہ ظاہر کرو کہ جس طرح کسی زمانہ میں یہاں حضرت ہاجرہ اپنے دودھ پیتے بچے اسماعیل علیہ السلام کو اس جنگل میں چھوڑ کر پانی کی تلاش میں چکر لگا رہی تھیں۔ ہم اپنے محبوب، مالک اللہ جل جلالہ سے ملنے کی تمنا میں انہی گھاٹیوں کے چکر لگا رہے ہیں۔ پھر عرفات کے میدان میں پہنچو اور لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ

وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ کہو یعنی عرض کرو اے خدا میں تیرے دربار میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، تمام تعریفیں تیرے لئے سب نعمتیں تیری طرف سے سارا ملک تیرا ہی ہے، تیرا کوئی ساجھی نہیں۔

اسی کا نام ہے حج اور یہ ہیں اسلام کے پانچ ستون۔ (۱) کلمہ شہادت کا اقرار و اعلان (۲) پانچ وقت نماز پڑھنا (۳) رمضان کے روزے رکھنا (۴) مال دار ہو تو زکوٰۃ دینا (۵) استطاعت ہو تو حج کرنا۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

حج ادا کرنے کیلئے جب عاشق جان باز حاضری حرم کعبہ کی سعادت پاتا ہے تو بصد ذوق و شوق یہ ترانہ سناتا ہے۔

حضورِ کعبہ حاضر ہیں، حرم کی خاک سر پہ ہے
بڑی سرکار میں پہنچے، مقدر یاوری پہ ہے
نہ ہم آنے کے قابل تھے نہ منہ قابل دکھانے کے
مگر ان کا کرم ذرہ نواز و بندہ پرور ہے
خبر کیا ہے بھکاری کیسی کیسی نعمتیں پائیں
یہ اونچا گھر ہے اس کی بھیک اندازہ سے باہر ہے
تصدق ہو رہے ہیں لاکھوں بندے گرد پھر پھر کر
طواف خانہ کعبہ عجب دلچسپ منظر ہے
خدا کی شان یہ لب اور بوسہ سنگ اسود کا
ہمارا منہ اور اس قابل، عطائے رب اکبر ہے
جو ہیبت سے رُکے مجرم، تو رحمت نے کہا بڑھ کر
چلے آؤ چلے آؤ یہ گھر رحمٰن کا گھر ہے

مقام حضرت خلت پدرسان مہربان پایا

کلیجہ سے لگانے کو حطیم ، آغوش مادر ہے

لگا تا ہے غلاف پاک کوئی چشم پرنم سے

لپٹ کر ملتزم سے کوئی محو وصل دلبر ہے

وطن اور اُس کا تڑکا ، صدقے اس شام غریبی پر

کہ نور رکن شامی رو کش صبح منور ہے

ہوئے ایمان تازہ بوسہ رکن یمانی سے

فدا ہو جاؤں یمن و ایمنی کا پاک منظر ہے

یہ زمزم اس لئے ہے جس لئے اس کو پئے کوئی

اسی زمزم میں جنت ہے اسی زمزم میں کوثر ہے

شفا کیونکر نہ پائیں ، نیم جاں ، زہر معاصی سے

کہ نظارہ عراقی رکن کا تریاق اکبر ہے

صفائے قلب کے جلوے ، عیاں ہے سعی مسعیٰ سے

یہاں کی بے قراری بھی سکون جان مضطر ہے

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

ایک روز ہمارے رسول مقبول ﷺ کے پاس ، ایک گاؤں کے رہنے والے صاحب تشریف لائے اور عرض کیا کہ "حضرت میں گاؤں کا آدمی ہوں" ۔ مجھے ایک ایسا آسان طریقہ بتا دیجئے کہ میں بھی جنت میں داخل ہو جاؤں ۔ حضور ﷺ نے فرمایا "کلمہ پڑھو" ۔ انہوں نے کلمہ پڑھا فرمایا کہ "پانچ وقت نماز پڑھنا ، رمضان کے روزے رکھنا ، حج کرنا ، زکوٰۃ دینا ، انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ بس" آپ نے فرمایا "بس" وہ کہنے لگے کہ "قسم اس اللہ کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ، نہ میں اس میں زیادتی کروں گا نہ کمی" ۔ یہ کہہ کر وہ تو چل دیئے ۔ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا "اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا میں کسی جنتی کی صورت دیکھو تو اس آدمی کی شکل دیکھ لو" ۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

اُن کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

جب آ گئی ہیں جوش رحمت پہ اُن کی آنکھیں جلتے بجھا دیئے ہیں روتے ہنسا دیئے ہیں

اُن کے نثار کوئی ، کیسے ہی رنج میں ہو جب یاد آ گئے ہیں ، سب غم بھلا دیئے ہیں

اللہ کیا جہنم ، اب بھی نہ سرد ہو گا رو رو کے مصطفٰے نے دریا بہا دیئے ہیں

میرے کریم سے گر ، قطرہ کسی نے مانگا دریا بہا دیئے ہیں دُر بے بہا دیئے ہیں

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم

جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

اتباعِ سُنّت

اللہ جل شانہٗ نے اپنے حبیب کو سارے عالم کیلئے نمونہ بنایا ، پس ہم پر لازم ہے کہ خدا کی عبادت اس طرح کریں جس طرح اس کے حبیب نے کی اور اپنی زندگی اس انداز پر گزاریں جیسے اُن حضرت نے گزاری ، ذرہ برابر بھی اُن کے طریق سنت سے منہ نہ موڑیں ۔ اُن کی شان دیکھو کہ خود ساری ساری رات خدا کی عبادت کرتے اور ہمیں پانچ وقت کی نماز لازمی طور پر ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں ۔ خود اکثر روزہ رکھتے ، ہم پر صرف ایک مہینہ کے روزہ مقرر فرماتے ہیں ، خود جو مال پاتے ، خدا کی راہ میں لٹاتے ، ہم سے صرف چالیسواں حصہ زکوٰۃ کا مطالبہ فرماتے ہیں ۔ خود ہمیشہ راہ خدا میں جہاد کیلئے کمربستہ رہتے ، ہمیں صرف ایک حج ہی کی تاکید فرماتے ہیں ۔ افسوس ہمارے حال پر ہے کہ ہم سے یہ فرائض بھی پورے طور پر ادا نہیں ہوتے ۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ بندہ کا تعلق ایک طرف اپنے خالق و مولیٰ کے ساتھ ہے ، دوسری طرف مخلوق خدا کے ساتھ ، خدائے قدوس نے جہاں ہم کو یہ رستہ بتایا اور اس کے رسول ﷺ نے اس کا نمونہ دکھایا کہ خدا کے ساتھ اپنا رشتہ اس طرح جوڑو اور اس کی عبادت اس انداز پر بجا لاؤ ، وہیں ہم کو

اپنی مخلوق کے ساتھ معاملات کا طریق بھی تعلیم فرمادیا[۱]

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ   وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

حقوقِ والدین

دنیا میں انسان کا سب سے پہلا رشتہ ، ماں باپ سے ہوتا ہے۔ لہذا قرآن شریف میں جہاں اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا، وہیں والدین کے ساتھ احسان وسلوک کی تاکید بھی فرمائی گئی اور اس کو اسی شدت کے ساتھ جتایا گیا۔ جیسے اپنی عبادت کو۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ○ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۞ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىْ صَغِيْرًا ؕ

(پارہ ۱۵ رکوع ۳)

اللہ کی عبادت کرو کسی کو اُس کا ساجھی نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو آپ کے پروردگار نے حکم دے دیا ہے کہ اس اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہ کرو اور ماں باپ کیساتھ اچھا معاملہ کرو، اگر ان میں سے کوئی یا دونوں بوڑھے ہو جائیں تو (خبردار) انہیں اُف بھی نہ کہنا نہ ان کو جھڑکنا ، بلکہ اُن سے بہت ہی ادب کے ساتھ بات کرنا ان کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل سمجھ کر کاندھے جھکا دینا اور ان کیلئے یوں دعا کرنا کہ اے پروردگار تو بھی اُن پر اسی طرح رحم کر، جیسے انہوں نے ہمیں بچپن میں مہربانی کے ساتھ پالا"

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ (پارہ ۲۱ رکوع ۱۱)

ہم نے انسان کو وصیت کی کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

---

[۱]: اگر بیان کو مختصر کرنا ہے تو حقوق العباد کے حصہ کو چھوڑ کر" ظہور قدسی" کے عنوان سے ربط دیں یا ان مختلف ابواب میں سے حسب موقعہ کوئی باب بیان فرمادیں۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ تو ماں باپ کا ادب کرنے اور ان کے ساتھ احسان وسلوک عمل میں لانے کیلئے کس قدر تاکید فرمارہا ہے مگر ہم غور کریں کہ ہمارا کیا حال ہے؟ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے کس کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "ماں کے ساتھ"۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ ماں کا حق باپ پر مقدم ہے۔

دوسری حدیث میں آیا حضور ﷺ نے فرمایا "ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والا جو کوئی بھی ماں باپ کی طرف محبت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مرتبہ دیکھنے کے بدلہ میں اُسے ایک مقبول (نفل) حج کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ اگر دن میں سو بار دیکھے"۔ آپ نے فرمایا کہ "ہاں" یعنی سو حج کا ثواب لکھا جائے گا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "اللہ کی رضامندی ماں باپ کی رضامندی میں ہے اور اللہ کا غضب ماں باپ کی ناراضی ہیں۔

ایک صحابی نے ایک بار حضور ﷺ سے پوچھا کہ "یا رسول اللہ ﷺ والدین کا حق اولاد پر کیا ہے"۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "وہ تیرے لئے جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی اگر ان کو راضی کر لیا تو تجھے جنت مل جائے گی' اور وہ ناراض رہے تو جہنم میں جائے گا"۔ پس اختیار ہے چاہے ماں باپ کی خدمت کی بدولت جنت لے لو، یا انہیں ناراض کر کے جہنم میں جا پڑو۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ   وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

ایک حدیث میں آیا کہ "اللہ پاک جن گناہوں کو چاہے بخش دیتا ہے لیکن ماں باپ کے ناراض کرنے کے گناہ کو نہیں بخشتا"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان تھی کہ ایک دن آپ مقام جعرانہ پر ٹھہرے ہوئے تھے، ایک خاتون آپ کے پاس آنے لگیں، جونہی کہ وہ قریب آئیں حضور ﷺ نے اپنی چادر کاندھوں سے اتار زمین پر اُن کیلئے بچھا دی کہ وہ اُس پر بیٹھ جائیں۔ ایک صحابی نے پوچھا کہ "یہ کون ہیں؟" لوگوں نے بتایا کہ "یہ حضور ﷺ کی دودھ پلانے والی دایہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ہیں"۔ حضور ﷺ نے دودھ پلانے والی ماں کا جب اس قدر ادب کیا تو سوچو کہ حقیقی ماں کا کیا مرتبہ

ہوگا۔ آج تو جوان لڑکیاں اور لڑکے خدا کے غضب سے نہیں ڈرتے، ماں باپ کے ساتھ تو تو میں میں کرتے انہیں ستاتے اور جو منہ میں آتا بکتے بکاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمائے۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ کے ایک صحابی کے مرنے کا وقت قریب آیا۔ نزع کی حالت طاری ہوئی، (ایسے موقع پر یہ چاہئے کہ پاس کے بیٹھنے والے ذرا بلند آواز سے کلمہ پڑھیں تاکہ مرنے والے بھی ان کو پڑھتے ہوئے سن کر خود بخود کلمہ پڑھنے لگے، اس سے پڑھنے کو نہ کہیں ممکن ہیں تکلیف کی حالت میں پڑھنے سے انکار کر دے تو بہت برا ہوگا) چنانچہ سب نے کلمہ پڑھنا شروع کیا۔ حضور ﷺ خود بھی کلمہ پڑھتے جاتے، مگر ان مرنے والے کی زبان کلمہ کیلئے نہیں کھلتی تھی۔ جب دیر گزری تو حضور ﷺ نے ان کی والدہ کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ "کیا تم اپنے ان صاحبزادے سے ناراض ہو"۔ انہوں نے عرض کیا کہ "ہاں" یا رسول اللہ ﷺ انہوں نے مجھے بہت ستایا، میرا دل بہت دکھایا یقیناً میں ان سے ناراض ہوں"۔ آپ نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے اسی جرم کی سزا ہے کہ مرتے وقت اُن سے کلمہ نہیں پڑھا جاتا تم ان کو معاف کر دو ورنہ یہ ایسی حالت میں مر جائیں گے اور زیادہ دکھ پائیں گے"۔ ان خاتون نے معاف کرنے میں عذر کیا۔ آپ نے دو تین بار فرمایا۔ آخر حضور ﷺ کی سفارش پر انہوں نے معاف کیا جونہی ماں کی زبان سے معافی کا لفظ نکلا ان کی زبان پر کلمہ جاری ہوا اور ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔

یہاں سے اندازہ کرو کہ ماں باپ کی ناراضی، کس قدر سخت عذاب میں مبتلا کرنے والی ہے اور ان کی رضامندی عذاب سے چھڑانے والی پھر یہ بھی غور کرو کہ ماں کو اپنی اولاد سے کس قدر محبت ہوتی ہے اور یہ بھی سوچو کہ ماں باپ کو جس قدر محبت ہوتی ہے۔ ہمارے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے کہیں زائد ہم سے محبت ہے اور اللہ تعالیٰ کو تو اس سے بھی زائد محبت۔

ایک حدیث میں آیا کہ "ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا "یا رسول اللہ ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی میرے لئے کوئی ایسا طریقہ باقی ہے، جس کے ذریعہ میں اُن کے ساتھ نیک سلوک کروں۔ حضور ﷺ نے فرمایا" ہاں ان کیلئے رحمت اور مغفرت کی دعا مانگو

، جو وعدے انہوں نے کئے تھے انہیں تم پورا کرو، اُن کے دوستوں کی عزت کرو"۔ یہ بھی فرمایا" ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کے ساتھ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ جن سے انہیں محبت تھی تم بھی اُن کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه وَسَلَّمْ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

بھائی بہن کے حقوق

ماں باپ کے بعد بڑے بھائی بہن بھی ماں باپ ہی کی جگہ ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا کہ بڑے بھائی کا حق، چھوٹے بھائیوں پر وہی ہے، جو باپ کا حق اپنی اولاد پر ہے"۔ ماں باپ بھائی بہن کے ساتھ اچھے سلوک کرنے کی جس طرح تاکید قرآن و حدیث میں بیان کی گئی اسی طرح "ذَوِی الْقُرْبیٰ" "قریبی رشتہ داروں کا ذکر قرآن پاک میں کرتے ہوئے یہ جتایا گیا ہے کہ ماں باپ کے بعد اپنے رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرو اُن میں جو زیادہ قریب وہی زیادہ مستحق۔

ہندوستان کے ہندوؤں کا یہ رواج ہے کہ لڑکیاں اپنے ماں باپ کی جائیداد میں سے کوئی حصہ پانے کی مستحق نہیں لیکن اسلام نے بیٹیوں کا حصہ بھی مقرر کیا۔ صرف اتنا فرق ہے کہ لڑکی چونکہ بیاہی جاتی ہے اور اُس کا خرچ شوہر کے ذمہ ہو جاتا ہے، اس لئے اس کو اس قدر ضرورت نہیں جتنی بیٹے کو، لہذا لڑکے کا حصہ لڑکی سے دوگنا رکھا گیا۔ مسلمان عورتوں نے ہندوؤں کی دیکھا دیکھی یہ شروع کیا کہ بہنیں بھائیوں سے حصہ نہ مانگیں اور ہندوؤں کی یہ رسم کو اختیار کیا کہ دھیانی بن کر نیگ جوگ کے نام سے بھات اور چھوچک کہہ کر بھائیوں سے لیں اس کی صورت یہ ہے کہ اگر بہن اپنا جائیداد کا حصہ بھائیوں کو ہبہ کر دے اُن سے نہ لے، یہ اسے اختیار ہے لیکن اس کے بعد اس کا بدلہ سمجھ کر، حقوق مقرر کرکے، مانگنا ایک نہایت مکروہ بات کہ اس طرح اپنے ہبہ کرنے کے احسان کا بدلہ مانگتی ہے، اس سے بہتر تو یہ تھا کہ وہ اپنے حصہ کی جائیداد انہیں نہ دیتی کہ اس طرح وہ نیکی کر کے اس کا احسان جتائے بھائیوں کا یہ فرض ویسے بھی تھا اور جائیداد پانے کے بعد بھی ہے، اور اپنی ضرورت مند بہن

کے ساتھ سلوک کریں اور اگر بہن مالدار ہے تو اُس کا بھی اسی طرح فرض ہے کہ اپنے بھائی کی مدد کرے، غرض یہ ہے کہ اُن چیزوں کو حق کہنا اور سمجھنا جن کو خدا نے حق نہیں بنایا اور معین نہیں کیا، ایک زیادتی ہے اور اپنے حق سے بے وجہ و بے ضرورت محروم ہونا بھی فضول بات ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں بعض بہنیں بھائیوں سے ناراض ہوتی ہیں کہ انہوں نے ہمارا فلاں نیگ یا حق نہ دیا بلکہ شادی بیاہ کے موقع پر اُس کیلئے جھگڑتی ہیں۔ اگر یہ اصرار محبت کے سبب ہے اور نہ دینے پر کوئی ناراضی یا دل میں ادنٰی کدورت بھی نہیں تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اگر ناگواری کا اندیشہ ہو تو یقیناً اس سلسلہ ہی کو بند کر دینا چاہیئے کہ احسان و سلوک محض اللہ کیلئے محبت کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ اگر کوئی کرے تو بہتر، نہ کرے تو اس پر نہ کوئی طعن و تشنیع ہو نہ کسی قسم کی پکڑ۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه   وَسَلَّمْ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

حقوق زوجین

میاں بیوی کے درمیان جو تعلق ہوتا ہے، وہ اصل میں ایک معاہدہ ہے کہ عورت ایک شخص کو اپنا شوہر تسلیم کرتے ہوئے جائز باتوں میں اس کی فرمانبرداری کا عہد کرتی ہے، شوہر اس کو بیوی کی حیثیت سے قبول کرتا اور اس کے تمام ضروری جائز خرچوں کی ذمہ داری اپنے سر پر لیتا ہے۔ اس رشتہ میں بھی یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ حقیقتاً حق کس قدر ہے اور احسان و سلوک کی صورت کیا؟ اللہ کا احسان ہے کہ اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ساری باتیں کھول کھول کر بتا دیں۔

سب سے پہلا حق جو عورت کا مرد کے ذمہ ہے وہ مہر ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ط وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ط (پارہ ۵ رکوع ۱)

جن عورتوں سے نکاح کرنا چاہو اُنکے مہر مقرر شدہ اُنہیں دو اور مقرر شدہ مہر کے بعد تمہارے آپس میں جو رضامندی ہو جائے اس میں کچھ گناہ نہیں (یعنی مہر تو مقرر شدہ ہے اس کا دینا

تو لازمی اور اس کے سوا اگر محبت کے ساتھ میاں بیوی کے آپس میں کوئی اور وعدہ ہو جائے مثلاً مرد کہے میں تجھکو فلاں زیور، یا اتنے روپیہ دوں گا، وہ بالکل علیحدہ چیز ہے، اس کے ذمہ حق نہیں اگر وعدہ پورا کرے اور دے تو بہت بہتر ہے)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بیبیوں کے ساتھ نکاح کیا سب کا مہر مقرر کیا اور وہ ان کو ادا کیا۔ البتہ مہر کی مقدار معین کرنے کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ "سب سے اچھا مہر وہ ہے جس کو مرد آسانی کے ساتھ ادا کر سکے"۔

حدیث میں آیا جو شخص نکاح کرے اور نکاح کے وقت نیت یہ ہو کہ مہر ادا نہ کروں گا تو وہ جس دن مرے گا اس کا شمار برا کام کرنے والوں میں ہوگا۔ اسی لئے ہمارے اماموں نے حدیثوں پر نظر کر کے یہ فرمایا کہ "مہر معین کرتے وقت عورت کی عزت، وجاہت، اُس کی خاندانی شرافت و مالی حیثیت کو ملحوظ رکھا جائے تاہم اس کا خیال رہے کہ جس قدر آسانی کے ساتھ مرد ادا کر سکے وہی معین کیا جائے۔

مہر کے بعد مرد کے ذمہ یہ مقرر کیا گیا ہے کہ اُس کو کھانا کپڑا اور رہنے کیلئے مکان، بالکل اسی قسم کا دے، جیسا کہ خود استعمال کرتا ہے یعنی خود بڑھیا کھانا، بڑھیا کپڑا، بڑھیا مکان، استعمال میں لاتا ہے تو بیوی کو بھی بڑھیا ہی دے اور اگر خود کم درجہ کا استعمال کرتا ہے تو اسے بھی ویسا ہی دے۔

اس کے مقابلہ میں عورت کے ذمہ مرد کا یہ حق ہے کہ وہ ہر طرح ہر کام میں اس کی فرمانبرداری کرے اور اس کے مرتبہ اور عزت کو نگاہ رکھے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا کہ

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ   مرد عورتوں کے نگران ہیں

اس میں مردوں کے مرتبہ اور اُن کی عزت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اسی طرح مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ

عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ   عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک سے زندگی گزارو۔

پھر یہ بھی فرمادیا گیا کہ:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ   عورتوں کا حق بھی مردوں پر اسی طرح مقرر ہے جیسے عورتوں کے ذمہ مردوں کا حق ہے

عورتوں کو چاہیئے کہ مردوں کی عزت کریں اُن سے بے ادبی کے ساتھ بات چیت بھی نہ کریں، بعض عورتیں جو اپنے شوہروں سے تو تو، میں میں کرتی اور لڑتی جھگڑتی ہیں۔ ان احادیث سے سبق لیں اور خدا کے عذاب سے ڈریں۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه   وَسَلَّمْ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

حدیث میں آیا حضور ﷺ نے فرمایا "اگر کسی شخص کو کسی مخلوق کیلئے سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی، تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں"۔ نیز فرمایا "قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے عورت اپنے خدا کا حق ادا نہ کرے گی جب تک کہ اپنے شوہر کے تمام حقوق کو ادا نہ کرے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اگر شوہر نے عورت کو اپنے پاس بلایا اور عورت نے انکار کر دیا، مرد نے غصہ میں رات گزاری تو صبح تک اُس عورت پر فرشتے لعنت بھیجتے رہتے ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ جب تک شوہر اُس سے راضی نہ ہو جائے، اللہ عزوجل اُس سے ناراض رہتا ہے"۔ نیز حدیث میں آیا "حضور ﷺ نے فرمایا کہ "جب عورت اپنے شوہر کو ستاتی ہے تو حور عین کہتی ہیں کہ "اے عورت خدا تجھے قتل کرے، اسے مت ستا، یہ تو تیرے پاس چند روز کا مہمان ہے، عنقریب تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس آئے گا؟ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ "جو عورت خدا کی فرمانبرداری کرے، شوہر کے مال میں خیانت نہ کرے، شوہر کا حق ادا کرے، شوہر کو نیک کاموں کی یاد دلائے اپنی عصمت کی حفاظت کرے، تو اس کے اور شہیدوں کے درمیان جنت میں فقط ایک درجہ کا فرق رہے گا۔ پھر اگر وہ شوہر ایماندار، نیک عادت والا اور جنتی ہے تو اس کی یہ نیک بی بی جنت میں بھی اس کی بی بی بنے گی اور اگر وہ مرد بے ایمان مرا اور دوزخی ہوا تو یہ عورت حوروں کی طرح کسی شہید کے ساتھ رکھی جائے گی۔

حدیث میں آیا حضور ﷺ نے فرمایا کہ "شوہر کا عورت پر یہ حق ہے کہ اپنے نفس کو اس سے

نہ روکے، فرض کے سوا بغیر اُس کی اجازت کے روزہ بھی نہ رکھے، بغیر اُس کی اجازت کے گھر سے نہ جائے، اگر ایسا نہ کیا تو جب تک توبہ نہ کرے، اللہ اور فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں"۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "اگر شوہر ظالم ہو" حضور ﷺ نے فرمایا "اگرچہ شوہر ظالم ہو مگر عورت کا یہی فرض ہے"۔ (شوہر اپنے ظلم کے گناہ کی سزا خود پائے گا) نیز فرمایا کہ عورت ایسے شخص کو اپنے مکان میں بھی نہ آنے دے کہ جس کا آنا شوہر کو پسند نہ ہو"۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه

وَسَلَّمْ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

خلاق دو جہاں کی ہدایت نکاح ہے — جاری پیمبروں کی شریعت نکاح ہے

وہ حکم جو کبھی نہ ہوا فسخ اور نہ ہو! — آدم سے لے کے تا بقیامت نکاح ہے

رکھنا جو چاہو پاک نگاہ اور خیال کو ! — دل کی پناہ آنکھ کی عصمت نکاح ہے

دنیا میں ہے نشاط تو عقبیٰ میں ہے ثواب — دنیا کی اور دین کی نعمت نکاح ہے

دو بول پڑھ کے ہوتے ہیں دو غیر ایک جان — دو جان کو جو دیتا ہے وحدت نکاح ہے

کثرت ہوئی ہے وحدتِ آدم نکاح ہے — وحدت کو کرتا مظہر کثرت نکاح ہے

تعریف کیوں نہ کیجئے بیدلؔ نکاح کی

اپنے رسول پاک کی سنت نکاح ہے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه   وَسَلَّمْ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے خاص طور پر عورتوں کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے عورتو خدا سے ڈرو اور ہمیشہ اس بات کی کھوج میں رہو کہ شوہر کس بات سے راضی ہوتا ہے، اس لئے کہ اگر عورت کو یہ معلوم ہو جاتا کہ شوہر کا اس پر کیا حق ہے۔ تو یہ سمجھتی کہ اس کو اُس کی خاطر یہاں تک برداشت کرنی چاہیئے کہ جب تک وہ کھانا کھائے یہ اس کے سامنے کھڑی رہے۔

حدیث میں آیا وہ عورت جس کا شوہر ناراض ہے، اس کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی، نیز یہ فرمایا

کہ اگر کوئی عورت پانچوں وقت کی نماز پڑھے، رمضان کے روزہ رکھے، اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کرے اور شوہر کی اطاعت کرے تو اس کے لئے جنت کے سب دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اُسے اجازت ہوتی ہے کہ وہ جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے"۔ حضور ﷺ نے فرمایا" جو عورت ایماندار اس حال میں مرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی تھا۔ وہ یقیناً جنت میں داخل ہوگی۔

اسی طرح مردوں کو تنبیہ فرمائی جاتی ہے کہ" خبردار خبردار! اپنی بیوی کو ہرگز نہ مارو، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا" اے مردو میں تمہیں عورتوں کے بارہ میں بھلائی کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ تم میری اس وصیت کو قبول کرو"۔ نیز فرمایا کہ" مسلمان مرد اپنی مومن بیوی سے نفرت نہ رکھے اگر اس کی ایک عادت بری معلوم ہوتی ہے تو دوسری عادت اچھی بھی ہوگی۔ یعنی تمام عادتیں خراب ہی نہ ہوں گی۔ جب اچھی بُری ہر قسم کی عادتیں ہوں گی تو مرد کو یہ نہ چاہیئے کہ ہر وقت بُری ہی عادت کو دیکھتا رہے بلکہ بُری عادت سے چشم پوشی کرے اور اچھی عادت کی طرف نظر کرے"۔ کھانا کپڑا مکان تو مرد کے ذمہ لازم کیا گیا لیکن اس کے بعد اگر مرد اپنی بیوی کیلئے زیور بنوائے، غیر معمولی کپڑے بنائے اپنی طرف سے خاص طور پر مہر کے علاوہ اُسے روپیہ یا جائیداد دے تو یہ مرد کا احسان ہے۔ عورت کو چاہیئے کہ اس کے بدلہ میں وہ بھی احسان کرے کہ

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ط   احسان کا بدلہ احسان ہے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه   وَسَلَّمُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

اولاد کے حقوق

اولاد کی خدمت یوں تو ماں باپ دونوں کے ذمہ لازم، لیکن بچپن میں اس کو دودھ پلوانا، حقیقتاً مرد کے ذمہ ہے۔ عورت اپنے بچہ کو دودھ پلا کر مرد کے احسان کا بدلہ دے رہی ہے، اس لئے کہ مرد کے ذمہ جس طرح عورت کا کھانا کپڑا مکان ہے اسی طرح اولاد جب تک بالغ ہو، اس کا کھانا کپڑا وغیرہ بھی مرد ہی کے ذمہ ہے اور اچھی تربیت دینے کے ماں اور باپ دونوں ذمہ دار۔ حدیث میں آیا

"كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ" "تم میں سے ہر ایک چرواہا ہے اور ہر چرواہے سے اس کی چرائی کے گلہ کے متعلق سوال کیا جائے گا"۔ یعنی جس طرح بکریاں چرانے والا اپنی بکریوں کا ذمہ دار ہے اسی طرح ماں باپ اپنی اولاد کے ذمہ دار۔ اُن کا فرض ہے کہ اُن کو بُری صحبت سے بچائیں، اچھی عادتیں سکھائیں، دین کی تعلیم دلائیں، سات برس کے ہو جائیں تو نماز کی تاکید کریں، نو برس کے ہو جائیں اور کہنا نہ مانیں تو مار کر نماز پڑھائیں۔ لڑکیاں جب جوان ہو جائیں تو نیک، صالح، شریف خاندان کے لڑکوں سے اُن کی شادی کر دیں۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ" جس کسی نے یتیم کو کھلانے پلانے کیلئے بلایا۔ اللہ نے اس کیلئے جنت کو واجب کر دیا تاوقتیکہ وہ کوئی ایسا گناہ نہ کرے جو بخشا ہی نہیں جا سکتا اور جس کسی کے تین لڑکیاں ہوئیں یا تین چھوٹی بہنیں ہوئیں اور اُس نے ان کو اچھی طرح ادب سکھایا، اُن کے ساتھ مہربانی کے ساتھ پیش آیا یہاں تک کہ اُن کے جوان ہونے کے بعد اچھے ایماندار شریف شوہروں سے اُن کی شادی کر دی اور اس قابل بنا دیا کہ وہ محتاج نہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کیلئے جنت کو واجب کر دیتا ہے"۔ صحابہ نے عرض کیا کہ" یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی کے یہاں دو لڑکیاں یا دو بہنیں ہوں" آپ نے فرمایا کہ" تو بھی" یہاں تک کہ لوگ اگر ایک کیلئے دریافت کرتے تو بھی آپ یہی فرماتے۔

حدیث میں آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کہ مرد کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا خیرات کرنے سے بہتر ہے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لاڈلی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی تربیت فرما کر ہمارے لئے بہترین نمونہ پیش فرما دیا۔ پھر حضرت امام حسن و امام حسین علیہما السلام کے ساتھ انتہائی محبت کا اظہار فرما کر دنیا کو دکھا دیا کہ بچوں کے ساتھ کس قدر شفقت کرنی چاہیئے۔ آج بے تمیز مائیں اپنے بچوں کو بات بات پر پیٹ کر پٹنے کی بُری عادت ڈال کر اُن کے مزاج کو خراب کر دیتی ہیں۔ بعض بے تمیز یہ نہیں سوچیں کہ ماں کی زبان کی نکلی ہوئی دعا یا بددعا بہت جلد اولاد کو لگتی ہے۔ غصہ میں آکر انہیں کوستی، کم بخت، اندھا، منحوس وغیرہ جیسے بیہودہ لفظ بکتی ہیں۔ ایک طرف اپنے نامہ اعمال کو کوسنے بکنے کی سیاہی سے کالا کرتی ہیں۔

Scanned by CamScanner

دوسری طرف اپنے بچوں کو بددعائیں دے کر ان کی زندگی برباد کرتی اور پھر جب وہ تکلیف پاتے ہیں تو ان کی تکلیف سے خود رنج اٹھاتی اور پچھتاتی ہیں لیکن اس وقت کا پچھتانا فائدہ نہیں دیتا۔

حضور اکرم ﷺ کو حسنین کرام کی دلدہی اس قدر منظور تھی کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ جمعہ کا خطبہ مسجد کے منبر پر کھڑے دے رہے تھے۔ اتنے میں یہ دونوں صاحبزادے جو اس وقت بہت ہی چھوٹے چھوٹے تھے مسجد میں آنے لگے ابھی اچھی طرح پیروں چلنا نہ سیکھا تھا، پیر کانپنے لگے، اندیشہ ہوا کہ گر نہ پڑیں۔ حضور ﷺ وعظ کہتے کہتے منبر سے اُترے اور دونوں صاحبزادوں کو گود میں اُٹھا کر منبر پر بٹھالیا اور وعظ فرمانے میں مشغول ہو گئے۔ پس ماں اور باپ دونوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اولاد کا حقوق اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کے ذمہ کیا مقرر کیا ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ   وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

تفصیل حقوقِ اولاد

ہر چیز کیلئے الگ الگ حدیثیں ذکر کرنے کے بجائے ہم ایک جگہ سب باتوں کو بتائے دیتے ہیں۔ ان میں بعض باتیں فرض ہیں اور بعض مستحب۔

ماں اور باپ کے ذمہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہو، نہلا دھلا کر سب سے پہلے اس کے سیدھے کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی جائے۔ کان میں اذان کہنے میں دیر کرنے سے یہ اندیشہ ہے کہ بچہ کو شیطان، مسان ایام الصبیان، کیڑے کا مرض نہ ہو جائے۔ چھوہارہ یا کوئی میٹھی چیز چبا کر اس کے منہ میں ڈالے، ہو سکے تو ساتویں دن ورنہ چودھویں ورنہ اکیسویں دن عقیقہ کرے۔ لڑکی کیلئے ایک بکرا یا بکری اور لڑکے کیلئے دو ذبح کیے جائیں۔ ان جانوروں کا گوشت قربانی کے گوشت کی طرح اللہ کے نام پر بھی دیا جائے۔ ایک ران (دائی سے مراد حقیقۃً دودھ پلانے والی ہے جو اس کام کیلئے رکھی جائے) کو دینا بھی بہتر کہ یہ شکرانہ ہے اور دوست احباب کو بھی تقسیم کیا جائے، ماں باپ کو بھی اس میں سے کھانا جائز ہے۔ عقیقہ کرنا ایسا ہے گویہ بچہ کو رہن سے چھڑا لیا، سر کے بال اتروائیں۔

بالوں کے برابر چاندی تول کر خیرات کریں۔ جس قدر جلد ہو سکے، بچہ کا نام تجویز کریں (بلکہ کچے بچہ کا بھی جو کم دنوں میں ضائع ہو جائے نام ضرور رکھ دیا جائے ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں شکایت کرے گا) بچہ کو جو نام دیا جائے وہ اچھے معنی کا ہو، بے معنی، مہمل بے ہودہ نام نہ رکھا جائے، نہ پیار و محبت میں اچھے ناموں کو بگاڑ کر لیا جائے کہ یہ بچہ کیلئے بری فال ہے۔ ماں اگر خود دودھ نہ پلائے تو نیک، دیندار، نمازی عورت سے دودھ پلوایا جائے کہ دودھ پلانے والی کی عادت کا اثر بچہ پر ضرور پڑتا ہے۔ بچوں کے کھانے پینے پر جو کچھ بھی صرف کیا جائے وہ پاک کمائی، حلال آمدنی سے ہو، رشوت، ظلم اور غبن کی آمدنی کا کھانا بچپن ہی سے ناپاک عادتیں پیدا کرے گا۔ بچوں کی دلدہی کا ہر کام میں لحاظ رکھے، پہلے انہیں کھلائے پھر خود کھائے۔ انہیں پیار کرے، بدن سے لپٹائے کاندھے پر چڑھائے، ہنسنے کھیلنے بہلنے کی باتیں کرے۔ بہلانے کیلئے بھی کبھی جھوٹا وعدہ نہ کرے، ڈرانے کیلئے بھی جھوٹ نہ بولے کہ اس طرح بچپن ہی سے اُن کو جھوٹ کی عادت پڑے گی اور اس کا وبال ماں باپ کی گردن پر رہے گا۔ کئی بچے ہوں تو سب کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرے، زبان کھلتے ہی سب سے پہلے اللہ اللہ پھر پورا کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو سکھائے۔ گالیاں دینے اور بے ہودہ باتیں بکنے کی عادت ہرگز نہ ڈالے کہ بچپن کی پڑی ہوئی عادت مرتے دم تک نہیں چھوٹتی۔ جب تمیز آئے ادب سکھائے، کھانے، پینے، ہنسنے، بولنے، اٹھنے، بیٹھنے بڑوں کا لحاظ کرنے، ماں، باپ، استاد کی تعظیم کرنے کی تعلیم ابتداء ہی سے دے سب سے پہلے قرآن پڑھوائے کہ اُن کی بھولی معصوم زبان پر جب قرآن جاری ہوگا۔ تو اس کا ثواب ماں باپ ہی کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ استاد یا استانی نیک، دیندار پرہیزگار ہوں، لڑکی کو نیک عورت ہی سے پڑھوائے۔ جہاں تک ہو سکے مرد کے سپرد نہ کرے اگرچہ بوڑھا ہو، بعد ختم قرآن کریم ہمیشہ تلاوت کی تاکید رکھے۔ باتوں باتوں ہی میں اسلامی عقیدے، سنت کے طریقے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اُن کے آل اصحاب، اولیاء علماء کی عزت اور عظمت کی تعلیم کرے بیہودہ قصہ سنانے کے بجائے (کہ ان میں ایک طرف وقت کا ضائع کرنا دوسرے جھوٹ بولنے کا وبال سر پر لینا ہے) نبیوں، ولیوں اور خدا کے نیک بندوں کے سچے

چھوٹے چھوٹے قصے سنائے، سات برس کی عمر سے نماز کی زبانی تاکید شروع کر دے اور نو برس کے ہو جائیں تو سختی کے ساتھ تاکید کرے۔ سستی کریں تو مارے لیکن نماز نہ چھوڑنے دے، مارے تو منہ پر نہ مارے، بری صحبت اور ایسے کھیل تماشوں میں جو اخلاق پر بُرا اثر ڈالتے ہیں۔ انہیں ہرگز نہ لے جائے اور نہ جانے دے۔ سینما تھیٹر ویسے بھی حرام ہے۔ اس میں جو وقت اور پیسہ خرچ کیا جائے۔ وہ خرچ بھی حرام بچوں کا دکھانا یا دیکھنے دینا، سب خطرناک ان سے اُن کے اخلاق خراب ہونے کا یقین ہے۔ پڑھنے لکھنے کے قابل ہو جائیں تو ناول، ناٹک کے قصے یا بے ہودہ عشقیہ کہانیاں تک انہیں نہ دیکھنے دے کہ ان کے پڑھنے پڑھانے سے جھوٹ کا وبال، وقت کا ضائع ہونا اور سب سے بڑی بڑائی یہ ہے کہ جب ابتداء ہی سے ناپاک عشق و محبت کے مضمون ذہن میں جمیں گے تو وہ آئندہ زندگی کو خراب کر دینے والے ہونگے۔

دس برس کی عمر کے بعد نہ ماں باپ اپنے پاس سلائیں نہ کسی اور بچہ کو اس کے پاس سونے دیں بلکہ بستر بالکل علیحدہ رکھیں۔ جب جوان ہو جائے تو اپنے خاندان اور کفو میں، حسب و نسب اور دینداری کا سب سے پہلے خیال رکھتے ہوئے شادی کر دے۔ اپنی زندگی ہی میں اس کا خیال رکھے کہ مرنے کے بعد اُن کیلئے کم از کم اتنا سامان چھوڑ جائے کہ وہ کسی کے محتاج نہ ہوں۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

یہ حقوق تو لڑکا لڑکی دونوں کے برابر ہیں۔

لڑکیوں کا خاص حق

لڑکیوں کا خاص طور پر یہ حق ہے کہ ان کے پیدا ہونے پر رنجیدہ نہ ہو، جیسا کہ اکثر آج کل کے مردوں اور عورتوں کی عادت ہے کہ لڑکی کے پیدا ہونے پر اس قدر خوش نہیں ہوتے جتنا لڑکے کے پیدا ہونے پر ہوتے ہیں۔ لڑکیاں بھی اللہ کی نعمت ہیں، انہیں سینا، پرونا، کاتنا، کھانا پکانا، سکھائے، بیٹوں سے زیادہ ان کی خاطر کرے کہ لڑکیوں کا دل بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ دینے میں انہیں اور لڑکوں کو

برابر رکھے، لیکن جو چیز دے پہلے لڑکیوں کو دے اور لڑکیوں کو نو برس کی عمر کے بعد نہ باپ اپنے پاس سلائے نہ بھائی وغیرہ کے پاس سونے دے، اسی عمر سے خاص نگرانی کریں۔ شادی برات میں جہاں ناچ گانا ہو اور ڈومنیوں کی بے حیائی کی نقلیں وہاں ہرگز نہ جانے دیں، ڈھول باجے سے انہیں قطعاً بچائیں کہ یہ ایک بڑا جادو ہے اور بہت سی خرابیوں کی جڑ۔ غیر بلکہ دور کے عزیز و قریب کے گھر تو کیسے خاص اپنے بھائی کے گھر تنہا نہ جانے دیں۔ ایسے بالا خانوں پر نہ رہنے دیں جن میں باہر کی طرف کھڑکیاں ہوں۔ صاف ستھرا رہنے اور شریعت کے مطابق لباس پہننے کی تعلیم دیں کہ ابتداء ہی سے ان کو اچھی عادت پڑے۔ لباس کے نئے نئے فیشنوں سے جو بے حیائی کا نمونہ ہیں انہیں بچائیں۔ سر ڈھکنے ستر چھپانے کی تاکید کریں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

پردہ کا احکام

قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْۤا اِلَی اللّٰهِ

(یارسول اللہ) آپ مومن عورتوں سے فرمادیجئے کہ وہ اپنی آنکھوں کو نیچا رکھیں (یعنی غیر محرم مردوں کو نہ دیکھیں) اور اپنے ستر کو چھپائیں اپنا سنگار کسی کو نہ دکھائیں مگر بدن کا اتنا حصہ جو عادۃً کھلا رہتا ہے (یعنی چہرہ پہنچیوں تک ہاتھ اور ٹخنوں تک پیر) اپنے گریبانوں تک نقاب ڈالے رکھیں، (گلا بھی نہ کھل جائے) اور اپنا سنگار کسی کو نہ دکھائیں، سوائے اپنے شوہروں یا اپنے باپ یا شوہروں کے باپ یا اپنے بیٹوں کو یا اپنے شوہر کے بیٹوں کو (جو دوسری ماں سے ہوں) یا اپنے سگے بھائی یا اپنے سگے بھائیوں

جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

کے بیٹے یا وہ عورتیں اور غلام جوان کی ملک میں ہوں، یا ایسے بچے جو ابھی بڑے نہیں ہوئے یا ایسے بچے جن کو ابھی ستر کی تمیز نہیں ہے اور اپنے پیروں کو مار کر بھی نہ چلیں جس سے ان کے زیور کی جھانج (پیروں کے زیور کی آواز) سننے والوں کو معلوم ہو جائے۔ اے مومنو سب مل کر اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ

پردہ کی سخت تاکید قرآن سے ثابت، دنیا میں آجکل جس قدر خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں وہ بے پردگی ہی کے سبب ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی بیبیاں جو نہایت پاک دامن اور تقویٰ و طہارت کی مجسم نمونہ تھیں۔ اللہ جل شانہٗ قرآن کریم میں ان کو بھی نہایت تاکید کے ساتھ پردہ کا حکم دیتا ہے اور یہاں تک تاکید فرماتا ہے کہ کسی سے بات بھی کرنی ہو تو پردہ کے پیچھے سے بات کرو۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ○ وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ؕ (سورۃ احزاب پارہ ۲۲)

اے نبی کریم ﷺ کی بیبیو تم اور عورتوں کی طرح سے نہیں ہو تم پرہیزگار بنکر رہو (غیر مردوں سے بات کرتے وقت) بات میں نرمی بھی نہ کرنا کہیں جس کے دل میں مرض ہے وہ للچا نہ جائے اور جب بات کرنا نیکی کی بات کرنا تم اپنے گھروں ہی کے اندر رہو اور پرانے جاہلیت کے دنوں میں جسطرح باہر پھرا کرتی تھیں اس طرح نہ پھرو نماز کو پابندی کے ساتھ ادا کرو۔ زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔

اللہ یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کی باتوں کو بالکل اُٹھا دے اور تم کو بالکل پاک بنا دے (یعنی ایسا پاک کر دے کہ تم دنیا کی اور عورتوں کیلئے نمونہ بن جاؤ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے ذریعہ ان کو ایسا سدھایا کہ وہ آج دنیا کی تمام عورتوں کیلئے سب سے اچھا نمونہ ہیں)

مسلمان عورتوں کو چاہیئے کہ اُن کے قدم بہ قدم چلیں، اللہ کی پیاری بنیں اور عزت و عظمت اور شرم و حیاء و غیرت کی تصویر بن کر، تمام دنیا کی عورتوں کو انسانیت کا بہترین نمونہ دکھائیں اور یہ جتائیں کہ اسلام اور صرف اسلام ہی ہے۔ جس نے عورت کو ذلت کی حالت سے نکالا اور عزت کے سب سے بلند مقام پر پہنچایا، تاریخ عالم گواہ ہے کہ سب سے پہلی آواز جو عورت کی حمایت اور اس کی عزت و حرمت اور حقوق کی حفاظت میں بلند ہوئی وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی آواز تھی۔ حضور ﷺ نے ہی بچیوں کو زندہ در گور اور قتل ہونے سے بچایا، ماں باپ کی آنکھوں کا تارا اور جگر کا ٹکڑا بنایا شادی شدہ عورتوں کو، شوہروں کی آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا چین اور رفیقہ حیات قرار دیا۔ ان کے حقوق معین فرمائے انہیں ستانے اور اُن کا دل دکھانے پر عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ مائیں بنیں تو اولاد کیلئے اُن کی اطاعت بلکہ اُن کی طرف محبت کی نظر سے دیکھنے کو ہی عبادت الٰہی جیسا ٹھہرایا۔ حیف ہے ان عورتوں پر جو ایسے حامی خواتین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اجمعین پر جان و دل نہ واریں، اور ان کی پیروی چھوڑ کر۔ پردہ سے منہ موڑ کر، یورپ کی تقلید پر جان دیں، اپنے آپ کو غیر محرموں کی نظروں کا کھلونا بنائیں اور اپنی عزت اپنے ہاتھوں گنوائیں۔ مولیٰ اس فتنہ سے سب مسلمان خواتین کو بچائے اور انہیں نیک و بد میں تمیز عطا فرمائے۔ آمین۔

ظہورِ قُدسی

یہی وہ باتیں ہیں جن کا ذکر ہم نے ابتداء میں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول ﷺ کو ایک کامل اور مکمل نمونہ بنا کر دنیا کے سامنے بھیجا، آپ نے اپنے عمل سے یہ بھی دکھا دیا کہ خدا کی عبادت اس طرح کرو اور یہ بھی سکھا دیا کہ ماں باپ، بیوی، بچے، ہمسایہ، دوست، دشمن، سب کے

ساتھ کس طرح پیش آؤ۔ غرض کھانا پینا، رہنا سہنا، ملنا جلنا، کوئی چیز ایسی نہیں جس کا کامل نمونہ حضرت نے نہ پیش کر دیا ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُس زمانہ میں دنیا کی ہدایت کیلئے بھیجا۔ جبکہ سارا عالم آپ کا محتاج تھا اور آپ کو ایسا کامل اور مکمل دین عطا فرمایا کہ اب قیامت تک نہ کسی نئے دین و شریعت کی ضرورت رہی اور نہ نئے نبی کی حاجت یہ نبی سب سے اعلیٰ، ان کا مرتبہ سب سے بالا

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ وَسَلَّمَ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہمارا نبی ﷺ سب سے بالا و والا ہمارا نبی ﷺ

اپنے مولیٰ کا پیارا ہمارا نبی ﷺ دونوں عالم کا دولہا ہمارا نبی ﷺ

بزم آخر کا شمع فروزاں ہوا نور اوّل کا جلوہ ہمارا نبی ﷺ

بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبی ﷺ

حسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم وہ ملیح دل آرا ہمارا نبی ﷺ

ذکر سب پھیکے جب تک نہ مذکور ہو نمکیں حسن والا ہمارا نبی ﷺ

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی چاند بدلی سے نکلا ہمارا نبی ﷺ

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی ﷺ

جس نے ٹکڑے کئے ہیں قمر کے وہ ہے نور وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی ﷺ

سب چمک والے اُجلوں میں چمکا کئے اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبی ﷺ

لا مکاں تک اُجالا ہے جس کا وہ ہے ہر مکاں کا اُجالا ہمارا نبی ﷺ

غمزدوں کو رضاؔ مژدہ دیجئے کہ ہے ...... بے کسوں کا سہارا ہمارا نبی ﷺ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ وَسَلَّمَ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

جب کفر و شرک، الحاد و بے دینی ضلالت و گمراہی۔ اس طرح تمام عالم میں پھیلی ہوئی تھی کہ دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہ رہا جہاں اس خدائے واحد کے جاننے پہچاننے اور ماننے والے پائے جائیں اور رسولوں کے پیغام بھلائے گئے، اُن کی لائی ہوئی کتابیں کاٹ چھانٹ اور تبدیلیوں کا شکار ہوئیں۔

اپنی اصل حالت پر محفوظ نہ رہیں۔ اس وقت غیرت الٰہی حرکت میں آئی اور وہ جلوۂ نور حقیقت جو ازل ہی سے اس زمانہ میں ظہور فرمانے کیلئے معین کیا جا چکا تھا۔ اس جسمانی دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

ولادت باسعادت

حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ "، میں اسی وقت نبی ہو چکا تھا جبکہ آدم علیہ السلام کا وجود بھی نہ بنا تھا"۔ فرماتے ہیں "اِنِّیْ عِنْدَ اللّٰہِ مَکْتُوْبٌ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ وَ اِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ "۔ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبیوں کا ختم کرنے والا (آخری نبی اسی وقت سے) معین ہو چکا ہوں جبکہ آدم علیہ السلام ابھی گندھی ہوئی مٹی ہی کی حالت میں تھے۔ پھر اپنے ذکر ولادت باسعادت کو اپنی ہی پیاری زبان میں اس طرح بیان میں لاتے ہیں کہ "وَسَاُخْبِرُکُمْ بِاَوَّلِ اَمْرِیْ دُعَآءُ اِبْرَاھِیْمَ وَبِشَارَۃُ عِیْسٰی وَ رُؤْیَا اُمِّیَ الَّتِیْ رَاَتْہُ حِیْنَ وَضَعَتْنِیْ "۔ میں تمہیں اپنی اگلی باتیں بتاؤں میرے ہی لئے ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی۔ میرے ہی حق میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور میرے ہی متعلق میری والدہ ماجدہ کے وہ خواب جو انہوں نے میری پیدائش سے پہلے دیکھے۔

ملائک آمنہ خاتون کو مژدہ سناتے ہیں

ابوالقاسم محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لاتے ہیں

حبیب اللہ کی اُمّ القریٰ میں آمد آمد ہے

شواہد قدرتِ حق کے خلائق کو دکھاتے ہیں

اگر کعبہ کی دیواریں کریں سجدہ عجب کیا ہے

کہ مصداق دعائے حضرت ابراہیم آتے ہیں

فرشتے منتظر تھے آمنہ خاتون کے گھر میں

کہ اب حضرت جمال حق نما اپنا دکھاتے ہیں

حرم سے تابہ ملک شام روشن ہے نہ میں یکسر

کہ دار الملک جن کا شام ہے وہ شاہ آتے ہیں

حکیمؔ اب وقت پیری ہے در احمد پہ جا بیٹھو

حیات جاودانی جس جگہ عشاق پاتے ہیں

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه　　وَسَلَّمْ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

وہ نبیوں کے نبی، وہ رسولوں کے رسول اب صورت جسمانی اختیار فرما کر رونق افزائے عالم ہوتے ہیں۔ جن کے ذکر ولادت کی محفل خود خالق عالم نے عالم ارواح میں منعقد فرمائی۔ اس میں حاضری کی سعادت ارواح انبیاء و مرسلین نے پائی۔ وہیں اُن سے اُن پر ایمان اُن کی تصدیق کا وعدہ لیا۔ خود مالک عالم نے اُن کی ختم نبوت پر اپنی شہادت کی مہر لگائی۔ انبیاء و مرسلین نے اس وعدہ کو پورا کرتے ہوئے اپنے اپنے دور میں ان کی آمد آمد کی خبر سنائی اُن کی شان و عظمت بیان فرمائی۔ نظر برآں تمام عالم آنکھیں لگائے ہوئے ہے اور مشتاق دیدار کہ وہ آفتاب ہدایت جلوہ فرمائے۔ تمام عالم کو منور بنائے اور دنیا بھر کو راہ ہدایت دکھائے۔ وہ در مکنون جو حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک اور پشت خلیل علیہ السلام سے بواسطہ حضرت اسماعیل علیہ السلام، خواجہ عبداللہ کی پیشانی تک، پاک پشتوں، مقدس سلسلوں میں منتقل ہوتا ہوا آ رہا تھا۔ حضرت آمنہ خاتون بنت حضرت وہب کی تحویل میں دیا گیا اور مادی دنیا کا دل لبھانے کیلئے اب بشری صورت اختیار فرماتے ہوئے جلوہ افروز کون و مکان ہونے والا ہے۔

منکے ہست کہ الجنس الی الجنس یمیل　　بہر دل بردن من صورت انساں داری

ربودی دل ز مہ رویان عالم

خرام ناز چوں ترکانہ داری!

گلشن دہر میں ظاہری بہار کا موسم ہے کہ حقیقی روحانی بہار بے خزاں کا ظہور ہونے والا ہے ربیع الاول کا مہینہ ہے اور باختلاف روایات ۸، ۹، ۱۰، یا ۱۲ تاریخ، صبح نور افروز دوشنبہ، بہار کا موسم،

بہار کا وقت عجیب و غریب پیارا سہانا سماں، اُدھر ارواح انبیاء، جماعت ملائکہ، حوران عین، و ارواح اولیاء مقربین، سب کی طرف سے وکیل بن کر حضرت روح الامین غایت ذوق شوق سے اپنی روحانی نورانی زبان میں یوں رطب اللسان کہ:

اِظْهَرْ يَا سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ　　اِظْهَرْ يَا خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ

اِظْهَرْ يَا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ　　اِظْهَرْ يَا رَاحَةَ الْعَاشِقِيْنَ

اِظْهَرْ يَا مُرَادَ الْمُشْتَاقِيْنَ

ادھر ہم مشتاقان دیدار، ایک جلوہ کے طلبگار، چشم رحمت کے امیدوار، انہی کی محفل انہی کے دربار میں، اُسی سرکار سے لو لگائے ہوئے انہی کا تصور جمائے ہوئے، انہی کی طرف منہ اُٹھائے ہوئے باادب عرض کرتے ہیں۔

یا مصطفٰے یا مجتبیٰ مشتاق دیدار توام

زیبائے رُخ بہر خدا مشتاق دیدار توام

اے مظہر ذات خدا مشتاق دیدار توام

اے سید خیر الورٰی مشتاق دیدار توام

اے ذوالکرم عالی ہمم پیغمبر خیر الامم

اے ہادی و نور الہدٰی مشتاق دیدار توام

اے درد تو درمان ما، وے عشق تو ایمان ما

اے شان تو شان خدا مشتاق دیدار توام

بر در گہ خیر الورٰی با صد ادب باد صبا

گو از حکیمؔ بے نوا مشتاق دیدار توام

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه　　وَسَلَّمْ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

اُدھر عرض جبریل امین شرف قبول پاتی ہے اور وہ سرکار احمد مختار سید ابرار و اخیار احمد مجتبیٰ محمد

مصطفےٰ ﷺ وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ الیٰ یوم القرار بعنایت جاہ وجلال اپنے قدم ناز سے خاکدان عالم کو مالا مال فرماتے ہیں۔ کاش ادھر ہم گنہگاروں پر بھی نظر کرم فرمائیں۔ ہماری آنکھوں سے حجاب غفلت اٹھائیں جلوۂ زیبا دکھائیں، اپناہی والا وشیدا بنائیں تاکہ انہیں کو دیکھیں، انہی کی سنیں، انہی کی راہ پر چلیں، اسی پر مریں، قیامت کے دن انہی کے زمرہ میں اٹھیں۔

آمد خاتم النبیین کے اطراف واکناف عالم میں ترانے گائے جارہے ہیں۔ وحوش وطیور دھوم مچارہے ہیں۔ کعبہ معظمہ سے آواز بلند ہورہی ہے کہ اب میں بتوں کی نجاست سے پاک کیا جاؤں گا۔ اب مجھ میں خدائے واحد کی پوجا کرنے والے آئیں گے، دیدار پرانور کیلئے مشتاق آنکھیں اٹھی ہیں۔ منادی غیب ندا دے رہا ہے کہ

وہ اُٹھی دیکھ لو گرد سواری! — عیاں ہونے لگے انوار باری
نقیبوں کی صدائیں آ رہی ہیں — کسی کی جان کو تڑپا رہی ہیں!
مؤدب ہاتھ باندھے آگے آگے — چلے آتے ہیں کہتے آگے آگے
فدا جن کے شرف پر سب نبی ہیں — یہی ہیں وہ یہی ہیں وہ یہی ہیں
یہی والی ہیں سارے بے کسوں کے — یہی فریاد رس ہیں بے بسوں کے
یہی ٹوٹے دلوں کو جوڑتے ہیں — یہی بند الم کو توڑتے ہیں
اسیروں کے یہی عقدہ کشا ہیں — غریبوں کے یہی حاجت روا ہیں
یہی کرتے ہیں ہر مشکل میں امداد — یہی سنتے ہیں ہر بیکس کی فریاد
انہیں ہر دم خیال عاصیاں ہے — انہی پر آج بار دو جہاں ہے

فزوں رتبہ ہے صبح وشام اُن کا..... محمد مصطفےٰ ہے نام اُن کا

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ — وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

بہت نزدیک آ پہنچا وہ پیارا — خدا ہے جان و دل جس پر ہمارا
اٹھیں تعظیم کو یاران محفل — ہوا جلوہ نما وہ جان محفل

قیام برائے ادائے سلام

خبر تھی جن کے آنے کی وہ آئے — جو زینت ہیں زمانے کی وہ آئے
فقیرو جھولیاں اپنی سنبھالو — بڑھو! سب حسرتیں دل کی نکالو
پکڑ لو ان کا دامن بے نواؤ — مرا ذمہ ہے جو مانگو وہ پاؤ
مجھے اقرار کی عادت ہے معلوم — نہیں پھرتا ہے سائل ان کا محروم
کرو تو سامنے پھیلا کے دامن — یہ سب کچھ دیں گے خالی پا کے دامن

حسن ہاں مانگ لے، جو مانگنا ہے
بیاں کر آپ سے جو مدعا ہے

عرضِ سلام بدرگاہِ خیر الانام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام — شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہر یار ارم تاجدار حرم — نو بہار شفاعت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

شب اسریٰ کے دولہا پہ دائم درود — نوشہ بزم جنت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

فتح باب نبوت پہ بے حد درود — ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام
کنز ہر بے کس و بے نوا پر درود — حرز ہر رفتہ طاقت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے بیکس کی دولت پہ لاکھوں درود　　مجھ سے بے بس کی قوت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آ گیا　　اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں　　اُس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

جس کے آگے کھنچی گردنیں جھک گئیں　　اس خدا داد شوکت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

ان کے مولا کے ان پر کروڑوں درود　　ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

اصدق الصادقین سید المتقین　　چشم و گوش وزارت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

ترجمان نبی ، ہمزبان نبی　　جان شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

زاہد مسجد احمدی پر درود!　　دولت جیش عسرت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

شیر شمشیر زن شاہ خیبر شکن　　پر تو دست قدرت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

بنت صدق آرام جان نبی　　اس حریم برآءت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

اس بتول جگر پارۂ مصطفےٰ　　حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

حسن مجتبیٰ سید الاسخیاء　　راکب دوش عزت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

اس شہید کربلا ، شاہ گلگوں قبا　　بے کس دشت غربت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

وہ رسول جن کو جنت کا مژدہ ملا　　اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

جان نثاران بدر و اُحد پر درود　　حق گزاران بیعت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

شافعی ، مالک ، احمد ، امام حنیف　　چار باغِ امامت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

غوثِ الاعظم امام التقی والنقی　　جلوۂ شانِ قدرت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

تیرے ان دوستوں کے طفیل اے خدا　　بندۂ ننگ خلقت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

ایک میرا ہی رحمت میں دعویٰ نہیں　　شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور　　بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ　　مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

رضاعت:

صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات دن اپنی مادر مشفقہ کا

دودھ پیا۔ پھر چند روز ثوبیہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ پھر حلیمہ سعدیہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔

یتیمی و بچپن:

ابھی حضور بطن مادر ہی میں تھے کہ حضرت عبداللہ رسول اکرم ﷺ کے والد ماجد ہی ملک عدم ہوئے ۔ پانچ سال کی عمر تھی کہ مادر مشفقہ کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا ۔ دو سال کے بعد حضرت عبدالمطلب آپ کے دادا بھی انتقال فرما گئے ۔ بظاہر اُس دُرِ یتیم کا بجز خداوند تعالیٰ جل شانہ کے کوئی کفیل نہ تھا ۔ آپ کے چچا ابوطالب کچھ عرصہ آپ کے بزرگوں میں زندہ رہے جو سفر تجارت میں بھی آپ کو ہمراہ رکھتے تھے ۔ آپ کی اچھی عادتوں کی بچپن ہی سے شہرت تھی اور اہل عرب نے آپ کے بچپن ہی میں آپ کو امین کا خطاب دیا۔

عالم شباب:

اسی نیک نامی اور ذاتی خوبیوں کے سبب حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ کو اپنی تجارت کا نگران کار تجویز کیا اور اپنا مال فروخت کے لئے دیا۔ پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی ہوئی۔

بعثت:

چالیس برس کی عمر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر غار حرا کی خلوت میں تشریف رکھتے۔ کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے کہ

وہ شمع اُجالا جس نے کیا، چالیس برس تک غاروں میں

اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں !

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو

یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں ، یہ نور نہ ہو سیاروں میں

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں !

وہ جنس نہیں ایمان جسے ، لے آئیں دکان فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں
ہیں کرنیں اک ہی مشعل کی ، بوبکر و عمر عثمان و علی
ہم رتبہ ہیں یاران نبی ، کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

چالیس سال کی عمر میں اشاعت اسلام کیلئے حسب فرمان باری تعالیٰ "قُمْ فَاَنْذِرْ" آپ نے تبلیغ وتعلیم اسلام کا بیڑا اُٹھایا۔ اس خدمت کی انجام دہی میں گیارہ سال مکہ معظمہ میں صرف کئے۔

ہجرت:

اگر چہ اس عرصہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر شجاع بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے لیکن جب کافر دل مشرکوں نے حد سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں۔ تب مجبوراً اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مدینہ منورہ کا عزم فرمایا اور آپ کے ساتھ اکثر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی ہجرت کی۔ وہاں پہنچ کر اول آپ نے اخوت اسلامی کا سلسلہ جوڑا۔ انصار و مہاجرین کو آپس میں بھائی بھائی بنایا۔ آخر اہل مکہ کی زیادتیوں سے تنگ آ کر آپ نے تلوار اٹھائی اور اکثر معرکوں میں کفار کو سخت شکست دی۔ اپنی مقدس زندگی کا پیارا نمونہ تمام عالم کے سامنے پیش فرمایا اور ان کو دعوت دی کہ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ اگر تم اللہ کو چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ کے پیارے بن جاؤ گے۔

رحلت:

آخر بارہ سال مدینہ منورہ میں قیام فرما کر نور اسلام تمام عالم میں پھیلا کر اسلام اور اہل اسلام کی جڑ دنیا بھر میں جما کر اس جہان سے حجاب فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

کاش مالک عالم ہمیں بھی انہی کے نقش قدم پر چلائے۔ انہی کی محبت میں جلائے اسی میں خاتمہ فرمائے اور آخری دن انہی کے سایہ عاطفت میں اُٹھائے۔ ان کی شفاعت کا مستحق بنائے اور ابدی راحت کیلئے جنت فردوس میں پہنچائے اور اپنے عاجز بندہ مؤلف کتاب محمد عبدالعلیم صدیقی کو اپنی محبوبیت کا خلعت پہنائے۔ آمین ثُم آمین بِجَاہ طٰهٰ وَ یٰسین صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ اَتْبَاعِهٖ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

دعاء

مومنو! عجز و التجا کے ساتھ — اب دعا کے لئے اُٹھاؤ ہاتھ
اے خدا! صدقہ کبریائی کا ! — صدقہ اُس نور مُصطفائی کا
سیدھا رستہ چلائیو ہم کو — رنج و غم سے بچائیو ہم کو !
مرتے دم غیب سے مدد کیجو — ساتھ ایمان کے اُٹھا لیجو
جب دم واپسیں ہو یا اللہ — لب پہ ہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
دین و دنیا کی آبرو دیجو — دونوں عالم میں سرخ رو کیجو
کینہ دھو مومنوں کے سینہ سے — سینہ ہو جائے پاک کینہ سے
سب کو اک راہ حق دکھا یا رب — دور ہو اختلاف بے جا سب
دین ہو دین احمدی کل کا — ہو طریقہ محمدی کل کا
ہے خدا تو بڑا سمیع و مجیب — بے مرادوں کو کر مراد نصیب
کل مریضوں کو تندرستی دے — ناتوانوں کے تن میں چستی دے
بے وطن کو وطن میں پہنچا دے — قید سے قیدیوں کو چھڑوا دے
کر غریبوں سے تنگدستی دور — تنگدستوں سے فاقہ مستی دور
رکھتے کثرت سے ہیں جو اہل و عیال — کر عطا اُن کو حسب حاجت مال
جو ہیں مظلوم اُن کی سن فریاد — اور کر غمزدوں کے دل کو شاد

تیرے بندے ہیں سب یتیم و فقیر　　تیرے محتاج کل غریب و امیر
لے خبر بیکسوں غریبوں کی !　　مشکلیں کھول کم نصیبوں کی

نہ رہے کوئی خستہ دل غمگین

سب کی پوری مراد ہو آمین

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنَا فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنَا فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ وَاِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ۔ سُبْحَانَكَ رَبَّ الْبَيْتِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ اَللّٰهُمَّ الْعَنِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَيُقَاتِلُوْنَ اَوْلِيَاءَكَ۔ اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ وَاَنْزِلْ عَلَيْهِمْ بَاْسَكَ الَّذِيْ لَمْ يُرَدَّ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ۔ اٰمِيْنَ۔ بِجَاهِ طٰهٰ وَيٰسٓ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى وَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ اَلْفَاتِحَه ۔

فریاد بہ بارگاہ سرکار بغداد

یا سیدنا غوث الاعظم شیئاً للہ　　سرکار عرب سالار عجم شیئاً للہ شیئاً للہ
اے آلِ نبی اولادِ علی اے محی دین مصطفوی　　اے صاحبِ فضل و جود کرم شیئاً للہ شیئاً للہ
عزت والے حرمت والے طاقت والے قوت والے　　اے صاحب دولت وجاہ وحشم شیئاً للہ شیئاً للہ
یا نوراً من انوار اللہ یا سراً من اسرار اللہ　　یا بحراً من ابحار کرم شیئاً للہ شیئاً للہ
اے جلوۂ حسن حسین وحسن اے لختِ بتول وشیر زمن　　اے جان جانانِ عالم شیئاً للہ شیئاً للہ
ہاں اے محبوب سبحانی ، قطب اقطاب ربانی　　اے غوث وغیاث ومغیث امم شیئاً للہ شیئاً للہ
بیمار ہوں میں ناچار ہوں میں، دنیا سے بہت بیزار ہوں میں　　مونس ہے کوئی نہ کوئی ہمدم ، شیئاً للہ شیئاً للہ

اب حرص وہوا نے گھیر لیا، نفس وشیطان نے زیر کیا　　دیتا ہوں دہائی میں ہر دم شیئاً للہ شیئاً للہ
کشتی ہے بھنور میں آن پھنسی اور کھیون ہار نہیں ہے کوئی　　سب عرض یہ کرتے ہیں پیہم شیئاً للہ شیئاً للہ
میں آپ ہی کا کہلاتا ہوں، اس نسبت پر اتراتا ہوں　　رکھ لیجئے آپ ہی میرا بھرم ، شیئاً للہ شیئاً للہ
میلا ہے قادری مستوں کا دریتی ہے چڑھی اور رنگ رچا　　برکھا ہو کرم کی اب چھم چھم ، شیئاً للہ شیئاً للہ
ہاں بادۂ عشق پلا دیجئے ، مست عرفان بنا دیجئے　　رنگ جائیں آپکے رنگ میں ہم شیئاً للہ شیئاً للہ
در پر یہ بھکاری آیا ہے اور خالی جھولی لایا ہے　　اے قاسم رزق وفضل ونعم شیئاً للہ شیئاً للہ
ہے وقت مدد یا محی الدین پھر ہو احیاءِ دین متین　　پھر فتح مبیں کا اڑے پر چم شیئاً للہ شیئاً للہ

ہے عبد علیم صدیقی ، وابستہ دامانِ قدسی

ہاں صدقہ اجداد کا کرم، شیئاً للہ شیئاً للہ

☆☆☆☆========☆☆☆☆

ادارہ کی ایک اہم پیشکش
دیوبندیوں کے باطل عقائد پر

فیصلہ کُن مناظرے

باہتمام : محمد نعیم اللہ خاں قادری (زیر ترتیب)

ناشر: فیضان مدینہ پبلیکیشنز جامع مسجد عمر روڈ کاموکے

ذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
(خدا کی یاد دلایئے، کہ یاد دلانا مومنوں کو نفع پہنچاتا ہے)

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

المسمّٰی بہ

ذکرِ حبیب ﷺ

(حصہ دوم)

پیش لفظ

میرے حضرت والدِ ماجد حضرت مبلغ اسلام مولانا شاہ محمد عبد العلیم الصدیقی القادری الرضوی قدس سرہٗ العزیز اپنی بے حد تبلیغی معروفیات کے باوجود جب بھی فرصت پاتے تو اپنی روحانی تسکین کے لئے "ذکرِ حبیب" اپنا بہترین وظیفہ نظم و نثر میں فرمایا کرتے تھے۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ حضرتِ اقدس قدس سرہٗ کی وصایا شریفہ میں یہ بات بھی تھی کہ آپ کے افکارِ عالیہ کی طباعت کی ہر عاشقِ نبی و محبِ رسول کو اجازت ہے۔

مسلمانانِ عالم کے لئے حضرت والدِ ماجد علامہ شاہ محمد عبد العلیم الصدیقی القادری الرضوی کی تمام تالیفات مشعلِ ہدایت اور منارۂ نور ہیں۔

شاہ احمد نورانی الصدیقی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَحْمَدِ الْمُجْتَبٰی مَوْلَانَا وَشَفِیْعِنَا مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ؕ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ؕ

صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمُ وَبَلَّغَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ ؕ

نغمۂ توحید

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

ذرّہ ذرّہ میں تو، ہی توٗ   ہر گل میں شجر میں تیری بوٗ
کوئل کرتی ہے کو، کوٗ کوٗ   بلبل ہے چہکتی ہو، ہو، ہو

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

تو، ہی توٗ تھا جب کچھ بھی نہ تھا   جب کچھ نہ رہے توٗ ہی ہوگا
پھر کون ہے کون میں تیرے سوا   تیرا ہی جلوہ ہے ہر سوٗ

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

توٗ ہی خالق توٗ ہی مالک   ہے تیرے سوا سب کچھ ھَالِک
ہے وردِ زبانِ ہر سالک   یا ھوٗ مَنْ ھوٗ یا ھوٗ مَنْ ھوٗ

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

ہے سارے جہاں کی توٗ رونق   اے ذاتِ احد نورِ مُطلق
اَنْتَ الْهَادِیْ اَنْتَ الْحَقُّ   لَيْسَ الْهَادِیْ اِلَّا هُوْ

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

ہر شان میں توٗ ہر آن میں توٗ   ہر آن ہے اک نئی شان میں توٗ
اے جانِ جہاں ہر جان میں توٗ   ہے توٗ ہی توٗ ہر سوٗ ہر کوٗ

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

عابد مصروفِ عبادت ہے   زاہد مشغولِ ریاضت ہے
عالم سرگرم ہدایت ہے   ہے تیری دُھن میں ہر سادھوٗ

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

دُنیا چھانی عالم میں پھرا   پر تیرا سُراغ کہیں نہ مِلا

جب چشمِ بصیرت سے دیکھا — ہے دل کے اندر تو ہی تو

اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ — اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ — اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

نَحْنُ اَقْرَبُ سُنتا ہوں، مگر — ادراکِ قرب مجھے ہو اگر

ہو سمع بھی تو اور تو ہی بصر — ظاہر باطن ہو تیری خو

اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ — اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ — اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

لاریب سمیع و بصیر ہے تو — علّامِ غیوب و خبیر ہے تو

میں بے کس اور نصیر ہے تو — مشغول ہے ذکر میں ہر بُنِ مُو

اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ — اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ — اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

حکمت تیری ہے حکیم ہے تو — سب حادث اور قدیم ہے تو

ہاں جانِ عبدِ علیم ہے تو — یَاھُوْ یاھُوْ یاھُوْ یاھُوْ

اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ — اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ — اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

ترانۂ نعت

از حضرت قبلہ مولانا شاہ محمد عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ جوش و حکیم قدس سرہٗ

الٰہی نعتِ احمد سے بیاں شیریں زباں تر ہو
سخن مقبول و تکرارِ سخن قندِ مکرر ہو

تری بوئے محبت سے دماغِ جاں معطر ہو
تری شمعِ تجلّی سے حریمِ دل منوّر ہو

تمہارے نام کے صدقے تمہاری شان کے قرباں
نبی اللہ، احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو، مقدس ہو، مطہر ہو

تمہیں پایا، خدا پایا، تمہیں دیکھا خدا دیکھا
جمالِ حق نما اپنا دکھا دو تم کہ مظہر ہو

محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصطفےٰ خیر البریّۃ رحمتِ عالم
امام الانبیا سیّد شفیعِ روزِ محشر ہو

دکھایا جلوۂ برقِ تجلی ایک عالم کو
اگر مومن کے دل میں ہو منافق کی زباں پر ہو
خداوندا! بحقِ شاہِ بطحا احمدِ مرسل ﷺ
دمِ آخر زبانِ جوشؔ پر اللہ اکبر ہو

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه
وَسَلَّمُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

اللہ تعالیٰ کا کس قدر احسان ہے کہ اس نے ہمیں انسان بنایا۔ ہماری ہدایت کے لئے اپنے پیارے رسول ہمارے آقا سرکارِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، جنھوں نے ہمیں سیدھا رستہ دکھایا، ہر کام کا بھلا اور بُرا بتایا، ہماری ذمہ داریوں کو جتایا، خدا کے سامنے ہمارا سر جھکایا، دنیا میں رہنے سہنے کا ڈھنگ سکھایا، دانائی اور حکمت کا سبق پڑھایا، وہ نہ آتے ہم کچھ نہ پاتے، یوں ہی جانوروں کی طرح بھٹکتے بھٹکاتے، نہ کچھ سیکھتے نہ سکھاتے، خدا کی تمام نعمتوں کے ہوتے ہوئے بھی کسی نعمت سے صحیح طور پر فائدہ نہ اُٹھاتے۔ قرآنِ کریم میں آیا۔ رب تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ:

"وہ اللہ ہی تو ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا"

"جو ان پر اس اللہ کی آیتیں پیش کرتے، اُنھیں پاک فرماتے اور

کتاب و حکمت سکھاتے ہیں ورنہ اس سے پہلے تو وہ سب کھلی گمراہی میں تھے۔"

انسان کو خبر ہی نہ تھی کہ ہم کیوں بنے؟ کیوں اس دنیا میں آئے؟ انھوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ کھانا پینا سونا، مزے اُڑانا بس یہی ہمارا کام اور سارا عالم ہمارا غلام۔ حالانکہ ذرا بھی عقل کو کام میں لاتے تو سمجھ میں آجاتا کہ اگر اسی قدر ہمارا کام ہے تو ہم میں اور دوسرے جانوروں میں کیا فرق؟ وہ بھی کھاتے پیتے، سوتے اور مزے اُڑاتے ہیں۔

ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ہر عقل مند کاریگر جب کبھی کوئی چیز بناتا ہے بنانے سے پہلے یہ سوچ لیتا ہے کہ یہ کس کام کے لئے ہوگی؟

بڑھئی نے میز کرسی، سنار نے زیور، معمار نے مکان کیوں بنایا؟ اس لئے کہ کرسی پر بیٹھو، زیور اس لئے کہ پہنو، مکان اس لئے کہ اس میں رہو۔ اسی طرح اس زبردست حکمت والے کاریگر، تمام عالم کے بنانے والے ربِ اکبر جل جلالہ نے اس عالم اور اس کی کسی چیز کو بھی بیکار اور نکما نہیں بنایا ——— قرآنِ کریم میں آیا کہ جو سمجھدار ہیں وہ خدا کی کاریگری کے بھید پاکر یوں کہتے ہیں۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ — اے ہمارے رب! تو نے یہ تمام عالم بیکار اور نکما نہیں بنایا۔

دوسری بات یوں سمجھئے کہ ہم جب کبھی کسی چیز کو کوئی نام دیتے ہیں،

وہ بھی نہ کسی کام کو ذہن میں لے کر تجویز کرتے ہیں اور جب تک وہ اس کام کو انجام دیتی ہے ہم اس نام سے اُسے یاد کرتے ہیں۔ جوں ہی وہ اس کام کے قابل نہ رہے وہ کام دینا چھوڑ دے، ہم وہ نام بھی اس سے چھین لیتے ہیں۔ جب تک کرسی بیٹھنے کا کام دے، ہم کہتے ہیں کہ یہ کُرسی ہے۔ زیور پہننے کے قابل ہو، کہتے ہیں کہ یہ زیور ہے، مکان میں رہ سکیں، کہتے ہیں کہ یہ مکان ہے۔ کرسی ٹوٹ جائے، کیل پُرزے الگ ہو جائیں، اس قابل نہ رہے کہ اس پہ بیٹھ سکیں، اگرچہ سامان سب کچھ موجود ہے، مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ کرسی نہیں کوڑا کرکٹ ہے، زیور ٹوٹ پھوٹ جائے، پہننے کے کام میں نہ آسکے، ہم کہتے ہیں یہ زیور نہیں چاندی سونے کے ٹکڑے ہیں، مکان گر جائے، کڑیاں، تختے، اینٹ، پتھر، لوہا، چونا سب موجود، مگر ہم کہتے ہیں یہ مکان نہیں کھنڈر ہے۔

ذرا سوچئے۔ یہ نام ہم نے پہلے کیوں رکھے تھے؟ اور پھر کیوں ان چیزوں سے چھین لئے؟ فقط اسی واسطے کہ نام کام کے سبب دیا جاتا ہے۔ جب تک ان چیزوں نے نام کے قابل کام کیا، ہم نے اُنھیں وہ نام دیا۔ انھوں نے اپنا کام چھوڑا۔ ہم نے اُن سے وہ نام چھینا۔

جب ہر چیز کسی کام کے لئے بنتی اور اس کام ہی کے سبب نام پاتی ہے، تو ہمیں غور کرنا چاہئے کہ اللہ تعالےٰ نے بھی جتنی چیزیں بنائیں۔ سب کسی نہ کسی کام ہی کے لئے بنائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ — زمین میں جو کچھ ہے (اے انسانو!) ہم نے تمہارے لئے ہی بنایا۔

زمین ہمارے لئے فرش بنی، اس میں کھیتی کی گئی۔ درخت اُگے، پھل لگے، پھول کھلے، سب ہمارے ہی کام آئے۔ پتھر کھدے، کانیں نکلیں، سونا، چاندی، ہیرے، جواہرات پائے۔ زیور بنائے۔ آویزے لٹکائے۔ نگینے جڑے، الغرض سب کو ہم ہی کام میں لائے۔ قسم قسم کے جانور، اونٹ، ہاتھی، گھوڑے، بیل، گائے ہی نہیں وحشی جانوروں کی کھال، ہڈی، دانت اور بال تک ہمارے کام میں آئے۔

اوپر نظر اٹھاؤ۔ سورج ہمیں گرمی اور روشنی پہنچائے، چاند اندھیری راتوں کو روشن بنائے۔ ہمارے غلے اور میوؤں میں اپنی میٹھی میٹھی روشنی کی کرنوں سے مٹھاس ڈالے، اُنھیں لذیذ بنائے۔ ستارے ہمیں روشنی پہنچائیں، رستہ بتائیں اور اپنی خاص قسم کی کرنوں سے خاص خاص قسم کے فائدے بخشیں۔ غرض ہر طرح ہمارے کام آئیں۔

ذرا سوچئے تو سہی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا نے ان سب چیزوں کو تو ہمارے کام کے لئے بنایا ہو۔ مگر ہمیں یوں ہی بیکار اور نکمّا پیدا فرمایا ہو!

مشین بنانے والے سے پوچھئے کہ تو نے یہ مشین کیوں بنائی؟ اس سے کیا کام لیا جا سکتا ہے؟ کاریگر سے دریافت کیجئے کہ تیری اس کاریگری کا کیا

منشا ہے ؟ اسی طرح انسانوں کے بنانے والے، سارے عالم کے سجانے والے، اس زبردست کاریگر، خالق و مالکِ جن و لبشر سے پوچھو کہ اے اللہ! تو نے ساری دُنیا تو ہمارے لئے بنائی، ہمیں کس کام کے لئے پیدا کیا ؟

وہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول کی معرفت ہمیں خود ہی بتاتا ہے کہ تم نے دیکھ لیا، دیکھ لو، سمجھ لیا، سمجھ لو، ہر چیز پہ غور کر لو، ہم نے کسی چیز کو بیکار نہیں بنایا، سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا۔ بس اب سُنو کہ :

"سارا عالم تمہارے لئے اور تم ہمارے لئے"

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ	ہم نے جن و انس کو صرف اپنی ہی بندگی کے لئے پیدا فرمایا ۔

اس آیت سے صاف طور پہ ثابت ہوا کہ سارے عالم و عالمیان ہماری خدمت کے لئے بنے اور ہم اس لئے پیدا کئے گئے کہ اس خدا کو جانیں پہچانیں، سمجھیں اور اپنے عمل سے ثابت کریں کہ ہم بندے ہیں اور وہ اللہ ہمارا ربّ تبارک و تعالیٰ ۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بڑے بڑے عالموں نے فرمایا کہ لِيَعْبُدُوْنَ کا مطلب ہے لِيَعْرِفُوْنَ یعنی تمام جن و انس اس لئے

بنے ہیں کہ خدا کو جانیں، اسے پہچانیں اور یہ سمجھیں کہ ہم عبد ہیں، اور وہ معبود ۔

پس اگر ہم خدا کی عبادت کریں، بندگی بجالائیں، اُس کا کہنا مانیں، اُس کے حکموں پہ سر جھکائیں، اُسے جانیں، اُسے مانیں، اُسے پہچانیں اور حقیقی معنوں میں اُس کے بندے بن جائیں، تب تو ہم انسان کہے جانے کے مستحق، اور اگر ہم اس خدمت میں اپنے آپ کو نہ لگائیں، بندگی کے کام سے جان چرائیں، تو جس طرح ہم ان چیزوں سے جو مقررہ کام انجام دینا چھوڑ دیتی ہیں، ان کا نام چھین لیتے ہیں، اسی طرح خدا کی بندگی نہ کرنے، اس کے حکموں پر نہ چلنے، سر نہ جھکانے اور اس کی عبادت بجا نہ لانے کے جرم میں ہم سے بھی انسان کا نام چھین لیا جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ	یہ لوگ تو چوپائے، بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکنے والے ہیں ۔

چوپایہ راہ پر لگانے، ڈانٹنے ڈپٹنے اور زیادہ سے زیادہ مار کھانے سے کسی قدر درست ہو ہی جاتا ہے، اپنے مالک کو پہچانتا اور اس کی فرماں برداری کرتا ہے۔ جو انسانی صورت میں ہوتے ہوئے بھی خدا کی بتائی ہوئی راہ پہ نہ لگے، سزا کی دھمکیاں سُن کر بھی باز نہ آئے بلکہ تکلیفوں میں مبتلا ہونے پہ

بھی نہ سنبھلے وہ حقیقتاً جانوروں سے بھی بدتر، اس سے بہتر اینٹ اور پتھر، اسی لئے ارشاد ہوا کہ :-

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَالِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ـ	تمہارے دل اس کے بعد اور زیادہ سخت ہو گئے۔ پس یہ تو پتھر جیسے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰه

وَسَلَّمْ عَلَيْكَ يَاحَبِيْبَ اللّٰه

دُنیا میں سب سے اوّل درجہ انسان کا قرار دیا گیا۔ خدائے قدوس فرماتا ہے :

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ـ	یقیناً ہم نے انسان کو بہترین بناوٹ پر پیدا فرمایا۔

دوسرا درجہ حیوان کا، تیسرے درجہ میں گھاس پات اور درخت اور سب سے آخری درجہ میں اینٹ، پتھر۔ جو انسان کام کو چھوڑے ڈھور، ڈنگروں کی طرح رہے وہ انسانیت کے درجے سے گر کر بظاہر اگرچہ انسان کی صورت میں ہو، مگر حقیقتاً جانور کہلائے جانے کا مستحق ہے، جو اس درجے سے بھی نیچے گرے وہ یقیناً پتھر بلکہ پتھر سے بھی بدتر۔

انسان وہی ہے جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بندہ سمجھے، اُس کا کہنا

مانے، اور اُس کے حکموں پر چلے۔

خدا کے حکموں کے سامنے سر جھکانے ہی کو ہمارے دین کی اصطلاح میں **اِسْلَام** اور سر جھکانے والے کو **مُسْلِم** کہتے ہیں۔

ہمارے رسولِ مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے حکموں کے ماننے والے، سارے عالم کے پاس اس کا پیغام پہنچانے والے، اس کا مبارک قانون لانے والے، سب سے زیادہ خدا کی عبادت فرمانے والے، اسی کے سامنے اپنا اور ہمارا سب کا سر جھکانے والے، اس لئے وہ انسانیت کے سب سے اچھے نمونے اور وہی سب سے اعلیٰ اور پہلے مسلمان، انہی کی شان میں ارشادِ باری کہ :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ـ	یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بہترین نمونہ (انسانیت) موجود ہے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه

وَسَلَّمْ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

مظہرِ واحد و اَحد فرد ہیں سب صفات میں

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ کی شان جلوہ نما ہے ذات میں

سرِّ حقیقتِ وجود، کُنہِ معانیٔ شہود
نقطۂ اتّصال ہیں واجب و ممکنات میں

بزمِ جہاں میں بے حجاب جب سے ہوا ہے سازِ حق
نعتِ نبی کی دھوم ہے ساری ہی کائنات میں

دعوئے عشق کی دلیل، وصلِ حبیب کی سبیل
ملتی ہے بے خودی میں اور ترکِ تلذّذات میں

آپ کی اک نگاہ سے آئینہ ساں چمک اُٹھے
دل جو ہوئے تھے مُبتلا رجسِ تکدُّرات میں

آب و ہوا و آگ و خاک نہ کیوں ہوں اُنکے تحتِ حکم
ساری ہی کائنات ہے اُن کے تصرّفات میں

غیر نہ تھا نہ غیر ہے، غیر نہ ہو سکے کبھی
کِس لئے پھر پھنسے عَلیم وہم تعیّنات میں

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ
وَسَلَّمَ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

یہ بات ظاہر ہے کہ ہر سفید چیز چاندی اور ہر سُنہری چیز سونا نہیں کہی جاسکتی۔ ہم ان چیزوں کو کسوٹی پر پرکھتے اور جانچتے ہیں کہ یہ سونا ہے اور یہ چاندی۔ اِسی طرح آنکھ کان ناک ہاتھ پیر کی اس صورت کو آدمی نہیں

کہتے بلکہ آدمی وہی ہے جو آدمیت کا کام کرے، انسان وہی ہے جو اس کسوٹی پر پورا اترے جو انسان کے لئے اس کے پیدا کرنے والے خدائے تعالیٰ نے بنائی۔

اگر صرف صورت کے سبب کسی آدمی کا نام دیا جاتا تو خدا کی بندگی سے سر پھیرنے والوں کو جانور، چوپایوں بلکہ اینٹ پتھر سے بدتر نہ کہا جاتا۔ بوجہل کی ظاہری صورت بھی تو آدمیوں ہی کی سی تھی اور آج ہزاروں لاکھوں پتھروں کے پجاری بھی تو بظاہر آدمیوں ہی کی سی شکل رکھتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جب اُنھوں نے پتھروں کے سامنے سر جھکائے اُن کو اپنا بڑا بنایا، اُن کے اس عمل نے خود بتایا کہ وہ پتھروں سے بُرے ہیں اسی لئے ان کے سامنے سر جھکاتے اور گائے، بیل، لنگور اور بندر تک کو اپنا معبود بناتے ہیں اور ان کی تعظیم بجالانے کو اپنا مذہبی فرض ٹھہراتے ہیں۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اسی مضمون کو عجیب انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ:

گر بصورت آدمی انساں بُدے   احمد و بوجہل خود یکساں بُدے

اگر صورت ہی کے سبب آدمی زادہ انسان کا خطاب پاسکتا تو ابوجہل اور آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں برابر کہلاتے۔ لیکن حقیقۃً ان دونوں میں بڑا زبردست فرق ہے۔ دیکھو کہ:

احمد و بوجہل در بتخانہ رفت
درمیانِ رفتِ شاں فرقے است ژفت

سیّدِ عالم احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوجہل دونوں اس بتخانے میں گئے (جو ابراہیم علیہ السلام نے ایک خدا کی عبادت کے لئے بنایا تھا، مگر اس زمانہ میں وہی مبارک کعبہ بتخانہ بنا ہوا تھا) دونوں کے جانے میں بڑا زبردست فرق ہے۔ اس لئے کہ :

اُو در آید سر نہد چوں آستاں

ایں در آید سر نہد اُو را بُتاں

ابوجہل آتا ہے تو غلاموں کی طرح بتوں کے سامنے سر جھکاتا ہے اور حضور احمد مرسل صلی اللہ علیہ وسلم اُسی بُت خانے میں تشریف لاتے ہیں تو بُت اوندھے، مُنہ کے بل گر جاتے ہیں اور خاص انداز میں حضور کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو انسان ہیں اُن کے سامنے پتھر بھی سر جھکاتے ہیں اور جو پتھروں سے بھی بدتر ہیں وہی پتھروں کو دیوتا بناتے ہیں۔ انسانِ کامل اور تمام انسانوں کے لئے بہترین انسانیت کا نمونہ، یا یوں کہو کہ انسانیت کے لئے کسوٹی ہمارے آقا و مولیٰ حضور نبی اکرم حضرت محمد رسول اللہ ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

وَسَلَّمْ عَلَیْكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم مظہرِ کامل ہے حق کی شان وشوکت کا

نظر آتا ہے اس کثرت میں اک انداز وحدت کا

یہی ہے اصلِ عالم مادّہ ایجاد خلقت کا

یہاں وحدت میں برپا ہے عجب ہنگامہ کثرت کا

گنہ مغفور، دل روشن، خنک آنکھیں، جگر ٹھنڈا

تعالیٰ اللہ ماہِ طیبہ عالم تیری طلعت کا

صفِ ماتم اُٹھے، خالی ہو زنداں، ٹوٹیں زنجیریں

گنہگارو! چلو مولا نے دَر کھولا ہے جنت کا

رضا[1] خستہ جوشِ بحرِ عصیاں سے نہ گھبرانا

کبھی تو ہاتھ آجائے گا دامن اُن کی رحمت کا

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

وَسَلَّمْ عَلَیْكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

پُرانے زمانہ میں پچھلی اُمتوں نے خدا کی نافرمانی کی، اللہ تعالیٰ نے اُن پہ عذاب بھیجا، اُن کی صورتیں بدل کر بندروں جیسی بنا دیں، یہاں تک کہ وہ

---

[1] اعلیحضرت امام اہلِ سُنّت مجدّدِ مأتہ حاضرہ وسیّدی واستاذی حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرّہٗ القوی۔

آپس میں لڑ کر ایک دوسرے کو پھاڑ کر سب کے سب ہلاک و برباد ہو گئے۔ یہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے اور اُن کی دعاؤں کی برکت کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کی تشریف آوری کے بعد اس قسم کے عذاب سے حضور کے سنگدل دشمنوں، کافروں اور مشرکوں کو بھی محفوظ رکھا۔ سرکار کو رحمت اللعالمین کا خطاب دیا سارے جہانوں کے لئے رحمت بنایا۔ آپ کی غیرت نے گوارا نہ فرمایا کہ رحمت اللعالمین کے ہوتے ہوئے لوگ ایسے عذاب میں مبتلا کئے جائیں، راتوں کو روتے روتے مبارک آنکھیں سوجھ جاتیں اُدھر کافر دلیری کے ساتھ کہتے کہ لاؤ دکھاؤ کہاں ہے وہ عذاب جس سے آپ ڈراتے ہیں؟ اِدھر سرکار اپنے رب کے حضور فریاد فرماتے ہیں۔ آخر مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے حضور کو تسکین دے کر فرمایا کہ:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ط

(یارسول اللہ!) اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہ فرمائے گا جب تک کہ آپ ان میں موجود ہیں۔

پھر ارشاد فرمایا کہ:-

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہ فرمائیگا جب تک یہ اللہ سے مغفرت چاہتے رہیں۔

الغرض یہ سرکار کا صدقہ ہے کہ تمام عالم کے انسان اس قسم کے عذاب سے اس دنیا میں بچ گئے۔ مگر عالم روحانی و برزخ میں اعمال کے اعتبار سے صورتیں پاتے اور قیامت کے دن ہر ایک کے اعمال اس کی صورت سے نمایاں کئے جاتے۔ رب تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ

جس دن (اعمال کے اعتبار سے) چہرے نورانی یا کالے کالے (ڈراؤنے) کر دئے جائیں گے۔

آج اس دُنیا میں وقت ہے کہ ہر انسانی صورت رکھنے والا خدا کے اس انعام کی قدر کرے اور اپنی زندگی کا صحیح مقصد معلوم کرتے ہوئے اپنے آپ کو حقیقی انسان بنائے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ زندگی کا مقصد خدا کی پہچان ہے، تو غور کے قابل یہ بات ہے کہ اس ذات کو جانیں تو کیونکر جانیں؟ اُسے پہچانیں تو کس طرح پہچانیں جبکہ نہ آنکھوں نے اُسے دیکھا، نہ ہاتھ سے اُس کو ٹٹول سکیں، نہ کان سے اُس کی آواز سُن سکیں، اگر عقلی گھوڑے دوڑائیں، ذہن و فکر سے کام لیں اور اُس کے متعلق اپنی طرف سے کوئی خیال قائم کریں تو وہ خیال ہمارا پیدا کیا ہوا خیال ہوگا، اور وہ رب العزت خالق ہے، نہ کہ مخلوق، ہماری عقل اور ذہن اس کو گھیرے، یہ ناممکن، جو گھر جائے اور ہمارے وہم و خیال میں آئے

وہ خدا ہو ہی نہیں سکتا بس وہ اللہ اپنے جاننے پہچاننے کی ترکیب خود ہی بتاتا اور قرآن کریم میں اس طرح ارشاد فرماتا ہے کہ:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔ — اللہ وہی ہے جس نے اُمّیوں (ان پڑھوں) میں ایک ایسے رسول کو بھیجا جو انہی میں سے ہے، یعنی اس اللہ نے اپنی شان جتانے اور اپنے عرفان کی منزل طے کرانے کے لئے ایک ایسے فرد کو اس عالم میں بھیجا جس کی ذات وصفات میں اپنی ذات وصفات کا جلوہ دکھایا، انہیں خود پڑھایا، خود سکھایا، خود سمجھایا اور وہی باتیں دنیا والوں کو سکھانے، پڑھانے اور سمجھانے کے لئے خدمتِ رسالت پر مقرر فرمایا کہ ایک طرف اللہ کی باتیں زبان سے بتائیں، دوسری طرف اپنے آئینہ میں اس کی صفات کا جلوہ دکھائیں۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ
وَسَلَّمْ عَلَیْكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

اللہ اللہ جمالِ شہِ بطحا دیکھو
نورِ حق جلوہ نما ہے رُخِ زیبا دیکھو

اسمِ اللہ کا مظہر ہے جمالِ احمد صلی اللہ علیہ وسلم
قابلِ دید ہوں آنکھیں تو یہ جلوا دیکھو

حق نما آئینہ ہے شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لاریب
ہے اگر دیدۂ بینا دلِ دانا دیکھو

کنزِ مخفی کا ہے وہ نورِ ظہورِ اوّل
چشمِ حق بیں سے جمالِ شہِ بطحا دیکھو

اللہ اللہ زہے شانِ رسولِ عربی
نہیں مخلوقِ خدا میں کوئی ایسا دیکھو

رُخِ روشن سے اُٹھا دیجئے بُرقع شاہا
کتنے مشتاقِ زیارت ہیں خدارا دیکھو

ایک مدّت سے تڑپتا ہوں زیارت کے لئے
نظرِ مہر سے اس ذرّہ کو شاہا دیکھو

سُرمۂ چشم اگر خاکِ درِ احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو
نورِ توحید کا ہر رنگ میں جلوا دیکھو

جن کو فردوسِ بریں کی ہو تمنّا مختار
اُن سے کہہ دو کہ چلو پہلے مدینا دیکھو

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ
وَسَلَّمْ عَلَیْكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

رسول حقیقتہً خالق ومخلوق وعابد ومعبود کے درمیان ایک واسطہ ہیں کہ خدا سے اُس کی باتیں سیکھتے اور اس عالم والوں کو سکھاتے ہیں، وہ اپنی طرف سے

کوئی بات نہیں فرماتے بلکہ وہی بتاتے ہیں، جو اللہ سے تعلیم پاتے ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ:-

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی۔

یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں فرماتے بلکہ وہی فرماتے ہیں جو خدا سے وحی پاتے ہیں۔

وَحی؛ خدا کی تعلیم کا وہ طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور نبیوں کے لئے اختیار فرماتا ہے۔ عالم والے دیکھیں اور خود ہی سمجھیں کہ جب یہ بھی اُمّی وہ بھی اُمّی۔ نہ ان کو کوئی ظاہری اُستاد ملا، نہ اِن کو، پھر انھوں نے یہ باتیں اور یہ علم و حکمت کا سبق کہاں سے سیکھا؟ یقیناً جب ظاہری کوئی اُستاد نہیں تو باطنی سکھانے والا وہ رب ہی ہو سکتا ہے جس کی طرف یہ بُلا رہے ہیں۔ وہ رب خود ہی جانتا ہے کہ اس کی کیا شان ہے اور کیا صفات؟ وہ خود بتاتا ہے خود تعلیم فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:

اٰتَيْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا

ہم نے اس رسول کو اپنی طرف سے علم سکھایا، اسی لئے ان رسول کی شان بتائی جاتی ہے يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ یہ رسول ان کے سامنے اللہ کی نشانیاں پیش فرماتے ہیں، اُس کے وجود پر عقلی دلیلیں سُناتے ہیں اور علامتیں دکھاتے ہیں۔ ہم کسی نابینا کے سامنے ہزار طریقوں پر بیان کریں کہ نارنگی کا رنگ ایسا ہوتا ہے، کسی بہرے کو مختلف

طریقوں سے سمجھائیں گے کہ گانے، باجے میں راگنیاں ایسی دلکش ہوتی ہیں لیکن وہ ہرگز نہیں سمجھ سکتا، جب تک کہ آنکھوں سے پردہ نہ ہٹے اور کان میل کچیل سے صاف نہ ہوں۔

اسی لئے ان رسول کو وہ طریقہ بھی سکھا دیا گیا کہ ان دل کے اندھوں کی قلبی آنکھوں، دل کے کانوں اور بیہودہ خیالات سے بھرے ہوئے دماغوں کو صاف کرکے ان کی باطنی صلاحیتوں کو کس طرح کارآمد بنائیں اور بروئے کار لائیں کہ یہ اللہ کی نشانیاں دیکھ اور سمجھ سکیں۔ اسی لئے ان کی شان اس طرح ظاہر فرمائی کہ:

وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔

(وہ رسول) ان کو (ہر قسم کی آلودگی سے) پاک فرماتے ہیں (اور دل کو آئینہ کی طرح شفاف بنا کر) ان کو کتاب و حکمۃ (یعنی عقلی و نقلی علوم) سکھاتے ہیں۔

قرآن کریم کی تلاوت فرما کر، دلوں کو لُبھا کر، ان کے زنگ اور میل کچیل کو ہٹا کر معانی و مطالب قرآنی سمجھا کر اسرار ذات و صفات الٰہی تعلیم فرماتے ہیں۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہ
وَسَلَّمَ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰہ

چھٹی صدی عیسوی یا آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کی تاریخ پر نظر ڈالئے کہ اس وقت زمانہ کا کیا حال تھا؟ آدمی کہلانے والے بشری صورت آدمی

کی سی صورت ضرور رکھتے تھے، مگر عادت، خصلت اور طبیعت کے اعتبار سے جانور ہی نہیں، جانوروں سے بھی بدتر، گھاس پات بلکہ ان سے بھی ذلیل تر! یقیناً ایسے پتھر کو بھی ان سے بہتر کہا جائے تو بجا، پھر یہی نہیں کہ کسی ایک ملک کے رہنے والوں کی یہ حالت ہو۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ :-

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ؕ (حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے) وہ سب (کے سب) کھلی ہوئی گمراہی میں (پڑے) تھے۔ یعنی انھیں یہ بھی خبر نہ تھی کہ انسان کسے کہتے ہیں؟ اور اس کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ اسے کس رستے پر چلنا چاہیے؟ کیا کرنا اور کیا نہ کرنا چاہیے؟

بابل کی تہذیب بری ہو یا بھلی ختم ہو چکی۔ مصر کی ترقی کی روایتیں افسانہ اور کہانی بن کر رہ گئیں، یونان کے فلسفہ و حکمت کے سبق دفن ہو چکے، ہندوستان اور ایران کس گنتی میں ہیں وہ یورپ والے جو آج تہذیب کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں، اندھوں کی طرح بھٹک رہے تھے۔ چوتھی صدی کے اس واقعہ ہی سے ان کے بھٹکنے کا اندازہ لگائیے :-

ایک مسیحی بادشاہ کی صدارت میں مقام "انیس" پر ایک بڑی زبردست کانفرنس ہوتی ہے، اس میں سب سے اہم بحث یہ رکھی گئی کہ "عورتیں آدمی ہیں یا جانور" بہت زوردار بحث کے بعد آخر بادشاہی بیگمات کی خاطر محض کثرتِ رائے

سے یہ قرار دیا گیا کہ: "عورتیں ہیں تو آدمی مگر مرد کی خدمتگار" اس سے یہ اندازہ کیجئے کہ تہذیب و تمدن اور اصولِ معاشرت و معیشت کے اعتبار سے اس دور میں اِن مدعیانِ تہذیب کی حالت کیا تھی؟ بھلی عادتیں کیسی اور پسندیدہ چال چلن کا کیا ذکر؟ یوں کہئے کہ دنیا بھر کی کوئی بُرائی ایسی نہ تھی جو اُن کی گھٹی میں نہ پڑی ہو۔ ان کی بے حیائی اور بے غیرتی کا نقشہ پیش کرتے ہوئے آج ہمیں شرم آتی ہے، لیکن اس زمانہ میں وہ بے شرمی کی باتیں ہی بھلی سمجھی جاتی تھیں۔ قرآن نے بتایا، تاریخ نے دکھایا کہ جا بجا ہادی اور رہبر آئے اور ضرور آئے اور ہر ایک نے یہی سکھایا اور ضرور سکھایا کہ :

"اس عالم کو ایک پیدا کرنے والے نے بنایا اور انسان وہی ہے جو اُس مالکِ عالم کے حکموں کے سامنے سر جھکائے۔ اور زندگی گزارنے کا جو طریقہ وہ پروردگار بتائے اُس پر چل کر آدمی بن جائے۔"

حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسےٰ (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) سب نے یہی بتایا، خود مصیبتیں اُٹھائیں، تکلیفیں سہیں، خدا کے عذاب سے ڈرایا دھمکایا اور اس کے انعام کا وعدہ یاد دلایا، مگر آخر وہ وقت آیا کہ شام و عراق، فلسطین و حجاز کہیں بھی کسی کی تعلیم کا کوئی اثر باقی نہ رہا، اگر نام نہاد کچھ افراد اس خدا کی یاد میں لگے بھی تو اس طرح کہ بستیوں کو چھوڑ چھاڑ جنگل اور پہاڑ کے کونوں میں جا چھپے، بنی اسرائیل و بنی اسمٰعیل

دونوں کے بڑے دادا حضرت ابراہیم علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام نے ایک خدا کی عبادت کے لئے مکۂ معظمہ میں کعبۂ مکرمہ بنایا۔ مگر وہ وقت آیا کہ کعبہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بتوں کی مورتیاں نصب ہیں اور کھلے بندوں ان کی پوجا ہو رہی ہے۔ مرد و عورت بالکل ننگے ہو کر اس کعبہ کے چاروں طرف چکر لگاتے اور بتوں کی عبادت کی رسم بجا لاتے۔ جب توحید کے اس گہوارے میں شرک اور بُت پرستی کا یہ حال تھا تو دور دراز مقامات پر کیا نوبت ہوگی؟

اخلاق کی پستی، دل کی سختی، اس درجہ پر پہنچی ہوئی کہ دُنیا بھر کے عیب اُن میں موجود، اور طرّہ یہ کہ اُن پر فخر و ناز۔ قتل و غارت دن رات کا پیشہ، بات بات پر لڑنا، خونریزی کرنا، چھوٹے بڑے سب کا وطیرہ، اسی کا نام ان کے نزدیک بہادری اور یہی بات دوسرے ملک والوں کے مقابلہ میں ان کو ممتاز بنانے والی، دوسروں کے قتل کا تخمیں کیا اندیشہ جبکہ اُن کے بڑے بڑے خود اپنی بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کرنے، گلا گھونٹنے اور ذبح کرنے میں اپنی شان سمجھتے ہوں۔ اس شرمناک داستان کو کہاں تک دُہرائیں، اس مختصر وقت میں کیونکر سُنائیں ؎

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ وہ کیا تھا — جہاں سے الگ اک جزیرہ نما تھا
قبیلہ قبیلہ کا اک بُت جُدا تھا — کسی کا ہُبل اور کسی کا صفا تھا

وہ تیرتھ تھا اک بُت پرستوں کا گویا
جہاں نامِ حق کا نہ تھا کوئی جویا

چلن اُن کے جتنے تھے سب وحشیانہ — ہر اک لُوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ — نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اَڑ بیٹھتے تھے — سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے — تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے

بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اس سے بھڑک اُٹھتا تھا ملک سارا

کہیں تھا مویشی چَرانے پہ جھگڑا — کہیں آگے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لبِ جُو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا — کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا

یونہی روز ہوتی تھی تکرار اُن میں
یونہی چلتی رہتی تھی تلوار اُن میں

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر — تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب کہ شوہر کے تیور — کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اُس کو جا کر

نہ شفقت تھی دل میں نہ رافت تھی دل میں
نہ لڑکی کے مرنے پہ حسرت تھی دل میں

جُوا اُن کی دن رات کی دل لگی تھی — شراب اُن کی گُھٹی میں گویا پڑی تھی

تعیش تھا، غفلت تھی، دیوانگی تھی غرض ہر طرح ان کی حالت بُری تھی

بہت اس طرح اُن کی گزری تھیں صدیاں
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ
وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

دلوں کی سختی کا یہ عالم نہ بڑوں کی عزت، نہ چھوٹوں کے ساتھ محبت، نہ کسی کے دکھ سے تکلیف، نہ کسی کی بے بسی اور بے کسی پہ ترس و حسرت، اُن کے دل پتّھر کی طرح سخت بلکہ سختی میں پتّھر سے بھی بڑھ کر[1]

اسلام لانے سے پہلے حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہی کا حال دیکھئے۔ آپ کے خاندان کی ایک باندی لُبَیْنَہ نامی کے کانوں میں اسلام کی آواز پہنچی، اگرچہ کافروں کے ہاتھوں پلی ہوئی تھی مگر فطری آزادی رنگ لائی، اسلام کی سچائی دل میں اُتری اور وہ سچے دل سے مسلمان ہو گئی۔ حضرت عمر کو جونہی خبر ملی غصہ میں لال پیلے ہو گئے، اُسے مارنا پیٹنا شروع کیا۔ بے تحاشا مارتے مارتے تھک جاتے تو فرماتے "ذرا دم لے لوں تب پھر ماروں گا۔ تو اسلام کیوں لائی؟ مسلمان کیوں بنی؟ بتوں کی پوجا کیوں چھوڑی؟"

اسلام کے خلاف دل میں وہ سختی کہ لُبَیْنَہ کے سوا جس مسلمان پر قابو پاتے

[1] اگر مختصر کرنا مقصود ہو تو "تزکیۂ باطن" کے عنوان پڑھئے۔

مار پیٹ میں کمی نہ فرماتے۔ پہلوان تھے، بہادر تھے، کُشتی لڑنے میں بھی کمال رکھتے تھے، ہر ایک اُن کے رُعب سے تھرّاتا تھا۔ مگر اللہ اکبر اسلام کا نشہ جس کو مست بناتا، ایک عمر کیا ہزاروں ایسے مخالفین کے بس میں نہ آتا۔ مکہ کے بڑے بڑے سُورما سب اسی قسم کی سختیوں پر اُترے ہوئے تھے۔ ایک دن قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے مِل جُل کر یہ فیصلہ کیا کہ کسی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ حضرت عمر جو اپنی بہادری میں مشہور و یکتا اور اسلام کے مقابلہ کے لئے ان سب میں بے ہمتا تھے۔ تلوار نیام سے نکالتے لات و عزّیٰ اور بڑے بڑے بتوں کی قسم کھاتے اور فرماتے ہیں کہ آج تلوار نیام میں نہ ڈالیں گے، جب تک کہ (معاذ اللہ) محمدِ عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر بدن سے جُدا نہ کر دیں"۔ یہ کہہ کر اُٹھے اور سرکار روحی فداہ کے قیام گاہ کی طرف چلے راستہ میں اتفاقاً حضرت نعیم بن عبد اللہ مل گئے، ان کے تیور دیکھ کر پوچھا: "خیر تو ہے! ننگی تلوار لئے آج کہاں چلے؟" بولے "آج محمدِ عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں"۔ انھوں نے کہا "پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، خود تمہارے بہنوئی سعید اور بہن فاطمہ بھی اسلام لا چکے ہیں، اور دامِ محبتِ محمدی میں گرفتار ہو چکے ہیں"۔ یہ سُنتے ہی حضرت عمر جوش میں آئے اور پہلے بہن ہی کے گھر کا راستہ لیا۔ جوں ہی دروازے پر پہنچے، اندر سے کچھ پڑھنے کی آواز کان میں آئی۔ آپ کی بہن حضرت فاطمہ اس وقت تلاوتِ قرآن میں مشغول تھیں

یہی آواز تھی جو حضرتِ عمر نے سُنی، دروازہ کھٹکھٹایا۔ بہنوئی آئے دروازہ کھولا۔ ان سے پہلا سوال یہی کیا کہ "کیا تم مسلمان ہو گئے ہو؟" وہ بے چارے چُپ رہ گئے۔ تیور بدلے ہوئے ہیں، ننگی تلوار ہاتھ میں ہے۔ غضب میں آکر بلا باریِ سوال، آخر انھیں مارنا شروع کیا۔ بہن آئیں، اُن کی بھی خبر لی۔ یہاں تک کہ ان کا بدن بھی لہو لہان ہو گیا۔ پٹ رہی ہیں، خون بہہ رہا ہے، تلوار سر پہ ہے۔ مگر اللہ رے استقامت و ہمت۔ جوش میں آکر فرماتی ہیں :-

"اے عمر! چاہے مارو چاہے چھوڑو، قتل کرنا ہے کر ڈالو، ہم تو ایک اللہ کے بندے اور رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرماں بردار بن چکے۔ اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا :

سر کٹے، کُنبہ چھٹے یا گھر لُٹے
دامنِ احمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہاتھوں سے چھُٹے

اس استقلال و استقامت کا اثر حضرت عمر کے قلب پر ایسا پڑا کہ دل بھر آیا اور بے اختیار فرمایا۔ "آخر مجھے بھی تو بتاؤ کہ اسلام میں کیا ہے؟ میں نے دروازے پر سُنا کہ تم کچھ پڑھ رہی تھیں، مجھے بھی سُناؤ، مجھے بھی دکھاؤ۔" بہن یہ سُن کر قرآنِ کریم کے وہ اجزاء، جو حضرت عمر کے ڈر سے چھپا دیے تھے، پھر نکال کر لائیں اور آپ کے سامنے رکھ دیئے۔ اُٹھا کر دیکھا تو یہ سورۃ تھی :

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ — آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اللہ

وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ — کی پاکی بیان کرتا ہے، وہی عزت و حکمت والا ہے۔

پڑھتے پڑھتے جب اس آیت پر پہنچے کہ :

اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ — اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ

بے ساختہ بول اُٹھے کہ :-

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ — میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

کلمہ پڑھ کر اُٹھے اور سرکار کے دربار کی طرف بڑھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان دنوں ارقم کے مکان میں چھپے ہوئے تھے۔ دشمن چاروں طرف تاک میں لگے ہوئے اس لئے دروازہ بند تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ دروازہ پر پہنچے، دستک دی۔ یہ خبر آستانِ نبوت پر پہنچ چکی تھی کہ آج عمرؓ اس ارادے سے نکلے ہیں، اس لئے جو صحابہ گھر میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، گھبرا گئے لیکن حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ہمت کی اور فرمایا: "کچھ پروا نہیں" دروازہ کھول دو، اگر سر جھکانے کے لئے آئے ہیں رحمت کا دامن کھلا ہے اور اگر سرکشی مقصود ہے، تو اُن ہی کی تلوار ہوگی انھیں کا سر۔ دروازہ کھلا

حضرت عمرؓ زبانِ حال سے گویا یوں کہتے ہوئے آگے بڑھے :

جوں ہی سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پہنچے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا :-

"اے عمر! ہم سے کب تک جُدا رہوگے ؟"

محبت بھرے انداز میں اس جملہ کا ادا ہونا تھا کہ حضرتِ عمرؓ کانپ گئے اور پکار اُٹھے :-

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بے ساختہ بلند آواز میں فرمایا: "اَللّٰهُ اَكْبَرُ"

ساتھ ہی سب صحابہ نے اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ مکہ معظمہ کی پہاڑیاں گونج اُٹھیں۔

وہ دل جس میں کفر تھا، شرک تھا، اسلام سے دشمنی تھی، عناد تھا، آئینہ کی طرح چمک اُٹھا، جلوۂ توحید سے دمک اُٹھا۔ آن کی آن اور لحظہ کے لحظہ میں کایا پلٹ گئی۔ یہ ہے ان رسولِ اُمّی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تزکیہ فرمانے اور دلوں کو پاک بنانے کی شان۔ کاش! ہم پر بھی وہی نظرِ کرم پڑ جائے جو ہمارے دلوں کو بھی آئینہ کی طرح چمکا دے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَسَلَّمَ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

نگاہِ لطف کے اُمیدوار ہم بھی ہیں
لئے ہوئے یہ دلِ بے قرار ہم بھی ہیں

کِھلا دو غنچۂ دل صدقہ بادِ دامن کا
اُمیدوارِ نسیمِ بہار ہم بھی ہیں

تمہاری ایک نگاہِ کرم میں سب کچھ ہے
پڑے ہوئے تو سرِ رہگذار ہم بھی ہیں

ہمارے دستِ تمنّا کی لاج بھی رکھنا
ترے فقیروں میں اے شہریار ہم بھی ہیں

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاکِ حضورؐ
تو پھر کہیں گے کہ ہاں! تاجدار ہم بھی ہیں

ہماری بگڑی بنی، اُن کے اختیار میں ہے
سپرد اُنہی کے ہیں سب کاروبار ہم بھی ہیں

حسنؔ ہے جن کی سخاوت کی دھوم عالم میں
اُنہی کے تم بھی ہو اک ریزہ خوار ہم بھی ہیں

وہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ایمان لانے، اور اسلام کا اقرار فرمانے کے بعد کفر، شرک، تکبّر، ظلم، فسق، فجور اور ہر اُس روحانی بیماری سے جو ان کو خدا

ؔ استاذِ زمن حضرت مولانا شاہ حسن رضا خاں صاحب حسنؔ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

سے دور کئے ہوئے تھی۔ نجات پاتے اور آدمیت و عرفانِ الٰہی کے اس بلند مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شان میں فرماتے ہیں :-

لَوْ كَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ (ترمذی) اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتے ۔

اللہ کی پہچان کے اس بلند مقام پر پہنچ کر خدا کی صفتوں کا ظہور ان کی صفات میں اور خدا کی قدرت کا جلوہ ان کی ذات میں، حق ان کی زبان پر جاری اور کمالِ مقامِ عبدیت میں خوف و خشیتِ الٰہی ہر وقت ان پر طاری، خدا کے ساتھ جو راز و نیاز ہیں اور اس کے تقرب میں جو درجہ حاصل اس کو تو خدا ہی جانے، بحیثیتِ اشرف المخلوق تمام کائنات پر جو برتری حاصل ہے، اُس کا نمونہ دیکھئے کہ جاندار، درخت اور پتھر ہی نہیں، اگر یوں کہئے کہ پانی، ہوا، مٹی اور آگ سب پر ان کی حکومت تو بے جا نہ ہو۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو :

ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے جنگل میں آگ لگی، جنگل جلاتے جلاتے آگ مدینہ کی بستی کے قریب آ پہنچی، شہر والے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں فریاد لائے۔ حضرت نے فرمایا " جاؤ آگ کے سامنے جا کر کہہ دو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بستی ہے۔ اے آگ ! خبردار ! آگے نہ بڑھ۔ لوٹ جا۔" اس حکم کا پانا تھا کہ آگ بجھ گئی اور بستی بچ گئی ۔

آپ نے سُنا ہوگا ۔ ملک مصر میں اسلام سے پہلے کفر کی حکومت تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں فتوحات کا سلسلہ بڑھا۔ ملک مصر بھی فتح ہوا۔ کفر کی جگہ اسلام کا علم لہلہایا، شرک کی جگہ توحید کا چاند جگمگایا۔ مصر میں نیل، ایک بڑا دریا ہے جیسے ہندوستان میں گنگا، اسی پر وہاں کھیتی باڑی کا دار و مدار۔ اگر اس میں زوردار پانی آجائے، ملک میں پیداوار ہو جائے، پانی کم آئے قحط پڑ جائے۔ مصر کے رہنے والے اس دریا کی عزت ہی نہیں پوجا کرتے اور ہر سال اس خاص انداز سے بھینٹ چڑھاتے کہ ایک سب سے زیادہ خوبصورت کنواری لڑکی کو سجاتے، زیور پہناتے، ڈولے میں بٹھاتے، برات بنا کر ڈھول باجے بجا کر دریائے نیل کے کنارے لاتے، چند روز خوب جشن مناتے، اور آخر اس لڑکی کو سب ساز و سامان کے ساتھ بیچ دھار میں ڈال کر دریائے نیل میں بہاتے۔

ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اگر دریائے نیل کو یہ بھینٹ نہ دی جائے گی، دریا میں طغیانی نہ آئے گی، کھیتی کو پانی نہ ملے گا، قحط پڑے گا اور مخلوق تباہ ہو جائے گی۔

اسلام نے شرک مٹایا، کفر کی رسموں کو چھڑایا، مسلمان والیٔ مصر نے حکم دیا کہ " اب مصر پر خدا کی حکومت قائم ہو چکی ہے، نہ بتوں کی پوجا ہوگی نہ دریا پر بھینٹ چڑھائی جائے گی۔" ادھر اس بیہودہ رسم کو روکا، ادھر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سارا حال لکھا۔ حضرت نے والیٔ مصر کے اس حکم کی تعریف کی اور دریائے نیل کے نام ایک تحریری فرمان بھیجا کہ :-

"اے نیل کے دریا! اگر تو اپنی قوت، اپنی طاقت سے بہتا اور رُکتا ہے، تو رُک جا۔ ہمیں تیرے پانی کی ضرورت نہیں اور اگر خدا کے حکم سے بہتا ہے تو میں اسی اللہ (جلّ جلالہ) سے جو واحد و قہّار ہے، سوال کرتا ہوں کہ وہ تجھے جاری کر دے۔"

اس فرمان کو ڈولے کی بجائے دریا میں ڈالا گیا، وہ دن ہے اور آج کا دن دریائے نیل اسی شان کے ساتھ بہہ رہا ہے، اور فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے۔

آج ہم تم ریڈیو کے ذریعہ دُور دُور کی آوازیں سُنتے اور بڑی بڑی دُوربینوں کے ذریعہ فاصلہ کی چیزوں کو دیکھتے ہیں۔ اس لئے کہ دُنیا والوں نے اس زمین کے کرّہ اور اس فضائے آسمانی کے بعض بھید معلوم کر لئے ہیں۔ انسانیت کا وہ مقام جس پر حضورِ انور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے غلام پہنچتے اور اپنے قلب کو گناہوں کے میل کچیل سے پاک کرتے ہوئے آئینہ کی طرح شفّاف بناتے ہیں، نہ ریڈیو کی مشین کے محتاج رہتے ہیں نہ دوربینوں کے۔ ان کا قلب ہی بجلی کی مشین اور ان کے دل کی آنکھیں ہی سب سے بڑی دُوربین ہیں۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مدینے کی مسجد میں منبرِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر خطبۂ جمعہ فرماتے ہوئے ایک دم للکار کر پکارتے ہیں:-

يَاسَارِيَةُ الْجَبَلُ اے ساریہ پہاڑ

حاضرین حیران ہیں کہ وعظ کے درمیان ساریہ کو کیوں پکارا؟ یہاں پہاڑ کا کیا ذکر؟

ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوج کے سردار ہیں۔ سینکڑوں میل کے فاصلہ پر کافروں کے مقابلہ میں فوجوں کو لڑا رہے ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد قاصد مدینہ منوّرہ میں یہ خبر لاتے ہیں اور یہ قصّہ سُناتے ہیں کہ:

"جمعہ کا دن ہے۔ خطبہ کا وقت ہے۔ ہم ایک پہاڑی پر مورچہ جمائے دشمن سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ آخر دشمن میدان چھوڑ کر بھاگے۔ ہم پہاڑی سے اُترے اور جو سامان وہ چھوڑ کر بھاگے تھے اُس پر قبضہ کرنے میں مشغول ہوئے اتنے میں نہایت زور شور کے ساتھ حضرت عمر (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کی آواز ہم نے سُنی کہ "اے ساریہ! پہاڑ" ہم سب حیران رہ گئے کہ حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یہاں کہاں؟ آخر پہاڑ کی طرف دیکھا تو دشمن کی فوج کا علمبردار اسی پہاڑ پر پہنچ چکا تھا جس پر ہم نے پہلے مورچہ جمایا تھا۔ دشمن کی فوج میدان سے بھاگی، ہم جب میدان میں اُتر آئے، وہ دوسرے راستے سے اسی پہاڑی پر قبضہ جمانے کے لئے اُدھر بڑھی۔ اس آواز کو سُن کر ہم سب پھر اس طرف متوجہ ہوئے اور اس سے پہلے کہ دشمن کی فوج پہاڑ پر چڑھے، ہم نے پتھروں اور تیروں سے اُن کا بُھرکس کر دیا اور اُن پر فتح پائی۔"

دل کی صفائی کی یہ شان کہ میدانِ جنگ آنکھوں کے سامنے ہے اور ہوا و فضا پر یہ حکومت کہ مسجدِ نبوی سے میدانِ جنگ تک بغیر کسی ظاہری آلہ کے آواز پہنچاتے ہیں۔ یہ ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تزکیہ یعنی دل کی صفائی فرمانے کے نمونے۔ مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو ان ہی نمونوں پر چلائے اور اپنے محبوبین میں داخل فرمائے۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

وَسَلَّمُ عَلَیْكَ یَا حبیب اللّٰہ

تزکیۂ باطن

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ بنی آدم کے وجود میں ایک چھوٹا سا گوشت کا ٹکڑا ہے، اگر اس میں کوئی خرابی آجائے سارا جسم خراب ہو جائے، وہ درست رہے، سارا جسم درست ہو جائے۔ خبردار رہو۔ وہ گوشت کا ٹکڑا تمہارا قلب ہے، جس طرح اس گوشت کے ٹکڑے میں جسے ہم دل کہتے ہیں، خراب مادہ جمع ہو جانے سے جسم بہت سی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور انسان کسی جسمانی کام کا نہیں رہتا، اسی طرح اس "قلب کی حقیقت" "روحانی دل" کو جب کفر و شرک اور گناہوں کے ناپاک اثرات گندہ کر دیتے ہیں، انسان کی حقیقی، روحانی صورت بگڑ جاتی ہے اور وہ کسی روحانی ترقی کے

قابل نہیں رہتا۔ بلکہ یوں کہئے کہ انسانیت کے سب سے زیادہ عزت والے مقام سے گرتا اور حیوانات، نباتات، جمادات سب سے نیچے درجہ میں پہنچ جاتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے:-

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝

یقیناً ہم نے انسان کو بہترین بناوٹ پہ پیدا فرمایا، پھر (اس کی بداعمالیوں کے سبب) ہم نے اسے سب سے نیچے درجہ (اسفل سافلین) کی طرف لوٹا دیا۔ مگر جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے اُن کے لئے بے اندازہ اجر ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:-

كُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔

اور فطرت ہی کا نام "اسلام" ہے۔ یعنی خداوند قدوس کے سامنے سر جھکانا اور اپنے آپ کو اپنی فطرت کے مطابق بنانا، دوسری حدیث میں آیا حضور نے فرمایا کہ "جب بچہ پیدا ہوتا ہے، اس کا حقیقی دل آئینہ کی طرح صاف ہوتا ہے، جب جوانی کو پہنچتا، بیہودہ صحبتوں میں رہ کر بُری باتیں سیکھتا اور خدا کی نافرمانی کرتا ہے۔ ایک گناہ کرنے سے ایک کالا نقطہ قلب پر لگتا ہے، دوسرے گناہ سے دوسرا۔ اسی طرح گناہ کرتے کرتے کالے کالے نقطے قلب پر لگتے جاتے اور اُسے

کالا بناتے اور انسان کی اخلاقی و روحانی صورت کو مسخ کر دیتے ہیں۔ اس قلب کو ان کالے نقطوں سے صاف کرنے ہی کا نام ہے "تزکیہ" جب تک یہ صاف نہ ہو اللہ کے معرفت کے علم کی تصویر اس میں کیونکر کھنچے اور حکمت و دانائی کے بھید کس طرح کھلیں؟ قلب کی صفائی کی پہلی تدبیر یہ ہے کہ اس کو شرمندگی کے ساتھ آنسو بہا کر سچی توبہ کے پانی سے منہ دھوئیں۔ "لاالٰہ" کی دھونکنی سے اللہ کی محبت کی آگ کو دھونکیں "الا اللہ" کی ضربیں لگا کر اس کالے لوہے جیسے دل کو کوٹیں "محمد رسول اللہ" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُلفت کے دریا میں غوطہ دیں، "اللہ اللہ" کرتے ہوئے اسے رگڑیں اور صیقل کریں۔ اس عمل سے رفتہ رفتہ وہ کالا دل صاف و شفاف آئینہ بن جائے گا جس میں اللہ کا نور نظر آئے گا، یہی نور کائنات کے ذرّہ ذرّہ کو چمکائے گا، ان کے اسرار پر آگاہ بنائیگا۔ رب العالمین نے فرمایا۔ حدیثِ قدسی میں آیا: "میری سمائی نہ زمین میں ہو سکتی ہے نہ آسمان میں، میں تو مومن کے (صاف) دل میں جلوہ دکھاتا ہوں"۔

جلال الدین رومی قدس سرہ السامی اسی دل کے متعلق فرماتے ہیں:-

دل چہ باشد منبعِ اسرارِ حق — دل چہ باشد مطلعِ انوارِ حق
دل بود مرآۃِ وجہِ ذوالجلال — در دلِ صافی نماید حق تعال
رو تو زنگار از رخِ او پاک کن — بعد ازاں آں نور را ادراک کن

دل اللہ کے نور کے طلوع کی جگہ ہے، دل اللہ کے بھیدوں کا مخزن ہے۔

دل اللہ کا جمال دیکھنے کا آئینہ ہے۔ صاف دل ہی میں خدا کا جلوہ نظر آتا ہے۔ آپ بھی اپنے دل سے گناہوں کے زنگ کو دُور کیجئے، پھر اُس نور کا مطالعہ فرمائیے:

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه

وَسَلَّمْ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

گناہ اور اُس کی حقیقت

قرآنِ کریم نے گناہ اور معصیت کو ظلم کے نام سے یاد کیا۔ دُنیا کے ماہرینِ اخلاق کے نزدیک ظلم کے معنی ہیں کسی چیز کا بے موقعہ استعمال۔ ہر چیز کے استعمال کا موقعہ و محل بنانے والا ہی جانے، پس کائنات کی تمام چیزوں کے استعمال کا طریقہ وہی ہے جو کائنات کا خالق مالکِ مطلق بتائے، اس کے بتائے ہوئے طریق کے خلاف جو استعمال بھی ہو، وہ غلط، اسی کو ظلم اور اسی کو گناہ کہتے ہیں۔

شرک و کفر ابھی آپ نے سُنا کہ انسان خدا کو جاننے، اُس کو پہچاننے، اس کی اطاعت اور اسی کی بندگی کے لئے بنا، یہ آپ نے سمجھ لیا کہ ساری دُنیا انسان کے لئے، اور انسان خدا کے لئے پیدا کیا گیا۔ پس اگر کسی نے اس مالکِ حقیقی رب العالمین جلّ جلالہٗ سے سر پھیرا،

[1] اگر مختصر کرنا چاہیں تو توبۃ النصوح کے عنوان سے پڑھیں۔

اُس کا انکار کیا، یا اُس کی ذات وصفات میں کسی اور کو شریک ٹھہرایا، اپنا رشتہ خدا سے توڑا، غیر خدا سے ناتا جوڑا، اُس نے انسانیت کی جڑ ہی کاٹ دی۔ درخت جب تک اپنی اصل زمین میں جما ہوا کھڑا ہے، درخت کہا جاتا ہے۔ جب جڑ کو چھوڑ دیا، زمین سے علیحدہ ہوا، اب درخت نہیں کہا جا سکتا۔ لکڑی کا ڈھیر ہے، کچھ دنوں اگر بڑھیوں کی کاریگری سے بن سنور کر خوبصورت شکلیں اختیار کرتے ہوئے ظاہری عزت کی جگہ حاصل کر بھی لے۔ مگر آخر چولہے میں جلایا جائے

اسی طرح بلاتمثیل جس نے اصل کائنات مالکِ عالم سے رشتہ توڑا، کافر و مشرک بنا، آج دُنیا میں چند روز بن سنور کر رہ لے۔ لیکن آخر یقیناً جہنم کی آگ کا ایندھن بنے گا۔ قرآن کریم نے صاف بتایا کہ:

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ اُعِدَّتْ لِلْکَافِرِیْنَ۔
اس آگ سے ڈرو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں (اور وہ) کافروں کے لئے رکھی گئی ہے۔

دوسری جگہ ارشادِ باری ہے کہ

اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْکَافِرِیْنَ سَلٰسِلَ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا۔
ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں طوق اور جہنم بنا رکھا ہے۔

شرک وہ سب سے بڑا ظلم، وہ سب سے بڑا گناہ ہے کہ خدائے قدّوس فرماتا ہے کہ:-

اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ
شرک تو بہت ہی بڑا ظلم ہے۔

یہ بھی جتا دیا گیا کہ:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔
یقیناً اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اس کے سوا جس گناہ کو چاہے بخش دے۔

خدا بچائے، شرک و کفر وہ زبردست ناقابلِ علاج مرض ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے اور اعمال خواہ کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں سب بیکار۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ۔
یہ (کافر و مشرک) وہ لوگ ہیں جن کے (نیک) اعمال بھی اکارت گئے۔

حکومت کا باغی خواہ کتنے ہی اچھے کام کیوں نہ کرے، بغاوت کا جرم ہوتے ہوئے کسی بھلی بات کو دیکھا ہی نہ جائے گا، نظر ہی نہ ڈالی جائے گی۔ کافر و مشرک، خدا کے باغی۔ ان سے بچو! ان سے دور رہو! یہ دُنیا کی بدترین مخلوق ہیں ان کے ساتھ ہمارا میل جول کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔

سچے دل سے توبہ کرتے ہوئے۔ توحیدِ الٰہی کا اقرار، دل اور زبان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت، محمد رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے سکھائے ہوئے اصولوں کے مطابق ایک اللہ کی ذات پر ایمان، اور اُس کے رسولوں کی تصدیق، کفر و شرک کی جڑ اکھاڑنے والی ہے۔

شرک وکفر کے داغ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کی آگ میں جلتے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی محبت کے پانی سے دُھلتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ آئینۂ دل سب سے پہلے اس ظُلمت سے پاک کیا جائے۔

پھر سر سے پیر تک ایک ایک عضو پر غور کیجئے، ایک طرف خدا کے کلام میں ہر چیز کا طریقِ استعمال مطالعہ فرمائیے۔ دوسری جانب انسانِ کامل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عملی تصویر معائنہ فرمائیے۔

تکبّر

مانا کہ غیرِ خدا کو سجدہ نہ کیا، مانا کہ خدا کے وجود کا انکار بھی نہ کیا، لیکن اگر دل و دماغ میں اپنی بڑائی کا خیال سمایا ہوا ہے، اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا اور برتر سمجھا جا رہا ہے، مالدار کو مال کی زیادتی پر تکبّر، حسن و جمال والے کو اپنے جمال کا غرور، علم والا علم کے نشہ میں چور، دنیا کے کسی بڑے منصب پر پہنچ جانے والا اپنے عہدہ پرست، شراب سے زیادہ مخمور اس مرض کو تکبر و غرور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور قرآن کریم اس گروہ کے متعلق فرماتا ہے:

فَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ — تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا بہت ہی بُرا ہے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ — جو لوگ ناحق زمین میں تکبّر کرتے ہیں، ہم انھیں اپنی نشانیاں دیکھنے ہی نہیں دیتے (یعنی تکبّر کی چادر اللہ کی نشانیاں دیکھنے اور اُسے پہچاننے کے لئے پردہ بن جاتی ہے)۔

تکبّر کے معنی ہیں اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا جاننا، اس بڑا جاننے سے ایک قسم کا سرور انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے، یہی وہ چیز ہے جس کو "تکبّر کی ہوا" کہتے ہیں اور اسی سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اَعُوْذُ بِکَ مِنْ نَفْخَۃِ الْکِبْرِ — (اے اللہ) میں تکبّر کی ہوا سے تیری پناہ میں آتا ہوں، کہہ کر پناہ مانگی ہے۔

تکبّر کی تین قسمیں ہیں:-

اوّل یہ کہ خدا کے مقابلہ میں (معاذ اللّٰہ) اپنے آپ کو بڑا سمجھے یا اُس کی برابری کا دعویٰ کرے۔ جیسے نمرود اور فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (میں تمہارا سب سے بڑا رب) کہا۔

دوسرے یہ کہ رسول کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا اور ان کو (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) حقیر سمجھے، جیسے کفارِ مکّہ نے کیا اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے ہوئے یہ کہا کہ:

لَوْلَا نُزِّلَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ — یہ قرآن (مکّہ اور طائف کی) بڑی بستیوں کے کسی آدمی پر کیوں نہ اترا؟

یعنی اُترنا تو قریش کے کسی بڑے مالدار سردار پر اُترتا۔

تیسرے یہ کہ اپنے آپ کو اور مخلوق کے مقابلہ میں بڑا جاننے جیسے ابلیس نے آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں اپنی بڑائی کا دعویٰ یہ کہہ کر کیا کہ:-

أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ۝ میں آدم سے اچھا ہوں اُنھیں تُو نے مٹی سے بنایا اور مجھے آگ سے پیدا کیا۔

تکبّر کا خیال انسان کے دماغ میں اس لئے اور اس وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ وہ اپنے وجود میں کسی ایسے کمال کا یقین کرتا ہے جو اُس کے نزدیک دوسرے میں نہیں پایا جاتا۔ مثلاً ایک عالم اپنے اندر علم کا کمال پاتا ہے اور دوسرے کو اس کمال سے خالی دیکھتا ہے۔ اِس لئے اپنے آپ کو بڑا جان کر اکڑتا ہے اور توقع رکھتا ہے کہ دوسرے اس کی عزّت کریں اور اُسے بڑا سمجھیں۔

علم پر اکڑنے والے نام نہاد مولوی اور کالجوں، یونیورسٹیوں کے سند یافتہ گریجویٹ، بیرسٹر اور ڈاکٹر صاحبان غور کریں کہ علم کا کمال سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ تو کجا، اُن کی برابر بھی نہ کسی کو حاصل ہوا، نہ ہو۔ وہ ربِ علیم جس کا علم قدیم اور تمام عالموں کو گھیرے ہوئے، اُن کو اپنے علم کا مظہر اور آئینہ بناتا اور اُن کے علم کی شان یوں بیان فرماتا ہے کہ:-

عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ (یارسول اللہ! آپ کے رب نے) آپ کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو آپ نہ جانتے تھے۔ حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے اپنے رب سے علم پاکر یوں فرمایا کہ:-

أُوْتِيْتُ عِلْمَ الْأَوَّلِيْنَ وَ الْآخِرِيْنَ۔ مجھے اگلوں اور پچھلوں سب کا علم دیا گیا۔ علم کی اس شان کے باوجود

اُنھیں مالکِ عالم اس طرح ہدایت فرماتا ہے کہ

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ان مومنوں کے لئے جو آپ کا اتباع کریں، آپ تواضع کے ساتھ اپنے بازو جھکا دیجئے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا یہ حال کہ کبھی اپنے صحابہ کے سامنے پیر پھیلا کر نہ بیٹھتے، کبھی اکڑ کر آگے نہ چلتے، دوسروں کو اپنے سے آگے چلنے کا موقع دیتے، ہمیشہ سلام کرنے میں پہل کرتے، یہ نہیں کہ دوسرے کے سلام کے منتظر رہیں کہ ہمیں بڑا سمجھ کر یہ سلام کرے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه

وَسَلَّمَ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

اسی طرح ایک عابد وزاہد اپنی عبادت اور نیک اعمال پر ناز کرتے ہوئے اگر دوسرے ایسے آدمیوں کو جو اس کی برابر عبادت اور نیک کام نہیں کرتے حقیر و ذلیل جانتا اور اپنے آپ کو اُن سے بہتر سمجھتا ہے تکبّر کے مرض میں مبتلا ہے۔ یہ نہیں سوچتا کہ اس اکڑ کے سبب ابلیس کو لعنت کا طوق پہنایا اور ذلت کے گڑھے میں گرایا گیا۔ کیا خبر ہے؟ کہ اُس دن جب عبادت اور ان اعمال کی جانچ پڑتال ہوگی تکبّر اور ریا (دکھاوے) کے سبب یہ سب نیک کام بے کار ہوجائیں اور گناہوں پر شرمندہ ہو کر سچّے دل سے توبہ کرنے والا گنہگار نجات پا جائے۔

بعض روایتوں میں آیا کہ ایک بار ایک گنہگار بدکار ایک عابد و زاہد کے پاس اس نیت سے آیا کہ اس کی صحبت کی برکت سے یہ بھی نجات پا جائے۔ عابد و زاہد صاحب نے اس کو اپنی مجلس سے یہ کہہ کر نکلوا دیا: "تجھ گندے ناپاک کو یہ حوصلہ ہو گیا کہ پارساؤں کے برابر بیٹھے۔" وہ بے چارہ شرمندہ ہو کر چلا گیا۔ اس زمانہ کے پیغمبر علیہ السلام کے پاس وحی آئی کہ "ہم نے اس بدکار گنہگار کو اس کے نیک خیال کے سبب بخش دیا اور اس عابد و زاہد کے تمام نیک اعمال اس کے تکبر کے سبب ضبط کر لئے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایسا گناہ جس کے ہوتے ہوئے کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی وہ تکبر ہے۔

اسی طرح جو صاحبِ جمال اپنی خوبصورتی پر ناز کرے دوسرے کو اپنے سے بدصورت اور کمتر سمجھے، ذرا سوچے کہ اس حسن و جمال کا دینے والا خدا، اس نے جس کو جتنا چاہا دیا۔ کسی کی صورت کو حقیر جاننا، اس کے ناک نقشہ، رنگ و روغن کا مذاق اُڑانا، اپنے آپ کو اس سے بہتر سمجھنا، خدا کی کاریگری پر انگلی اُٹھانا ہے۔ جس حُسن پر ناز ہے کچھ خبر ہے کہ یہ کے دن کا مہمان ہے؟ ذرا کسی بیماری کا حملہ ہوا حُسن رخصت، ورنہ جوانی کے چند روز اس حسن کی بہار دیکھ لیجئے، بڑھاپا آیا، جھریاں پڑیں، کھال لٹک کر ڈھیلی، دانت ٹوٹے، رخساروں میں گڑھے پڑے۔ آج آئینہ میں اپنی صورت دیکھ کر اکڑتے وقت ذرا بڑھاپے کی اس صورت کا تصور

جمائیے اور وہ شکل خیال میں لائیے۔

کبیر نامی ایک مشہور سادھو ہندی زبان میں فرماتے ہیں:

جُوبَنْ دَھَن پَاوُنَا دِنْ چَارَا — حُسن و دولت چند روزہ مہمان
جَاکِیْ گَرَبْ کِرے سُوگ وَارَا — فکر میں رہتے ہیں اس کی دہقان
پشُوکِی کھَال کِی بَنے پَنْھَیَا — جانور کی کھال کی مشکیں بنیں
نَوبَتْ مَنَدْھے نَگَارَا — نوبت اور نقارے سب اس سے منڑھیں
نَرتیری چام کام نھیں آوے — تیرا چمڑا ہے بھلا کس کام کا
جَل بِل ہو گئی سارا — بعد مردن جل گیا یا گل گیا

اسی طرح جو صاحبِ مال آج دولت پر مغرور ہے زرّیں لباس، بہترین پوشاک، نفیس زیور پہن کر اکڑے، بڑے بڑے مکانوں، کشادہ بنگلوں میں رہ کر ناز کرے، نرم نرم گدیلوں اور زرق برق مسہریوں پر پیر پھیلاتے ہوئے، معمولی کھٹیا یا زمین پر سونے والوں، ٹوٹے پھوٹے جھونپڑوں میں رہنے والوں، پھٹے پُرانے پیوند لگے کپڑے پہننے والے، کمزوروں، محتاجوں، غریبوں اور مفلسوں کو حقارت کی نظر سے دیکھے، ذرا سوچے اور غور کرلے کہ یہ مال، یہ مکان یہ سامان چند روز کا مہمان ہے ؎

کیا لے گیا سکندر دُنیا سے وقتِ رخصت
تھے دونوں ہاتھ خالی باہر کفن سے نکلے

آج بڑھیا کپڑے پہن کر چاندی، سونے اور جواہرات کے زیور سے سج کر کسی تقریب میں شرکت کے وقت معمولی لباس پہننے والی غریب بہنوں کو اپنے سے کمتر سمجھیں، رئیس و مالدار مرد اپنے دوشالے، بہترین عبا و قبا یا سوٹ، بوٹ، ٹائی۔ کالر پر ناز کرتے ہوئے خستہ حال غریبوں کے پاس بیٹھنا اپنی عزت کے خلاف جانیں۔ لیکن کل وہ دن آنے والا ہے، جب رئیس و گدا غنی و بینوا سب کفن کے تین کپڑوں میں منوں مٹی کے اندر دبا دیے جائیں گے۔ اگر اس وقت قبرستان کی قبروں میں آرام فرمانے والے وہ غریب و مسکین جن کو آج دنیا میں یہ مغرور اپنی مجلس سے دور رکھتے ہیں، وہاں کھڑے ہو جائیں اور دھکے دینے لگیں تو کیا حال ہو؟

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شریعتِ اسلام کے زبردست عالم اور ہمارے مذہب کے برگزیدہ امام بڑے مالدار تاجر تھے، معمولاً اچھا لباس پہنتے۔ مگر جب علما و فقرا و طلباء کی مجلس میں درس دینے کے لیے جاتے، معمولی درجہ کا عبا زیبِ تن فرماتے۔ کسی نے پوچھا حضرت ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا "میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ان مساکین کے پاس بیٹھتے وقت مجھے اپنے اچھے لباس کے سبب تکبّر کی ہوا نہ لگ جائے"

"تکبّر وہ گناہ ہے، جسے مالکِ عالم کی غیرت کسی طرح گوارا نہیں فرماتی"۔

آج ہمارے سماج میں اکثر خرابیوں کا اصل سبب تکبّر کا مرض ہے، اگر یہ دور

ہو جائے، دنیا بھی سدھر جائے اور آخرت بھی بن جائے۔ ربّ العالمین فرماتا ہے، حدیثِ قدسی میں آتا ہے:-

اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظْمَةُ	تکبّر میری چادر ہے، بڑائی میرا اِزار
اِزَارِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ فِيْ اَحَدٍ	ہے، جس نے ان میں سے کسی چیز
مِّنْهُمَا اَلْقَيْتُهٗ جَهَنَّمَ وَلَا اُبَالِيْ	میں میرے ساتھ جھگڑا کیا، میں اُسے
اَوْ كَمَا قَالَ،	جہنّم میں ڈالتا ہوں اور مجھے اس کی

کچھ پروا نہیں ہوتی۔

قرآن کریم میں آیا، مولیٰ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ — ہر سرکش، لڑاکو برباد ہی ہوا۔

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا جس دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبّر ہو گا، وہ جنت میں نہ جائے گا۔

ایک حدیث میں یہ بھی آیا کہ قیامت کے دن تکبّر کرنے والوں کو چیونٹیوں کے روپ میں اُٹھایا جائے گا، تاکہ وہ پیروں میں روندے جائیں۔

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو مالکِ عالم جلّ مجدہٗ نے ہر قسم کا کمال اور ہر اعتبار سے جمال اس درجہ کا عطا فرمایا کہ قرآن کریم میں آیا:۔

وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ — اور آپ پر اپنی سب نعمتیں پوری کر دیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

ہر رتبہ کہ بود در امکاں بر دست ختم ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بر و تمام

ایک عارف فرماتے ہیں :-

حسنِ یوسف دمِ عیسٰے یدِ بیضا داری
آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس کمال کے باوجود سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تواضع کا یہ حال کہ ایک مرتبہ ایک ضعیف بیمار، مسکین و ناچار حضور کے حجرہ کے دروازہ پہ آیا۔ حضور اس وقت کھانا تناول فرما رہے تھے، جو لوگ خدمت میں حاضر تھے، اس کے پھٹے پُرانے کپڑے اور خستہ حالت کو دیکھ کر اس سے دُور ہٹنے لگے۔ حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُسے بُلایا، اپنے پہلو میں بٹھایا اور اپنے ساتھ کھانا کھلایا، قریش کے کافروں میں سے ایک شخص نے حقارت کے ساتھ اُس کی طرف دیکھا، خدا کی شان وہ شخص اسی بیماری اور اسی تباہ حالی میں گرفتار ہو کر مر گیا۔

مدینہ کی بُڑھیوں میں سے ایک بڑھیا سے کسی نے کہا کہ مکہ معظمہ سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نامی ایک بزرگ یہاں آئے ہیں جو نبوت کا دعویٰ فرماتے ہیں، ایک نئے دین کو سکھاتے، اسی کو سچا بتاتے اور بُت پرستی کو مٹاتے ہیں۔ ان کی آواز میں وہ اثر ہے کہ جو ان کی آواز سُن لیتا ہے، انہی کا کلمہ پڑھتا اور

انہی کا ہو جاتا ہے۔ یہ سُن کر بُڑھیا ڈری کہ کہیں میرے کانوں میں اُن کی آواز نہ پڑ جائے۔ گٹھڑی پوٹلی سنبھالی کہ مدینہ سے باہر کہیں چلی جائے۔ کمزوری کے سبب اُٹھ نہ سکتی تھی۔ سامان کی گٹھڑی راہ پر رکھ کر بیٹھی کہ کوئی راہ گیر آئے۔ گٹھڑی اُٹھائے و منزل پر پہنچا دے، اتفاقاً حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر اسی راہ سے ہوا، بوڑھی کو پریشان دیکھ کر حال پوچھا، گٹھڑی سر پر رکھی، بوڑھی کا ہاتھ پکڑا اور جس طرف اُس نے کہا چل دیئے، جب اُس کی منزل پہ پہنچے، گٹھڑی رکھ دی۔ بڑھیا نے تہِ دل سے شکریہ ادا کیا اور کہنے لگی کہ آپ نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا، آپ پہ میری جان قربان، ایک نصیحت کرتی ہوں کہ "خبردار! محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس نہ جانا، اُن سے نہ ملنا، میں اُنہی کے ڈر سے بھاگ کر یہاں آئی ہوں کہ کہیں اُن کی آواز میں نہ سُن لوں، جو اُن کی آواز سُنتا ہے بے دین ہو جاتا ہے۔"

چلتے چلتے حضرت سے اقرار لینے لگی کہ ان سے نہ ملنا، تب حضور نے فرمایا کہ "بڑی بی! وہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہی ہوں، میں ایک خدا پہ ایمان لانا سکھاتا، توحید کا سبق پڑھاتا، بتوں کی پوجا چھڑاتا اور اللہ سے ملنے کا رستہ بتاتا ہوں۔" اتنا سُنتے ہی بڑی بی بے قرار ہو گئیں اور عرض کرنے لگیں "میری جان آپ پر قربان۔ آپ جیسے اخلاق کا انسان دُنیا میں نہ کوئی ہوا، نہ ہو۔ آپ غلط رستہ نہیں بتا سکتے۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اب ان قدموں کو چھوڑ کر کہاں جاؤں؟ تکلیف فرمائیے، مجھے پھر مدینہ

لے جائیے، کہ اب مرتے دم تک ان قدموں سے رخصت نہ ہوں گی۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ
وَسَلَّمَ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

الغرض تکبر بہت سی بیماریوں کی جڑ، بہت سی مصیبتوں کا سبب اور بندہ و مولیٰ کے درمیان بڑا زبردست حجاب و پردہ ہے۔ جب تک تکبر کا ذرا شائبہ بھی نفس میں ہے، خدا کی پہچان، اللہ کے عرفان کا دروازہ نہیں کھلتا۔

غیبت، جھوٹ، حسد اور کینہ، بہت سے ایسے گناہ جو دل کالا کرتے اور خدا کے جلوہ کے قابل نہیں رکھتے، ذرا غور کیجئے تو تکبر ہی سے پیدا ہوتے ہیں، غیبت کے معنی ہیں "کسی کو پیٹھ پیچھے برا کہنا" قرآن کریم میں اس کو ایسا گھناؤنا گناہ بتایا گیا ہے کہ ارشاد ہوتا ہے :-

وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا	ایک دوسرے کی غیبت نہ کرنا، تم
اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ	میں سے کوئی اسے پسند کرتا ہے کہ
لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ	وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے

یعنی غیبت کرنا ایسا ہے جیسے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا۔ کسی کی برائی انسان اسی شان سے کرتا ہے کہ اپنے کو بے عیب اور اس کو عیبی جانتا ہے، اس لئے حقیقۃً یہ بھی تکبر ہی کی ایک شاخ ہے۔ غیبت ہی کے سلسلہ میں

انسان کتنی تہمتیں لگا بیٹھتے ہیں۔ کسی نے کسی کے متعلق کوئی بات کہی، سننے والے نے بغیر تحقیق کئے اسے دوسروں سے نقل کیا۔ حکم تو یہ تھا کہ تحقیق کرتے قرآنِ کریم میں آیا :-

اِذَا جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ	جب کوئی گنہگار تمہارے پاس کوئی
فَتَبَیَّنُوْا۔	خبر لائے، پہلے اس کی تحقیق کرو،

یہاں بے سوچے، سمجھے بغیر چھان بین کئے، پہلے اسے تسلیم کر لیا، پھر خود دوسروں کو سنایا۔ اسی طرح ایک بے ہودہ بات کا چار طرف چرچا ہوا۔ سب غیبت میں گرفتار اور بعض اوقات تہمت کے گنہگار بنے، جس کی سزا شریعت میں اسی دُرّہ ہے۔

حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیبت سے اس قدر نفرت تھی کہ ایک بار ایک صحابی حضور کے سامنے کسی شخص کی غیبت کرنے لگے، آپ نے فوراً کانوں پہ ہاتھ رکھ کے انھیں بند کیا اور فرمایا "میں نہیں سننا چاہتا" صحابی نے عرض کیا کہ "حضور! یہ بات تو میں اس کے سامنے بھی کہہ دوں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر ایسا کروگے دُگنا گناہ ہوگا، ایک برا کہنے کا، دوسرا مسلمان کا دل دکھانے کا۔" زبان سے برا کہنا تو بڑی بات ہے، کسی کے متعلق حقارت و ذلت اور برائی کا خیال دل میں لانا بھی مسلمان کی شان کے خلاف۔ قرآن میں آیا :-

اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ	بعض گمان بھی گناہ ہوتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی جوانی کے زمانہ میں ایک بار مسجد میں نماز کے بعد ایک شخص کو دیکھا کہ بھوک بھوک کہہ رہا ہے، دل میں یہ خیال آیا کہ ہٹا کٹا، مستعد، لوگوں کے سامنے سوال کرتا ہے۔ حالانکہ سوال کو اللہ و رسولؐ نے حرام فرمایا، جب تک کہ تین دن کا مسلسل فاقہ اور مرنے کا اندیشہ نہ ہو جائے۔

حضرت جنیدؒ نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ محض ایک خیال تھا جو دل میں آیا رات کو پچھلے وقت جب یادِ خدا میں محو ہوئے، مراقبہ کی حالت میں دیکھتے کیا ہیں کہ ایک انسان کی نعش اُن کے سامنے ہے اور کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ "اس کا گوشت کھاؤ"۔ حضرت جنیدؒ پریشان ہو کر فرماتے ہیں کہ "آدمی کا گوشت کیسے کھائیں؟" جواب ملا کہ "آج دن میں مسجد کے اندر اپنے بھائی کا گوشت خوب کھایا، اب کیوں ہچکچاتے ہو؟ اس وقت متنبہ ہوئے کہ" اللہ اکبر! اس بھوک بھوک کہنے والے کے متعلق بُرا خیال کرنا بھی غیبت اور مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر تھا۔"

ایک زمانہ کے بعد ایک دن حضرتِ جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقعہ کو یاد فرما کر رونے لگے اور فرمایا کہ چالیس برس گزر گئے ایک شخص کی تلاش میں ہوں کہ اس سے اپنی خطا معاف کراؤں، مگر افسوس کہ وہ نہیں ملتا"۔ ایک دن دجلہ کے کنارے کھڑے تھے۔ دوسرے کنارے

پر اس شخص کو دیکھا جو مسجد میں ایک دن بھوک بھوک کہہ رہا تھا۔ دل میں ارادہ کیا کہ اس کنارے پر پہنچ کر اُس سے معافی طلب کریں۔ اُس نے نظر اٹھائی اور کہا کہ جنیدؒ! جب مراقبہ میں نعش سامنے لائی گئی اور مردار کھانے کو کہا گیا تب ہوش آیا؟ یہ خبر نہ لی کہ ہم نے اس وقت سات دن سے کچھ نہ کھایا تھا"۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ
وَسَلَّمَ عَلَیْكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

جھوٹ

جھوٹ بولنے کی عادت آج اس قدر عام ہو گئی ہے کہ بہت سے آدمی تو اس کو عیب ہی نہیں سمجھتے بلکہ ہنر خیال کرتے ہیں، بازاروں میں دلّال اور تاجر وہی سب سے زیادہ کامیاب اور ماہر سمجھا جاتا ہے جو جھوٹ بولنے میں زیادہ مشّاق ہو، کچہریوں میں سب سے بڑھیا وکیل، بیرسٹر وہی خیال کیا جاتا ہے جو جھوٹی باتیں بنانے کی سب سے زیادہ مشق رکھتا ہو۔ جھوٹی قسمیں کھانے، جھوٹے حلف اُٹھانے اور جھوٹی گواہیاں دینے والے پیشہ ور چند ٹکوں کے بدلے اپنے ایمان کو بیچنے کے لئے دن رات تیار، وہ سمجھتے ہی نہیں کہ جھوٹ بولنے والے پر خدا کی کتنی مار پڑتی ہے:-

ایک مرتبہ ایک صحابی نے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ

"یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر کوئی شخص فلاں گناہ کرے، پھر بھی مسلمان رہ سکتا ہے؟" آپ نے فرمایا کہ "ہاں! گنہگار ہوگا مگر ایمان نہ جائے گا۔" اسی طرح متعدد گناہوں کے متعلق پوچھتے رہے اور حضورؐ یہی جواب دیتے رہے۔ آخر میں پوچھا کہ "یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اگر کوئی جھوٹ بولے"؟ حضورؐ نے فرمایا کہ "تب ایمان جاتا رہے گا۔" اور اگر تم اس کے لئے قرآن سے دلیل چاہتے ہو تو پڑھو۔ قرآن کریم میں رب العالمین فرماتا ہے کہ:

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ — یقیناً جھوٹ تو وہی بولتے ہیں جو بے ایمان ہوتے ہیں۔

دنیا والے آج اس مغالطہ میں مبتلا ہیں کہ بغیر جھوٹ بولے تجارت و وکالت چلتی ہی نہیں، دُنیا کی کوئی نعمت ملتی ہی نہیں، اور نعمتوں کا دینے والا رب العالمین فرماتا ہے کہ نعمت و رحمت کیسی؟

فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ — جھوٹوں پر تو ہم اللہ کی لعنت (پھٹکار) بھیجتے ہیں۔

مسلمان، یعنی صحیح معنی میں انسان کی پہچان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم، پیارے پیارے دو بول کے موہنے جملے میں کس خوبی کے ساتھ بیان فرماتے ہیں، اسے دل سے یاد رکھئے:۔

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ ۝ — مسلمان تو وہی ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں یعنی

نہ وہ اپنی زبان سے کسی مسلمان کو ستائے، نہ ہاتھ سے دُکھ پہنچائے، غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، تہمت لگانا، کسی کو دھوکہ میں ڈالنا، کسی کو گالی دینا، کوسنا، یہ ہے زبان سے ستانا۔ آج سوچئے کہ اگر کوئی دوسرا شخص آپ کی غیبت کرے، آپ پر تہمت لگائے، گالیاں سُنائے، دھوکا دے، جھوٹ بولے، دل دکھائے اور آپ کو ستائے، اپنے ہاتھوں سے مارے پیٹے یا آپ کا مال چُرائے تو آپ کا کیا حال ہوگا؟ کتنا غصہ آئے گا؟ کتنی تکلیف ہوگی؟ سمجھ لیجئے کہ آج جس طرح آپ کسی کے ساتھ پیش آرہے ہیں کل کوئی دوسرا بھی آپ کے ساتھ اسی طرح پیش آئے گا۔ دنیا میں اگر بچ بھی گئے تو آخرت میں جو کیا ہے سامنے آجائے گا۔

بہتر یہ ہے کہ جنہیں دھوکہ دیا ہے، جن پہ تہمت لگائی ہے، جن کی غیبت کی ہے۔ جن کو ستایا ہے، آج اُن سے معافی مانگ لیجئے، اُن کے حقوق ادا کیجئے ورنہ کل قیامت کے دن سب بھید کُھل جائیں گے۔ اُس وقت سخت رسوائی ہوگی۔ ابھی وقت ہے، موت قریب ہے، اس سے پہلے کہ ملک الموت جان نکالنے کے لئے تشریف لائیں۔ موت کو یاد کیجئے۔ اس سے پہلے کہ خدا کے سامنے، اگلوں پچھلوں کے مجمع میں شرمندہ ہونے کا

موقعہ آئے ، آج شرمندہ ہوکر، آنسو بہاکر، تڑپ کر، بلبلاکر اس رب کے دربار میں توبہ کیجیے۔

توبۃُ النّصُوح

آپ کا بچہ قصور کرتا ہے ، اگر اس پر اکڑتا اور بے پروائی کرتا ہے ، آپ کا غصہ بڑھتا ہے ، لیکن اگر ڈر کے مارے ہانپتا ، کانپتا ، روتا ، آنسو بہاتا ، تلملاتا ، آپ کے سامنے آتا اور معافی طلب کرتا ہے ، آپ کا دل خود بخود بھر آتا ہے ، معاف فرماتے ، چمکارتے اور کلیجہ سے لگاتے ہیں ۔ وہ مالک تو ہزاروں ماؤں سے زیادہ مہربان ہمیں پہلے ہی بتارہا ہے ، فرمارہا ہے کہ :۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ

(ہمارے سوا) کون ہے جو بے چین کی پکار پر اُسے (محبت بھرا) جواب دیتا ہے ۔ وہ رب ہمیں خود دعوت دیتا ، بلاتا اور فرماتا ہے :۔

تُوْبُوْآ اِلَی اللّٰہِ

خدا کے دربار میں توبہ کرو ۔

پھر وعدہ دیتا ہے کہ :

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝

(یارسول اللہ) آپ ان سے فرمادیجئے کہ اے میرے بندو تم نے اپنی جانوں پر (کتنے ہی) ظلم کئے ہوں اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوجانا ،

یقیناً اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخش دے گا۔ وہ تو غفور رحیم ہے ۔

پھر یقین دلاتا اور فرماتا ہے کہ :۔

مَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَہُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ

اللہ تعالےٰ ان پر عذاب نہ کرے گا۔ جبکہ وہ استغفار کرتے (گناہوں پر مغفرت چاہتے) رہیں ۔

پھر ہمیں توبہ کا طریقہ بتاتا ہے :۔

وَلَوْ اَنَّہُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَہُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَہُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝

(یارسول اللہ) وہ لوگ اپنی جانوں پر کتنے ہی ظلم کیوں نہ کرلیں ، آپ کی خدمت میں حاضر ہوجائیں اللہ سے بخشش طلب کریں اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اُن کے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں ۔ یقیناً اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے ۔

حدیث میں آیا کہ :

اَلتَّوْبَۃُ النَّدَمُ

توبہ (حقیقت میں) شرمندگی کا نام ہے ۔ زبان سے لاکھ بار توبہ توبہ کہیں ، بے کار ۔ سچی شرمندگی کے ساتھ ایک بار دل سے توبہ کی جائے اور یہ عہد ہو کہ آئندہ اس گناہ کے قریب نہ جائے ، یقیناً اللہ کی بارگاہ میں قبول کی امید ہے ۔

ظلم کیسے ہی ہوں، گناہ کتنے ہی ہوں، یہاں تک کہ شرک و کفر ہی کیوں نہ ہو، طبیبِ قلوب، شفیعِ ذنوب، رحمتِ عالم، مفضلِ مجتبٰم، نبیِّ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں سر جھکائیں، شرمندگی کے ساتھ حاضر ہوں، تلملا کر فریادی بنیں اور عرض کریں کہ:

اے شافعِ اُمم! شہِ ذی جاہ! لے خبر
لِلّٰہ لے خبر مری لِلّٰہ لے خبر!
دریا کا جوش ناؤ کا بیڑا نہ ناخدا
میں ڈوبا، تو کہاں ہے مرے شاہ لے خبر!
منزل کڑی ہے، رات اندھیری، میں نابلد
اے خضر! لے خبر مری اے ماہ لے خبر!
پہنچے پہنچنے والے تو منزل، مگر شہا!
اُن کی جو تھک کے بیٹھے سرِ راہ لے خبر!
مجرم کو بارگاہِ عدالت میں لائے ہیں
تکتا ہے بے کسی میں تری راہ لے خبر!
اہلِ عمل کو اُن کے عمل کام آئیں گے
میرا ہے کون تیرے سوا آہ! لے خبر!
مانا کہ سخت مجرم و ناکارہ ہے رضاؔ

تیرا ہی تو ہے بندۂ درگاہ لے خبر!

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَسَلَّمَ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

ایک وہ خوش نصیب تھے جنہوں نے سرکار کی ظاہری زندگی کا مبارک زمانہ پایا، بے پردہ و بے حجاب دربار میں حاضری کا بار ملا، ظاہری آنکھوں سے جمالِ رعنا و رُخِ زیبا دیکھنا نصیب ہوا۔ اُن آنکھوں پر ہماری آنکھیں قربان ہوں:۔

از حضرت کافی علیہ الرحمۃ

دیکھتے جلوۂ دیدار کو آتے جاتے
گُلِ نظارہ کو آنکھوں سے اُٹھاتے جاتے
ہر سحر رُوئے مبارک کی زیارت کرتے
داغِ حرماں دلِ محزوں سے مٹاتے جاتے
سرِ شوریدہ کو گیسو پہ تصدق کرتے
دلِ دیوانہ کو، زنجیر پنھاتے جاتے
پائے اقدس سے اُٹھاتے نہ کبھی آنکھوں کو
روکنے والے اگر لاکھ ہٹاتے جاتے
قدمِ پاک کی گر خاک ہی ہاتھ آ جاتی

چشمِ مشتاق میں بھر بھر کے لگاتے جاتے
وحشتِ طیبہ میں ترے ناقہ کے پیچھے پیچھے
دھجیاں جیب و گریباں کی اڑاتے جاتے
کاش کشتۂ دیدار کو زندہ کرتے
لبِ اعجاز اگر آپ ہلاتے جاتے

آج ہماری آنکھیں اس نعمت سے محروم، ہم دن رات اسی رنج میں مغموم، وہ مدینہ میں ہماری ظاہری آنکھوں سے مستور، ہم ہند میں اس سرزمین سے ہزاروں میل دور، مولا تعالیٰ نے گناہ بخشوانے کے لئے ان کا در بنایا، خود حضور نے وعدہ فرمایا کہ :-

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ۔ — جس نے میری قبرِ انور کی زیارت کی اس کا بخشوانا میرے ذمۂ کرم پر واجب ہوگیا۔ پھر یہ بھی جتایا کہ :-

مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَمَاتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ۔ — جس نے میرے اس عالم سے پردہ کرنے کے بعد میری زیارت کی، اس نے گویا میری ظاہری زندگی میں (اپنی ظاہری آنکھوں سے) میری زیارت کی بلکہ انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ اپنے دربار میں حاضر ہونے پر تاکید و تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

مَنْ حَجَّ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ — جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ اس لئے گنہگار حاضریٔ مدینہ طیبہ کے لئے تڑپتے اور دن رات درد بھرے دل سے تمنائیں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :-

مرے دل میں ہے آرزوئے مدینہ | چلوں ہند سے کاش سوئے مدینہ
مری جاں ہو قبرِ مبارک پہ قرباں | مری خاک ہو خاکِ کوئے مدینہ
نہ ہے جان تن میں نہ پہلو میں دل ہے | سدھارے وہ پہلے ہی سوئے مدینہ
الٰہی! بحقِ نبیؐ اب دکھا دے | ہے کب سے مجھے جستجوئے مدینہ
نہ ہے زور و قوت، نہ ہے مال و دولت | مگر شوق رہبر ہے سوئے مدینہ

یہ مختارِ عاصی بھی پہنچے خدایا
طفیلِ محمدؐ بہ کوئے مدینہ

اس دربارِ پُرانوار کا دروازہ حقیقۃً آج بھی کھلا ہوا ہے، قسمت والے ہیں جو وہاں حاضری کا شرف پاتے، اپنا دکھڑا سناتے، ان مبارک جالیوں کو آنکھوں سے لگاتے اور اپنی عرض ان الفاظ میں پیش فرماتے ہیں کہ :-

یا شفیع المذنبیں! بارِ گناہ آوردہ ام
بر درت ایں بار با پُشتِ دوتاہ آوردہ ام
یا رسول اللہ! بدرگاہت پناہ آوردہ ام
ہمچو کاہ عاجزم، کوہِ گناہ آوردہ ام

چشمِ رحمت برکشا، موئے سپیدِ من نگر
گرچہ از شرمندگی روئے سیاہ آوردہ ام

غیرِ تو ملجا و ماویٰ نیست در ہر دوسرا
رحم کن یا سیّدی حالِ تباہ آوردہ ام

عجز و بے خویشی و دل ریشی و درد
ایں ہمہ بر دعویٰ عشقت گواہ آوردہ ام

گرچہ عصیاں بے حد و اما نظر بر رحمت
آیتِ لَا تَقْنَطُوْا بر خود گواہ آوردہ ام

متعدد آثار اس امر پہ گواہ کہ بعد وصال سرکار صلی اللہ علیہ وسلم بعض گنہگار حاضرِ دربار ہوئے، فریادی بنے اور عرض کیا کہ :-

" یا رسول اللہ! ہم خدا کے بھیجے ہوئے اپنے گناہوں کو بخشوانے سرکار کے آستانے پر حاضر ہیں، توبہ کرتے ہیں، گناہوں سے باز آتے ہیں، آپ بھی استغفار فرمائیں اور ہمیں عذابِ الٰہی سے بچائیں "

سُننے والوں نے سُنا، دیکھنے والوں نے دیکھا، قبرِ انور سے آواز آئی کہ :-

" مبارک ہو، تیرا گناہ بخشا گیا "

مبارک ہیں وہ جو یہ سعادت حاصل کریں، خوش نصیب ہیں وہ جو یہ

مژدہ بخشیں دور افتادہ گنہگار خواب ہی میں دیدار کی تمنا کرتے اور درد بھرے دل سے یوں کہتے ہیں کہ

خوش نصیب ایسی عطا ہوں مرے مولیٰ آنکھیں
دیکھیں جی بھر کے جمالِ شہِ بطحا آنکھیں

جلوہ فرما ہوں کبھی عالمِ رویا میں حضور! صلی اللہ علیہ وسلم
ہم بصد شوق رکھیں زیرِ کفِ پا آنکھیں

ہوں مشرف جو زیارت سے رُخِ انور کی
ایسی دے اپنی عنایت سے خدایا آنکھیں

حیف محروم ہیں حضرت کے درِ دولت سے
ورنہ انوارِ صفا دیکھتیں کیا کیا آنکھیں

اے خدا! تیری عنایت ہو تو پھر بھی دیکھیں
ٹکٹکی باندھ کے وہ گنبدِ خضرا آنکھیں

آپ کا نورِ بصیرت ہے جن آنکھوں میں منوّر
اہلِ بینش کی ان آنکھوں پہ ہیں شیدا آنکھیں

آرزوئے درِ احمد میں جو بیتاب ہے جوشؔ
شوق سے دیکھتی ہیں سوئے مدینہ آنکھیں

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ   وَسَلَّمْ عَلَیْكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

Scanned by CamScanner

لیکن خواب میں زیارت پر نہ ہمیں اختیار، نہ اس حالت کی نوبہ کا ظاہری اعتبار، حکم کردگار، ہر زمانہ، ہر وقت، ہر ملک اور ہر مقام کے واسطے اپنی اصل پر برقرار، کہ حاضرِ دربار سید ابرار و اخیار، احمدِ مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہو جائیں، اس لئے حاضری کی آسان صورت مولیٰ تعالیٰ ہی نے بتائی اور سکھائی۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝ — یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر رحمت بھیجتا اور اس کے فرشتے ان پر رحمت کرتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی اُن کے لئے دعائے رحمت کرو (درود بھیجو) اور ادب کے ساتھ ان کے دربار میں سلام بجا لاؤ۔

حضور نے فرمایا کہ :-

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیْ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً ۔ — آدمیوں میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہے جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا ہے۔ صحابہ نے حضور سے دریافت کیا کہ "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم جو لوگ آپ سے دور ہیں اور جو لوگ آپ کے بعد آئیں گے، کیا حضور کو اُن کے درود کی خبر ہوتی ہے؟" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

اَسْمَعُ صَلٰوۃَ اَھْلِ مَحَبَّتِیْ وَ اَعْرِفُھُمْ وَتُعْرَضُ عَلَیَّ صَلٰوۃُ غَیْرِھِمْ — اپنے محبت والوں کے درود کو خود (اللہ کے سُنوانے سے) سُنتا ہوں اور میں اُنھیں پہچانتا ہوں اور دوسروں کے درود میرے سامنے (فرشتوں کے ذریعہ) پیش کئے جاتے ہیں۔

پس دربارِ سرکار میں حاضری کا بہترین ذریعہ کثرتِ درود۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اُنھیں دُور سمجھا ہے ورنہ وہ آقا و مولیٰ (روحی فداہ) تو ایمان والوں سے اُن کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ :-

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ ۔ — نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایمان والوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب (یا ان کی جان سے بھی زیادہ پیارے) ہیں۔

لغت میں وِلَاءِ کے معنی ہیں قرب و نزدیکی، اَوْلٰی کے معنی ہوئے سب سے زیادہ قریب۔ مومن کی تعریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتائی کہ :-

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰٓی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ نَّفْسِہٖ وَمَالِہٖ وَوَالِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۔ — تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا جب تک کہ میری ذات اس کو اپنی جان، مال، اولاد، اپنے والدین اور تمام آدمیوں سے زیادہ پیاری نہ ہو جائے۔ پس ایمانِ کامل اُسی وقت حاصل ہوگا، جب دل میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے ماں باپ، اولاد بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ ہو جائے، جب محبت اس درجہ پر پہنچے، یقیناً وہ مقام نصیب ہو کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے سُنوانے سے

بے پردہ و بے حجاب اس مومنِ کامل کے درود و سلام کو سُنیں اور جواب دیں۔ یہی حضوری کی ترکیب۔ مومن جب اس مقامِ محبت میں کامل ہو جاتا ہے، نہ صرف یہ کہ حضورؐ اس کے کلام و سلام کو سُنتے بلکہ یہ خود بھی حضوری کا لُطف پاتا ہے۔ صاحبِ حال حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ اسی مقام پہ فرماتے ہیں:-

لِیْ حَبِیْبٌ عَرَبِیٌّ مَدَنِیٌّ قَرَشِیٌّ
کہ بود دردِ غمش مایۂ شادی و خوشی
فہمِ رازش چہ کُنم او عربی من عجمی
لافِ مہرش چہ زنم او قرشی، من حبشی
گرچہ صد مرحلہ دور است زپیشِ نظرم
وَجْہُہٗ فِیْ نَظَرِیْ کُلَّ غَدَاۃٍ وَّعَشِیْ
جامیؔ اربابِ وفا جُز رہِ عشقش نَروَند
سَرِ مبادت کہ ازیں راہ قدم باز کشی

مشہور حدیث ہے کہ:-

مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ مِنْ ذِکْرِہٖ — جو شخص کسی سے محبت رکھتا ہے، اسی کا ذکر کرتا ہے۔

حضرت جوشؔ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:-

محبت جس کی ہوتی ہے اُسی کا ذکر کرتے ہیں
زباں پہ میری جُز نامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور کیا آئے

پس اگر سرکار سے محبت ہے درود کی کثرت ہے کہ یہی "یاد" کی بہترین صُورت ہے اسی میں عاشق کو لذت اور اسی میں اس کے دل کا چین اور جان کی راحت۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

عشق و محبت صرف محبُوب کی صورت دیکھ کر ہی نہیں پیدا ہوتی بلکہ اس کی باتیں سُنتے سُنتے بھی پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً اگر کوئی شخص ہمارے سامنے کسی حسین و جمیل کے حسن و جمال کا ذکر بار بار کرے، یا ہم خود بار بار اس کی یاد دل و زبان پہ لائیں، نفسیاتی اُصول پر یقیناً جیسے جیسے یہ سلسلہ بڑھے گا، محبت بھی بڑھتی جائے گی، یقیناً محبوب کی ہر ادا بھائے گی، اس کی صورت، اس کی سیرت دل میں جگہ پائے گی بلکہ رفتہ رفتہ وہی صورت، وہی مورت اس اس پیکر میں اتر آئے گی۔

اب اس یاد کی کیفیت پر غور کیجئے ذِکر، ذَاکِر، مَذکُور، یاد، یاد کرنے والا، جس کی یاد کی جائے۔ یہ تین چیزیں ہیں۔ ابتدائی دَور میں ہم کسی کو یاد کرنا چاہتے ہیں۔ مگر غیر کی یاد درمیان میں آتی ہے، دل کو اپنی طرف لگاتی ہے اور اس یاد کو بھلاتی ہے۔ یہ ہے وہ درجہ کہ ذاکر (یاد کرنے والا) ذکر (یاد) یہ

غالب آنا چاہتا ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ یہ کوشش جاری رہے، آرام طلب نفس ہزار روکے، لاکھ منع کرے، وسوسے اور خطرے کتنے ہی کیوں نہ آئیں، دُنیا کی دلچسپیاں کتنا ہی کیوں نہ ریجھائیں اور اپنے اندر پھنسائیں، ہم باز نہ آئیں، یادِ محبوب کئے جائیں کہ :-

مَنْ لَاگت لَاگت لَاگت ہے   بھَوُں بھاگت بھاگت بھاگت ہے
دل لگتے لگتے لگتا ہے   غفلت جاتے ہی جاتے جاتی ہے

جب نفس پر غلبہ پائیں، اسی یاد میں ڈوب جائیں۔ کچھ مدت میں اپنے آپ یہ حالت پیدا ہوگی کہ ذکر (یاد) ذاکر (یاد کرنے والے) پر غالب آجائے۔ اس درجہ کہ اب اس یاد کو روکے بھی تو نہ رُکے، غافل ہونا چاہے بھی تو نہ ہوسکے ؎

نے ز تاروئے ز چوب وئے ز پوست
خود بخود می آید ایں آواز دوست

اس مقام پر ذکر محبوب ذاکر و طالب پر اس درجہ غالب اور وہ ذکر سے اس قدر مغلوب کہ گویا خود درمیان سے غائب۔ غلبۂ ذکر اس وقت وہ کیفیت طاری کرتا ہے کہ جس طرح ذکر ذاکر پر غالب آیا، رفتہ رفتہ مذکور (جس کی یاد کی گئی) ذکر پر غالب آجاتا ہے۔ اب نہ ذاکر ہے نہ ذکر مذکور ہی مذکور ہے اور ہر اعتبار سے اسی کا ظہور ؎   (مثنوی معنوی)

نُور اُو در یُمن و یُسر و تحت و فوق   بر سر و در گردنم مانندِ طوق

محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اس ذکرِ مقبول محبوب الٰہی صلی اللہ علیہ و میں محو و مستغرق ہو کر اس مقام پر فائز ہوتا ہے فنا فِی الرَّسُول کہلاتا ہے۔ اقوال، اعمال، افعال ہر حال میں سراپائے رسُول جلوہ نما ہے۔ یہی مقامِ محبوبیت، اور اسی کی طرف اس مبارک آیت میں اشارہ کہ :-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔   (یا رسول اللہ) آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ کو چاہتے ہو میرا اتباع کرو۔ (میرے سانچے میں ڈھلو، میرے وجود میں اپنے آپ کو گم کرو) اللہ (جل جلالہٗ) تم کو اپنا محبوب بنالے گا اور اللہ کا محبوب بننے والوں کی شان کا حدیثِ قدسی میں اس طرح بیان، اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ میرا محبُوب بندہ مقامِ محبوبیت پر پہنچ کر میری ہستی میں ایسا گم ہو جاتا ہے کہ

بِىْ يَسْمَعُ، بِىْ يُبْصِرُ، بِىْ يَبْطِشُ، بِىْ يَمْشِىْ ۔   مجھی سے سُنتا ہے، مجھی سے دیکھتا ہے، مجھی سے پکڑتا ہے، مجھی سے چلتا ہے یعنی صفاتِ ربّانی اس آئینہ میں جلوہ دکھاتی ہیں اور ؎

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقومِ عبد اللہ بود

یعنی اس کیفیت کا ظہور ہوتا ہے، کہ اگرچہ آواز بندۂ خدا کے گلے سے نکلتی ہے، مگر اس کا حکم خدا کا حکم اس کا فرمان خدا کا فرمان۔ یہی وہ مقامِ محبوبیت ہے جس کو ایک اعتبار سے مقامِ خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ یا مقامِ اِنْسَانِ کامِل

سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسرے اعتبار سے فَنَا فِی اللّٰہِ وَ بَقَا بِاللّٰہِ کا درجہ پایا جاتا ہے، اسی کیفیت کی تمنا ایک طالبِ زار اس انداز پر کرتا ہے ؎

(از علیم)

اے جانِ جہاں، اے روحِ رواں، بس تو ہی رہے اور میں نہ رہوں
میں تجھ میں ہوں گم، تو مجھ میں عیاں، بس تو ہی رہے اور میں نہ رہوں
اوّل بھی تو ہی، آخر بھی تو ہی، باطن بھی تو ہی، ظاہر بھی تو ہی
میں جو کچھ ہوں، ہوں تجھ میں نہاں، بس تو ہی رہے اور میں نہ رہوں
فِیْ اَنْفُسِکُمْ کا بھید ملے، وَھُوَ مَعَکُمْ کا رمز کھلے
ہو سمع بھی تو، اور تو ہی زباں، بس تو ہی رہے اور میں نہ رہوں
یہ میں اور تو کا فرق مٹے، گر فضل سے تیرے پردہ اٹھے
پھر تو ہی عیاں ہو، تو ہی نہاں، بس تو ہی رہے اور میں نہ رہوں
میں تھا بھی کہاں؟ اور ہوں بھی کہاں ہستی ہے مری اک وہم و گماں
جب آئے یقیں مٹ جائے گماں، بس تو ہی رہے اور میں نہ رہوں
کہتا ہے علیمِ خستہ جگر، دن رات یہی با دیدۂ تر
اے جلوہ نمائے کون و مکاں، بس تو ہی رہے اور میں نہ رہوں

اسی مقام کی دعوت دینے، زبانی پیغام پہنچانے اور اپنا نمونہ دکھانے کے لئے حضور نبیٔ اُمّی فداہُ ابی و اُمّی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ حضور

نے دلوں کی صفائی کا وہ طریقہ سکھایا کہ نہ صرف ہزلیات و سیئات اور خرافات و توہمات کے داغ قلب سے دور ہوں بلکہ تمام حجابات اُٹھ جائیں اور پردۂ علم سے تجلیاتِ حکمت جلوہ دکھائیں، آئینۂ قلب میں انوارِ حقیقت پرتو فگن ہوں، اسرارِ معرفت ودیعت کئے جائیں اور تخلیقِ انسانی کا منشا پورا ہو جائے رَزَقَنَا اللّٰہُ وَاِیَّاکُمْ مولیٰ تعالیٰ ہمیں تمہیں سب کو یہ سعادت اور یہ حالت نصیب فرمائے آمین۔ ثُمَّ آمِیْن بِجَاہِ طٰہٰ وَیٰسٓ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۞

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ
وَسَلَّمَ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

محفلِ میلادِ مبارک

محفلِ میلادِ مبارک کیا ہے؟ یادِ محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک صورت۔

اس میں کیا ہوتا ہے؟ اور کیا ہونا چاہئے؟ ذکرِ پاک سرکارِ رسالت، ان کا حلیہ، ان کی شکل، اُن کے حسب، اُن کے نسب، اُن کے اخلاق، اُن کے عادات کا بیان، اور کھڑے بیٹھے ہر حالت میں اُن پر صلوٰۃ و سلام

کیوں منعقد کی جاتی ہے ؟ محض اسی لئے کہ جن کی محبت عین ایمان ہے۔ اُن کی محبت صحیح معنی میں پیدا ہو، اُن کے اتباع و پیروی کا سودا ہو، دل زنگارِ معاصی سے پاک ہو اور محبوب کا جلوہ اس میں ہویدا ہو۔ یا جس قدر محبت ہے اس میں اضافہ ہو۔ وہ ترقی پائے اور آخر اس درجۂ عشق تک پہنچ جائے جہاں ماسوائے محبوب نیست و نابود ہو جائے کہ :۔

اَلْعِشْقُ نَارٌ یُحْرِقُ مَا سِوَی الْمَعْشُوْقِ — عشق وہ آگ ہے جو معشوق و محبوب کے سوا سب کچھ جلا دیتی ہے۔

اسی غرض سے محمود و مسعود کو حاصل کرنے کے لئے محفلِ میلاد شریف ایک بہت مجرّب اور سب سے زیادہ مستحسن عمل ہے۔ اکابر سلف صالحین اور اولیائے کاملین کا معمول اور ساری دُنیا کے سچے مسلمانوں میں مقبول۔ اس عمل کی اصل قرآنِ کریم میں اس طرح موجود کہ مولیٰ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ — میں تو تمہیں یاد رکھتا ہی ہوں، تم بھی تو ہمیں یاد کیا کرو۔ پھر حدیثِ قدسی میں اسی مولائے کریم جل مجدہٗ کا ارشاد کہ :۔

جَعَلْتُ ذِكْرَكَ ذِكْرِیْ — (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!) میں نے آپ کے ذکر کو اپنا ذکر قرار دیا ہے۔ نیز ارشادِ خداوندی کہ :۔

اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ — البتہ آپ اپنے رب کی نعمت کا بیان

فرمائیے۔

اب سوچئے کہ وجود باوجود سرکارِ دو عالم، خلقت و پیدائشِ محبوبِ ربِ اکرم، ولادتِ باسعادت سیدِ بنی آدم، بعثتِ حبیبِ معظم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ زبردست نعمت ہے جس کا صدقہ اور طفیل تمام نعمتیں بلکہ تمام عالم و آدم۔ اسی لئے مولیٰ تعالیٰ نے کسی نعمت کا احسان اس طرح نہ جتایا کہ جس طرح پورے زور و قوت کے ساتھ اس نعمت کے متعلق فرمایا کہ :۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ — یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنین پر بڑا ہی احسان فرمایا کہ ان کے لئے ان ہی میں سے ایک ایسے رسول عظیم الشان کو مبعوث فرمایا جو انھیں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دکھاتے، اُن کے دلوں کو صاف اور پاک بناتے اور کتاب و حکمت سکھاتے ہیں۔ اس نعمت کے تذکرہ اور اسی احسان کے مظاہرے کے لئے عالمِ ارواح میں محفل سجائی جاتی ہے، بہترین و پاکیزہ ترین مخلوق یعنی نبیوں اور رسولوں کی جماعت بلائی جاتی ہے اور سب سے پہلی عَلیٰ میلادُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ ارواح میں جس شان سے منائی جاتی ہے، اُس کی اجمالی کیفیت تاریخی واقعہ کی حیثیت میں اس طرح سُنائی جاتی ہے کہ :۔

اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ — (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!) اُس

لَمَّآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ؕ

زمانہ کو یاد فرمائیں جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ ہم تمہیں کتاب و حکمت عطا فرمائیں گے، پھر تمہارے پاس ایک ایسے عظیم الشان رسول تشریف لائیں جو اس کی تصدیق فرمائیں جو تمہارے ساتھ ہو، البتہ ضرور تم پر لازم ہے کہ ان پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرو۔ (پھر) اللہ نے فرمایا۔ بولو تم سب نے اقرار کیا میں اس پر تم سے عہد لے رہا ہوں۔ سب نبیوں کی روحوں نے جواب دیا کہ ہم نے اقرار کیا اللہ نے فرمایا کہ "تم سب ان کی نبوت و رسالت کی گواہی دو اور میں (یعنی اللہ) بھی تمہارے ساتھ ان کے گواہوں میں سے ہوں"

انعقادِ محفل میلاد میں اسی سُنّتِ الٰہی پر عمل ہے۔ یہی عمل بے عملوں کو باعمل، عالموں کو کامل، کاملوں کو اکمل بنانے اور حاضری دربارِ پُرانوار کی کیفیت قلب پر طاری کرنے میں بے حد نافع و مجرّب و احسن و اجمل ہے۔

احباب کو دعوت دی جاتی ہے، خلقت بلائی جاتی ہے، محبوب کی محبوب سیرت بیان کی جاتی ہے اور اس سے سبق لینے کے لئے یہ نوید پہنچائی جاتی ہے کہ پوری طہارت، کامل نظافت (صفائی) اور صحیح نیت کے ساتھ

باادب اس محفل پاک میں آئیں، ذکرِ مبارک سُنیں اور انبیاء و مرسلین علیہم وعلیٰ نبینا الصّلوٰۃ والتسلیم کے میثاق کی طرح ان پر ایمان، ان کی تصدیق اور ان کی پیروی کا عہد کریں۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَسَلَّمْ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

تعیّنِ وقت

وقت معین و مقرر کرنے کا اُصول ہر سمجھ دار انسان کا معمول ہے۔ قرآنِ کریم نے یہی بتایا، شریعت نے یہی طریقہ سکھایا فریضۂ نماز کے لئے بھی اوقات کو متعین فرمایا۔ قرآنِ پاک میں آیا۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ؕ

نماز مومنوں پر اوقات کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔ روزوں کے لئے رمضان المبارک کو خاص کیا گیا۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوا:۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ

تم میں سے جو کوئی بھی رمضان کے مہینہ کو پائے اس میں روزے رکھے۔ حج کے لئے بتایا گیا کہ:۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ

حج کے مہینے تو مقرّرہ ہیں۔

یہ تعیّن اوقات کیوں ہے؟ اس لئے کہ اوقات کی پابندی کے بغیر زندگی کا نظام ترتیب ہی نہیں پا سکتا۔ کھانے پینے، سونے جاگنے، نہانے

دوستوں سے ملنے ملانے، مدرسوں میں اسباق پڑھنے پڑھانے سارے دینی و دنیوی کاموں کے لئے وقت معیّن کرنے کی ضرورت۔ کہ اسی میں سہولت۔

محفل کی زینت

کسی نیک محفل کے لئے صاف پاک فرش بچھانا، چراغ سُلگانا، قمقمے جلانا حاضرین کو عطریات میں بسانا، مقام کو مہکانا، تہذیب و تمدّن کے لوازمات میں سے ہیں، قرآنِ کریم میں ایسے ہی امور کے متعلق کوتاہ بینوں کے لئے تنبیہات اور ایمان والے مہذّب و متمدن انسانوں کے لئے ہدایات کہ:۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ ؕ (یارسول اللہ صلّی اللہ علیک وسلّم) آپ فرما دیجئے کہ اللہ کی حلال کی ہوئی زینت اور پاکیزگیوں کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہیں کس نے حرام کیا۔؟

مسند و منبر و نعت خوانی

عالم دین، بہ اتباعِ سنّت سیّد المرسلین صلّی تعالیٰ علیہ وسلّم مسند و منبر رونق افروز۔ کہ خطیب کے شایانِ شان یہی صورت، اگر کہیں عالم فاضل نہیں تبسیر علما کی تحریریں سنانے اور ان کی تقریریں پہونچانے کے لئے دین دار ذکرِ میلاد پڑھنے والے اس مسند پر بیٹھیں، کبھی کبھی ذوق و شوق بڑھانے، آتش محبّت

کو بھڑکانے، طبیعتوں کو گرمانے اور روح کو وجد میں لانے کے لئے خوش آواز نعت خواں، حضرت حسّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق پر عمل کریں کہ وہ بہ تعمیل ارشاد نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم منبر پر چڑھتے اور نعتِ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے قصیدے پڑھتے، کفار اس عمل سے جلتے اور عشاق کے دل بہلتے، حضورِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ہمت بڑھاتے اور فرطِ مسرّت میں اپنی چادرِ مبارک کا خلعت مرحمت فرماتے۔ اسی مبارک سنّت پر عمل ہے۔ اور اس قسم کی مبارک محفل کے لئے اذنِ عام:۔

از حضرت مولانا عبد السّمیع صاحب بیدل قدس سرہٗ

آؤ مشتاقانِ محفل، محفلِ میلاد میں
رحمتیں بیحد ہیں نازل محفلِ میلاد میں
عطر ملنا، بانٹنا شیرینی، سُلگانا بخور
ہیں یہ اُمّت کے مشاغل محفلِ میلاد میں
ذکرِ حق، نعت پیمبر، اجتماعِ مومنین
جمع ہیں یہ سب فضائل محفلِ میلاد میں
گھر میں جب دھوپ آگئی گویا کہ سورج آگیا
خود بدولت خود ہیں شامل محفلِ میلاد میں
قاریِ میلاد جب اُٹھ کر لگے پڑھنے سلام

سب اُٹھے محفل کی محفل محفلِ میلاد میں

حیف اس پر جب کھڑے سب ہوئیں وہ بیٹھا رہے

ہو کے پابندِ سلاسل محفلِ میلاد میں

کچھ تو اِس محفل میں پایا ہے جو یُوں آداب سے

سر کے بل آتا ہے بیدل محفلِ میلاد میں

علمِ نفسیات کے ماہرین جانتے ہیں، بلکہ معمولی علم و عقل رکھنے والے بھی مانتے ہیں کہ انسان کے خیال اور تصوّر کی طاقت، اس کے وجود میں زبردست انقلاب پیدا کرنے والی ہوتی ہے۔ اگر اِدھر اُدھر کے خیالات کو دل سے ہٹائیں، ایک نقطہ پر دھیان جمائیں، محبوب و مطلوب کے تصوّر میں ڈوب جائیں، یہ کامل توجہ ایسا بے خود بناتی ہے کہ مطلوب و محبوب کی مکمل صورت سامنے آجاتی ہے۔

مومن و مسلم دیدارِ پُرانوار سیدِ ابرار و اخیار احمدِ مختار صلّی اللہ علیہ وسلّم کا طالبِ دیدار ہے اور حضوری کا طلبگار۔ چونکہ یہ مشاہدۂ محبّت میں اضافہ، اتباعِ سنّت میں ترقی اور بالآخر جیسا کہ ابھی بتایا گیا بمقامِ محبوبیت و انسانِ کامل تک رسائی کا ذریعہ ہیں اسی غرض و غایت کے لئے محفل سجائی جاتی ہے خلقت بُلائی جاتی ہے قلبی آنکھوں سے دیدارِ پُرانوار کا متمنّی محبوب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی آمد آمد کے لئے صرف چاندنی و قالین کا فرش ہی نہیں بچھاتا، بلکہ

اپنی آنکھوں کو فرشِ راہ بناتا ہے، خس و خاشاک ظاہری سے زمینِ محفل ہی کو صاف نہیں کرتا، بلکہ ماسوائے محبوب بیہودہ خیالات کو بھی دل سے ہٹاتا ہے۔ جھاڑ اور فانوس اور بہترین روشنی کے قمقموں ہی سے مجلس کو نہیں سجاتا بلکہ آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبوی و بیانِ سیرتِ طیّبہ سُن کر شمعِ ایمانی کو روشن کرتا اور مردہ دل کو جِلاتا ہے۔

ذکرِ محبوب شروع ہوا، آنکھوں میں ایک سماں بندھا، اللہ اللہ! کیا وقت تھا جب کچھ بھی نہ تھا۔

كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْئٌ غَيْرُهٗ (الحدیث)

اللہ ہی اللہ تھا اور اس کے غیر کا پتہ نہ تھا۔

مولیٰ تعالیٰ خود فرماتا ہے:۔

كُنْتُ كَنْزًا مَّخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ (حدیثِ قدسی)

میں (اللہ تعالیٰ) ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، مجھے یہ بات بھائی کہ میں پہچانا جاؤں، پس میں نے خلقت کو پیدا کیا۔ وہ اللہ اپنے آپ کو پہچنوانے اپنے کمالات کی نمائش فرمانے کے لئے ایک نورانی روحانی آئینہ بناتا ہے، اس میں اپنا جلوہ دیکھتا اور دوسروں کو دکھاتا ہے۔ اس آئینہ کا نام مُحَمَّدِ مُصْطَفٰے لِرُوْحِی لَہُ الْفِدَاءُ صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ رکھا جاتا ہے۔ حدیث میں آیا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ ۝	اے جابر (رضی اللہ عنہ) یقیناً اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں کے بنانے

سے پہلے تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور کو پیدا فرمایا۔ شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

آنچہ اول شد پدید از جیبِ غیب
بود نورِ پاک او بے ہیچ ریب
چوں شد آں نورِ معظم آشکار
در سجود افتاد پیشِ کردگار
قرنہا اندر سجود افتادہ بود
عمرہا اندر رکوع استادہ بود
سالہا ہم بود مشغولِ قیام
در تشہد ماند ہم عمرے تمام
از نماز نورِ آں دریائے راز
فرض شد بر جملۂ اُمت نماز

سب سے پہلے سرکارِ دوعالم، نورِ مجسم، احمدِ مجتبیٰ، محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نورِ پاک کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ نورِ مبارک حجابِ عظمت

تک بلند ہوتا ہے اور بارگاہِ الٰہی میں سجدہ بجا لاتا ہے کبھی رکوع کی کیفیت اس پر وارد، کبھی قیام کی حالت اس پر نمودار۔ اس نورِ پاک کی یہ نورانی ادائیں ذاتِ باری کو ایسی بھاتی اور اتنی پسند آتی ہیں کہ آئندہ ان کے اُمتیوں کے لئے عالمِ اجسام میں یہی ادائیں نماز کی صورت میں فرض کی جاتی ہیں۔

یہی نور ہے اور تمام کائنات اسی نور سے ظہور۔ سرکار فرماتے ہیں:-

اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَالْخَلْقُ کُلُّھُمْ مِنْ نُوْرِیْ ۝	میں اللہ کے نور کا ظہور ہوں اور ساری مخلوقات میرے نور کا ظہور۔

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اُس برزخِ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدد کا

عالمِ اجسام میں بصورتِ بشری اس نورِ معظم کی پہلی تجلی پیکرِ مبارک حضرت آدم علیہ السلام میں ہوئی اور انہیں خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ کا نام دیا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا نسب نامہ اس طرح بتلاتے اور اپنے ذکرِ ولادت کو خود ہی بیان فرماتے ہیں:

اَھْبَطَنِیَ اللّٰہُ اِلَی الْاَرْضِ فِیْ صُلْبِ اٰدَمَ وَحَمَلَنِیْ فِی السَّفِیْنَۃِ مَعَ نُوْحٍ وَقَذَفَنِیْ فِی النَّارِ فِیْ صُلْبِ اِبْرَاھِیْمَ ۝	زمین پر اللہ تعالیٰ نے میرا ظہور پشتِ آدم (علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام) میں فرمایا جب حضرت نوح (علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام) کشتی

میں سوار ہیں، میرے نور کا اس وجود میں ظہور، حضرت ابراہیم علیہ السلام جب آتشِ نمرود میں ڈالے جاتے ہیں، میرا نور اس وقت اُن کی پشت میں مستور، اسی نور سے جمال حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسّلام پُرنور، اسی نور کا جبینِ حضرت خواجہ عبداللہ میں ظہور، یہی نور ہے جو اپنے کمالِ ظہور کے لئے حضرتِ آمنہ خاتون کو ودیعت (سپرد) کیا جاتا ہے۔ جہاں صورتِ جسمانی اختیار فرما کر

مُحَمَّد و اَحْمَد

روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نام پاتا ہے۔

حُلیۂ مُبارکہ

نورانی صورت، جسمانی مورت، موہنی طلعت، کیسی دلرُبا، میانہ قد، موزوں اندام، سُرخ وسپید رنگ، پیشانی کشادہ، ابرو پیوستہ، بلند بینی، شگب چہرہ، دہانہ کشادہ، دندانِ مبارک سچے موتیوں سے زیادہ چمکدار، نہ بالکل ملے جُلے، نہ درمیان میں زیادہ فاصلہ، گردن اونچی، سر بڑا، سینہ کشادہ، ریشِ مبارک گھنی، آنکھیں سیاہ و سُرمگیں، پلکیں بڑی بڑی، شانے گوشت سے بھرے ہوئے، مونڈھوں کی ہڈیاں چوڑی چکلی، سینۂ مبارک میں ناف تک بالوں کی ہلکی تحریر، شانوں اور کلائیوں پر باریک روئیں، ہتھیلیاں گوشت سے بھری ہوئی، کلائیاں لانبی، پاؤں کی ایڑیاں نازک اور ہلکی، پاؤں کے تلوے بیچ سے ذرا خالی رُوحِیْ وَقَلْبِیْ فِدَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ بِقَدْرِ حُسْنِهٖ وَجَمَالِهٖ وَكَمَالِهٖ وَعَلٰى وَارِثِ حَالِهٖ

بصورتِ آدم، ظہورِ اوّل کے وقت ملائکہ حکم سجدہ پاتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ خداوندی کہ :-

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا ؕ

جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم (علیہ السّلام) کو سجدہ کرو، تو اُنھوں نے سجدہ کیا۔

اب ظہورِ آخر کا وقت آتا ہے، مولا تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ

یقیناً اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ اسی ارشاد کا ایک مظاہرہ ہے، رحمتِ کردگار دولت کدۂ آمنہ خاتون پر نثار ہے۔ تمام مکان بقعۂ انوار ہے۔ ملائکہ صفیں باندھے، مولدِ شریف میں حاضر ہیں، حورانِ بہشتی استقبالِ سرکار کی منتظر، ارواحِ انبیاء و مرسلین (صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین) خراجِ تصدیق و تائید و نصرت پیش کرنے کے لئے حسبِ وعدہ سراپا انتظار، ہمیں اسی آیۂ مبارکہ میں حکم دیا جاتا ہے :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ؕ

اے ایمان والو! تم بھی انہی پر درود بھیجو (اور جس طرح آداب بجالاتے

ہوئے سلام کرنا چاہئے) (اسی انداز پر) سلام عرض کرو۔ اسی حکم کی تعمیل ہے کہ ہم محفلِ ذکرِ میلادِ مصطفوی میں حاضر اور بیٹھے بیٹھے صلوٰۃ و سلام میں مشغول کہ حالتِ نماز صورتِ قعود میں بھی۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ — اے نبی کریم (صلی اللہ علیک وسلم)
وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ — آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اُس کی برکتیں، کہنا شریعت میں منقول اور مسلمانوں کا معمول۔

ابھی ابھی بتایا گیا کہ ذکرِ سید المرسلین عین ذکرِ رب العالمین، ذکرِ الٰہی کے لئے قرآنِ کریم میں فرمایا گیا، سمجھداروں کو جتایا گیا کہ

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا — سمجھدار وہ ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے
وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ — ہیں (کبھی) کھڑے ہو کر (کبھی) بیٹھ کر (اور کبھی) اپنی کروٹوں پر۔

ہمیں سمجھایا گیا کہ ذکر کھڑے ہو کر ہو یا بیٹھ کر، حالتِ رکوع میں ہو یا سجود میں ہر طرح مستحسن و محمود، اس کی اصل قرآنِ کریم میں موجود، بس جو شخص حالتِ قیام میں اللہ کے محبوب پر صلوٰۃ و سلام کو ناجائز ٹھہرائے، بدعت بتائے اس کا فرض کہ قرآن و حدیث سے اس پر دلیل لائے۔

اندازِ سجود خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم میں غیرِ خدا کے لئے حرام اور ذاتِ واجب الوجود کے لئے مخصوص، جس کے لئے احادیث میں بہت سے

نصوص۔ قیام کی حرمت پر یا کراہت پر نہ کوئی دلیل نہ کوئی برہان۔ اس لئے مباح اپنی اصل پر قائم، اور اچھے نتیجے کے سبب اپنے مقام پر مستحسن و مستحب۔

ابھی ابھی فلسفۂ نفسیات کا یہ نکتہ سمجھایا گیا کہ تصور و خیال کو ہماری زندگی کے کارناموں میں بڑا دخل ہے۔ جب یہ تصور بندھا کہ ہم دربارِ سرکار میں حاضر ہیں اور عالمِ خیال ہی میں سہی، دیدار کے امیدوار، مشتاقانہ ووالہانہ انداز میں مستانہ وار بھکاری بنیں، جھولیاں پھیلائیں، سچے منگتا کی طرح آداب بجالائیں، مالک و قاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قصیدہ خوانی کریں، ان کی شانِ عطا کو وسیلہ بنائیں، کہ:۔

ڈوبی ناویں تراتے یہ ہیں — ہلتی نیویں جماتے یہ ہیں
ٹوٹی آسیں بندھاتے یہ ہیں — چھوٹی نبضیں چلاتے یہ ہیں
ان کے ہاتھ میں ہر کنجی ہے — مالکِ کل کہلاتے یہ ہیں
رب ہے معطی یہ قاسم ہیں — رزق اُس کا ہے کھلاتے یہ ہیں
اپنی بنی ہم آپ بگاڑیں — کون بنائے، بناتے یہ ہیں

کہہ دو رضا سے خوش ہو خوش رہ
مژدہ رضا کا سناتے یہ ہیں

ہاں! ہاں! تصور جمائیے، خیالاتِ این وآں کو بھلائیے، جبینِ نیاز کو جھکائیے اور اپنی فریاد انھیں اس طرح سنائیے:۔

ظلمت عالم پر چھائی ہے، اے نورِ ہدایت! جلوہ دکھا

آفت دُنیا پر آئی ہے، اے آیۂ رحمت! جلوہ دکھا

عصیاں کے شعلے بھڑکتے ہیں، الحاد کی بجلی گرتی ہے

اے ابرِ کرم! رحمت برسا، اے نجمِ سعادت! جلوہ دکھا

دجّال فریب میں لاتے ہیں، بہلاتے ہیں پھُسلاتے ہیں

دینِ حق سے بھٹکاتے ہیں، اے ختمِ رسالت! جلوہ دکھا

اے سیدِ اولادِ آدم علیہ السلام! سرکارِ عرب، سلطانِ عجم

اے بدرِ نجابت! جلوہ دکھا، اے صدرِ شرافت! جلوہ دکھا

اے حُسنِ ازل کے ظہورِ اتم! اے مظہرِ خاصِ نورِ قدم

اے جانِ صباحت! جلوہ دکھا، اے کانِ ملاحت! جلوہ دکھا

اے دعوتِ ابراہیم[1] ذرا، چہرے سے نقاب کو اپنے اُٹھا

موسیٰ علیہ السلام کے اِک اشارت! جلوہ دکھا، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت! جلوہ دکھا

قدسی دربار میں حاضر ہیں، حوریں سرکار میں حاضر ہیں

سب استنظار[2] میں حاضر ہیں، ہے وقتِ ولادت! جلوہ دکھا

مشتاقِ جمالِ علیم حزیں، بکمالِ خشوع جھکا کے جبیں،

کرتا ہے عرض کہ اے شہِ دیں! اے صاحبِ قدرت! جلوہ دکھا

---

[2] استقبال

صلی اللہ علیک یا رسول اللہ

وسلم علیک یا حبیب اللہ

سبحان اللہ! کیا نورانی سماں ہے، گویا چاند تارے بھی استقبالِ سرکار میں زمین کی طرف جُھک آئے ہیں۔ حضرت آمنہ خاتون فرماتی ہیں کہ قبلِ ولادتِ باسعادت ایک نور مجھ سے بلند ہوتا ہے جس سے تمام پردے اُٹھ جاتے ہیں۔ شام کے محلات تک آنکھوں کے سامنے آتے ہیں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں :۔

شبِ میلادِ محمد چہ شبِ روشن بود

کز حرم تا بہ حدِ شام منوّر گردید

حرم و شام چہ؟ کز مشرق و مغرب نورش

ہمہ را گشت محیط و ہمہ جا در گردید

بہار کا وقت ہے، بہار کا سماں اور ربیع الاوّل یعنی بہار کا پہلا مہینہ، شب دوشنبہ (پیر کی رات) ہے اور صبح کو باختلاف روایات ۸۔ ۹۔ ۱۰ یا ۱۲ تاریخ، جبریلِ امین بہ غایت ذوق وشوق تمام عالم کے وکیل بن کر تمنائے دیدار میں اس طرح عرض گذار کہ :۔

اِظْهَرْ يَا سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ اِظْهَرْ يَا خَاتِمَ النَّبِيِّيْنَ

اِظْهَرْ يَا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ اِظْهَرْ يَا نُوْرَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

اُدھر اُفقِ مشرق سے صبح کی سپیدی ظاہر ہوئی اِدھر:

(از حضرت محسن کاکوروی)

اس وقت دیارِ عرب کے   مطلع سے تجلیاتِ رب کے
بُرجِ شرفِ قریشیاں میں   اور ہاشمیوں کے خانداں میں
کعبہ کی زمین نامور سے   اور عبدالمطلب کے گھر سے
اسلام کا آفتاب چمکا   بے پردہ و بے حجاب چمکا

وُلِدَ الْحَبِيْبُ وَمِثْلُهٗ لَا يُوْلَدُ
وُلِدَ الْحَبِيْبُ وَخَدُّهٗ يَتَوَرَّدُ
وُلِدَ الْحَبِيْبُ مُكَحَّلًا وَّمُطَيَّبًا
وَالنُّوْرُ مِنْ وَّجَنَاتِهٖ يَتَوَقَّدُ
جِبْرِيْلُ نَادٰى فِيْ مَنَصَّةِ حُسْنِهٖ
هٰذَا مَدِيْحُ الْكَوْنِ هٰذَا اَحْمَدُ
يَا عَاشِقِيْنَ تَوَلَّهُوْا فِيْ حُبِّهٖ
هٰذَا خِتَامُ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدُ
صَلُّوْا عَلَيْهِ بُكُوْرَةً وَّعَشِيَّةً
اَلْفَ الصَّلٰوةِ مَعَ السَّلَامِ وَزَيِّدُوْا

عرضِ سلام بحالتِ قیام

يَا نَبِيْ سَلَامٌ عَلَيْكَ   يَا رَسُوْل سَلَامٌ عَلَيْكَ
يَا حَبِيْب سَلَامٌ عَلَيْكَ   صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْكَ
سیّدِ اولادِ آدم علیہ السلام   رحمتِ عالم مجسم
حاضرِ دربار ہیں ہم   عرض یہ کرتے ہیں ہم
يَا نَبِيْ سَلَامٌ عَلَيْكَ   يَا رَسُوْل سَلَامٌ عَلَيْكَ
يَا حَبِيْب سَلَامٌ عَلَيْكَ   صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْكَ
تم شفیعِ عاصیاں ہو   سیّد و شاہِ شہاں ہو
چارۂ بے چارگاں ہو   دردمندِ بے کساں ہو
يَا نَبِيْ سَلَامٌ عَلَيْكَ   يَا رَسُوْل سَلَامٌ عَلَيْكَ
يَا حَبِيْب سَلَامٌ عَلَيْكَ   صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْكَ
سیّدی! بیمار ہوں میں   اور ضعیف و زار ہوں میں
سخت عصیاں کار ہوں میں   اپنے اوپر بار ہوں میں
يَا نَبِيْ سَلَامٌ عَلَيْكَ   يَا رَسُوْل سَلَامٌ عَلَيْكَ
يَا حَبِيْب سَلَامٌ عَلَيْكَ   صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْكَ

نفس و شیطاں نے ستایا — اچھے کاموں کو بھلایا
سب گناہوں میں پھنسایا — در پہ ہوں فریاد لایا
یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ — یَا رَسُوْل سَلَامٌ عَلَیْكَ
یَا حَبِیْب سَلَامٌ عَلَیْكَ — صَلَوَاتُ اللہِ عَلَیْكَ

ہاں! مری بگڑی بنادو — اور گنہ سب بخشوا دو
زنگ سینہ سے مٹادو — اور دل کو جگمگادو
یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ — یَا رَسُوْل سَلَامٌ عَلَیْكَ
یَا حَبِیْب سَلَامٌ عَلَیْكَ — صَلَوَاتُ اللہِ عَلَیْكَ

رُخ سے پردہ کو ہٹادو — جلوۂ زیبا دکھادو
قیدِ غم سے اب چھڑادو — مجھکو مولیٰ سے ملادو
یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ — یَا رَسُوْل سَلَامٌ عَلَیْكَ
یَا حَبِیْب سَلَامٌ عَلَیْكَ — صَلَوَاتُ اللہِ عَلَیْكَ

یہ عالم خفتہ قسمت — تھام کر دامانِ رحمت
مانگتا ہے بہرِ حاجت — باز ہو بابِ اجابت
یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْكَ — یَا رَسُوْل سَلَامٌ عَلَیْكَ
یَا حَبِیْب سَلَامٌ عَلَیْكَ — صَلَوَاتُ اللہِ عَلَیْكَ

دُعاء

اے بے چینوں کی فریاد سننے والے مولیٰ! اے بے کسوں کی پکار کا جواب دینے والے آقا! اے ماں باپ سے زیادہ مہربان داتا! تیرے گنہگار بندے اور بندیاں' سخت بے تابی و بے چینی کے ساتھ تلملا کر تجھے پکارتے اور فریاد کرتے ہیں' ہماری بپتا سن لے۔

ہم اقرار کرتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ تو یکتا و بے ہمتا ہے اور حضرت سرکار محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے محبوب بندے اور آخری نبی ہیں۔ (ﷺ)

تو نے ہمیں انسان بنایا' عزت و خلافت کا خلعت پہنایا' ہمیں دولت دی' سلطنت بخشی' زمین میں وراثت عطا کی۔ مگر آہ! آہ! آہ! ہم نے تیری نعمتوں کی قدر نہ جانی' تو نے ہمیں سنوارا' ہم نے اپنی صورتوں کو بگاڑا' تیری راہ کو چھوڑا' تیرے حکموں سے منہ موڑا' تجھ سے اپنا رشتہ توڑا' نفس و شیطان کے جال میں پھنسے گناہ کئے اور وہ بھی ایسے سخت کہ جانور بھی ان سے پناہ مانگیں' نافرمانیاں کیں اور ایسی شدید کہ ان سے پتھر بھی لرز جائیں

اے مولیٰ! اقراری مجرم' روسیاہ' گنہگار' بدکار' عصیاں شعار' شرمسار' تیری رحمت و مغفرت کے اُمیدوار' آنکھوں سے آنسو بہاتے' بے قراری سے تلملاتے' تیرے عذاب سے ڈرتے' تیری ناراضی سے گھبراتے' ہاتھ پھیلائے' شرم سے سر جھکائے' گڑگڑاتے تیرے دربار میں حاضر ہیں۔ اگر تو عذاب دے' ہم اس کے سزاوار' بخش دے تو عزیز و غفار' تو نے فرمایا تو نے یقین دلایا کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ اور لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اس لئے رحمت کے طلبگار ہیں' عفو کے اُمیدوار ہیں۔

ہمارے پاس کوئی نیک عمل نہیں جسے وسیلہ بنائیں' کوئی طاعت وعبادت نہیں جس کا آسرا لگائیں' مگر ہاں! تیرے محبوب' کملی والے تاجدار' سید ابرار' احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن رحمت ہاتھ میں ہے' ان کے نام لیوا کہلاتے ہیں' جنہوں نے ہمارے لئے ساری ساری رات آنسو بہائے اور ہماری مغفرت کیلئے دعائیں فرمائیں۔

تیرے جاہ وجلال' تیرے فضل وکمال' تیرے جود وعطا اور تیرے محبوب سرکار محمد مصطفےٰ روحی لہ الفداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو وسیلہ بناتے ہیں۔ اپنی عزت' اُن کی رحمت کا صدقہ' صدیق وفاروق وعثمان وعلی وفاطمہ زہرہ حسن وحسین شہید کربلا کا واسطہ' اہل بیت اطہار' اصحاب کبار وشہدائے بدر وحنین واُحد کا طفیل' غوث اعظم وسلطان الہند واولیائے اُمت کا تصدق' اپنے جملہ محبوبین ومقبولین ومقربین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے صدقہ میں ہمارے گناہ معاف فرما دے' ہماری بگڑی بنا دے' ہمیں اپنی محبت کا جام پلا دے' ہمیں اپنا متوالا بنا دے' ہماری ڈوبتی کشتی ترا دے' ہمارے بیڑے کو پار لگا دے' ہم منجدھارے میں پھنسے ہیں' نہ عزت رہی نہ دولت' نہ حشمت رہی نہ سلطنت' نہ حکومت رہی نہ طاقت' خلافت اسلامیہ مٹ چکی' قبلہ اول بیت المقدس پر یہودی چھائے ہوئے ہیں' قبلۂ مسلمین وحرمین محترمین پر دشمن دانت جمائے ہوئے ہیں عراق' شام' مصر ومراکش' افریقہ وملایا ہر طرف دشمن ہی دشمن آڑے آئے ہوئے ہیں۔ وہ ہندوستان جہاں تیرے خاص بندوں نے علم توحید بلند کیا' سات سو برس تک حکومت کی اور تیرے دین کا بول بالا رکھا' ہم نااہل تیری اس امانت کو نہ سنبھال سکے' وہ ہمارے ہاتھوں سے نکلا اور آخر ہم محکوم بن کر ہی وہاں رہ سکے' ہمارے خون بہائے گئے' ہماری

خواتین کی عفت وعصمت تباہ کی گئی' مسجدیں شہید ہوئیں' خانقاہیں اجاڑی گئیں' اولیاء صالحین کی قبریں تک کھودی گئیں' ہمارے گھروں میں آگ لگائی گئی' گھر سے بے گھر کیا گیا' ہمارے جوان مرد ہلاک کیئے گئے' بوڑھے قتل ہوئے' عورتیں بیوہ ہوئیں' یتیم بلبلاتے رہے۔

اے غیرت والے مولیٰ! ہم لٹ گئے' مٹ گئے' صرف اس لئے کہ تیرے کہلاتے تھے' تیرا نام لیتے اور مسلمان کہے جاتے تھے۔

اے عظمت والے! اے عظمت والے!

اے غلاموں کے سر پر تاج عزت رکھنے والے! اے بے پناہوں کو پناہ دینے والے! سن لے! سن لے! ہم بے کسوں' بے بسوں کی سن لے! ہم سیہ کاروں کے سبب اپنے دین کو بدنام نہ ہونے دے۔ دین کی عزت رکھ لے' علم توحید کو سرنگوں نہ ہونے دے۔ ہمیں قوت دے' طاقت دے' عزت دے' حمیت دے' غیرت دے' برصغیر ہند میں جو چھوٹی سی آزاد خود مختار

پاکستانی حکومت

تو نے محض اپنے فضل سے عطا فرمائی' اس کی حفاظت فرما' اسے قوی سے قوی تر بنا اور صحیح معنی میں اسلامی دولت' اسلامی سلطنت اور الٰہی مملکت بنا' جہاں تیرا قانون' تیرے احکام جاری ہوں' تیرے دین کا علم بلند ہو اور تیرے نام کا ابد الآباد تک بول بالا رہے۔

مولیٰ! مولیٰ! اے رحم وکرم والے مولیٰ!

ہماری دعائیں قبول کر، ہمارے بیماروں کو تندرستی دے، مصیبت زدہ کی مصیبت دور کر، ہمیں فقر و فاقہ سے بچا، حقیقی غنا عطا فرما، اپنا بنا اور اپنی راہ پر چلا اور اپنے بندہ محمد عبدالعلیم صدیقی سے وہ خدمتیں لے جن سے تو راضی ہو اُسے اپنی رضامندی اور محبوبیت کا خلعت پہنا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ

الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ

التَّوَّابُ الرَّحِیْمِ وَصَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی

خَیْرِ خَلْقِکَ وَ نُوْرِ عَرْشِکَ

سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا وَ عَوْنِنَا وَ مُعِیْنِنَا وَ

غَیَاثِنَا وَ مُغِیْثِنَا

مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ عَلٰی

آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

آمین ۔ آمین ۔ آمین

بِسِرِّ اَسْرَارُ الْفَاتِحَہ

☆☆==================☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام کیا ہے اس کا مختصر مدلل اور جامع بیان

اسلام کے اصول

یعنی

دی پرنسپلز آف اسلام کا اردو ترجمہ

از

مبلغ اعظم حضرت شاہ محمد عبدالعلیم صاحب قادری صدیقی میرٹھیؒ

مترجمہ

محمد حسین آسی بی۔اے

فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

عالم کائنات اور انسان

آسمان و زمین کا خوبصورت منظر جسے ہم ارد گرد دیکھتے ہیں۔ خود ایک عظیم فن کار کی تخلیق ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ کائنات میں نظم و ترتیب کا یہ وجود جس کا موجودہ سائنس سے پتہ چلتا ہے ایک اعلیٰ و اولیٰ قوت اور ذہن پر یقین کرنے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جو اس پیچیدہ اور منظم نظام کا ضامن ہے گویا اس سے ایک ایسی مافوق الفطرت ہستی کا ثبوت ملتا ہے جس نے کائنات کو وجود اور حیات و نشو و نما کے لوازمات سے نوازا۔ قرآن پاک کے الفاظ میں اسی کا نام رب العلمین ہے۔

سائنس کے مطابق کائنات مختلف اجزا کا ایسا مرکب ہے جس کے تمام حصے خوبصورتی اور توازن کے ساتھ باہم متعلق ہیں۔ علاوہ ازیں یہ (کائنات) قانون کی ایک مملکت (یا ریاست) ہے۔ جس میں ہر ذرہ قانون کے مطابق طے شدہ اور مستقل راستے پر چلتا ہے۔ فضائی سیاروں سے لے کر ساحل سمندر کے ذرات ریگ تک کوئی بھی اس راستے سے انحراف نہیں کر سکتا۔ ان کی زندگی سائنس کے مطابق قوانین فطرت اور مذہب کی زبان میں قوانین خدا کی پوری طرح تابع ہے گویا ان کی زندگی اسلام کی زندگی ہے۔ جس کے معنی ہیں قوانین خدا کے متابعت (اور پابندی) دوسرے الفاظ میں وہ مسلم ہیں۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کے متعلق یوں اشارہ کیا ہے۔

وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا وَّاِلَیْہِ

يُرْجَعُوْنَ○(پ ۳. آل عمرٰان آیت ۸۳)

اور اسی کے حضور گردن رکھے ہیں اور جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے اور مجبوری سے، اور اسی کی طرف پھریں گے۔

اس عام اصول سے مستثنٰی ہے تو صرف انسان۔ وہ عالم تخلیق میں اس حد تک واقعی بے مثل ہے کہ اسے، عقل، اور قوت ارادی بھی دی گئی ہے۔ نتیجۃً اس کے عمل و کردار کی راہیں غیر متعین ہیں۔ آپ سورج کے کام کی تو پیشگوئی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ اٹل قانون کے ماتحت کام کرتا ہے اور اس سے ہٹ نہیں سکتا مگر انسان کی بابت کوئی پیشین گوئی نہیں کر سکتے۔ اس کے سوا کائنات کی ہر چیز مشینی انداز سے چلتی ہے مگر یہ (انسان) اپنے مقاصد کا انتخاب اور انہیں حاصل کرنے کے ذرائع (اپنی مرضی کے مطابق) اختیار کر سکتا ہے لہٰذا وہ عقل پر بھروسہ کرتا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں بڑی بڑی چیزیں حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ غلطیاں بھی کرتا ہے اور بالآخر اضطراب (یعنی پریشانی) میں گھر جاتا ہے۔ وہی قوت یا حس جو فیصلہ کرنے میں اس کی مددگار تھی۔ غلط استعمال کی بنا پر آلہ تخریب بن جاتی ہے انسانی ذہن صرف مخصوص حدود تک اس کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ کیونکہ (انسان) حقائق معلومہ کی بنا پر نامعلوم چیزوں کو دریافت کرنا چاہتا ہے۔ یہ (ذہن) کسی حد تک طبعی (اور ظاہری) حقائق کے میدان میں کامیابی سے کام کر سکتا ہے۔ مگر جب صداقتوں کی تحقیق کرنے لگتا ہے۔ جہاں ماضی حال اور مستقبل کے علم کی شدید ضرورت ہے تو یہ (ذہن) سوائے اندازہ کرنے اور نتیجہ نکالنے کے کچھ نہیں کر سکتا۔ گویا فطرتاً ہی یہ نہائی حقائق کو دریافت کرنے سے عاجز ہے۔

بہر حال روح انسانی ان انتہائی حقیقتوں کو جاننے کی زبردست خواہشمند ہے۔ کیونکہ ان کے بغیر زندگی کا اصلی مقام غیر واضح اور انسانی کوششوں کا صحیح ضابطہ غیر متعین رہتا

ہے۔ سائنس یہ چیز مہیا نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اس کا تعلق تو قریب ترین (اور بالکل ظاہری) طبعی حقیقت سے ہے۔ اسی طرح فلسفہ بھی اسے بہم پہنچانے سے عاجز ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد صرف منقولوں اور تخمینوں پر ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد

یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کی روح اس غیبی بلند و بالا ہستی سے رہنمائی کی درخوست کرتی ہے۔ اور اس کو روشنی کے لئے مشعل راہ کی اور یقینی (علم پر مبنی) رہنمائی کے لئے کسی رہنما کی ضرورت ہے۔

انسانیت کو یقینی، مثبت اور جامع رہنمائی کی ضرورت ہے تو اسی خلاق کریم نے جو ہماری اور کائنات کی طبعی ضرورتیں پوری کرتا ہے اس شدید ضرورت کا پورا کرنا اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے۔ انسانی تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ مذہب حیات انسانی کے آغاز ہی سے دنیا میں چلا آیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رب کریم نے بنی آدم کو ہدایت و تخلیق سے بیک وقت مشرف فرمایا۔ تا کہ اسے ٹھوکریں نہ کھانا پڑیں (آسانی سے) قوانین فطرت کے مطابق چل سکے۔

ایسے (عظیم الشان) افراد جنہیں رب تعالٰی نے خلقت کی ہدایت کے لئے مقرر فرمایا۔ مذہب کی اصطلاح میں رسول یا پیغمبر کہلاتے ہیں۔ انہوں نے خود تو وحی الٰہی کی شکل میں وہ رہنمائی حاصل کی اور جب انہوں نے اسے تحریری صورت میں عوام پر پیش کیا۔ تو اس کا نام مقدس تحریر یا الہامی کتاب پڑ آسان تحریروں میں وہ قوانین بیان کئے گئے ہیں۔ جنہیں کائنات کے خالق و قیوم نے صحیح زندگی کے لئے بنایا ہے۔ اس ہدایت کا مقصد واحد قوانین الٰہی کی اطاعت سکھانا ہے اور اسی کو عربی زبان میں اسلام کہتے ہیں۔

اس رہنمائی کا مطلب یہ ہے کہ انسان آزاد ہو کر بھی ویسے ہی اپنی اصلی

فطرت کے مطابق عمل ورویہ اختیار کرے جیسے باقی مخلوق قوانین فطرت کے مطابق مشینی انداز میں کام کرتی ہے یہی لفظ مسلم کا مفہوم ہے۔قرآن پاک میں ارشاد ہے 'فطرت' جس میں خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے اس کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں لیکن اکثر آدمی نہیں جانتے (۳۰۔۳۰)

خدا نے اس ہدایت کو کسی خاص گروہ یا قوم تک محدود نہیں رکھا بلکہ سب قوموں اور نسلوں پر پیش کی گئی۔خدا کی نعمت سب کو عطا کی گئی۔جیسے کہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (پارہ : ۲۲ سورہ فاطر آیت نمبر ۲۴)

کوئی ایسا گروہ نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گذرا

تاریخ نے ان سب ہادیوں میں چند ہی کے اسمائے گرامی محفوظ رکھے ہیں۔جبکہ کئی دوسروں کے کاموں اور ناموں کو بالکل فراموش کرا دیا ہے۔جن انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے نامہائے نامی ابھی تک یاد ہیں۔ان میں سے حضرات آدم، نوح، ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب، موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام پہلے گروہ میں سے ہیں۔آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والتحیات الی یوم النشور نے ساتویں صدی عیسوی میں مبعوث ہو کر انبیاء سابقین علیہم السلام کے بتائے ہوئے راستہ کی طرف بلایا اور دنیا کو قرآن کریم دیا۔جس میں انبیاء سابقین علیہم السلام کی تعلیمات کامل اور جامع ترین شکل میں پیش کی گئی ہیں۔لوگوں نے ان (تعلیمات) کو کبھی یہودیت اور کبھی عیسائیت وغیرہ کا نام دیا۔جناب خاتم النبیین ﷺ نے انہیں اسلام جیسا اصلی ابتدائی اور بامعنی الا بامعنی نام یاد دلایا۔

(۱) اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران پ ۳. آیت نمبر ۱۹)

بیشک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔

(۲) مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (الحج پ ۱۷ آیت ۷۸)

تمہارے باپ ابراہیم کا دین اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔

(۳) مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا

ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی۔بلکہ ہر باطل سے جدا مسلمان تھے۔

(پ ۳۔سورہ آل عمران آیت نمبر ۶۷)

حضور ختم المرسلین علیہ الصلوۃ والسلام نے مذہب کو فرقہ پرستی کی سطح سے اٹھایا اور بتایا کہ الہامی سین جہاں کہیں پہنچا اور جس نے بھی اس کی تبلیغ کی، اسلام ہی کے نام سے موسوم ہوا۔جس کا مطلب جیسا کہ پہلے بھی دو دفعہ کہا ہے، خدا کے مقرر کردہ قوانین کی اطاعت اور پابندی ہے۔

تعلیمات اسلامی کے دو حصے

(پھر یہ سمجھ لیجئے کہ) تعلیمات اسلامی کے دو حصے ہیں۔

(۱) ایمان　　(۲) عمل

(۱) ایمان

(۱) توحید پر ایمان: ایمان کے سلسلے میں (یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ) بنیادی عقیدے کا تعلق خدا سے ہے۔یہی یقین مختلف شکلوں میں انسانی اعمال پر اثر انداز ہے۔جب نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت مختلف مذہبی گروہوں کے مختلف نظریات تھے۔لوگوں نے خدائی کے (انوکھے) تصورات ایجاد کر رکھے تھے اور انہوں نے انسانوں کو ہی نہیں بلکہ بے عضو چیزوں کو بھی خدا سمجھ رکھا تھا۔سرور دو عالم ﷺ نے ان سب باطل خیالات کی اصلاح فرماتے ہوئے اسلام کا اولین سبق ان الفاظ میں دیا۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

(اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں)

اس انقلابی اعلان کا مطلب یہ ہے کہ خدا ایک اور صرف ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ خدا ہی خالق ہے اور اس کے سوا باقی سب مخلوق ہے۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ کسی مخلوق کو خالق کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ خواہ اس کے کمالات اور اوصاف کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں۔ خط امتیاز واضح اور ناقابل عبور ہے۔

تاریخ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی معجز نمائی کو بھی محفوظ رکھا ہے لیکن اس صورت میں (یاد رکھئے کہ) یہ پاک بزرگ صرف وسیلہ و ذریعہ تھے۔ وہ طاقت جو پس پردہ کام کرتی تھے۔ رب کریم کا دست قدرت تھا۔ انبیاء و رسل علیہم السلام کا اولین مقصد انسانیت کو خدا کی طرف بلانا اور اس کے دل و ذہن کو اس کی طرف کھینچنا تھا۔ ان کی پاکیزہ زندگی کی بڑی بڑی نشانیوں میں سب سے بڑی یہ نشانی تھی کہ وہ لوگوں کو سنانے کے لئے خدا تعالیٰ کے پیغامات وصول کرتے تھے۔ اسی لئے انہیں رسول (یا پیغمبر) کہا جاتا ہے۔ انہوں نے امی ہونے اور کسی سکول میں بالکل نہ پڑھنے کے باوجود اعلیٰ ترین حقیقتیں بتائیں۔

(ب) انبیاء علیہم السلام پر ایمان

رسول پاک ﷺ نے اسلام کے بنیادی عقیدے کا دوسرا حصہ ان تمام نبیوں اور رسولوں کے مقصد و پیغام پر ایمان لانے کو ٹھہرایا اور توحید کے ساتھ ساتھ سرور عالم ﷺ کی رسالت جمع کی گئی۔ کیونکہ خاتم الانبیاء ہونے کی حیثیت سے آپ پہلے تمام انبیاء علیٰ نبینا علیہم السلام کی نمائندگی کرتے ہیں۔ گویا پورا اسلامی عقیدہ ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

(اللہ کے علاوہ کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں اور جناب محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے رسول ہیں)

اب جس طرح بہت سے خداؤں کو ماننے سے انسانیت ختم نہ ہونے والی تقسیم کا شکار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح خدا کے نبیوں اور رسولوں میں تفریق کرنے (یا فرق ڈالنے) سے وہ مختلف گروہوں میں بٹ جاتی ہے۔ ہدایت ربانی اس کی اجازت نہیں دیتی (یعنی خدائی دین تو انسانیت کو متحد کرنا چاہتا ہے۔ پھر کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ انبیاء علیہم السلام میں تفریق کرنا سکھائے۔ جس کا نتیجہ افتراق اور انتشار ہے) یہاں قرآن کریم بنیادی عقیدے کی تفصیل یوں بیان فرماتا ہے۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔ (پ۳ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۸۴)

ترجمہ: یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں پر اترا اور جو کچھ موسیٰ و عیسیٰ اور انبیاء کو ان کے رب سے ملا ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے حضور گردن جھکائے ہیں۔

(ج) فرشتوں پر ایمان

ایک اور نکتہ جس میں انسانیت نے شدید غلطیاں کی ہیں۔ مخلوق خدا کی اس قسم سے متعلق ہے جسے ملائکہ (یا فرشتے) کہا جاتا ہے۔ بعض نے ان کو خدا کی بیٹیاں خیال کیا۔ جبکہ بعض دوسروں نے انہیں الوہیت میں شریک سمجھا۔ اسلام صاف صاف بتاتا ہے کہ وہ

روحانی مخلوق ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق عاجز غلام کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ وہ خدائی انعامات کے عطا کرنے والے نہیں۔ بلکہ خدائی پروگرام کو عمل میں لانے کا ذریعہ ہیں۔ حقیقی منعم صرف رب قدیر ہے اور فرشتے صرف غلام ہیں۔ قرآن فرماتا ہے۔

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۔ (پ ۲۸ سورہ تحریم آیت ۶)

وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جن کا حکم دیا جاتا ہے۔

(د) یوم آخر یا روز جزا پر ایمان

اب میں یوم آخر اور روز جزا کے متعلق اسلامی عقیدہ بتاتا ہوں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ جسمانی صحت کے کسی قانون کی خلاف ورزی سے جسمانی نقصان ہوتا ہے۔ نامناسب خوراک کا استعمال، غیر موزوں آب و ہوا کے اثرات اور صحت کے اصولوں کی مخالفت سے جسم پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اس کے برعکس صحت کے اصولوں پر چلنا ہماری ترقی اور قدرتی نشوونما کا ضامن ہے۔ دراصل ہمارا ہر کام ہی نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ یہ بات ہے کہ نتیجہ جلدی ظاہر ہو یا دیر سے، لیکن کبھی نہ کبھی ظاہر ضرور ہوگا۔ چنانچہ اسلام ہمارے اعمال کے آخری جائزے (یا محاسبے) پر بھی یقین رکھتا ہے اور یوم الدین (روز جزا) کو ان کے آخری نتائج کے اعلان پر بھی۔

جہاں تک کائنات کی بقا کا تعلق ہے۔ موجودہ سائنس کا اندازہ ہے کہ یہ ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی۔ یہ بتاتی ہے کہ متعدد اجرام فلکی اور ستارے جو کائنات کا حصہ ہیں۔ مقناطیسی قوتوں کے ایسے جال میں باہم بندھے ہوئے ہیں۔ جن کو انہی اجسام سے نکلنے والی قوت کے اخراج (یا پھیلاؤ) سے سہارا ملتا ہے۔ پھر سائنس یہ بھی کہتی ہے کہ یہ قوت روز بروز کم ہوتی جاتی ہے اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتی ہے کہ ایک ایسا وقت ضرور آئے گا۔ جب قوتوں کا توازن درہم برہم ہو جائے گا۔ اور اس طرح تمام کائنات تباہ ہو جائے

گی۔ اسلام دنیا کے ختم ہونے پر یقین رکھنا سکھاتا ہے اور اس واقعہ کا نام قیامت (قیامت کا آنا) رکھتا ہے۔ اسلام میں ایمان کے یہ سادہ سادہ اصول ہیں یہاں مجھے ایک نکتے پر زور دینا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی صحت مند زندگی اور نشوونما کیلئے دو بنیادی یقین انتہائی ضروری ہیں۔

(۱) ہر چیز کو جاننے اور دیکھنے والے خدا پر یقین، جو مثبت اعمال کو ہی نہیں بلکہ دل کے مخفی خانوں پر پوشیدہ خیالات اور جذبات کو بھی دیکھ سکتا ہے۔

(۲) یہ ایمان کہ انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور آخر کار اس کو انعام ملے گا یا سزا لینی پڑے گی۔

ظاہر ہے کہ بہت سے لوگوں کو جرم سے بچانے والے قانون کے وہ عملی ذرائع ہیں جن کے ماتحت وہ زندگی بسر کرتے ہیں یا سزا کا وہ خوف (جرم سے روکتا ہے) جو قانون کی خلاف ورزی کرنے سے ہوتا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ قانون کے محافظوں کی موجودگی میں کوئی شخص مشکل ہی جرم کے ارتکاب کی جرات کرتا ہے۔

قرآن حکیم نے کھلے الفاظ میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا اور کسی کو بھی دوسرے کے جرموں پر نہیں پکڑا جائے گا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۵)

اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔

نتیجۃً اگر کسی پر خدائے سمیع و بصیر کے وجود اور اپنے آخری محاسبے پر یقین کرنے (اور ایمان لانے) کا صحیح معنوں میں اثر ہو چکا ہے تو اس کے لئے گناہ کرنا مشکل ہوگا۔

گویا جملہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات جن کا نام اسلام ہے کے مطابق ایمان کے بنیادی اصول یہ ہیں۔

- ☆ ایک سچے خدا پر ایمان
- ☆ خدا کے تمام انبیا علیہم السلام پر ایمان
- ☆ تمام الہامی کتابوں پر ایمان
- ☆ فرشتوں پر ایمان
- ☆ یوم آخر اور یوم جزا پر ایمان
- ☆ مختار فعل ہونے کی حیثیت سے انسانی اعمال کے حساب کتاب اور آخری انعام یا سزا پانے پر ایمان۔

ارکان ایمان کے ساتھ ساتھ یہ مجموعہ قوانین جسے انسانیت نے وحی الٰہی کی شکل میں حاصل کیا۔ زندگی کے عملی شعبوں کے لئے بھی ہدایت کا مکمل نظام مہیا کرتا ہے (اس مختصر سے رسالہ میں) تفصیل کی گنجائش نہیں۔ یہاں (عام افادے کے لئے صرف) حقوق اللہ حقوق النفس اور حقوق العباد جیسے تین بنیادی عنوانات پکھ روشنی ڈال دی جاتی ہے۔

حقوق اللہ

حقوق اللہ کا انحصار انسان کے خدا کے ساتھ صحیح اور شعوری تعلق پر ہے (رہا یہ کہ) یہ تعلق کسی صورت میں ظاہر ہو؟ (تو یاد رکھئے کہ) اس سلسلے میں بنیادی حقیقت محبت اور شکرانے کا رویہ ہے (جب) انسان کا فطری خاصہ (یہ) ہے کہ وہ معمولی سی نیکی کرنے والے کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے۔ اور محبت کا جواب محبت سے دیتا ہے۔ تو (غور کیجئے کہ) خدا کے بارے میں کیا رویہ ہونا چاہئے جو ہمیں عدم سے وجود میں لایا اور جس نے نکتہ کمال تک رہنمائی کرنے کو اپنے ذمہ رحمت پر لیا۔ اس لئے اسلام اسی منعم حقیقی کو مرکز محبت بنانے، اسی کے حضور فکر و عمل کی قوتوں کو سرنگوں کرنے اور دل و زبان سے اسی کا شکریہ ادا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

نماز

اس مقصد کے حصول کی خاطر رب تبارک و تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھنے اور ایک قسم کی عبادت کو جسے صلوٰۃ (یا نماز) کہتے ہیں۔ قائم رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ اس عبادت اور ذکر کی اہمیت انسان کی روحانی زندگی کے لئے وہی ہے جو اس کی جسمانی زندگی میں صحت بخش خوراک ہے۔ چنانچہ جتنی ادھر توجہ دے گا۔ اتنی ہی اخلاق اور روحانیت میں ترقی ہوگی۔ اسلام اس (نماز) کو فرض قرار دے کر مقررہ طریق سے اور مقررہ اوقات پر ویسے ہی ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جیسے طبیب لوگ جسم کی توانائی کے لئے کھانے کی مخصوص صورتیں اور وقت بتاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا

(پ ۵ سورہ النساء آیت نمبر ۱۰۳)

بے شک نماز مسلمانوں پر بقید وقت فرض ہے۔

اور خاتم الانبیا ﷺ نے نماز پر یوں زور دیا۔ کہ فرمایا:

اَلصَّلٰوةُ بَيْنَ الْعَبْدِ وَالْكُفْرِ

مومن اور کافر میں نماز ہی کا فرق ہے۔

روحانی تربیت کے سلسلے میں عبادت کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن پاک نے فرمایا:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (پ ۱۳ سورہ الرعد آیت ۲۸)

سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔

نمازوں کی ادائیگی کے نتائج ان الفاظ میں بیان کئے

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (پ۲۱ سورہ العنکبوت آیت ۴۵)

بے شک نماز بے حیائیوں اور برائی سے روکتی ہے۔

گویا نماز اخلاقی اور روحانی امراض سے محفوظ رکھتی ہے۔اس سے روحانی ترقی ملتی ہے اور خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

زکوٰۃ اور حج

خالق کے ساتھ صحیح تعلق اور محبت کا تقاضا صرف توجہ ہی نہیں بلکہ اس کے لئے اپنی زندگی اور دولت کو سرگرمی کے ساتھ عملی طور پر وقف کرنا بھی ہے۔اس کے عملاً اظہار کے لئے اسلام غریب ٹیکس یا زکوٰۃ فرض کرتا ہے۔

اسی مقصد کے تحت اسلام ہر صاحب استطاعت (یعنی مقدور و طاقت والے) شخص کو مکہ معظمہ کا حج بھی ضروری ٹھہراتا ہے اس میں مسلمان اپنی عیش و عشرت اور مال و دولت دونوں کو خدا کی محبت پر قربان کرتا ہے۔معاشرتی لحاظ سے حج کا فائدہ یہ ہے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی جماعتوں میں برادرانہ تعلقات مضبوط ہو جاتے ہیں اور کئی سیاسی، مالی اور بین الاقوامی مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

صوم (یعنی روزہ)

ان کے علاوہ صوم (یا روزہ) بھی فرض ہے۔انسانی شخصیت کی متوازن ترقی اس کی ضمیر کی متوازن کارکردگی پر مبنی ہے۔ جسے خود غرض کے وسیع میلان کی بناء پر خراب یا تباہ ہونے کا خطرہ ہے زندگی کی رغبتوں اور لغزشوں سے بچ نکلنے کے لئے ضبط نفس کی اشد ضرورت ہے۔اس لئے اسلام نے رمضان بھر میں روزہ رکھنا فرض قرار دیا ہے۔قرآن

کریم کا ارشاد ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ (پ ۲ البقرہ آیت ۱۸۳، ۱۸۴)

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے کہ اگلوں پر فرض ہوئے تھے۔ کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے گنتی کے دن ہیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ نے روزے کی فرضیت کا اعلان کرتے ہوئے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ سابقہ الہامی کتب و صحائف اور انبیاء علیہم السلام کے پیروکاروں پر بھی روزہ اسی طرح فرض کیا گیا تھا مگر دوسرے مذاہب میں اس کا بھی وہی حشر ہوا۔ جو دوسری عبادتوں کا ہوا (یعنی) غلط توجیہات اور نئی چیزوں کے داخل کرنے سے یہ بالکل ناپید ہو گیا۔قرآن حکیم نے اس حقیقت سے آگاہ کیا اور اس طرح روزے کے سلسلے میں بھی انبیاء سابقین علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کو دوبارہ زندہ کیا۔قرآن پاک کی رو سے روزہ رمضان بھر میں دن کے وقت کھانے پینے اور شہوانی کاموں کو مکمل طور پر ترک کرنے کا نام ہے۔ جب کوئی آدمی جائز کاموں میں بھی ضبط نفس سے کام لیتا ہے۔تو اس میں فکر و عمل کی قابل پرہیز مرغوبات کو روکنے کی قوت از خود پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ تھا بیان اسلام کے بنیادی اصولوں کا جنہیں سرور عالم ﷺ نے جامع الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَھَادَۃُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَاِقَامُ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءُ الزَّکٰوۃِ وَالْحَجُّ وَصَوْمُ رَمَضَانَ (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: اسلام پانچ چیزوں پر قائم کیا گیا۔اس کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔اور نماز قائم کرنا۔اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا

اسلامی قانون کے لحاظ سے خودکشی کبیرہ گناہ ہے اور خدا نے اس کے لئے سخت ترین سزا مقرر کر رکھی ہے۔ اس کے برعکس اپنی ذات کی مناسب اور صحیح نشوونما بہترین نیکیوں میں سے ہے اسی لئے اسلام نے کئی ایسی کھانے پینے کی چیزوں کا استعمال ناجائز ٹھیرایا ہے۔ جنہیں خدائے علیم انسانی جسم کے لئے مضر جانتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

(۱) يٰاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (پ ۲ البقرة. آیت ۱۶۸)

ترجمہ: اے لوگو! کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ ہے اور شیطان کے قدم پر قدم نہ رکھو۔

(۲) اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (پارہ ۲ البقرہ آیت ۱۷۳)

ترجمہ: اس نے یہی تم پر حرام کئے ہیں۔ مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔

(۳) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (پ ۷ المائدہ آیت ۹۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک شیطانی کام ہی ہیں۔ تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔

اسلام نے انسانی لباس کے اخلاقی پہلو کو مدنظر رکھا ہے اور جسم کے ان خاص حصوں کو ڈھانپنا فرض قرار دیا ہے۔ جو جنسی میلان کو ابھارتے ہیں۔

اسلام دنیا داری اور کش مکش حیات کو برا نہیں کہتا بلکہ اس کے نزدیک جائز طریقوں سے کمائی کرنا فرض اور خدا کی نعمت ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

(بشرطیکہ طاقت ہو) اور رمضان کے روزے۔

یاد رہے کہ مذہب دنیا کے عام تصور کے مطابق چند رسومات و عبادات وغیرہ ہی کا مجموعہ ہوتا ہے۔ لیکن اسلام اس تصور سے بری ہے۔ کیونکہ یہ روحانی اخلاقی سیاسی اور معاشی بلکہ فی الحقیقت انسانی سرگرمی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالنے والے تمام و کمال نظام حیات (اور مجموعہ قوانین) ہم پہنچاتا ہے قرآن حکیم کا اعلان ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (پ ۶ . المائدہ آیت ۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

میں نے اب تک اسلام کے صرف انہی اصولوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو خالصاً مذہبی اور عبادتی گروہ کے زیر عنوان آتے ہیں۔ گو مجھے زوردار الفاظ میں اس حقیقت کو بھی واشگاف کرنا ہے کہ ان (اصولوں) کا انسانی تہذیب پر گہرا اثر پڑتا ہے۔

حقوق النفس اور حقوق العباد

اب جہاں تک حقوق النفس (یعنی انسان پر اس کی اپنی ذات کے حقوق) کا تعلق ہے۔ اسلام کے نزدیک زندگی رب تبارک وتعالیٰ کی اولین و اہم ترین نعمت ہے اور یہ (اسلام) اس کی حفاظت اور تعظیم پر مائل کرتا ہے۔ انسان کو تکلیف دینا گناہ ہے۔ جسے قرآن نے عام اصول کے طور پر یوں بیان فرمایا:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. (پ ۲ سورہ البقرة آیت نمبر ۱۹۵)

ترجمہ: اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔

Scanned by CamScanner

وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی (پ۲۷۔النجم۔آیت۳۹)

ترجمہ: اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش

وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ (پ۲۸۔الجمعۃ۔آیت۱۰)

ترجمہ: اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

حدیث پاک میں ہے:

''(ہاتھ کے پسینے سے) کمائی کرنے والا اللہ کا محبوب ہے۔

اسلام نے ناجائز طریقوں سے دولت کمانا ناجائز قرار دیا ہے۔قرآن پاک میں ہے۔

لَا تَاْ کُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ (پ ۵ ۔النسا۔ آیت ۲۹)

آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ

وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (پ۳ البقر آیت ۲۷۵)

اور اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام

اسلام نے اپنی ہی جائداد کو خرچ کرنے کے حق کو بھی محدود کر دیا۔ارشاد ہوتا ہے۔

کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ

کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔ بیشک فضول خرچی کرنے والے اسے پسند نہیں۔(پ۸۔اعراف آیت نمبر۳۱)

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ○ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ کَفُوْرًا (پ ۱۵ ۔ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۶،۲۷)

ترجمہ: اور فضول نہ اڑا۔ بیشک اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنے کی بابت قرآن فرماتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا

(پ ۱۹ ۔ الفرقان آیت نمبر ۶۷)

ترجمہ: اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی کریں۔ اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں۔

ایک عام خیال ہے۔کہ دنیا میں صرف دو ہی قسم کے نظریات ہیں اور بنی نوع انسان کو ان میں سے ایک کو ضرور اختیار کرنا ہے نظریات یہ ہیں:

(۱) اشتراکیت (۲) سرمایہ داری

لیکن دونوں مکتب نظر انتہا پسندی کا شکار ہیں اور انسانیت کی فلاح کسی (تیسرے) متوازن نظریے کے قبول کرنے میں ہے۔ایسا نظریہ صرف اسلام میں مل سکتا ہے۔جو ایک طرف ذاتی جائداد کی اجازت دیتا ہے لیکن دوسری طرف آمدنی کے ذرائع اور خرچ کرنے کے طریقوں کو محدود کر دیتا ہے۔ جو فرد اور معاشرے کے مفادات کو آزاد اخلاقی بنیاد پر توازن دیتا ہے اپنے منشور حکومت میں ہر فرد کی بنیادی ضروریات کو مہیا کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔

جدید نظریات اور اسلام میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ اسلام اپنی تمام تعلیمات کی بنیاد اصلاح اخلاق پر رکھتا ہے اور فرد کی اخلاقی پر رکھتا ہے اور فرد کی اخلاقی اصلاح پر پورا زور دیتا ہے۔خالص اخلاقی اقدار جیسے راستبازی، انصاف اور سخاوت وغیرہ تو اس کی روح رواں ہیں۔فرد اور معاشرے کے مفادات کا وجود ہم مرکز حقائق کی طرح ہے۔ اسلامی معاشرہ ایسے آزاد افراد کی ایک متعاون دولت مشترکہ ہے۔جنہیں توازن کا پابند کیا جائے جس طرح انسانی جسم ہے (کہ مختلف اعضا کے توازن سے بنتا ہے)

بنیادی طور پر تمام انسانوں میں مساوات قائم کرنا اسلام کا بنیادی اصول ہے اور

یہ تصور صرف مردوں کے باہمی تعلقات میں بھی کارفرما ہے۔ حقیقت میں اسلام نے عورت کی اس وقت قدر و منزلت بڑھائی۔ جب وہ ایک مویشی یا زیادہ سے زیادہ ایک مرد کا کھلونا سمجھی جاتی تھی اور اس بات پر جھگڑا تھا کہ کیا اس کا شمار انسانوں میں کیا جا سکتا ہے۔ جب وہ کسی قانونی شخصیت کی مالک نہیں تھی۔ بلکہ جائداد کی مالک بھی نہیں بن سکتی تھی۔ اسلامی نظریے کے مطابق عورت بیٹی ہے۔ تو بیٹے سے عزیز تر ہے۔ بیوی ہے تو گھر کی ملکہ اور ماں ہے۔ تو باپ سے زیادہ قابل تعظیم و تکریم ہے۔

اسلام نے رنگ و نسل کی تمام تمیزیں اڑادیں۔ اور واضح ترین الفاظ میں انسانی برادری کی زیادہ سے زیادہ عملی اور سچی صورت سمجھادی۔ قرآن پاک میں ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝

(پ ۲۶ الحجرات. آیت ۱۳)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو۔ بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

برادری افراد سے بنتی ہے۔ جن کا احترام کسی قسم کے طبعی امتیاز سے بے نیاز ہے۔ دراصل اسلام ایک فرد کو ایک جہاں خیال کرتا ہے اور اسے تمام انسانیت کا نمائندہ ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۝ (پ ۲. المائدہ . آیت ۳۲)

ترجمہ: جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کئے۔

تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا۔ اور جس نے ایک جان کو جلایا۔ اس نے سب لوگوں کو جلایا۔

انسانوں کے درمیان باہمی کش مکش کا باعث خود پسندی ہے۔ جو بڑھتے خود غرضی بن جاتی ہے۔ اسلام درج ذیل الفاظ میں صحیح اسلامی زندگی کا نقشہ کھینچ کر اس کے خلاف زبردست قدم اٹھاتا ہے۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ.

(پ ۲۸ الحشر (آیت. ۹)

ترجمہ: اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہے۔

اسلامی ایثار کا تصور ہم جنسوں کے لئے بے انتہا محبت کے نظریے کا قدرتی نتیجہ صریح ہے۔ اس کی اصل خدائے تبارک و تعالیٰ کی محبت کا خیال ہے جو اسلامی تعلیمات کا مرکزی نکتہ ہے۔ خدا کے وجود اور وحدت پر ایمان اسلام کا اولین اصول ہے۔ خدا کا قرب حاصل کرنا مسلمان کی زندگی کا منتہا ہے۔ مسلمان اپنے لئے بلکہ خدا کے لئے جیتا ہے اور ضروری ہے۔ کہ اس کی تمام کارکردگی اسی مقصود کے حصول کے لئے ہو۔ جیسے کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ . (پ ۸ الانعام آیت ۱۶۲ . ۱۶۳)

ترجمہ: تم فرماؤ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے۔ جو سارے جہان کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔

حتیٰ کہ سائنسی دوڑ دھوپ کے میدان میں بھی مسلمان کے پیش نظر خدا اور اس کی قدرت کی تلاش ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم قرآن مجید میں دیکھتے ہیں۔

إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (پ ۴ آل عمران آیت ۱۹۰،۱۹۱)

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلیوں میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے رب ہمارے تو نے یہ (سب کچھ) بیکار نہ بنایا۔ پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

اسلامی زندگی کے اصولوں کا یہ بڑا مختصر سا خاکہ ہے اس تعلیم میں کوئی چوری چھپے کی بات نہیں۔ نہ ہی یہ ضد پر مبنی ہے۔ بلکہ روز روشن کی طرح عیاں ہے اس کی بنیاد خدا کے مقرر کردہ قدرتی اصولوں پر ہے۔ اور نتیجتاً اس کے ہر اصول کا عقلی و عملی ثبوت دیا جا سکتا ہے۔

اب ہر عقلمند کا فرض ہے کہ وہ اپنی عقل کو بروئے کار لائے اور سوچے کہ کیا اسے انسان کے گھڑے ہوئے نامکمل نظریات کو اختیار کرنا ہے۔ یا ہر چیز کے جاننے والے خدا کی طرف سے آئی ہوئی مکمل راہ ہدایت کو۔

(یاد رکھئے) اسلام کسی انسانی ذہن کی پیداوار نہیں یہ خدائی تعلیم ہے۔ اور اس (پاک) انسان پر نازل ہوئی ہے۔ جو (کسی سکول میں داخل ہو کر یا کسی شخص سے سیکھ کر) لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ جس نے سائنس یا فلسفہ نہیں پڑھا تھا۔ اور جس کا ماحول اعلیٰ اوصاف کو خود بخود پیدا کرنے کے امکانات کے متضاد تھا۔ وہ مرد خدا خاتون آمنہ رضی اللہ عنہا کا یتیم بچہ، صحرا کا امی فرزند، چودہ صدیاں قبل دشت عرب سے اٹھا اور اپنے متعلق ان خدائی الفاظ کا اعلان کیا۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

(پ ۲۷ النجم۔ آیت ۳،۴)

ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

وہ ایک امی استاد کی حیثیت سے ظاہر ہوئے۔ لیکن انہوں نے خدائی الہام کی بنا پر عقل و علم کے بلند ترین اصولوں کی تشریح کر کے دنیا بھر کو حیران کر دیا۔ انہوں نے انسانیت کو وہ الہامی اور مکمل ضابطہ حیات دیا۔ جس سے عرب کے بدو دنیا کے پیشرو بن گئے۔ اور جس نے انسانی نظریات میں انقلاب برپا کر دیا۔ جو لوگ بربریت اور اخلاقی پستی کا شکار تھے۔ اخلاق کے مشعل بردار اور صلح و جنگ کے تمام فنون میں دنیا کے استاد بن گئے۔ انہوں نے موجودہ سائنس کی ابتدا کی۔ اور صدیوں تک جہاں پر حکمرانی کرتے رہے۔

وہی روح پرور پیغام اور نظام آج بھی اپنی اصلی اور معتبر شکل میں قرآن پاک میں موجود ہے۔ قرآن کریم کی عملی صورت اور انسانی کمال کے جامع ترین نمونہ ہونے کی حیثیت سے رسول پاک جناب محمد ﷺ کی حیات طیبہ آج بھی تاریخ کے قابل اعتماد اور اعتبار ریکارڈ میں محفوظ ہے اور سِرَاجًا مُّنِيْرًا (چمکا دینے والے آفتاب) کے مصداق ہر وقت روشنی دے رہی ہے۔

جو لوگ شعور کے تقاضے کا احترام کرتے ہیں اور سچے انسانی کمال کے راستے پر چلنا چاہتے ہیں۔ قرآن کریم اور خدا کے آخری رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے حضور رجوع کریں۔ اور زندگی کے روحانی اخلاقی، سیاسی، معاشی، انفرادی، اور اجتماعی غرضیکہ ہر شعبے میں روشنی حاصل کریں۔

خدا کرے کہ تمام بنی نوع انسان راہ ہدایت پر آ جائیں۔ آمین۔

نوٹ:-

انسانی مسائل کا حل: یہ رسالہ بھی مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صاحب قادری میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں آپ نے اسلام کی حقانیت کو با دلائل واضح طور پر بیان کیا ہے۔

اسلام اور اشتراکیت: یہ رسالہ مولانا موصوف کا کمیونزم کے خلاف انگریزی زبان میں تھا اب اس کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

کتاب جامع ونافع بخصوص بیان صیام رمضان ومسائل عید

المسمیٰ بہ

احکام

رمضان المبارک

مرتبہ: جامع شریعت وطریقت، واقف اسرار معرفت وحقیقت، فاضل علوم [illegible]

ماہر فنون عقلیہ ونقلیہ، فرید دہر، وحید عصر

مبلغ اسلام شاہ محمد عبد العلیم الصدیقی القادری

فہرست مضامین

مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد عبد العلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

از محمد صدیق فانی خانیوال

اس جہان آب و گل میں ہر روز سینکڑوں افراد پیدا ہوتے ہیں اور سینکڑوں جام اجل پی کر موت کی وادی میں فنا ہو جاتے ہیں۔ مگر ان ہی میں سے بعض نفوس قدسیہ اپنے زہد و تقویٰ، علم و عمل، صدق و ایثار اور شبانہ روز دینی و ملی خدمات کے باعث اپنا نام رہتی دنیا تک چھوڑ جاتے ہیں ایسی ہی عظیم المرتبت ہستیوں میں سے حضرت مولانا عبد العلیم صدیقی قادری میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی سر فہرست آتا ہے جن کی زندگی کا ایک ایک گوشہ متلاشیان حق کے لئے روشنی کا مینار ہے۔

ولادت رشد و ہدایت کا یہ آفتاب ۳، اپریل ۱۸۹۲ء میں میرٹھ کے مقام پر طلوع ہوا۔ جن کی نورانی کرنوں سے کائنات عالم کا ذرہ ذرہ جگمگا اٹھا۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عبد الحکیم صدیقی ایک عظیم المرتبت، درویش منش عالم اور بلند پایہ شاعر تھے۔ آپ نے اپنے بیٹے کا نام عبد العلیم رکھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی ایمانی فراست سے اپنے بیٹے میں علمی و روحانی صلاحیتوں کو دیکھ لیا تھا اور آپ کو یقین ہو گیا تھا کہ محمد عبد العلیم دنیائے اسلام کا نامور عالم ہوگا۔

تعلیم و تربیت حضرت مولانا صدیقی رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی سے نہایت ذہین تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ چار سال دس ماہ کی عمر میں آپ نے قرآن پاک پڑھ لیا۔ والد ماجد نے آپ کو اردو، عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم دی۔ ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد جامعہ اسلامیہ قومیہ میرٹھ میں داخل ہو گئے۔

۱۶ برس کی عمر میں وہاں سے درس نظامی کی سند حاصل کی۔ درس نظامی کی فراغت سے آپ کی طبیعت سیر نہ ہوئی۔ آپ نے شروع ہی سے یورپی ممالک میں تبلیغ کا ارادہ کرلیا تھا۔ لہٰذا آپ نے انگریزی علوم کی تحصیل کی ضرورت محسوس کی۔ آپ نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ اور اٹاوہ ہائی سکول سے میٹرک پاس کرنے کے بعد ڈویژنل کالج میرٹھ میں داخل ہوگئے۔ اور ۱۹۱۷ء میں امتیازی حیثیت سے بی اے پاس کرلیا۔ حکیم احتشام الدین سے فنِ حکمت سیکھا اور مختلف قوانین کی کتب کا مطالعہ کیا۔ کالج کی چھٹیوں کے دوران بریلی شریف جاکر امام اہلسنت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے علوم اسلامیہ کی دولت سے مالامال ہوتے رہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے علاوہ آپ نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی، شیخ احمد شمس مدینہ منورہ اور شیخ شنوسی (لیبیا) سے بھی علم حاصل کیا۔

کارہائے نمایاں: مولانا عبدالعلیم صدیقی اسلام کے ایک عظیم مفکر، شعلہ نوا مقرر اور بہترین ادیب تھے۔ آپ دنیا کی تقریباً ہر زبان بالخصوص انگریزی میں بڑی روانی سے تقریر کرتے تھے۔ آپ کا اندازِ خطابت نہایت دل نشیں اور آواز مسحور کن تھی۔ تقریر کے دوران مکمل سکوت طاری رہتا تھا۔ آپ نے برما، سیلون، ملائشیا، انڈونیشیا، جنوبی و مشرقی افریقہ کی نوآبادیات، سعودی عرب، عراق، اُردن، فلسطین، شام اور مصر کے متعدد تبلیغی دورے کئے، ان ممالک میں تمام لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ اسلامی لٹریچر ہر زبان میں شائع کیا۔ مذاہب عالم کی کانفرنسیں منعقد کیں، مناظرے، مکالمے، تبلیغی سوسائٹیاں، لائبریریاں، کالج مدارس اور مساجد قائم کیں، اسی اثناء میں زیادہ تر سائنس دانوں، فلاسفروں اور دہریوں کے مذہب اور اسلام کے منکروں سے واسطہ پڑا۔ جن کی اکثریت مولانا کے ہاتھ پر قبول اسلام کرتی۔

پاکستان نیوز، مسلم ڈائجسٹ، ٹرینی ڈاڈ مسلم اینول (جنوبی افریقہ) اور ملایا میں عربی یونیورسٹی کی بنیاد آپ ہی نے ڈالی اور بہت سی مساجد تعمیر کرائیں جیسے حنفی جامع مسجد کولمبو، سلطان مسجد سنگاپور اور مسجد ناگریہ جاپان زیادہ مشہور ہیں ۱۹۵۱ء میں پوری دنیا کا طویل تبلیغی دورہ کیا جس کی مثال دورِ حاضر کی اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔ آپ کی تبلیغی کوششوں سے بورنیو کی شہزادی، جنوبی افریقہ کے فرانسیسی گورنر زادے، اور ٹرینی ڈاڈ کی ایک وزیر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

بانیِ پاکستان حضرت قائدِاعظم، مراکش کے غازی عبدالکریم، فلسطین کے مفتی اعظم سید امین الحسینی، اخوان المسلمین کے سربراہ حسن البنا، سیلون کے آنریبل جسٹس ایم مروانی، کولمبو کے جسٹس ایم، ٹی اکبر، سنگاپور کے ایس این دت اور مشہور انگریز ڈرامہ نویس اور فلاسفر جارج برنارڈ شا آپ کی روحانی و علمی شخصیت سے از حد متاثر تھے۔

حضرت علامہ صدیقی کی خدمات کو سراہتے ہوئے سنگاپور میں تمام مذاہب کے پیشواؤں کی مشترکہ کانفرنس میں آپ کو ہز ایگزالٹڈ ایمی نینس کا خطاب دیا۔ نیز مصر میں آپ نے مختلف اسلامی مکاتبِ فکر کی تنظیم بھی قائم کی جس کا نام تنظیم بین المذاہب الاسلامی رکھا گیا۔ تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ حضرت علامہ صدیقی علیہ الرحمۃ نے نہایت گرانقدر سیاسی خدمات بھی انجام دی ہیں۔ یہ خدمات صرف برصغیر پاک و ہند تک محدود نہیں تھیں۔ بلکہ دنیا کے جس کسی ملک میں بھی آپ مسلمانوں پر ظلم و ستم ہوتے دیکھتے تھے۔ آپ کی حساس روح فوراً مضطرب ہو جاتی تھی۔

تحریک خلافت اور اس کے بعد شدھی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا، تحریک پاکستان کا جب آغاز ہوا تو آپ نے اپنے عالمی تبلیغی دوروں میں مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے حق میں زبردست پروپیگنڈہ کیا۔ مسلم لیگ کی طرف سے باقاعدہ طور پر

علماء کی ایک جماعت کے لیڈر کی حیثیت سے مکہ معظمہ گئے اور وہاں حج کی ادائیگی کے لئے آئے ہوئے تمام دنیا کے مسلمانوں کے سامنے تحریک پاکستان کی اہمیت واضح کی اور دیگر ممالک کے بڑے بڑے لیڈروں سے ملے اور ان کو نظریہ پاکستان کی حقیقت سے روشناس کرایا۔ تقسیم ملک کے بعد کراچی میں آپ کی اقتداء میں نماز عید ادا کی۔ محمد علی جناح بھی اس میں شریک ہوئے۔ قائد اعظم کے وصال سے کچھ عرصہ پہلے حضرت مولانا صدیقی رحمۃ اللہ علیہ عالمی دورہ سے پاکستان واپس آئے اور کراچی میں سندھ، پنجاب اور مشرقی پاکستان کے علماء و مشائخ کی ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی۔

حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمۃ کی نگرانی میں مولانا عبدالحامد بدایونی علیہ الرحمۃ علامہ ابوالحسنات قادری علیہ الرحمۃ۔ مفتی صاحبداد، حضرت علامہ احمد سعید شاہ صاحب کاظمی اور شیخ الاسلام والمسلمین خواجہ قمرالدین صاحب سیالوی کے علاوہ بیشمار علماء و مشائخ نے ایک جامع دستور آئین اسلامی تیار کیا۔ اس پر علماء نے تائیدی نوٹ لکھے مبلغ اسلام علامہ صدیقی علیہ الرحمۃ کی سرکردگی میں جید علماء و مشائخ کا وفد حضرت قائد اعظم علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ مسودہ آئین اسلامی پیش کیا، بانی پاکستان نے تقریباً تین گھنٹے تک مولانا عبدالعلیم صدیقی سے مسودہ آئین اسلامی کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی۔ اور قائد اعظم علیہ الرحمۃ نے علامہ صدیقی اور آپ کے رفقاء کو یقین دلایا کہ انشاءاللہ قومی اسمبلی کے منظور کرنے کے بعد بہت جلد اس آئین اسلامی کو نافذ کر دیا جائے گا۔ مگر چند روز کے بعد بانی پاکستان کا آخری وقت آ پہنچا، اس طرح بابائے قوم علماء سے کیا ہوا وعدہ پورا نہ کر سکے۔

تصانیف علامہ صدیقی کی غیر مطبوعہ کتب لاتعداد ہیں، بہار شباب، ذکر حبیب، کتاب تصوف اور احکام رمضان المبارک اردو زبان میں تحریر فرمائیں۔ انگریزی زبان میں "اسلام کی ابتدائی تعلیمات"، اسلام کے اصول، اسلام اور اشتراکیت

مسائل انسانی کا حل، اسلام میں عورت کے حقوق اور مکالمہ برنارڈ شا مطالعہ کے لائق ہیں، عربی زبان میں کتاب المرآۃ قادیانیوں کے رد میں تحریر کی جس کا جواب قادیانی تاحال نہیں دے سکے۔ ۱۹۳۵ء میں برنارڈ شا سے اسلام اور عیسائیت کے موضوع پر مکالمہ ہوا، جس میں نہ صرف علامہ صدیقی نے برنارڈ شا کے مختلف سوالات کا تسلی بخش جواب دیا۔ بلکہ سائنس اور فلسفہ کی روشنی میں اسلام اور عیسائیت کے اصولوں کا اسطرح تقابلی جائزہ لیا کہ برنارڈ شا اسلام کی صداقت کا معترف ہو گیا۔

انتقال ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۲ اگست ۱۹۵۴ء کو آپ کا مدینہ منورہ میں وصال ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون۔ آپ کی نماز جنازہ میں دنیائے اسلام کے ان تمام مسلمانوں نے شرکت کی جو حج سے فراغت کے بعد روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ نماز جنازہ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی مدظلہ العالی نے پڑھائی۔ آپ کو مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

عرضِ اوّل

اس خدا کا بہت بڑا احسان جس کے حبیب و محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں رمضان جیسا مبارک مہینہ ہم کو ملا۔

رمضان آتا ہے ہر سال، مگر اس کے آداب و احکام سے بہت کم افراد واقف۔ مدّت سے ارادہ تھا کہ ناواقف بھائیوں کی آگہی کا کچھ سامان کروں۔ آخر اب پورا ہوا۔ بیمار ہوں اور رمضان کا تیسرا روزہ۔ مسائل رمضان و عید حاضر ہیں۔ نہ بہت مفصل نہ بالکل مجمل، انشاء اللہ تعالیٰ ضروریات کیلئے کافی ہیں اور حاجات کے لئے کافی۔ تاہم اہل نظر سے باادب درخواست کہ جو کمی پائیں آگاہ فرمائیں کہ طبع ثانی میں رعایت ممکن، اس عجالہ میں جو ہوسکا وہ پیش خدمت تین دن میں بھی صرف چند ساعتیں مولیٰ تعالیٰ کے دین کی اس خدمت میں گزریں۔ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ قبول فرمائے آمین۔

بحرمت طٰہٰ و یٰس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ۵ والحمد للہ رب العٰلمین ۵

میرٹھ محلہ مشائخاں
۴، رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ
محمد عبد العلیم الصدیقی القادری

دینِ عمومی

دُنیا میں بسنے والے انسانی صُورت رکھنے والے، آدم زاد کچھ افراد تو دُنیا کی لذتوں عیش پسندی بلکہ عیش پرستی میں اس طرح مبتلا ہیں اور انسانیت کی باتوں کو چھوڑنے اور حیوانیت سے رشتہ جوڑنے پر اس انداز سے تلے ہوئے ہیں کہ عقل سے کام لے کر یہ سوچنے کے لئے بھی تیار نہیں کہ یہ رنگ برنگ مخلوق یہ زبردست کائنات جس میں ہر چیز کے لئے کام اور ہر کام کیلئے صحیح اہتمام ہے بغیر کسی بنانے والے کے کیونکر ظہور میں آسکتی تھی۔ اور یہ مکمل نظام بغیر کسی چلانے والے اور تدبیر فرمانے والے کے کیونکر چل سکتا ہے؟ پھر جب یہ ظاہر کہ دُنیا کی ہر چیز کسی نہ کسی کام کیلئے ہوں۔ مگر وہ انسان جو عقل و شعور کا مدعی ہو، کہ ان تمام چیزوں سے کام لے، خود کسی کام کیلئے نہ ہو اور اس کی زندگی کا نہ کوئی خاص نصب العین ہو، نہ کوئی غرض و غایت، ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں کہ خدا کے وجود سے انکار، ان کا شعار، انہیں نہ کسی دین سے واسطہ، نہ نبیوں، رسولوں، ہادیوں، رہبروں سے سروکار، روحانیت ان کے نزدیک وہم اور اخلاق ایک بے معنی چیز، یہ سمجھے ہیں کہ یہ مادی دنیا اور اس کی سب لذتیں ہمارے لئے ہیں اور ہم فقط مزے اُڑانے اور فائدہ اٹھانے کے لئے ہیں۔

ان کے بالکل برعکس کچھ وہ افراد ہیں جو ذرہ ذرہ پتہ پتہ کی زبانِ حال سے کسی خالق و صانع کی آواز سنتے اور ہر ہر چیز میں اس کی تخلیق کی نشانیاں پاتے، مادی دنیا کے پیہم انقلاب کو اس کے فنا ہوجانے کی دلیل ٹھہراتے، اور مٹنے والی چیزوں سے دل لگانا

بے عقلی کی علامت جانتے ہوئے مادیات سے توجہ ہٹاتے، اپنے وجود میں ایک غیر مادی کیفیت، آتما یا روح کا ادراک کرتے ہوئے روحِ اعظم، خالقِ عالم سے دھیان لگاتے اور مادی دنیا کے بے تعلق ہو کر روحانی تربیت کے دلفریب نام سے روحانیت کے بحرِ ناپیدا کنار میں ڈوب جانے کو اپنی زندگی کا نصب العین بناتے ہیں۔ ان کا اصول ہے کہ "مادی دنیا کو چھوڑ دو، روحانی کاموں میں لگو، روح کو پروان چڑھاؤ، اور صرف اسی پرماتما کا گیان کرو، اسی سے دھیان لگاؤ کہ مادیات سے بالکل قطع تعلق کئے بغیر روحانیت کی منزل تک رسائی نہیں ہو سکتی۔"

اس نظریہ کے علمبردار مسیحی راہب و راہبات (MONKS AND MUNS) اگر صرف تعلقات ازدواج کو چھوڑتے، اور عزیز و اقرباء، رشتہ دار اور دوست احباب سے منہ موڑتے، کلیسا کے گوشوں اور جنگل کے کونوں میں زندگی گزارتے ہیں تو ہندی سادھو، بدھ مت کے بھکشو ان سے بھی آگے بڑھتے ہیں، ان میں سے اکثر کسی نے کہا کہ،

جب مادی دنیا کو چھوڑا تو پانی کیوں پیتے ہو؟ کھانا کیوں کھاتے ہو؟ سانس کیوں لیتے ہو؟ بلکہ اس جسم سے کام کیوں لیتے ہو؟ تو یہ انتہا پسند، تارکِ دنیا بھکشو اور سادھو، کبھی سانس روک کر بیٹھتے، کھانا پانی سب بند کرتے اور کبھی بالکل انتہائی نقطہ پر پہنچ کر اپنے جسم کو ہی آگ میں جلا کر، پانی میں ڈبو کر یا بلندی سے گرا کر ہلاک کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن ذرا سوچئے:

اگر تمام جہان کے انسان مادیت میں ڈوب جائیں۔ نفسی نفسی چلائیں انسانیت واخلاقیات سے بے پرواہ ہو کر خود غرضی میں مبتلا ہو جائیں تو نتیجہ اس کے سوا کیا ہو گا کہ سب آپس میں لڑ جھگڑ کر تباہ و برباد ہوں اور دنیا کی یہ انسانی آبادی جلد سے جلد ختم ہو جائے۔

ان لوگوں کا نظریہ ایک طرف عقل سے دور کہ خالقِ عالم، ان کی نظر میں کوئی نہیں، دوسری جانب عملی نقطۂ نظر سے دنیا کو بڑھانے اور ترقی کی راہ پر لانے والا نہیں بلکہ جلد تر تباہ کرنے والا۔

دوسرے نظریہ والے اگر صحیح معنی میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس عالم کا کوئی خالق ہے اور وہ حکیم[1] و مدبر[2] تو ظاہر ہے کہ اس نے تمام مخلوق اور تمام نظام کو بے کار نہ بنایا ہوگا۔ نکمی چیزیں بنانا بے عقلی کی بات اور وہ قادرِ مطلق عقلِ کل، لہٰذا یقیناً سب چیزیں کسی نہ کسی کام کے لئے بنیں۔"

پھر دنیا جانتی ہے معقول سمجھ والا بھی سمجھتا ہے۔ دن رات کا تجربہ ہے کہ تمام کائنات انسان ہی کے کام آرہی ہے پس جب خالقِ کائنات نے تمام عالم کو انسان کے کام آنے کیلئے بنایا تو اس سے کام نہ لینا اس خالقِ حکیم (جل مجدہٗ) کے منشاء کے خلاف اور اس کی ناراضگی کا سبب، نیز اپنے آپ کو ٹوٹے میں ڈالنے والا۔

یہ بھی سوچئے کہ

اگر سب انسان اس کائنات سے کام لینا چھوڑ دیں یا سب کے سب سادھو بھکشو، تارک الدنیا درویش بن کر معطل ہو کر بیٹھ جائیں تو یہ دنیا اور اس کی ساری چہل پہل چند ہی روز میں ختم ہو جائے اور خالقِ حکیم قادر علیم نے دنیا کو جس مقصد سے پیدا کیا وہ پورا نہ ہونے پائے۔ لہٰذا اگر سمجھ سے کام لیا جائے تو بہت جلد سمجھ میں آجائے کہ

وہ بھی غلط ———— یہ بھی غلط

دونوں انتہا پسند، نہ ان کا راستہ ٹھیک، نہ ان کی راہ صحیح، حقیقی معنی میں دنیا کے دونوں دشمن اور پیدا کرنے والے کے منشاء کے دونوں مخالف، بلکہ سچ پوچھئے تو اپنے نفع نقصان سے دونوں غافل، ایسا طریق جس پر ساری دنیا کے انسان چل سکیں،

[1] دانائی کو کام کرنے والا۔ [2] صحیح قاعدہ کے مطابق تدبیر کرنے والا۔

نہ یہ ہوسکتا ہے نہ وُہ !

پھر درمیانی راہ، یا سب کیلئے قابلِ عمل طریقے یا دین عموی کیا ہوسکتا ہے ۔ کائنات کا ذرہ ذرہ پتہ پتہ جہاں زبانِ حال سے یہ گواہی دے رہا ہے کہ اس تمام نظام کا وجود میں لانے والا ایک حکیم، علیم، مدبر، قادر، مطلق ہے اور ضرور ہے جو عدم سے موجود میں لانے والا خالق ہی نہیں بلکہ تربیت دینے والا اور ابتدائی وجود سے اٹھا کر ہر آن ہر لحظہ ہر قسم کی ضروریات بہم پہنچا کر انتہائی معراج کمال تک پہنچانے والا رب العالمین ہے (جل جلالہٗ وعم نوالہٗ) اور وُہ بھی یکتا، نہ کوئی اس کا ساجھی نہ کسی اعتبار سے اس کا شریک وحدہٗ لاشریک لہٗ۔ وہاں ہر مخلوق کی صورت حال اس امر کی بھی شاہد ہے کہ وہ کسی نہ کسی انسان کے کام آ رہی ہے ۔ بس جب تمام کائنات انسان کیلئے ہے تو انسان کو ساری مخلوق سے خدمت لیتا ہے خود اس کے لئے ہونا چاہیے جو سب مخلوق کا خالق سارے جہان اور انسان کا بھی مالک ۔

یہی نظریہ ہے جس کو اس مالک حقیقی نے اپنی زبان سے ارشاد فرمایا۔ اپنے پیامبر رحمۃ اللعالمین سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین کے ذریعے ہم بندوں تک پہنچایا کہ ۔

اے انسانو ! زمین میں جو کچھ ہے ہم نے تمہارے لئے بنایا ۔	خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۔ (القرآن)

اور

جن اور انسان کو ہم نے اسی لئے پیدا فرمایا کہ وہ اللہ کی بندگی کریں ۔	وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۔ (القرآن)

خلاصہ کلام یہ کہ اے انسان ! سارا جہان تیرے لئے ہے ۔

اور اے انسان تو خدا کے لئے ہے ۔ یہ ہے درمیانی راہ ۔

اور اس درمیانی راہ پر چلنے والی امت ، میانہ روامت ، خدا کی فرمان میں اسی کو

سراہا گیا اور فرمایا گیا کہ

ہم نے تمہیں میانہ روامت بنایا ۔	جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (القرآن)

اس درمیانی راہ (دین اسلام) میں ایک طرف کائنات کی تمام چیزوں کے استعمال کا طریق سکھایا گیا ۔ دوسری طرف اس خالقِ کائنات سے تعلق و رابطہ پیدا کرنے، اسے جاننے اسے پہچاننے کا سبق پڑھایا گیا اور بندگی کی حقیقت کا راز سمجھایا گیا کہ جس طرح عبادت کی خاص رسمیں اور خاص انداز نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر وفکر (گیان دھیان) عبدیت کی دلیل اور زندگی کا حقیقی مقصد اسی طرح اللہ کی نعمتوں کا اس کی مرضی کے مطابق استعمال بھی اس کی بندگی کی پہچان، مومن، مسلم یعنی سچے انسان کی یہی شان، اس کو حکم دیا جاتا ہے کہ

یوں کہو کہ میری نماز اور میرے مناسک بلکہ میرا جینا مرنا سب اسی اللہ کے واسطے ہے جو عالموں کا رب ہے ۔	قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ (القرآن)

۔ زندگی کا ہر لمحہ، ہر حرکت، ہر سکون، ہر قول، ہر عمل اسی اللہ کے لئے ہے اس کی عطا کی ہوئی نعمتوں کا استعمال اسی لئے ہے کہ وہ راضی ہو، اسی لئے ان سمجھدار انسانوں کو یہ کہہ کر سراہا گیا، جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر اللہ ہی کی یاد کرتے ہیں ۔

جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر اللہ ہی کی یاد کرتے ہیں ۔	اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ ۔ (القرآن)

دنیا والوں نے اللہ کی عبادت اور دنیا کی چیزوں کے استعمال میں تفریق کی ۔ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں بلکہ ضد اور الٹا سمجھا، یہاں اُن سب کاموں کو جنہیں اہلِ دنیا، دنیاداری سے تعبیر کرتے ہیں ۔ خالص دین اور اللہ کی رضامندی کا سبب بتایا گیا ہے ۔

کھانا، پینا، سونا، جاگنا، اٹھنا بیٹھنا، یہاں تک کہ ازدواجی تعلقات قائم کرنا سب کو دین کا لقب دیا گیا ۔ زندگی کے پورے کا پورے عمل (پروگرام) کا نام ہی اسلام رکھا گیا یہ نکتہ ایک ذرا سے اشارہ میں سمجھا گیا کہ ۔

تمام عملوں کا دار و مدار نیت پر ہے
إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ۔ (الحدیث)

خالص عبادت کی صورت نماز، روزہ، حج زکوٰۃ اگر دنیا میں نام اور شہرت کیلئے ہے تو عین دنیا، اسے خدا سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہو سکتا اور کھانا پینا شادی بیاہ کرنا اگر اللہ کے لئے ہے کہ اس کی عطا کی ہوئی زندگی کو سنبھالیں اس کی نعمتوں کا اس کی مرضی کے مطابق استعمال کریں تو یہ عین دین، کھانے پینے کے لیے کس شدت کے ساتھ حکم کر(؟)

کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۔ (القرآن)

ہم نے جو پاک چیزیں تمہیں دی ہیں کھاؤ
كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۔ (القرآن)

بلکہ چھوڑنے پر خاص انداز میں تنبیہ کہ

آپ اپنے نفس پر اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جو اللہ نے حلال فرمائی۔
لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (القرآن)

ازدواجی تعلقات کے لیئے ارشاد ہوا کہ

عورتوں میں جو تمہیں بھلی معلوم ہوں ان سے نکاح کرو۔
فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ ۔ (القرآن)

بلکہ نکاح کو جو خالص دنیا داری کا کام سمجھا جاتا ہے دین کا جزو قرار دیا گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ کے لہجہ میں فرمایا کہ

نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت سے منہ پھیرا، وہ مجھ سے نہیں۔
اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۔ (الحدیث)

بلکہ یوں جتایا کہ

نکاح تو آدھا ایمان ہے
اَلنِّكَاحُ نِصْفُ الْإِيْمَانِ (الحدیث)

جوان آدمیوں کو خصوصیت کے ساتھ متنبہ کیا۔

اے جوانوں کے گروہ! تم میں سے
يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ

جو بھی نان نفقہ کی قدرت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ نکاح کرے اس لئے کہ یہ نظر کا بھی محافظ ہے اور شرمگاہ کا بھی۔
مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ (الحدیث)

بات صرف اتنی کہ کھانا پینا ہو نکاح، زراعت و تجارت ہو یا کسی ذریعہ سے کسب معیشت ہو غرض اور مقصد کا متعین ہونا ضروری، وہ نصب العین بتا دیا گیا کہ یوں کہو کہ،

ہم اللہ ہی کیلئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے۔
إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔ (القرآن)

اب سوچیئے کہ ایک طرف وہ ہے جس نے خدا کو چھوڑا، دنیا ہی کا ہو رہا۔ دوسری طرف وہ ہے جس نے دنیا کو چھوڑا اور سمجھا کہ میں خدا کا ہو گیا اور ان دونوں کے درمیان وہ جس نے دنیا کی تمام چیزوں سے بھی فائدہ اٹھایا اور اصل نصب العین ذات رب العالمین سے بھی دل لگایا اس کی بندگی کی اسے جانا، پہچانا بلکہ پایا۔

یہ ہے میانہ روی اور اسی کا نام امت مسلمہ، امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس میانہ روی کو جہاں کھانے پینے اور جماع کرنے کا حکم دیا گیا۔ وہاں ایک وقت خاص میں ان کاموں کو چھوڑ کر عبادت الٰہی میں مشغول ہونے، اور تربیت اخلاقی و روحانی کرتے ہوئے۔

روحانیت کے اعلیٰ مدارج

پہ فائز ہونے کا سبق بھی پڑھایا گیا، جہاں یہ کہا گیا کہ

اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا۔ اور دن کو معاش کے لئے۔
وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۔ (القرآن)

وہاں یہ بھی سنایا گیا کہ۔

یقیناً نماز مومنوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض ہے۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ (القرآن)

نماز قائم کیجئے سورج ڈھلنے سے رات کی اندھیری تک اور صبح کا قرآن (نماز فجر) یقیناً صبح کے قرآن (نماز فجر) میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور رات کے کچھ حصّہ میں تہجد کی نماز ادا کرو یہ آپ کے لئے نفل ہے عنقریب آپ کا رب ایسے مقام پر پہنچائے گا جہاں سب آپ کی تعریف کریں گے۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔

(القرآن)

اور تربیت نفس کیلئے جتایا گیا کہ

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے اگلوں پر فرض کئے گئے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ گنتی کے (چند) دن ہیں ان میں بھی تم میں سے جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھ لے اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا پھر جو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کریں تو وہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ أَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ

اس کے لئے بہتر، اور روزہ رکھنا تمہارے لئے اچھا ہے اگر تم جانو۔ رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن اترا جو لوگوں کے لئے بذات خود رہنمائی ہے اور جو فیصلہ کی روشن باتیں، پس تم میں جو بھی یہ مہینہ پائے اس میں روزہ رکھے۔

وَأَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْۤ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ (القرآن)

کھانے، پینے، سونے، جاگنے، ازدواجی و تمدنی و معاشرتی آداب دوسری کتابوں میں مطالعہ فرمائیں۔ یہاں تربیت نفس، درستی اخلاق اور ارتقا و روحانی کی وہ ترکیب سیکھیئے جو کمالِ انسانیت کے درجہ تک پہنچائے اس تدبیر کا نام اصطلاح قانونِ اسلام میں "صوم، روزہ" ہے، اور اس کی غرض و غایت یہ کہ، نقطۂ اعتدال، انسانیت سے دور رکھنے والے جس قدر جراثیم ہیں وہ ہلاک ہو جائیں اور اس تدبیر کو عمل میں لانے والے اخلاقی و روحانی امراض سے بچ جائیں۔ قرآن میں آیا:

تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ | لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

یعنی ہر اس بات سے محفوظ ہو جاؤ جو تمہیں نقصان پہنچانے والی ہے۔

روزہ کیا چیز ہے؟

ہر مذہب و ملت میں خدا کی عبادت کے طریقوں کے لئے تپسیا اور ریاضت کو ایسا لازمی بتایا گیا کہ خدا کے عرفان اور پہچان کا دروازہ کھلتا ہی نہیں جب تک تکلیفیں اٹھائے اور مشقتیں جھیلنے کی سخت سے سخت راہوں سے نہ گزر لیا جائے۔ تم کسی کو کانٹوں پر لیٹا برسوں بنا سپتی پر گزر کرتا دیکھتے ہو، کسی کو بیوی بچوں سے الگ تھلگ صلیب گلے میں ڈال گرجا کی چار دیواری میں مقید پاتے ہو، یہ سب کچھ کیوں؟ کہنے کیلئے تو صرف اسی غرض سے کہ خدا ملے، اور اس کی راہ ہاتھ لگے، نفسانی و شہوانی جذبات و خواہشات مٹیں، اور روحانیت کو ترقی ہو۔ ایسا کرنے سے یہ ہوگا یا نہیں؟ اسے تو خدا جانے مگر قربان جائیے اس رسولِ عربی فداہ امی و ابی صلی اللہ علیہ وسلم کے جنہوں نے سب تکلیفوں سے بچایا، سب مشقتوں سے چھڑایا۔ لَا رَھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَام۔ اسلام میں بیوی بچوں کو چھوڑ کر دنیا داری کے قصوں سے الگ تھلگ ہو رہنا ہے ہی نہیں، فرما کر مختلف العناصر انسان کے مزاج و فطرت کے مطابق ایک طرف خواہشاتِ نفسانی پورا کرنے کے صحیح اور مناسب طریقے بتائے۔ دوسری جانب نفس کشی اور ترقی روحانی کے لئے وہ مبارک صراطِ مستقیم پیش فرمائی کہ ؎

از حضرت مختار

محنت کم اور اجرت زیادہ سبحان اللہ فضل ہوئی
ہے یہ سب احسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سر کے بالوں سے پیر کے ناخن تک بدن کے ہر ہر حصہ کا ہر ہر جزو ہر وقت آپ کی توجہ اپنی طرف مائل رکھتا ہے، ظاہری بدن کہتا ہے مجھے ٹھنڈی ہوا لاؤ گرمی لگتی ہے، کبھی کہتا ہے آگ یا دھوپ کی گرمی لاؤ مجھے سردی لگتی ہے، پھیپھڑا اور دل کہتا ہے ہوا لاؤ میں گھبرایا، پیٹ کہتا ہے کھانا لاؤ میں بولایا، دن رات کے چوبیس گھنٹے بلکہ سال بھر کے بارہ مہینے اسی ادھیڑ بن میں رہے ایک منٹ بھی اسی لئے نہ ملا کہ اطمینان کے ساتھ یکسوئی حاصل کر کے کوئی اور کام بھی کر سکتے۔

بلا تمثیل ننھے ننھے بچے صبح سے شام تک آپ کے پاس کھیل رہے ہیں۔ کوئی بال نوچتا ہے، کوئی ہاتھ پکڑتا ہے، کوئی کچھ ضد کرتا ہے، کسی کا کچھ کہنا ہے، اگر نہ مانو تو روتے چلائیں، گھر بھر کو سر پر اٹھائیں، مقدمہ کی مثل ترتیب دینی ہے عدالت کا بیان تیار کرنا ہے، بحث کی صورت سوچنی ہے، انجینئر ہو تو نقشہ بنانا ہے، نشیب و فراز پر غور کرنا ہے، طبیب ہو تو مریض کو دیکھنا ہے نسخہ لکھنا ہے، بچوں کے ہوتے ہوئے ان کے روتے دھوتے نہ لکھنا ہوگا نہ پڑھنا، نہ کھانا ہوگا نہ سونا، نہ اچھی طرح بات کرنا نصیب ہوگا نہ کام بنانا اور جتنا ان کی ضدوں کو پورا کرتے جاؤ گے، اسی قدر اور بڑھتی جائے گی۔

النفس کالطفل ان تہملہ شب علی | حب الدناء و ان تفطمہ ینفطم

اسی طرح نفس کا طفلِ شیر خوار بھی تمہیں دق کر رہا ہے اس کی ضدیں، نت نئی اس کی شیں عجیب و غریب لاکھ بہلاؤ نہیں بہلتا، کتنا بھی بہلاؤ نہیں سنبھلتا، پھر ان کو تھوڑی دیر کے لئے الگ کر دو، ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لو کام سے نمٹ لو، اس بچے کی طرف سے بھی تھوڑی دیر کے لئے نظر ہٹاؤ، صبر کی چادر اس کو اڑھاؤ، قناعت کی لوری اسے سناؤ، مژدہ جنت کی تھپکیاں دے دے کر بہلا بہلا کر اسے سلاؤ، اسے تھوڑی دیر کے لئے نفس دھوا سے چھٹی پانے اور خدا کی یاد میں ہمہ تن مستغرق ہو کر عرفان کی راہ کو طے

فرمانے کے لئے عبادت الٰہی بجالانے کی نیّت سے طلوعِ صبح صادق سے غروبِ آفتاب[1] تک کھانے پینے اور ہم بستری سے بچنے کا نام اصطلاحِ اسلام میں صوم یعنی روزہ ہے ۔

(از حضرت عم محترم مولانا محمد اسماعیل مرحوم)

روزہ کیا چیز ہے بتائیں تمہیں ✦ حرص کی قید نفس کی تہدید
تیس دن بھوک پیاس کو روکو ✦ یہ ریاضت ہے آدمی کو مفید
سب کو بھولو کرو خدا کو یاد ✦ سب کو چھوڑو بجز خدائے وحید
دو جہاں میں اسی کا جلوہ طویل ہے ✦ ہے وہی مثلِ آفتاب پدید
دل کی آنکھوں سے دیکھئے لیکن ✦ کہ خدا را بچشم نتواں دید
وحدہٗ لاالٰہ الّا ہو ! ✦ کچھ نہیں ہے سوائے رب مجید
تابمقدور کیجئے تہلیل ✦ تا بامکان چاہیے تمجید

نفس کی خواہشات کا خلاصہ ہے کھانا پینا اور ہم بستر ہونا ، صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی اس سے کہہ دو کہ بس آرام کرو ، صبر کرو ، ٹھہر جاؤ ، غروب آفتاب کے بعد سب کچھ دے دیں گے ، اتنی دیر کی بات ہی کیا ہے ایک مرتبہ پوری ہمت و استقلال و جرأت کے ساتھ ، شفقت آمیز تنبیہ کے لہجہ میں کہہ دیا کہ

" بِصَوْمِ غَدٍ نَوَیْتُ مِنْ شَھْرِ رَمَضَانَ "

" رمضان کا مہینہ ہے کل دن بھر کیلئے ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ روزہ دار رہیں گے "

نفس کچھ مچلے گا ، شرارت کرے گا ، روکنا تو اسی وقت سے لیکن ارادہ میں تذبذب ہے ، سوچ بچار ہے ، کچھ اگر مگر ہے ، ضحوۂ کبریٰ تک وقت ہے ۔ تجربے اس وقت تک رکے رہو تو ضحوۂ کبریٰ سے پہلے پہلے عزم بالجزم ضرور کر لو ۔ نیت اس وقت تک کی معتبر ، پھر بیکار ہے ، روزہ کی صورت ۔

[1] آفتاب کے خط نصف النہار شرعی پر آنے کا وقت ۱۲

رمضان المبارک کا مہینہ
یعنی
رُوحانی موسمِ بہار

سارے موسموں میں بہار کا موسم جب آتا ہے ، پھول کھلتے ہیں ، پھل نکلتے ہیں ۔ رحمت کا پانی برستا ہے ، برگ و شجر ہی نہیں ، انسان ، حیوان ، سب میں تازہ جان آتی ہے ، کمزور و بیمار بھی صحت و توانائی پاتے اور زندگی کا لطف اٹھاتے ہیں ۔

مادی معلومات رکھنے والے ، آلات و وسائل کام میں لاتے ، حساب لگاتے قیاس آرائی فرماتے اور اپنے تجربہ ماضی کی بنا پر اس موسم بہار کی خبریں سناتے اور ترانے گاتے ہیں ۔

رحمت الٰہی بارش کی صورت میں جلوہ نما ہو تو ظاہری آنکھیں اسے دیکھیں روحانی برکتیں ، روحانی رحمتیں ، گناہوں کی مغفرت ، عذاب سے نجات ، جنت کی بشارت ، اور قلب و روح کو طمانیت بخشنے کی شکل میں جب نمودار ہوں ، روحانی آنکھیں ہی انہیں دیکھ سکتی اور معلومات روحانی رکھنے والے ہی ان کے نزول کے اوقات جان سکتے ہیں

مرکزِ معلومات ، خالق کائنات کہ حقیقۃً وہ اور صرف وہی بالذات علیم وخبیر (جلّ مجدہٗ) اس نے جن کو بتایا ، جن کو سکھایا اُن کی شان میں فرمایا ۔

آپ کو وہ سب کچھ سکھایا جو آپ نہ جانتے تھے | عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ۔ (القرآن)
ان کو ہم نے اپنے پاس سے علم عطا فرمایا ۔ | عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۔ (القرآن)

وہ نبی و رسول کہلائے۔ انہوں نے اس رب سے سیکھا۔ اس کے بندوں کو سکھایا۔ روح الامین (سلام اللہ علیہ)، عرشِ معظم سے آئے وحیِ الٰہی لائے، قرآن عظیم میں ربِّ کریم نے خود فرمایا:

رمضان کا مہینہ وہ ہے۔ جس میں قرآن اتارا گیا۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (القرآن)

یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں اتارا، اور آپ کیا جانیں کہ شبِ قدر کیا ہے، شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر، اس میں فرشتے اور جبرئیل اترتے ہیں، اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لئے سلامتی ہے، صبح کے طلوع ہونے تک۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (القرآن)

رسولِ معظم، نبی مکرم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیمِ الٰہی سے جو سیکھا، اُسے ہم تک اس طرح پہنچایا کہ:

جب رمضان شروع ہوتا ہے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ جہنم کے دروازے بند کئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو زنجیروں میں باندھا جاتا ہے۔ (الحدیث بخاری و مسلم)

اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ۔ (الحدیث بخاری و مسلم)

آخر شعبان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا کہ

اے انسانو! یقیناً تم پر ایک بڑا مہینہ سایہ افگن ہوا۔ یہ بڑی برکت والا مہینہ ہے اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس کے (دنوں کے) روزے اللہ نے فرض فرمائے اور اس کی راتوں کو نفل نمازوں کے لئے بنایا جو اس میں کسی اچھی عادت کے ذریعہ اللہ سے نزدیکی چاہے وہ ایسا ہے جیسے رمضان کے ماسوا کسی مہینہ میں فرض ادا کئے اور جس نے اس مہینہ میں فرض ادا کئے وہ ایسے ہیں جیسے رمضان کے ماسوا کسی وقت میں ستر فرض ادا کئے وہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت وہ غمخواری کا مہینہ ہے اور وہ مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھایا جاتا ہے۔ جس نے رمضان میں کسی روزہ دار کو افطار کرایا اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں اُسے جہنم سے آزادی دی جاتی ہے اور اسے بھی اس کے روزہ کا پورا ثواب ملیگا بغیر اس کے کہ روزہ دار کے اجر،

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهُ فَرِيْضَةً وَّقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةِ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ يُّزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهُ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهِ وَعِتْقَ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْتَقِصَ مِنْ اَجْرِهِ شَيْءٌ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا نَجِدُ مَا

میں کچھ کمی ہو؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے سب ایسے نہیں جن کے پاس ایسی چیز ہو جس سے روزہ دار کو افطار کرائیں۔ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہ ثواب اسے بھی دے گا جو روزہ دار کو ایک گھونٹ لسی یا ایک کھجور یا گھونٹ پانی بھی دے اور جو شخص روزہ دار کو پیٹ بھرے اللہ تعالیٰ اسے میرے حوض سے ایسا شربت پلائے گا جس کے پینے کے بعد پیاسا نہ ہو۔ یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو جائے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس کا اوّل رحمت ہے اور درمیانی زمانہ بخشش اور آخری زمانہ جہنم سے آزادی۔

يُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي اللهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ تَمْرَةٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ

(مشکوٰۃ)

یہ وہ مہینہ ہے جس میں ہر رات منادی غیب آوازیں دیتا ہے کہ "اے نیکی طلب کرنیوالے! متوجہ ہو اور اے برائی کے چاہنے والے باز رہ۔"

اس مہینہ کی پہلی ہی رات سے ربِ عظیم اپنی مخلوق کی طرف خاص نظرِ رحمت فرماتا اور وہ جب کسی بندہ کی طرف خاص نظرِ کرم فرماتا ہے، اُسے عذاب نہیں دیتا

اس مہینہ میں ہر روز دس لاکھ گنہگاروں کو جہنم سے آزاد فرمایا جاتا ہے۔ جب ۲۹ ویں تاریخ آتی ہے تو مہینہ بھر میں جتنے آزاد ہوئے، اُن کے مجموعے کے برابر اس

ایک رات میں آزاد کیے جاتے ہیں۔

افطار کے وقت روزہ دار کی دُعا کبھی ردّ نہیں کی جاتی، اور روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ خوشبودار سمجھی جاتی اور روزہ کو سپر اور دوزخ سے حفاظت کا مضبوط قلعہ بنایا جاتا ہے۔ سب نیک اعمال کا بدلہ معین، مگر روزہ کے لئے اللہ خود فرماتا ہے کہ

روزہ میرے لیے اور میں خود اس کا بدلہ ہوں — اَلصَّوْمُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ۔

یا یوں کہیے کہ

اس کے بدلہ میں، خود میں ملتا ہوں اپنا جلوہ دکھاتا ہوں۔ اپنے وصال سے شاد کام بناتا ہوں۔ — اَنَا اُجْزٰى بِهٖ

سُبْحٰنَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

رمضانُ المبارکؑ کا چاند

اور

روزہ کے بارے میں دیگر احکام

یہ جاننے کے بعد کہ ،، اسلام ،، انسانی زندگی کا ایک مکمل لائحہ عمل (پروگرام) ہے ۔ اس لائحہ عمل کی جس دفعہ کو بھی ترک کیا جائے گا ۔ انسانی زندگی میں ضرور فتور آئے گا دفعات میں بعض نہایت اہم کہ ان کے چھوڑنے سے نقشہ ہی بدل جائے ، اسلامیت ہی رخصت ہو جائے بعض ایسی کہ ڈھانچہ اگرچہ سلامت رہے مگر خدوخال بگڑ جائیں ۔ مسلم وغیر مسلم میں امتیاز دشوار ہو جائے ۔

ان اہم دفعات میں سے ایک دفعہ روزہ ہے ۔ حدیث میں آیا کہ :

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں نماز کو ادا کرنا ، زکوٰۃ دینا ، حج کرنا ، اور رمضان کے مہینہ میں روزہ رکھنا ۔

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ ۔

ایک بار سمجھ لینے کے بعد ان دفعات میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرنے والا اسلام سے خارج بلکہ انسانیت سے دور ، اس کے وجود میں کفر کا زہر پیدا اور اس زہر کے دوسروں میں پھیلنے اور ملت کے پورے نظام کے بگڑنے کا اندیشہ ، اسی لئے شریعت اسلام

میں اس پر بعد تحقیق ارتداد کا حکم اور قاضی ، کے دربار سے سخت ترین سزا ، جس نے فرض جانا لیکن جان بوجھ کر بغیر کسی عذر کے عمل نہ کیا وہ بھی تعزیر کے قابل مجرم کو حکومت کے قانون کو توڑنا ، نظام کو بدلنا ہر حکومت کے نزدیک جرم اور اس قسم کے ہر جرم کے لئے عدالت میں پیشی اور ثبوت جرم کے بعد سزا متعین ۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ رمضان کے مہینہ کے ہر دن میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ رکھنا خدا کی بادشاہت کے ہر وفادار بندے پر لازم اور رمضان کے ہوتے ہوئے جس نے بے عذر روزہ نہ رکھا ، وہ قانون شکن باغی اور مجرم ۔

تو سب سے اول یہ ضروری کہ رمضان کا آنا معلوم ہو جائے ۔ رمضان ایک قمری مہینہ کا نام ہے ۔ اس کا آنا چاند دیکھنے پر موقوف ۔

شمسی مہینوں کا حساب ہیئت کے قواعد پر مبنی ہے اور کیسی ہی اچھی تیجے اچھی دوربینوں سے کیوں نہ کیا جائے بہر صورت حساب ، حساب ہے اور تخمینہ ، تخمینہ ، فروری کے ٢٨ اور ٢٩ دن اور بعض کے ٣٠ ، بعض کے ٣١ ، دن یا ہندی حساب میں لوند کا مہینہ کیوں ہوئے ، محض اس لئے کہ یہ ایک حساب ہے اور اس کو قانونی اصطلاح میں ،، ظنی ،، کہا جائے گا ، یہی حساب چاند کے متعلق بھی کیا جاتا ہے اور کہا اور لکھا جاتا ہے کہ فلاں دن فلاں جگہ چاند دکھائی دے گا ، کیا یہ حکم یقینی و قطعی ہو سکتا ہے ۔ ؟

نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ یہ بھی اسی طرح ظنی مشاہدہ میں یہ بات آتی ہے تجربہ بتاتا ہے کہ حساب والے کسی دن کسی مقام پر اپنے حساب کے مطابق چاند نمودار ہونے کا اندازہ لگاتے ہیں مگر وہ نہیں دیکھا جاتا ، لہٰذا کسی اندازہ تخمینہ یا حساب کے مطابق ہم اپنے دنیوی کاروبار جس طرح چاہیں چلائیں ، فلسفۂ قانون کا مسلم مسئلہ ہے کہ اثبات جرم کیلئے جب تک قطعی عینی شہادت نہ ہو کسی کو مجرم نہیں قرار دیا جاتا ، بلکہ ادنیٰ شبہ کا فائدہ ہمیشہ مجرم کو دیا جاتا ہے ۔ اندازہ اور تخمینہ کی دلیلیں خواہ کیسی ہی قوی کیوں نہ ہوں ، حاکم عادل ، آنکھوں دیکھی شہادت کے بغیر

کسی کو مجرم قرار نہیں دے سکتا۔

شہادت کے سلسلہ میں دنیا کی تمام منظم حکومتوں اور عالم کے تمام سمجھدار قانون سازوں نے لازمی اور ضروری قرار دیا ہوا ہے کہ گواہ جو بھی ہو اس کا بے پردہ و بے حجاب حاکم کے سامنے آنا ضروری۔ اگر وہ پردہ نشین ہے تو شناخت کے لیے گواہوں کا موجود ہونا لازمی۔ جو اس کی صورت دیکھ کر پہچان سکیں کہ یہ وہی گواہ ہے جس کی شہادت ہمیں مطلوب ہے کیوں؟ اس لیے کہ گواہ کے بیان کو حاکم تک پہنچانے والی دو چیزیں ہو سکتی ہیں آواز یا تحریر۔

یہ حقیقت اپنی جگہ مانی ہوئی کہ ایک آواز دوسری آواز سے مشابہ اور ایک تحریر دوسری تحریر کے جیسی ہو سکتی ہے۔ جب مشابہت کا شبہ موجود ہو تو حکم قطعی نہیں دیا جا سکتا کہ بولنے والا یا لکھنے والا حقیقتاً یقیناً وہی ہے جس کا بیان لینا ہے۔

جونہی شبہ پیدا ہوا شہادت یقینی نہ رہی اور جب شہادت یقینی نہ رہی حکم یقینی نہیں ہو سکتا، شبہ کا فائدہ مجرم کو دیا جائے گا۔

اس زمانہ میں جسے انتہائی ترقی کا زمانہ کہا جا رہا ہے، جا بجا ٹیلیفون، تار، بلکہ لاسلکی فضائی جال بچھا ہوا ہے۔ ہم اپنے دنیوی معاملات میں ان خبروں پر اعتماد کرتے اور کلام چلاتے ہیں مگر کسی معمولی سی معمولی حاکم کو بھی ادنیٰ سے ادنیٰ عدالت میں قانوناً اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ کسی کی گواہی ٹیلیفون ٹیلیگرام یا لاسلکی ذریعے سے قبول کر کے حکم دے اور کسی کو مجرم ٹھہرائے۔ اگرچہ جدید طریق پر ریڈیو (ٹیلیویژن) میں آواز سنتے وقت اس کی تصویر بھی کیوں نہ نظر آجائے۔

جب ایک طرف یہ بات ثابت ہو چکی کہ رمضان کے دن روزہ رکھنا ہر بالغ مسلمان مرد و عورت پر قانوناً لازم اور بغیر عذر اس کا چھوڑنا قانونی جرم، اسی طرح شریعت کے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ بعض دن ایسے جن میں روزہ رکھنا جرم یعنی شوال کی پہلی تاریخ اور ذوالحجہ کی ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، تو تاوقتیکہ شرعی شہادت سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ فلاں

دن رمضان کا دن ہے اور فلاں دن شوال کی پہلی، کسی کو روزہ نہ رکھنے اور رکھنے کا مجرم نہیں قرار دیا جا سکتا، جرم کا عدالت میں ثابت ہونا اور اس پر سزا دیا جانا تو بڑی بات ہے کسی مسلمان کو یہ حق بھی نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کے متعلق گمان بھی کر سکے کہ اس نے روزہ نہ رکھنے یا روزہ رکھنے کا جرم کیا ہے کہ یہ بدگمانی خود جرم۔

بعض گمان بھی گناہ ہوتے ہیں — اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ (القرآن)

شریعت اسلام ایک قطعی اور یقینی عقل کے مطابق الہامی قانون ہے، اسی لیے اس کے تمام کاروبار کا دارومدار یقینی آنکھوں دیکھی بات پر ہوگا، "ظن غالب" کے سبب بعض معاملات میں کوئی بھی شخص محض اپنی ذات کے لئے کوئی فیصلہ کرے، اسے اس کی ذات تک جائز رکھا جائے گا لیکن دوسروں کو مجبور کرنے اور عمل نہ کرنے کے سبب گنہگار کہنے یا سمجھنے کا ہرگز کسی کو اختیار نہیں دیا جا سکتا۔

اسی لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا مہینہ ثابت ہونے کے لئے چاند دیکھنے کو شرط ٹھہرایا اور حکم قطعی سنایا کہ:

صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلٰثِيْنَ۔ (بخاری و مسلم)

چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور عید کے دن (جب تک چاند نہ دیکھ لو) افطار نہ کرو اور اگر تم پر ابر کیا جائے تو شعبان کے تیس دن کی گنتی پوری کرو۔

مسلمانوں کو تاکید کی گئی اور شعبان، رمضان، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ ان پانچ مہینوں کا چاند دیکھنے کی کوشش کرنا تمام مسلمانوں کیلئے واجب کفایہ یعنی ایسا لازم ٹھہرایا گیا کہ اگر چند نے ادا کیا تو سب سے ادا ہو گیا اور کسی نے بھی دیکھنے کی کوشش نہ کی تو سب پر بوجھ رہا۔

ابر و غبار کی حالت میں رمضان کے چاند کے ثبوت کے لئے ایک عاقل بالغ

عادل مسلمان مرد یا عورت کی بھی گواہی مقبول، مہینوں کے چاند کیلئے اگر ابر ہے تو دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ورنہ بہت سے لوگوں کی شہادت ضروری شعبان کی ۲۹ ر کی شام کو چاند دیکھیں اگر دکھائی دے جائیں تو اگلے دن روزہ رکھیں ورنہ شعبان کے ۳۰ دن پورے کر کے رمضان کا مہینہ شروع کریں۔

یوم شک یعنی شعبان کی تیس تاریخ کو خالص نفل کی نیت سے روزہ رکھ سکتے ہیں۔ یہ تردد بھی نہ ہو کہ اگر رمضان ہے تو یہ روزہ رمضان کا ورنہ نفل اور نفل کے سوا کوئی اور روزہ تو بھی مکروہ ضحوہ کبریٰ تک انتظار کریں۔ شاید کہیں سے خبر آجائے، خبر نہ آئے تو ضرور کھائیں، شک کا روزہ نہ رکھیں۔

کسی ایک شخص نے رمضان کا چاند دیکھا۔ مگر اس کی گواہی کسی شرعی وجہ سے نہ مانی گئی تو وہ خود روزہ رکھے، جس عادل شخص (مرد یا عورت) نے رمضان کا چاند دیکھا اس پر واجب ہے کہ اسی رات میں گواہی دینے کیلئے چل دے، کسی نے گاؤں میں چاند دیکھا اور وہاں کوئی پڑھا لکھا قاضی امام ایسا نہیں جس کے پاس گواہی دے تو گاؤں والوں کو جمع کر کے ان کے سامنے گواہی دے۔ اگر وہ عادل ہے تو لوگ اس کی بات پر عمل کریں۔ اگر مطلع صاف ہے تو جب تک بہت سے لوگ شہادت نہ دیں، چاند کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ رہا یہ کہ اس کے لئے کتنے آدمی چاہئیں۔ یہ قاضی کی رائے پر موقوف ہے جتنے گواہوں سے اسے غالب گمان ہو جائے حکم دے دے، البتہ رمضان کے چاند کی گواہی ایسی حالت میں بھی اگر ایک مستور تک یوں دیتا ہے کہ بستی سے باہر بلند جگہ سے میں نے چاند دیکھا تو اس کا اعتبار کیا جائے گا اور رمضان کا حکم دیا جائے گا۔

اگر کچھ لوگ کسی مقام پر آ کر یہ بیان کریں کہ فلاں جگہ چاند ہوا۔ بلکہ اگر یہ گواہی بھی دیں کہ فلاں فلاں شخصوں نے دیکھا اگر یوں بھی کہیں کہ وہاں کے قاضی نے روزہ

ضحوہ کبریٰ: آفتاب کے نصف النہار شرعی پر آنے کا وقت۔

افطار کرنے کیلئے لوگوں سے کہا تو یہ سب طریقے ثبوت رویت کیلئے کافی نہیں، ہاں اگر کسی شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور ہر ایک نے اس امر کی خبر دی کہ فلاں دن عام طور پر چاند ہوا سارے شہر میں یہ بات مشہور ہے اور وہاں کے لوگوں نے فلاں دن روزہ رکھے تو یہاں والوں کے لئے بھی رویت کا ثبوت ہو جائے گا۔

انتیس ۲۹ شعبان کو ابر تھا۔ ایک شخص نے چاند دیکھنے کی گواہی دی جو مانی گئی۔ اب عید کا چاند اگر ابر کے سبب انتیس کو نہ دیکھا گیا تو تیس روزے پورے کر کے عید کر لیں اگر مطلع صاف ہے تو اس کے بعد بھی عید نہ کریں۔ بلکہ اگلے دن چاند دیکھیں۔ ہاں اگر دو عادل گواہوں کی گواہی سے رمضان ثابت ہوا۔ تب البتہ تیس دن پورے ہونے پر بغیر چاند دیکھے عید کر سکتے ہیں۔ رمضان کا چاند دکھائی نہ دیا۔ شعبان کے تیس دن پورے کر کے روزے شروع کئے، اور انتیس دن ہی ہوئے تھے کہ شوال کا چاند دیکھا گیا۔ اگر شعبان کا چاند دیکھ کر تیس دن کا مہینہ قرار دیا تھا تو ایک روزہ قضا رکھیں اور اگر شعبان کا بھی چاند دکھائی نہ دیا تھا بلکہ رجب کی تیس تاریخ پوری کر کے شعبان کا مہینہ شروع کیا تو دو روزے قضا رکھیں، اگر دن میں زوال سے پہلے یا بعد کسی وقت چاند دکھائی دے تو وہ آنے والی رات ہی کا سمجھا جائے گا۔ ایک جگہ چاند ہوا تو تمام جہان کے لئے اس کا ہونا ثابت مگر دوسری جگہ شرعی ثبوت کے بعد اس کو مانا جائے گا۔

روزہ رکھنے کے عذر یا رخصت

۱۔ سفر۔ ۲۔ حمل۔ ۳۔ بچے کو دودھ پلانا (رضاعت) ۴۔ مرض۔ ۵۔ بڑھاپا ۶۔ ہلاک ہونے کا خوف۔ ۷۔ ایسی زبردستی جس میں جان جانے کا ڈر ہو۔ ۸۔

عقل کو نقصان ۔ ۹ ۔ جہاد

سفر ہماری طرف کے چھتیس کوس یا انگریزی اڑتالیس میل گھر سے باہر جانا ہو تو یہ شرعی سفر کہلائے گا۔ اجازت ہے کہ جن دنوں میں ایسا سفر کرے، روزہ نہ رکھے، چاہے سفر کسی تیز سواری، ہوائی جہاز، ریل یا موٹر کے ذریعہ چند ہی گھنٹوں میں کیوں نہ طے ہو جائے، اور اگر رکھے تو ثواب ملے گا۔ دن میں سفر کیا تو دن کا روزہ افطار کرنے کے لئے آج کا سفر عذر نہیں۔ البتہ اگر سفر شروع کرنے کے بعد توڑ ڈالا تو کفارہ لازم نہ آئے گا مگر گنہگار ہوگا۔ اگر سفر کرنے سے پہلے توڑا، یا سفر شروع کیا اور کسی ضرورت سے رستے ہی سے گھر واپس آیا اور گھر پر آکر روزہ توڑا تو کفارہ بھی واجب۔ ضحوۂ کبریٰ سے پہلے گھر پہنچ لیا اور ابھی تک کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ کی نیت کرلینا واجب کہ اب سفر نہ رہا۔

حمل دودھ پلانے والی اور حمل والی کو اگر اپنی جان یا بچے کی جان کو نقصان پہنچنے کا صحیح اندیشہ ہے تو اجازت ہے کہ اس وقت روزہ نہ رکھے، دودھ پلانے والی چاہے بچے کی ماں ہو یا نوکرانی۔

مریض مریض کو مرض بڑھ جانے یا دیر میں اچھا ہونے یا کمزور تندرست کو بیمار ہو جانے کا غالب گمان ہو تو اجازت ہے کہ اُس دن روزہ نہ رکھے۔ غالب گمان کی تین شرطیں ہیں۔ پہلی اس کی ظاہر نشانی پائی جاتی ہو۔ دوسری اس شخص کا ذاتی تجربہ ہو یا کسی مسلمان طبیب حاذق نے اس کو بتایا ہو۔ طبیب حاذق کے لئے شرط ہے کہ وہ دیندار مسلمان ہو، فاسق و فاجر اور بدکار نہ ہو (اگر کسی کافر یا فاسق طبیب کے کہنے سے روزہ توڑا تو کفارہ لازم آئے گا) حیض یا نفاس والی عورت کو جب حیض و نفاس آگیا، تو روزہ جاتا رہا۔ جب پاک ہو جائے تب روزے رکھے، ان دنوں بھی چھپ کر کھائے پئے تو بہتر، اگر رات کو ایسے وقت پاک ہو کر صبح ہونے میں اتنی

دیر ہے کہ نہا کر تھوڑا سا وقت بچے گا تو بھی روزہ رکھے اور نہاتے ہی میں صبح صادق ہو گئی تو اس دن کا روزہ بھی نہیں۔

استحاضہ روزہ سے بچنے کے لیے عذر نہیں، مگر اس شکل میں کہ وہ مہلک مرض کی صورت رکھتا ہو۔ سانپ نے کاٹا اور جان کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں روزہ توڑ دے، ایسا بوڑھا کہ بڑھاپے کی کمزوری اور گرمی کی شدت کے سبب روزہ نہ رکھ سکے لیکن جاڑوں میں یا کچھ قوت آنے کے بعد رکھ سکے گا تو اس کو اجازت ہے کہ اب روزہ نہ رکھے، دوسرے کسی وقت جب رکھ سکے رکھ لے، بیماری، چوٹ لگنے، یا کسی اور وجہ سے اس قدر کمزور ہو گیا ہے کہ اگر روزہ رکھے گا تو ہلاکت کا خوف غالب ہے تو ایسی حالت میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے۔ کوئی ظالم روزہ چھوڑنے یا توڑنے پر اس قدر مجبور کرے کہ اگر اس کا کہنا نہ مانے تو یقیناً وہ مار ڈالے گا یا ناقابلِ برداشت سخت تکلیف پہنچائے گا تو ایسی حالت میں بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور اگر صبر کیا تو اجر ملے گا، بھوک اور پیاس کی شدت ایسی ہو کہ ہلاک ہو جانے کا خوف صحیح یا عقل میں فتور آجانے کا اندیشہ قوی ہو تو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ جہاد میں جانا ہے اور دشمن کے مقابلے میں لڑنا، روزہ رکھے گا تو لڑ نہ سکے گا لہٰذا اجازت ہے، روزہ نہ رکھے، جن لوگوں نے ان عذروں کے سبب روزہ توڑا یا چھوڑا، اُن پر فرض ہے کہ جب موقع پائیں، ان روزوں کی قضا کریں، چاہیے تو یہ کہ عذر جانے کے بعد دوسرا رمضان آنے سے پہلے پہلے قضا روزے رکھ لیں، اور اگر نہ رکھ سکیں اور دوسرا رمضان آگیا تو پہلے اس رمضان کے روزے رکھیں، پھر قضا۔ اگر یہ لوگ اپنے اسی عذر میں مرگئے اور اتنا موقع ملا کہ قضا روزے رکھ لیتے مگر نہ رکھے تو مرتے وقت یہ وصیت کر جانا واجب ہے کہ ان کے مال میں سے اُن روزوں کا فدیہ[1]

---

[1] فدیہ کی مقدار وہی ہے جو ایک صدقۂ فطر کی۔ دیکھو صدقۂ فطر کی بحث۔

دے دیں۔ ایک شخص کی طرف سے دوسرا شخص روزہ نہیں رکھ سکتا۔ شیخ فانی یعنی وہ بوڑھا جس کی حالت ایسی ہو گئی کہ اب روز بروز کمزور ہی ہوتا جائے گا۔ جب وہ روزہ رکھنے سے عاجز ہو، یعنی اب رکھ سکتا ہے۔ نہ آئندہ طاقت آنے کی اُمید اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور ہر روزہ کے بدلے میں دونوں وقت ایک مسکین کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا واجب یا ہر روزہ کے بدلے میں صدقۂ فطر کی مقدار مسکین کو دے دے لیکن ایسے بوڑھے میں بھی اگر رمضان گزرنے کے بعد طاقت آگئی تو ان روزوں کی قضا بھی واجب، جس قدر فدیہ دیا گئے وہ سب صدقہ نفل ہو جائے گا۔ یہ اختیار ہے کہ شروع رمضان ہی میں پورے رمضان کا ایک دم فدیہ دے دے یا روزانہ دیتا رہے یا آخر میں سب کا ملا کر دے دے۔

نیّت کا بیان

روزہ رکھنے کی نیّت، ارادہ اور اُسکی ترکیب

نیّت دل کے ارادے کا نام ہے۔ زبان سے کہنا شرط نہیں، لیکن زبان سے بھی کہہ لے تو مستحب، رات میں نیّت کرے تو یوں کہے۔

یعنی میں نے نیّت کی کہ خدائے تعالیٰ کیلئے اس رمضان کا فرض روزہ کل کو رکھوں | نَوَيْتُ اَنْ اَصُوْمَ غَدًا لِلّٰهِ تَعَالٰى مِنْ فَرْضِ رَمَضَانَ هٰذَا۔

اور دن میں نیت کرے تو یوں کرے

میں نے نیت کی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے آج رمضان کا روزہ رکھوں گا۔ | نَوَيْتُ اَنْ اَصُوْمَ هٰذَا الْيَوْمَ لِلّٰهِ تَعَالٰى فَرْضَ رَمَضَانَ۔

دن میں نیت کرے تو یہ سمجھنا ضرور ہے کہ میں صبح صادق سے روزہ دار ہوں اور اگر یہ نیت ہے کہ اب سے روزہ دار ہوں، صبح سے نہیں تو روزہ نہیں ہوا۔ رمضان کے ہر روزہ کیلئے نئی نیت کی ضرورت ہے۔ پہلی یا کسی تاریخ میں پورے رمضان کے روزوں کی نیت کر لی تو وہ نیت صرف اسی دن کے لئے ہے باقی دنوں کے لئے نہیں۔

آفتاب کے خط نصف النہار شرعی پر پہنچنے یعنی ضحوۂ کبریٰ کے وقت تک روزے کی نیت کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ طلوع صبح صادق سے اس وقت تک کوئی کام ایسا نہ کیا ہو جس سے روزہ ٹوٹے، اگر صبح صادق کے بعد سے اس وقت تک بھول کر بھی کچھ کھایا پیا یا جماع کیا ہو تو اب نیت نہیں ہو سکتی۔ نماز پڑھنے میں ہی روزہ کا ارادہ اور نیت کی (دل ہی دل میں) تو بھی صحیح۔ روزہ توڑنے کی نیت سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ جب تک کوئی توڑنے والی بات نہ کرے۔ رات میں نیت کی اور نیت کے بعد صبح تک کھاتا پیتا رہا تو اس سے نیت میں خلل نہیں۔

سحری سحری کھانا سنت ہے، چاہے ایک لقمہ یا ایک گھونٹ پانی ہی کیوں نہ ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والے پر درود بھیجتے ہیں۔ سحری میں دیر کرنا بھی سنت ہے مگر نہ اتنی کہ صبح کی سپیدی ظاہر ہو جائے، مرغ سحر یا اندھے مؤذن کی اذان کا اعتبار نہیں۔

روزہ توڑنے والی چیزیں کھانے پینے، جماع کرنے سے روزہ جاتا رہتا ہے۔ جب کہ روزہ دار ہونا یاد ہو۔ حقہ، سگار، سگریٹ، چرٹ، پینے ہی کے حکم میں داخل۔ اگرچہ اپنے خیال میں حلق تک دھواں نہ پہنچتا ہو، نیز پان یا صرف تمباکو کھانے سے بھی روزہ جاتا رہے گا۔ اگرچہ پیک تھوک دی ہو، کیوں کہ اس کے باریک اجزاء ضرور حلق کے اندر پہنچتے ہیں۔ شکر

شکر وغیرہ کوئی چیز جو منہ میں گھل جاتی ہے منہ میں رکھی اور تھوک نگل لیا روزہ جاتا رہا۔

دانتوں کے درمیان کوئی چیز چنے کے برابر یا زیادہ تھی، خواہ ایسی جو لعاب کیساتھ اتر سکتی ہے یا بغیر تھوک اور لعاب کی مدد کے نیچے اتر سکتی ہے اگر کھائی تو روزہ جاتا رہا۔

دانتوں سے خون نکل کر حلق سے نیچے اترا اور خون تھوک سے زیادہ یا کم تھا۔ اگر اس کا مزہ حلق محسوس ہوا تو روزہ جاتا رہا اگر اتنا کم تھا کہ مزہ بھی حلق میں محسوس نہ ہو تو کچھ حرج نہیں اگر کوئی گیلی چیز پاخانے کے مقام رکھی اور اس کی تری اندر محسوس ہوئی تو روزہ جاتا رہا۔ اگر سوکھی چیز اسطرح رکھی کہ اس کا دوسرا سرا باہر رہا تو روزہ نہ گیا اسی طرح اگر عورت نے پیشاب کے مقام میں روئی یا کپڑا رکھا اور بالکل باہر نہ رہا تو روزہ جاتا رہا۔ بلکہ تر انگلی بھی اگر پاخانہ یا عورت کی پیشاب گاہ کے اندر گئی تو روزہ جاتا رہا۔ پاخانہ کا مقام باہر نکل آیا تو اچھی طرح کپڑے سے تری کو پونچھ کر اٹھے۔ اگر اس کے ذریعے تری اندر چلی گئی تو روزہ جاتا رہا۔

پانی سے استنجا کرنے میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے کہ پانی کی تری، اندر نہ رہ جائے غیر روزہ حالت میں سانس روک کر استنجے میں مبالغہ کی ضرورت مگر حالتِ روزہ میں اس مبالغہ سے بچنے کی حاجت۔

عورت کا بوسہ لیا، چھوا گلے لگایا اور انزال ہو گیا تو روزہ جاتا رہا اور عورت نے مرد کو چھوا اور مرد کو انزال ہوا تو روزہ نہ گیا، عورت کو کپڑے کے اوپر سے چھوا اور کپڑا اتنا موٹا ہے کہ بدن کی گرمی تک محسوس نہ ہوئی تو فاسد نہ ہوا، اگرچہ انزال ہو جائے۔ قصداً منہ بھر کر قے کی اور روزہ دار ہونا یاد ہے تو مطلقاً روزہ جاتا رہا۔

اور اس سے کم کی تو روزہ نہ گیا اگر بلا اختیار اپنے آپ قے ہوئی تو اگر منہ بھر کر ہوئی اور اس میں سے ایک قطرہ بھی لوٹ گیا، یا قصداً لوٹایا، روزہ جاتا رہا، اور اگر منہ بھر سے کم ہے اور لوٹ گئی یا لوٹائی گئی تو روزہ نہ گیا۔ قے کے یہ احکام اس وقت ہیں جب کہ

اس میں غذائیت ہو اور اگر صرف صفرا یا خون یا بلغم آیا تو پھر مطلقاً روزہ نہ ٹوٹا۔

مرد نے پیشاب کے سوراخ میں پانی یا تیل ڈالا تو روزہ نہ گیا، اگرچہ مثانہ تک پہنچ گیا ہو، دماغ یا شکم کی جھلی تک زخم ہو، اس میں دوا ڈالی۔ اگر دماغ یا شکم تک پہنچ گئی تو روزہ جاتا رہا۔ اگر معلوم نہ ہوا کہ دماغ یا شکم تک پہنچی یا نہیں تو دوا اگر تر تھی تو روزہ جاتا رہا اور خشک تھی تو نہیں۔ حقنہ یا نتھنوں میں دوا ڈالی چڑھائی یا کان میں تیل ڈالا یا تیل چلا گیا، روزہ جاتا رہا اور پانی کان میں چلا گیا یا ڈالا تو روزہ نہ گیا۔

کلی کرتے وقت بلا قصد پانی حلق سے اتر گیا، یا ناک میں پانی ڈالتے ہوئے دماغ کو چڑھ گیا، روزہ جاتا رہا۔ ہاں اگر روزہ ہونا یاد نہ رہا اور بے خیالی میں ایسا ہوا تو روزہ نہ گیا۔ سوتے میں پانی پی لیا یا کچھ کھا لیا، یا منہ کھلا تھا اور پانی کا قطرہ یا اولا حلق میں چلا گیا، روزہ جاتا رہا۔ منہ میں رنگین ڈورا رکھا، تھوک رنگین ہوا۔ اب اس تھوک کو نگل گیا، روزہ جاتا رہا۔

آنسو یا پسینہ منہ میں چلا گیا اور نگل لیا۔ اگر قطرہ قطرہ اتنا ہے کہ اس کی نمکینی حلق میں محسوس نہیں ہوئی تو روزہ نہ گیا اور اگر اس سے زیادہ ہے تو روزہ جاتا رہا۔

روزہ توڑنے کی سزا یعنی کفارہ

رمضان میں کسی ایسے شخص نے جس پر روزہ فرض ہے رمضان کا روزہ ادا کرنے کی غرض سے روزہ رکھا اور جان بوجھ کر کوئی غذا یا دوائی کھائی، یا پانی پیا یا کوئی چیز لذت کیلئے چکھی یا کھائی یا کسی کے ساتھ جماع کیا (انزال ہوا ہو یا نہیں) یا اس روزہ دار کے ساتھ جماع کیا گیا تو اس روزہ توڑنے کی سزا یہ ہے کہ اس روزہ کی قضا کرے، اور کفارہ دے یعنی ایک غلام یا باندی کو آزاد کرے یا ساٹھ دن تک لگاتار روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، اگر کوئی فعل ایسا کیا جس سے افطار کا گمان نہ ہو اور اس نے گمان کر لیا کہ روزہ جاتا رہا یہ مسئلہ حقیقتاً صحیح معلوم نہ تھا، یا کسی نے بتایا تو غلط بتایا اور یہ سمجھ کر کہ روزہ جاتا رہا قصداً کھایا پیا، تو ان سب صورتوں میں قضا ہی ہے

اور کفارہ بھی دے، ہاں اگر کسی ایسے مفتی کے فتویٰ دینے سے ایسا کیا ہے جس پر شہر والوں کو بھروسہ ہے اور وہ فتویٰ غلط تھا تو صرف قضا کرے، کفارہ نہیں، جس جگہ روزہ توڑنے سے کفارہ لازم آتا ہے اس میں شرط یہ ہے کہ رات ہی سے روزہ کی نیت کی ہو اور اگر دن میں نیت کی تو کفارہ لازم نہیں۔ مثلاً مسافر ضحوہ کبریٰ سے پہلے وطن آیا یا مجنون اسوقت ہوش میں آیا اور روزے کی نیت کر لی اور پھر توڑ دیا تو پھر کفارہ نہیں صرف قضا ہے۔ کفارہ لازم ہونے کیلئے یہ بھی ضرور کہ روزہ توڑنے کے بعد شام تک کوئی ایسی بے اختیاری کی ضرورت پیش نہ آئے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہو، مثلاً کسی عورت نے روزہ توڑا اور اسی دن میں اسے حیض، یا نفاس آ گیا یا اسی دن ایسا بیمار ہو گیا جس میں روزہ توڑنے کی اجازت ہے تو کفارہ معاف۔ لیکن سفر سے، یا اپنے آپ کو خود بخود ایسا زخمی کر لینے سے کہ روزہ کے قابل نہ رہے کفارہ معاف نہ ہوگا۔ کیوں کہ یہ اختیاری باتیں ہیں۔ عورت نے مرد کو یا مرد نے عورت کو جماع کیلئے قتل یا ضرب شدید کی صحیح دھمکی دے کر مجبور کیا۔ روزہ دار بھی سمجھا کہ اگر کہنا نہ مانے تو دھمکی وقوع میں آجائے گی تو صرف قضا ہے کفارہ نہیں۔ کفارہ واجب ہونے کے لئے پیٹ بھر کر کھا لینا ضروری نہیں، تھوڑا سا کھانے سے بھی واجب ہو جائے گا۔ گھناؤنی چیز اگر کھائی تو قضا ہے، کفارہ نہیں۔ جو چیز جس اندازسے بالعموم عادتاً کھائی جاتی ہے اُس طرح کے کھانے پر قضا ہے۔ مثلاً کچی بجی یا پستہ یا اخروٹ مسلّم یا خشک بادام مسلّم نگل گیا تو روزہ گیا مگر قضا نہیں مگر تر بادام نگلنے میں کفارہ ہے۔ اسی طرح خربوزے یا تربوز کا چھلکا کھایا۔ اگر خشک ہو کہ لوگ اس کے کھانے سے گھن کریں یا کچے چاول، باجرہ، مونگ وغیرہ کھائی تو کفارہ لازم نہیں، ہاں اگر بھنے ہوئے ہوں تو کفارہ لازم۔ تِل یا تِل کے برابر بھی کھانے کی کوئی چیز باہر سے منہ میں ڈال کر بغیر چبائے نگل گیا تو روزہ گیا اور کفارہ لازم، کھانے کا نوالہ منہ میں گیا اور صبح کا طلوع کرنا یا روزہ کا ہونا یاد آ گیا۔ اگر خبر اور یاد کے بعد عملاً نگلا تو کفارہ لازم۔

بار ی سے بخار آتا تھا جب باری کا دن تھا روزہ یہ سمجھ کر توڑ دیا کہ بخار آئے گا تو اس صورت میں کفارہ نہیں، اگرچہ بخار نہ آئے، اسی طرح عورت کے حیض آنے کا دن تھا اسی خیال سے روزہ توڑ دیا تو پھر کفارہ لازم نہیں۔

ایک روزہ توڑا ہے تو ایک، اور دو روزے توڑے تو دو کفارہ دے لیکن اگر دونوں روزے ایک ہی رمضان کے ہیں تو ایک کفارہ ہی دونوں کے لئے کافی۔

وہ صورتیں جن میں صرف قضا کرے کفارہ نہیں

یہ گمان تھا کہ صبح نہیں ہوئی کھایا پیا یا جماع کیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی یا روزہ توڑنے پر کسی ظالم کی طرف سے واقعی شرعی اکراہ کی حد تک مجبور کیا گیا تو صرف قضا لازم ہے یعنی جب موقع پائے اس روزہ کے بدلے ایک روزہ رکھے۔

کان میں تیل ٹپکایا یا پیٹ یا دماغ کی جھلی تک زخم تھا اس میں دوا ڈالی کہ پیٹ یا دماغ تک پہنچ گئی، حقنہ لیا ناک سے دوا چڑھائی، پتھر، کنکری، مٹی، روئی، کاغذ گھاس وغیرہ ایسی چیز کھائی جس سے لوگ گھن کرتے ہیں۔ یا رمضان میں بغیر نیت کے روزہ رکھا یا سحر کے وقت نیت نہ کی تھی، صبح کو زوال سے پہلے نیت کی اور پھر کھا لیا۔ روزہ کی نیت کی تھی۔ مگر رمضان کے روزہ کی نیت نہ کی تھی۔ حلق میں اتفاقاً مینہ کی بوند یا اولا گرا۔ بہت سے آنسو یا پسینہ نگل گیا تو صرف قضا کرے، کفارہ واجب نہیں ایسی چھوٹی بچی سے جو قابل جماع نہ تھی جماع کیا۔ جانور سے وطی کی (یہ بھی سخت حرام ہے) یا ران یا پیٹ پر جماع کیا یا بوسہ لیا۔ یا عورت کے ہونٹ چوسے یا عورت کا بدن چھوا۔ اگرچہ کوئی کپڑا حائل ہو۔ مگر ——— بدن کی گرمی محسوس ہوتی ہو اور ان سب صورتوں میں انزال ہو گیا یا مباشرت فاحشہ کی تو قضا لازم اور گناہ کے کاموں کا گناہ الگ، اس کے لئے بھی توبہ ضروری۔

شہ یعنی زید دھمکی دے کہ اگر روزہ نہ توڑے گا تو قتل کر دیا جائے گا یا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا۔

اپنے ہاتھ سے منی نکالی تو روزہ گیا قضا لازم اور خدا کی لعنت ایسا کرنے والے پر مزید عذاب۔ یہ کام ویسے بھی سخت لعنت کا مستحق بناتا ہے۔ چہ جائیکہ رمضان میں۔ عورت روزہ دار سو رہی تھی۔ سوتے میں اُس سے وطی کی گئی تو روزہ گیا، قضا لازم اور کرنے والا گنہگار۔

یہ گمان کرکے کہ آفتاب ڈوب گیا افطار کیا یا دو آدمیوں نے شہادت دی کہ آفتاب غروب ہوا اور دو نے کہا کہ ابھی دن ہے اس نے روزہ افطار کر لیا تو ان سب صورتوں میں صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں۔

روزہ کو مکروہ بنانے والی باتیں

جھوٹ، غیبت، چغلی، گالی دینا، بیہودہ باتیں کرنا، کسی کو تکلیف دینا ویسے بھی ناجائز و حرام روزہ میں اور زیادہ حرام، اور ان کی وجہ سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ روزہ میں عورت کا بوسہ لینا اور گلے لگانا اور بدن چھونا مکروہ ہے جب کہ انزال کا اندیشہ ہو یا جماع میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہو۔ روزہ میں مباشرت فاحشہ ہو یا ہونٹ یا زبان چوسنا بہر حال مکروہ، کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے میں ایسا مبالغہ کرنا کہ دماغ میں چڑھ جائے یا حلق میں پہنچ جانے کا خوف ہو مکروہ ہے، پانی کے اندر ریاح خارج کرنا یا استنجے میں مبالغہ کرنا ایسا کہ اندر تری پہنچ جانے کا اندیشہ ہو، مکروہ ہے۔ منہ میں تھوک اکٹھا کرکے نگل جانا بغیر روزہ کے بھی ناپسندیدہ اور روزے میں مکروہ۔ سحری میں اتنی دیر کہ صبح ہونے کا شک ہو جائے اور افطار میں اتنی جلدی کہ غروب ہونے کا خوف ہو مکروہ، بغیر عذر کے کسی چیز کا چکھنا یا چبانا مکروہ۔ چکھنے کے لئے عذر یہ ہے کہ مثلاً عورت کا شوہر ایسا بد مزاج ہو کہ نمک کم یا زیادہ ہوگا تو وہ ناراض ہو کر اسے تکلیف پہنچائے گا اور کوئی دوسرا بے روزہ دار چکھنے کیلئے موجود نہیں یا چھوٹا بچہ روٹی نہیں کھا سکتا اور کوئی نرم غذا نہیں جو اسے کھلائی جائے نہ کوئی بے روزہ دار ہے جو چبا کر کھلائے تو اس عورت کو چکھنا اور چبانا اس حد تک مکروہ

ن حدیث میں آیا ناکح الید ملعون زنا کی سزا تو سنگساری ہے مگر اس کی سزا لعنت باری ہے۔ معاذ اللہ۔

نہیں کہ اثر حلق تک نہ جائے، سرمہ لگانا، عطر ملنا، گلاب یا مشک وغیرہ سونگھنا، اگر زینت کے لئے نہ ہو تو مکروہ نہیں۔ مسواک کرنا ویسے بھی سنت ہے۔ روزے میں بھی سنت، فصد کھلوانا، پچھنے لگوانا، اس صورت میں مکروہ ہے کہ ایسے ضعف کا اندیشہ ہے جس کے سبب روزہ توڑ دینا پڑے۔

جن باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا

بھول کر کھایا پیا یا جماع کیا تو روزہ نہ گیا۔ مگر کسی کے یاد دلانے پر بھی یاد نہ آیا اور پھر کھایا تو جاتا رہا۔ صرف قضا کرے۔ کسی روزہ دار کو کوئی ایسا کام کرتے دیکھے جس سے روزہ ٹوٹتا ہے تو دیکھنے والے پر یاد دلانا واجب نہ یاد دلائے گا تو گنہگار ہوگا۔ ہاں اگر روزہ دار بہت کمزور ہے اور دیکھنے والے کو یہ یقین ہو کہ اگر نہ کھائے تو کمزوری اس قدر بڑھ جائے گی کہ روزہ نہ رکھ سکے گا۔ مجبوراً توڑے گا اور اگر کھائے گا تو روزہ بھی اچھی طرح پورا کرے گا اور دوسری عبادتیں بھی، تو ایسی حالت میں یاد نہ دلانا بہتر۔

مکھی یا دھواں یا غبار حلق میں جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، خواہ وہ غبار آٹے کا ہی ہو۔ جو چکی پیسنے یا آٹا چھاننے سے اڑتا ہے۔ ہاں اگر قصداً دھواں پہنچایا اور روزہ دار ہونا یاد ہے تو روزہ جاتا رہا۔ خواہ وہ دھواں کسی چیز کا کیوں نہ ہو۔ بھری سلگتی اگر بتی یا تیل یا سرمہ کا مزہ یا اثر حلق میں بلکہ تھوک میں بھی معلوم ہو، بوسہ لیا مگر انزال نہ ہوا۔ عورت کی طرف بلکہ اس کی شرمگاہ کی طرف نظر کی۔ مگر ہاتھ نہ لگایا، انزال ہو گیا تو روزہ نہیں ٹوٹا۔ غسل کیا اور پانی کی ٹھنڈک اندر محسوس ہوئی یا کلی کی اور پانی بالکل نکال دیا صرف کچھ تری منہ میں باقی رہ گئی تھی یا دوا کوٹی اور حلق میں اس کا مزہ محسوس ہوا یا کوئی ایسی چیز جو چنا کے برابر تھی تھوک کے ساتھ اس کا کوئی جز حلق میں نہ پہنچا۔ کان میں پانی چلا گیا یا دانت یا منہ میں کوئی خفیف سی بے معلوم چیز خود بخود اندر اتر گئی یا دانتوں سے خون نکل کر حلق میں پہنچا

لہ مگر منجن ملنا مکروہ ہے اس لئے کہ منجن کی دواؤں کا اثر حلق تک جانے کا اندیشہ۔ بلکہ اگر اس کا اثر حلق تک گیا تو روزہ ہی جاتا رہا۔

اور نیچے نہ اترا تو ان سب صورتوں میں روزہ نہ گیا۔ روزہ دار کے پیٹ میں کسی نے نیزہ یا تیر مارا، اگرچہ اس کی زبان یا پیکان پیٹ کے اندر رہ گئی تو بھی روزہ نہیں گیا اور اگر خود اس نے ایسا کیا اور کوئی چیز اندر رہ گئی تو جاتا رہا۔ تھوک سے ہونٹ تر ہو گئے۔ یا منہ سے رال ٹپکی۔ مگر تار نہ ٹوٹا تھا کہ اُسے پی گیا یا بلغم ناک یا منہ سے باہر نکل آیا تھا پھر نگل گیا ان باتوں سے بھی روزہ نہ ٹوٹا مگر ایسی باتوں سے بچنا چاہیے۔ سوتے میں احتلام ہوا، روزہ نہ گیا، جنابت کی حالت میں صبح کی، روزہ نہ گیا۔ جنابت کی حالت جتنے دن بھی رہا تو بھی روزہ نہ جائے گا۔ مگر اتنی دیر تک قصداً غسل میں دیر کرنا کہ نماز قضا ہو جائے ویسے بھی گناہ، روزہ میں زیادہ سخت گناہ اور حرام ہے۔ تل یا تل کی برابر کوئی چیز چبائی اور حلق سے اتر گئی تو روزہ نہ گیا، ہاں اگر اس کا مزہ حلق میں محسوس ہوتا ہو تو روزہ نہیں رہا۔

افطار حدیث میں آیا کہ ہمیشہ لوگ خیر کے ساتھ رہیں گے، جب تک افطار میں جلدی کریں گے نیز فرمایا میری امت میری سنت پر رہے گی۔ جب تک ستاروں کا انتظار نہ کرے۔

جسمانی روزہ

روزہ کی ظاہری صورت اور اس کے شرعی احکام آپ کے سامنے ہیں۔ اُن کے مطالعے سے آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ اصطلاح شریعت میں روزہ کسے کہتے ہیں یہ سمجھ لینا کہ یہ اللہ کا فرض ہے اور اسی نیت سے اس کو ادا کرنا، یقیناً ہر اس شخص پر لازم ہے جو اللہ و رسول پر ایمان رکھتا ہو، اس کی کوئی ضرورت و حاجت نہیں کہ اس کی حکمتیں اور مصلحتیں بھی معلوم ہوں اور فوائد بھی پیش نظر ہیں کہ کیا ہم اور کیا ہماری عقل آئندہ کے

متعلق ہماری معلومات محدود بلکہ سچ پوچھو تو کچھ ہے ہی نہیں لیکن قرآن کریم کی شانِ تفہیم کے قربان، خالقِ دو جہاں نے الہامی زبان میں جہاں روزمرہ کا فرمان سنا دیا، وہیں اس کی مصلحت کو بھی بتایا اور فرمایا۔ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (تاکہ تم بچے رہو) اس بچنے کو تین قسموں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ جسم نقصان دینے والی چیزوں سے بچا رہے۔

۲۔ ہماری زندگی کے اعمال، بدنما و نقصان رساں صورتوں سے بچے رہیں۔

۳۔ ہمارا باطن یا ہماری روح ہر قسم کے مکروہات اور اجنبی کیفیات سے بچی رہے۔

اس تقسیم کے اعتبار سے اگر ہم یوں کہیں کہ شرعی احکام کی پیروی، جہاں روزہ کو فساد، کراہت وغیرہ سے بچا کر اس قابل بنائے گی کہ روزہ کی فرض حیثیت پوری ہو جائے اور خدا کے فرض کی صورت میں وہ ہمارے ذمہ پر نہ رہ جائے، وہاں یہ جسمانی روزہ ہمارے جسم کو بہ حیثیت جسم بھی صحیح و درست رکھنے کا ضامن ہوگا۔

روزہ کا اثر صحت پر جسم میں بگاڑ زیادہ تر معدہ کی خرابی سے نمودار ہوتا ہے، اطباء کے نزدیک معدہ ہی اکثر بیماریوں کی جڑ ہے۔ معدہ کیوں خراب ہوتا ہے؟

غذا کی مقدار زائد ہو، غذا ثقیل ہو، معدہ پر ہضم کا بار اس کی قوت سے زائد پڑ جائے۔

سال کے گیارہ مہینے مسلسل ایسی حالت میں گزریں کہ غذا خوب اچھی طرح پیٹ بھر کر کھائی جائے، پھر وہ بسا اوقات ثقیل بھی ہو، یقیناً معدہ پر بار اور یہ بھی کہ گیارہ مہینے لگاتار لیل و نہار معدہ سرگرم کار رہے۔ ضعف آنا لازم، تکان ہونا ضروری دماغ ہر وقت سوچتا رہے، تھک جائے گا، ہاتھ ہر وقت چلتا رہے، کام کرتا رہے، تکان و کمزوری محسوس کرنے لگا۔ یہی حال جسم کے ہر ہر پرزہ کا اسی طرح معدہ بھی

ہمیشہ کام کرتا ہی رہے، اسے آرام نہ ملے، یقیناً کمزور ہوگا اور ضرور ہوگا۔ اس کی [illegible]
کی آسان ترکیب یہ کہ مہینوں میں کم از کم تین بار ۱۳، ۱۴، ۱۵، قمری تاریخوں میں دن [illegible]
وقت اسی اصول کے مطابق روزہ رکھیں۔ اور اسے قدرے آرام دیں۔

۔ یہ ہیں ایامِ بیض کے مسنون نفلی روزے۔"

مزید چاہیں، ہر دوشنبہ کو روزہ رکھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
اپنی ولادت باسعادت وبعثت کی خوشی میں روزہ رکھتے اُن کے اسوۂ [illegible]
روزہ رکھیں یا نہ رکھیں اختیار کہ یہ سب نفلی ہیں۔ خالقِ اعظم نے رمضان کے ایک [illegible]
مسلسل روزہ رکھنے کو فرض فرمایا اور صحتِ جسمانی کے لئے بھی یہ خاص نسخہ [illegible]
ایک مہینہ لازمی طور پر دن کے وقت جب کہ جسم کے اور حصے کام میں لگے ہو[illegible]
معدہ کو ذرا خالی رکھیں اور آرام دیں۔

تمام اطبائے قدیم متفق ہیں، جدید ڈاکٹر بھی مشورہ دے رہے ہیں اور [illegible]
یہی رائے دے گا کہ اس طرح معدہ کو خالی رکھنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زائد رطوبتیں [illegible]
ہو جائیں۔ معدہ میں حرارت بڑھے۔ جو آئندہ غذا کو جلد تر پکانے، جزو بدن [illegible]
میں نافع ثابت ہوگی۔

اسطرح روزہ رکھ کر یقیناً ہم اپنے جسم کی اصلاح کی خدمت بھی بجالائیں گے [illegible]
معدہ کی اس حرارت سے نہ صرف یہ کہ معدہ میں مزید قوت آئے گی بلکہ بہت [illegible]
امراض سے بچانے والا ثابت ہوگا۔ مگر یہ کب ؟ جب کہ سحر کے وقت بہت [illegible]
نہ کھایا جائے۔ افطار کے وقت بے اعتدالی نہ برتی جائے۔ ایک دم فوراً [illegible]
چٹ پٹی، دیر ہضم، مرغن وثقیل غذاؤں کا بار معدہ پہ نہ ڈالا جائے۔

اطبا اکثر امراض میں فاقہ کا حکم دیتے ہیں۔ روزہ اس مصلحت کو پورا [illegible]
کرتا ہے اور مہینہ بھر کی یہ "ریاضتِ جسمانی" نہ صرف معدہ بلکہ جملہ اعضا [illegible]

کو تبدیل کر کے درست حالت میں لاتی ہے۔

روزہ کا اثر جماعت پر

پیٹ بھرے سرمایہ دار، یا آسودہ حال برسرِ کار جو لیل و نہار تن پرستی میں گرفتار ہیں، مزدور، نقراء، غرباء، مفلس نادار کے حال سے خبردار نہیں۔ روزہ انہیں بتائے گا کہ بھوک میں کیا گزرتی ہے انہیں کچھ پتہ تو چلے گا کہ ہماری برادری کے دوسرے بھائی کس حال میں ہیں۔ شاید یہ احساس ہی ان کو بیدار کر دے اور وہ قوم وملت کی اقتصادی حالت کی درستی اور غرباء پروری کی جانب متوجہ ہوں، اور اہلِ ملک وبرادرانِ ملت کو جو حقیقتاً جسم واحد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بلیات وآفات سے بچائیں اور خود آدمی کہے جانے کے مستحق بن جائیں کہ ؎

تو کز محنتِ دیگراں بے غمی
نشاید کہ نامت نہند آدمی

اخلاقی روزہ

وجودِ انسانی میں ایک قوت ہے جسے امارہ کہتے ہیں۔ یہ ہر آن وہر لحظہ برائی ہی کی طرف دلالت کرتی ہے قرآنِ کریم میں بزبانِ حضرت یوسف علیہ السلام یوں فرمایا گیا کہ،

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ | یقیناً نفس تو برائی ہی کا حکم کرتا ہے

اس نفس امارہ کو قابو میں لانے کی ترکیب یہی بتائی گئی کہ اُسے بعض اوقات جائز وحلال خواہشوں سے بھی روکیں تاکہ ناجائز اور حرام کی طرف میلان کی جرات وہمت ہی نہ کر سکے۔ بلکہ نفسیاتی اصول پر اس تربیت سے عادی نہ بن جائے اور بری باتوں کا دھیان ہی نہ آنے پائے۔

پس جب اس تربیت کے لئے رمضان میں دن کے وقت کو حلال کھانے،

پینے اور جماع کرنے سے ہی روکا گیا تو وہ حرام جو ہر حال میں حرام، اس دوران میں اس کی طرف میلان کے کیا معنی ؟

ایک طرف دوا کی جائے، زہر کا اثر مٹانے کیلئے، دوسری جانب زہر کا استعمال جاری رہے، کیا ایسی حالت میں دوا کا اثر ہو سکتا ہے ؟ روزہ رکھا، حلال کھانے پینے اور جماع سے بچے، روزہ دار رہے مگر جن کاموں سے ہمیشہ ہر حال میں رکنا ہی چاہیے تھا۔ اُن میں پھنسے تو یہ روزہ کس کام کا ؟ یہ روزہ نہیں فاقہ ہے۔ روزہ صرف پیٹ کا روزہ نہیں بلکہ تمام بدن کا روزہ ہے۔ آنکھ کا روزہ، کان کا روزہ، زبان کا روزہ، ہاتھ کا روزہ، پیر کا روزہ بلکہ بال بال کا روزہ، رونگٹے رونگٹے کا روزہ اور ظاہری نہیں باطن کا روزہ، قلب و دماغ و روح کا روزہ

آنکھ کا روزہ یہ ہے کہ نظر کو ہر اس چیز کے دیکھنے سے بچائیں۔ جسے دیکھنے سے خدا نے منع کیا۔ مثلاً قرآن میں ارشاد ہے ؛

(یا رسول اللہ) مومنوں کو حکم دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنے شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۔ (القرآن)

نیز ارشاد فرمایا کہ

ایمان دار عورتوں سے فرمائیے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ۔

نظریں نیچی رکھنے کا ترجمہ اور تفسیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے فرمان سے واضح

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں۔ اتفاقاً حضرت ابن ام مکتوم (صحابی رسول جو نابینا تھے) تشریف لائے اور اندر داخل ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان دونوں خواتین سے) فرمایا ، تم دونوں ان سے پردہ کرو۔ میں بولی (ام سلمہ) ، یا رسول اللہ ! کیا وہ نابینا نہیں ہیں ؟ ہم کو نہ دیکھیں گے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو، انہیں نہیں دیکھتیں۔

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَيْمُوْنَةَ اِذْ

اَقْبَلَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَيْسَ هُوَ اَعْمٰى لَا يُبْصِرُنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَعَمْيَاوَانِ اَنْتُمَا ؟ اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ ؟

(الحدیث، ترمذی، ابوداؤد، احمد)

اس ارشاد میں نظریں نیچی رکھنے کا مطلب خود بخود واضح ہو گیا اور پردہ کے مسئلے میں جو شوخیاں دین کی قید سے آزاد افراد کی طرف سے ظہور پذیر ہو رہی ہیں اور جو غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی ہیں۔ ان کا پردہ چاک ہو گیا۔ مزید ارشاد کہ ؛

آنکھیں، ان کا زنا غیر محرم مرد کو دیکھنا ہے۔

اَلْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ ۔

زبان کا روزہ یہ ہے کہ زبان کو ہر اُس کلام سے روکیں جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا مثلاً جھوٹ، غیبت، گالی، چغلی، جھوٹ وہ زبردست اخلاقی مرض ہے۔ جسے الہامی زبان میں بے ایمانی کی علامت بتایا گیا اور جھوٹ بولنے والے کو لعنت کا مستحق ٹھہرایا گیا۔ قرآن کریم میں ارشاد ؛

یقیناً جھوٹ تو وہی بولتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے۔

اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ (القرآن)

حدیث میں آیا، کسی نے سوال کیا، حضور نے جواب دیا۔

کیا مومن جھوٹا بھی ہوسکتا ہے؟ (حضور نے فرمایا، نہیں)	اَیَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ کَذَّابًا قَالَ لَا۔

قرآن میں آیا

ہم جھوٹوں پر اللہ کی لعنت (پھٹکار) بھیجتے ہیں۔	فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ۔ (القرآن)

غیبت

اسی طرح غیبت جو آجکل (اِلّا ماشاء اللہ) ہر چھوٹے بڑے کی عادت ایسا گھناؤنا، ناپاک، اخلاقی مرض ہے۔ جس کو قرآن کریم میں ایسا مکروہ بتایا گیا جیسے مرے مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ ارشادِ قرآن ہے۔

خبردار! تم میں کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے یقیناً تم اُسے برا سمجھوگے۔	لَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ۔ (القرآن)

جسمانی روزہ، ذرا سی چیز حلق کے نیچے اترنے سے ٹوٹ جائے۔ تو (اخلاقی روزہ میں) غیبت سے، جو مردہ بھائی کے گوشت کھانے جیسی، کیوں نہ خلل آئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "دو آدمیوں نے جو روزہ دار تھے ظہر یا عصر کی نماز ادا کی۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے۔ حضور نے اُن دونوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

تم دونوں اپنے وضو اور نماز کو دہراؤ، روزہ کی حالت کو جاری رکھو، مگر اس روزہ کو کسی دوسرے دن قضا کرو (پھر سے رکھو)	اَعِیْدَا وُضُوْئَکُمَا وَصَلٰوتَکُمَا وَاَمْضِیَا فِیْ صَوْمِکُمَا وَاقْضِیَاہُ یَوْمًا اٰخَرَ۔

ان دونوں نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں؟ حضور نے فرمایا

تم نے فلاں آدمی کی غیبت کی	اِغْتَبْتُمْ فُلَانًا۔ (مشکوٰۃ)

غیبت کے متعلق ایک جگہ تو یہاں تک ارشاد ہوا کہ

غیبت تو زنا سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے۔	اَلْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا۔

مسلمان کی شان کہ اپنی زبان کا نگہبان رہے، کسی حالت میں کسی مسلمان کو اپنی زبان یا ہاتھ سے تکلیف نہ دے یہی ایک مسلمان کی پہچان ہے۔ حدیث میں آیا،

مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔	اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ (مشکوٰۃ)

اسی لئے مزید ارشاد ہوا کہ،

مسلمان کو گالی دینا گناہِ کبیرہ ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔	سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَّقِتَالُہٗ کُفْرٌ۔

چغل خوری

اسی طرح ارشاد ہوا کہ۔

چغل خور جنت میں نہ جائیگا	لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ الْقَتَّاتُ

نیز فرمایا کہ

زبان کا زنا یہ ہے کہ (غیر محرم سے) بُری نیت سے کلام کرے	اَللِّسَانُ زِنَاہُ الْکَلَامُ۔

پس زبان کا روزہ حقیقتاً یہ ہے کہ اسے ہر بُری بات سے بچائے بلکہ حدیث میں آیا

جب تم میں سے کسی کے روزہ کا دن ہو، لڑائی جھگڑے نہ کرے بلکہ اگر اُسے کوئی گالی دے یا مارا	اِذَا کَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِکُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّہٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَہٗ

ماری کرے تو یوں کہہ دے کہ میں روزہ دار آدمی ہوں۔	فَلْيَقُلْ اِنِّیْ امْرَءٌ صَائِمٌ (الحدیث بخاری)

کانوں کا روزہ یہ ہے کہ کانوں کو جھوٹ، غیبت، افسانہ، بیہودہ قصے کہانیاں سننے سے بچائے۔ مومنین کی پہچان کہ:

کامیاب ہونے والے مومنین وہ ہیں جو لغو باتوں سے بچتے ہیں۔	اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔

حدیث میں آیا:

کانوں کا زنا یہ ہے کہ بُری نیت کے ساتھ غیر محرم کی آواز سُنے۔	اَلْاُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ۔

ہاتھوں کا روزہ یہ ہے کہ ہاتھوں کو ہر بُری حرکت سے بچائے، کسی مسلمان کو اُن کے ذریعے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائے، نہ حرام مال، رشوت، سود وغیرہ پر قبضہ کرنے کے لئے ہاتھوں کو بڑھائے، نہ بھیک مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلائے، نہ کسی اجنبی عورت کی طرف بُری نیت سے ہاتھ بڑھائے کہ

ہاتھ کا زنا یہ ہے کہ کسی غیر محرم کو بُری نیت سے پکڑے۔	اَلْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ (الحدیث)

پیروں کا روزہ یہ ہے کہ انہیں کسی ایسی راہ کی طرف نہ اٹھائے جس پر چلنے سے اللہ نے منع کیا ہو۔

پیروں کا زنا یہ ہے کہ کسی غیر محرم کی طرف بُری نیت سے قدم اٹھائے	اَلرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطٰی

معدہ کا روزہ حقیقتہً یہ ہے کہ روزہ کی حالت میں جب حلال کھانے سے بھی روکا گیا تو روزہ کھولنے کے وقت حرام کھانے، مثلاً

رشوت، سود بیاج، مکاری و ظلم سے حاصل کئے ہوئے مال سے کامل احتراز کرے۔ تنقیح لئے، مسہل لیئے، مادہ فاسدہ کو دور کیا۔ مگر جونہی تنقیہ سے فارغ ہوئے انتہائی ثقیل، فاسد مادہ پیدا کرنے والی غذا، سڑا بُسا کھانا کھایا، نتیجہ کیا ہوگا، ایسے تنقیح و مسہل سے کیا فائدہ، اس کا انجام نہایت خطرناک، یہی صورت افطار و سحور اور رمضان کے بعد بھی حرام کھانے کی ہے، اس کی خباثت اور زہر ظاہری آنکھوں کو نظر نہ آئے، مگر حقیقی آنکھیں رکھنے والے دیکھتے ہیں اور روحانی علم رکھنے والے جانتے ہیں۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ

قلبی یا روحانی روزہ

روزہ کی پہلی صورت مسائل فقہیہ میں دیکھی گئی نفس کو کھانے، پینے اور جماع سے روکا جائے۔

دوسری صورت مسائل اخلاق میں ملاحظہ کی کہ نفس کو تمام شرارتوں، اور بُری عادتوں سے روکا جائے۔

قلبی روزہ یا روحانی روزہ یا حقیقی روزہ یہ ہے کہ دل، وہ گوشت کا ٹکڑا دل نہیں اس کی حقیقت، وہ دل جس کے لئے کہا جاتا ہے کہ

مومن کا دل اللہ کا عرش ہے	قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰهِ

وہ دل جس کے متعلق بقول حضرت معنوی فرمان باری کہ:

من نگنجم در زمین و آسمان
در دلِ مومن نگنجم بے گمان

(ترجمہ شعر) میں (اللہ) نہ زمین میں سما سکتا ہوں، نہ آسمان میں، ہاں میں مومن کے قلب میں جلوہ دکھاتا ہوں۔

اس دل کو بدگمانیوں سے بچائے کہ
بعض گمان بھی گناہ ہوتے ہیں۔ | إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ
یہی نہیں بلکہ تمام لغو خیالات بھی دور رکھے، مانا کہ نامۂ اعمال میں گناہ عمل میں آنے کے بعد ہی درج کیا جائے مگر بے ہودہ و لایعنی خیالات میں مبتلا رہنا دل و دماغ کو ان کی گندگی سے آلودہ کرتا ہے۔

دل اللہ کے انوار و تجلیات کے طلوع ہونے کا مقام ہے۔
دل اللہ کے بھیدوں کا خزانہ ہے۔
دل اللہ کے جمال دیکھنے کا آئینہ ہے۔ صاف دل ہی میں تو اللہ تعالیٰ کا جلوہ دکھائی دیتا ہے ؎

دل چہ باشد مطلعِ انوارِ حق ✤ دل چہ باشد منبعِ اسرارِ حق
دل بود مرآۃِ وجہِ ذوالجلال ✤ در دلِ صافی نماید حق تعال

خاصانِ خاص کا قلبی و روحانی روزہ جو حقیقتہً ہمیشہ جاری رہتا ہے، کبھی افطار ہی نہیں ہوتا، یہ ہے کہ دل میں خطرہ ہی نہ آنے پائے۔

کجا غیر و غیر و نقشِ غیر
سوئے اللہ واللہ مافی الوجود

دریائے توحید میں اس طرح غوطہ لگائے اور گم ہو جائے کہ خود اپنے وجود اور اپنی ہستی کا شعور بھی مٹ جائے۔

جسمانی روزہ، اخلاقی روزہ، حقیقتہً اس روزہ کی تیاری کے لئے کہا جاتا ہے کہ تم اللہ کی سی عادتیں اختیار کرو۔ | تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ
تم ہمیشہ کھاتے پیتے جماع کرتے ہو، وہ مولیٰ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک، جسمانی روزہ یہ ہے کہ ایک محدود وقت میں اس صورت کو اختیار کر لیا جائے وہ اقرب بات

(مکروہ) سے منزہ، تقدیس ہے، ظالم نہیں، عادل ہے، اس کا ہر کام صحیح مقام پر کرنا عدل کے معنی ہی ہیں۔ وَضْعُ الشَّیْئِ فِیْ مَحَلِّہٖ چیز کا اس کے موزوں مقام پر رکھنا۔

وہ اللہ عادل ہے، عدل کی کیفیت اپنے وجود میں پیدا کی جائے۔ ظاہر و باطن ہر قول فعل حرکت اور سکون کو اس اللہ کی مرضی کے سانچے ڈھالا جائے۔ اس کے بعد غور کیجیے کہ ہم برف کی ٹھنڈک کی حقیقت کا ادراک ڈھالا چاہتے ہیں۔ ہمیں منترہ اور میتبی کے اصل مزہ کی حقیقت سے آشنا ہونا ہے، برف ہاتھ میں لیں جب ہمارے ہاتھ پر ٹھنڈا ہوتے ہوتے برف کی سی کیفیت طاری ہو جائے گی، ٹھنڈک کی حقیقت واضح ہو گی زبان جب میوہ کے ذائقہ کی کیفیت اپنے اندر پیدا کرے گی، میوہ کے مزے کی حقیقت کا ادراک ہو جائے گا۔

صفات باری تعالیٰ کا ظہور یوں تو حقیقتہً کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں موجود انسان اس ظہور کا نقطۂ خاص، اس کی صفات کا مظہر۔

اس کا لقب ہی ہے خلیفۃ اللہ صرف ادراک ظہور اور اس امر کا شعور درکار۔ بہ حیثیت مظہر صفات، صفت اختیار باری بھی اُسے حاصل۔ اسے کام میں لائے۔ توجہ الی اللہ ہو اور پردہ نسیاں میں مستور صفات کا ذکر الٰہی، یا یادِ خداوندی کے ذریعہ اپنے وجود میں نمایاں کیا جائے۔

یہ یاد ایسی یاد ہو کہ صرف زبان نہیں، رونگٹا رونگٹا، نہیں نہیں بلکہ ظاہر و باطن اس طرح اس یاد میں مستغرق ہو کہ غیر کا تصور بلکہ غیر کا وہم بھی نہ آنے پائے۔ یوں سمجھیے کہ ہم اس محبوب مطلق، وجود موجود حقیقی کی یاد کرنا چاہتے ہیں۔ خیالات ان دآن آتے اور یاد کو بھلاتے ہیں۔ یہ پہلا درجہ ہے کہ یاد کرنے والا، یاد پر غالب آنا چاہتا ہے۔ رفتہ رفتہ یاد کرتے کرتے تصور جماتے جماتے محبوب کی صورت (آئینہ خیال میں) سامنے آجاتی ہے، یہاں وہ ایسی غالب ہو جاتی ہے کہ یاد کرنے والا، مغلوب بلکہ غائب۔

جب یاد (ذکر) اس درجہ پر پہنچی، خود بھی غائب ہوئی اور مذکور ہی مذکور۔ (جس کی یاد کی گئی) باقی رہا۔ یہ ہے مقام فنا۔ جس کے بعد ہے درجہ بقا اور روزہ اس کے لئے ایک ذریعہ اور وسیلہ۔ لفظوں میں اس سے زائد کیا کہا جائے۔ کم از کم روزہ کے دن عصر و مغرب کے درمیان، جب نفس امارہ کی ہمت ٹوٹ چکی ہو، وہ عاجز ہو کر دب چکا ہو بلکہ مایوس ہو کر تقریباً مٹ چکا ہو کہ یہ میری من مانگی چیزیں دے گا ہی نہیں جب تک کہ خدا کا حکم نہ ہو جائے، افطار کا وقت نہ آئے۔

جب مادی قوتیں مضمحل ہو چکی ہوں اور مادیت کی طرف توجہ سے قاصر اس وقت ذرا ظاہری آنکھیں بالکل بند کر لیجئے۔ کانوں کو جائز باتوں کے سننے سے بھی ذرا روکیئے، قلب و دماغ کو چند منٹ ہی کیلئے سہی، خیالات این و آں سے قطعاً پاک کیجئے۔ کسی کی یاد میں ڈوبیئے اور ایسے ڈوبیئے کہ دوسری کوئی چیز یاد ہی نہ رہے۔ یہاں تک کہ "یاد" کی یاد بھی نہ رہے۔ اس وقت جو کیفیت وارد ہوگی، اُسے وہی جانے جس پر وارد ہوئے

چشم بند و لب بہ بند و گوش بند
گر نہ بینی سر حق بر ما بخند

ترجمہ: آنکھیں بند ہوں، زبان بند ہو، کان بند ہوں، پھر بھی خدا کا بھید حقیقت کا راز منکشف نہ ہو ہم پر ہنسنا۔"

اس مشق سے ایک ایسی کیفیت وارد ہوگی کہ پھر آنکھیں کھلی ہوں، کان کھلے ہوں ہاتھ پیر بلکہ تمام اعضاء و جوارح اپنے اپنے صحیح کاموں میں مشغول رہیں، یہ کیفیت دل بایار، دو بدوست بکار اور خلوت در انجمن کا لطف پیدا کر دے گی۔

وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْز

یہ ہے حقیقی روزہ، اصلی روزہ یہ ہے درمیانی راہ جو اس مظہر کامل صفات و

ذات سید موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھائی، جن کی شان ہے

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

وہ اسی لیے پیدا کئے گئے، اسی لئے مبعوث ہوئے وہی حقیقۃً

سر حقیقت وجود کنہ معانی شہود
نقطۂ اتصال ہیں واجب و ممکنات میں

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ اَجْمَعِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سنتِ تراویح

رمضان کے دن روزے کے لئے ہیں اور راتیں نماز کے لئے۔ حدیث میں آیا۔

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (الحدیث)

جس نے رمضان کی راتوں میں ایمان کے ساتھ نیکی حاصل کرنے کے لئے قیام کیا (یعنی نفلیں پڑھیں) اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

اسی لئے رمضان المبارک میں تراویح ہر مرد عورت سب کے لئے سنت مؤکدہ اس کا چھوڑنا جائز نہیں، اگر بلا عذر شرعی چھوڑے گا، بازپرس ہوگی۔

خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہمیشہ ادا کی۔ حضور اکرم نے بھی

پڑھی اور اسے بہت پسند فرمایا بلکہ اس انداز پر ترغیب دلائی کہ جو رمضان میں ایمان کے ساتھ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے قیام کرے نفل نمازیں پڑھیں، اس کے سب اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (رواہ مسلم عن ابی ہریرہ)

جمہور کا مذہب ہے کہ تراویح کی بیس رکعتیں اور یہی احادیث سے ثابت ہیں۔ بیہقی نے بسند صحیح سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ لوگ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی یونہی تھا۔ موطا میں یزید ابن رومان سے روایت ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان میں تیئس رکعتیں پڑھتے تھے۔ علامہ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ تین وتر تھے۔

تراویح کا وقت

عشاء کے فرض ادا کرنے کے بعد سے صبح صادق کے طلوع تک وتر سے پہلے بھی ہو سکتی ہے اور بعد میں بھی، پس اگر کچھ رکعتیں رہ گئی ہوں اور امام وتر کیلئے کھڑا ہو گیا ہو تو بعد میں بھی ادا کر سکتا ہے، اس وقت چاہے تو امام کے ساتھ وتر پڑھے کہ یہی افضل ہے۔ مستحب یہ ہے کہ تہائی رات گزر جانے کے بعد پڑھیں۔ آدھی رات کے بعد بھی تو کوئی کراہت نہیں۔ اگر کسی شب کی تراویح فوت ہو جائے تو اس کی قضا نہیں۔

تراویح کی رکعتیں

تراویح کی بیس رکعتیں، دس سلام سے پڑھے اور اگر کسی نے بیسوں پڑھ کر فقط آخر میں سلام پھیرا تو اگر ہر دو رکعت کے بعد قعدہ کرتا رہا، ادا ہو جائے گی مگر کراہت کے ساتھ اور اگر قعدہ نہ کیا تو کل دو رکعت کی قائم مقام ہوں گی احتیاط یہ ہے کہ ہر دو رکعت کی نیت بھی علیحدہ علیحدہ کرے ہر چار رکعت کے بعد اتنی دیر تک بیٹھ کر تسبیح وتہلیل پڑھنا مستحب ہے۔ جتنی دیر میں چار رکعتیں پڑھیں اس تسبیح کا پڑھنا بہت ہی اچھا ہے۔

سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظَمَةِ وَالْکِبْرِیَاءِ

وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحٰنَ الْمَلِکِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَنَامُ وَلَا یَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِکَةِ وَالرُّوْحِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ نَسْأَلُکَ الْجَنَّةَ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنَ النَّارِ ۔

دو رکعت پر بیٹھنا بھول کر کھڑا ہو گیا تو جب تک تیسری کا سجدہ نہ کیا ہو، بیٹھ جائے ورنہ چار پوری کرکے سلام پھیرے، مگر یہ دو شمار کی جائیں گی اور اگر دو پر بیٹھا مگر بغیر سلام پھیرے کھڑا ہو گیا اور دو رکعت اور پڑھ لیں تو یہ چار شمار کی جائیں گی، تین رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا، اگر دوسری پر بیٹھا نہ تھا تو یہ نہ ہوئیں، ان کے بدلے دو رکعت پھر پڑھے وتر پڑھنے کے بعد لوگوں کو یاد آیا کہ دو رکعت رہ گئیں تو جماعت سے ادا کر لیں اور اگر اگلے دن یاد آیا کہ کل رہ گئیں تھیں تو جماعت سے پڑھنا مکروہ۔ سلام پھیرنے کے بعد کوئی کہتا ہے۔ دو ہوئیں، کوئی کہتا ہے تین، تو امام کا قول معتبر اور اگر امام کو بھی شبہ ہو تو جس کو امام معتبر سمجھے اس کی بات مانے۔

ختم قرآن عظیم

تراویح میں ایک مرتبہ قرآن مجید ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ دو مرتبہ ختم کرے تو اچھا اور تین مرتبہ ختم کرے تو بہت ہی اچھا۔ اگر ایک ختم کرنا ہو تو بہتر یہ ہے کہ ۲۷ویں کو ختم کرے اور اس رات میں یا اس سے پہلے اگر ختم ہو جائے تو تراویح نہ چھوڑ دیں۔ آخر رمضان تک جاری رکھیں۔

افضل یہ ہے کہ تمام رکعتوں میں قرأت برابر ہو، ورنہ دوسری کی قرأت پہلی سے زیادہ نہ ہو، قرأت اور ارکان کی ادا میں جلدی کرنا مکروہ ہے۔ جتنی ترتیل ہو اتنا ہی اچھا جس قدر اطمینان سے پڑھی جائیں، اسی قدر بہتر، جلدی کی وجہ سے تعوذ وتسمیہ وتسبیح کا چھوڑ دینا مکروہ ہے۔ ایک بار بسم اللہ شریف جہر سے پڑھنا سنت ہے اور ہر سورت کی ابتداء میں آہستہ پڑھنا مستحب۔ اگر کسی وجہ سے نماز تراویح فاسد ہو گئی تو جس قدر قرآن عظیم اس میں پڑھا گیا، وہ بھی پھر پڑھے۔ اگر امام سے غلطی ہے، کوئی سورت یا

آیت چھوٹ جائے تو پہلے اُسے پڑھے پھر آگے پڑھے۔

شبینہ یعنی ایک رات میں پورا قرآن عظیم تراویح کے اندر ختم کرنے میں کوئی حرج تو نہیں، مگر اس قسم کا شبینہ جیسا کہ آجکل بالعموم ہوتا ہے کہ کوئی بیٹھا باتیں کر رہا ہے، کچھ لوگ بیٹھے ہیں، کچھ لوگ چائے میں مصروف ہیں، کچھ لوگ مسجد کے باہر حقہ نوشی میں، اور جب جی میں آیا، ایک آدھ رکعت میں رواروی کو شریک ہوگئے۔ یقیناً نامناسب کہ اس میں اس مبارک عمل کی بھی اہانت ہے اور قرآن پاک کی بھی بے حرمتی۔

امام تراویح اگر عالم حافظ ہے تو امامت کے لئے افضل، ورنہ ایسا حافظ جو مخارج اور ترتیل کے اعتبار سے قرآن صحیح پڑھتا ہو۔ اچھی آواز والے کو امام بنانے کے بجائے صحیح و درست پڑھنے والے کو امام بنائیے کہ اگر ء۔ ا۔ ع یا ذ۔ ز۔ ظ یا ث۔ س۔ ص اور ت۔ ط وغیرہ حروف میں تمیز نہ کرے گا تو بعض صورتوں میں نماز ہی نہ ہوگی۔ مد کی جگہ قصر اور قصر کی جگہ مد کرے گا یا اتنی جلدی پڑھے گا کہ یعلمون تعلمون کے سوا کچھ سمجھ ہی میں نہ آئے تو ایسے پڑھنے سے نہ پڑھنا بہتر۔

اگر مسجد محلہ میں امام غلط پڑھتا رہتا ہے تو دوسری ایسی مسجد میں جا پڑھنا چاہیے جہاں صحیح پڑھنے والا امام ہو۔ اسی طرح محلہ کی مسجد میں ختم قرآن نہ ہو تو دوسری میں جانا جائز۔ جہاں پورا قرآن پڑھا جائے۔

اجرت معین کرکے قرآن پاک سنانا جائز نہیں، اسی طرح اجرت دینے والا اور لینے والا دونوں گنہگار۔ اجرت ٹھہرانے سے یہی مراد نہیں کہ پہلے بات کر لی گئی ہو بلکہ اگر معلوم ہے کہ اس جگہ سے کچھ ملا کرتا ہے اور اسی یقین پہ پڑھنے کے لئے رضامند ہو تو یہ بھی ناجائز کہ المعروف کالمشروط کا کلیہ ظاہر۔ ہاں اگر یہ کہہ دے کہ میں کچھ لینے کی توقع پر نہیں پڑھتا یا مسجد والے کہہ دیں کہ یہاں سے کچھ ملنے کی توقع نہ کیجئے اور پھر حافظ کی خدمت کر دیں تو اس میں حرج نہیں۔

افضل یہ ہے کہ ایک امام کے پیچھے پوری تراویح پڑھیں اور اگر دو کے پیچھے پڑھنا چاہیں تو بہتر یہ ہے کہ پورے ترویحہ پر امام کو بدلیں۔

نابالغ امام کے پیچھے بالغ مرد و عورت کی تراویح نہ ہوگی، یہی صحیح ہے۔ یہ جائز ہے کہ ایک شخص عشاء کے فرض و وتر پڑھائے اور دوسرا تراویح۔

حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرض و وتر کی امامت فرماتے اور ابی بن کعب تراویح پڑھاتے۔

رمضان المبارک میں وتر جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے۔ اگر عشاء جماعت سے پڑھی اور تراویح نہیں پڑھی تب بھی وتر کی جماعت میں شریک ہو سکتا ہے۔

تراویح بیٹھ کر پڑھنا بلا عذر شرعی مکروہ ہے، بلکہ بعض کے نزدیک ہوگی ہی نہیں یہ حرکت سخت نامعقول ہے کہ امام تو کھڑا ہو کر پڑھ رہا ہے اور مقتدی بیٹھا رہے جب امام رکوع کرنے کو ہو تو شریک جماعت ہو جائے بلکہ ایک اعتبار سے تو یہ منافقین کی علامت ہے۔

اعتکاف

اعتکاف کے معنی ہیں عزلت گزینی، اس کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ اعتکاف واجب: یعنی ایسا اعتکاف جس کی منت کرے اس کا ادا کرنا واجب ہوگا۔ اس کے لئے روزہ شرط ہے

۲۔ اعتکاف مسنون: یعنی رمضان کے آخر عشرہ میں روزہ کے ساتھ مسجد میں عزلت گزینی۔

۳۔ اعتکاف مستحب: یعنی جا ہے ذرا ہی سی دیر کے لئے ہو، مسجد میں رہنے کی

نیت کرلینا۔ اس میں نہ روزہ شرط نہ تعین وقت ضروری۔ فقط نیت کر لینے سے ثواب ملتا ہے، یونہی اگر مسجد میں جا رہے ہو، دروازہ مسجد پر پہنچتے ہی نیت کر لو جب تک اس مسجد میں رہوں اعتکاف کا ارادہ کرتا ہوں۔ یقیناً ثواب اعتکاف ملے گا

اعتکاف مسنون جو سنت مؤکدہ کفایہ کا حکم رکھتا ہے کہ اگر بستی میں ایک نے بھی ادا کیا، سب کی طرف سے ادا ہوا۔ اگر ایک نے بھی ادا نہ کیا، سب کے ذمہ بار رہا۔ اس کی صورت یہ کہ ۲۰ رمضان المبارک کو سورج ڈوبنے کے وقت سے رمضان کے پورے دن ختم کر کے شوال کا چاند دکھائی دینے تک مسجد ہی میں رہے، اس کے لئے روزہ شرط، مثلاً مریض یا مسافر نے اعتکاف کیا مگر روزہ نہ رکھا تو اعتکاف مسنون نہ ہوا نفل ہوا۔

اعتکاف واجب و سنت میں بغیر عذر مسجد سے نکلنا حرام ہے۔ اگر نکلا تو اعتکاف جاتا رہا۔ اگرچہ بھول کر ہی نکلا ہو۔

معتکف کو مسجد سے نکلنے کے لئے دو عذر ہیں۔

۱۔ حاجت طبعی ، جیسے پاخانہ، پیشاب، وضو، استنجا اور غسل کی حاجت ہو تو غسل اور وضو۔ اگر مسجد میں وضو و غسل کیلئے جگہ بنی ہو تو باہر جانے کی اب اجازت نہیں۔

۲۔ حاجت شرعی ، یعنی جمعہ یا اذان کے لئے باہر جانا۔ قضائے حاجت کے لئے مسجد سے اپنے گھر یا کہیں اور باہر گیا تو طہارت کے بعد فوراً چلا جائے ٹھہرنے کی اجازت نہیں۔ اگر اپنے کسی مکان میں جائے، جو مسجد سے زیادہ قریب ہو تو اس میں جائے۔ اگر جس مسجد میں اعتکاف کیا ہے۔ اس میں جمعہ نہیں ہوتا جمعہ ادا کرنے کے لئے جامع مسجد میں اذان ثانی سے اتنے پہلے جائے، سنتیں پڑھ سکے، بہت پہلے سے نہ جا بیٹھے۔ فرض جمعہ ادا کرنے کے بعد چار یا چھ سنتیں پڑھ کر فوراً واپس ہو جائے۔ اگر نماز جمعہ کے بعد دیر تک نہ آئے یا بقیہ اعتکاف وہیں پورا کرے تو بھی

اعتکاف فاسد نہ ہوا۔ لیکن ایسا مکروہ ہے۔

اگر ایسی مسجد میں اعتکاف کیا جہیں جماعت نہیں ہوتی تو صرف جماعت کے لئے دوسری مسجد میں جانے کی اجازت ہے۔

اگر مسجد اعتکاف گر گئی یا کسی نے زبردستی اس مسجد سے نکال دیا تو فوراً دوسری مسجد میں چلا جائے اور اعتکاف پورا کرے۔

اگر ڈوبتے یا جلتے کو بچانے یا گواہی دینے یا جہاد یا جنازہ کی نماز میں شرکت یا مریض کی عیادت وغیرہ کسی کام کیلئے مسجد سے باہر نکلا تو پھر بھی اعتکاف فاسد ہو گیا۔

پاخانہ پیشاب کے لئے مسجد سے باہر گیا تھا۔ راہ میں کسی قرض خواہ نے روک لیا اعتکاف فاسد ہو گیا۔ معتکف کو عورت کا بوسہ لینا، چھونا یا گلے لگانا حرام ہے۔ اگر ایسی صورتوں سے انزال ہوا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ قصداً ہو یا سہواً، انزال ہو یا نہ ہو حالت اعتکاف میں نکاح کر سکتا ہے اور عورت کو رجعی طلاق دی تھی تو زبانی رجعت بھی کر سکتا ہے۔ گالی گلوچ بکنے اور جھگڑا کرنے سے اعتکاف فاسد تو نہیں ہوتا۔ مگر بے نور و بے برکت ہو جاتا ہے، کھانے پینے سونے کے لئے مسجد سے باہر نہ جائے۔ معتکف کے لئے یہ سب کام مسجد ہی میں جائز، مگر اس کی احتیاط رکھے کہ مسجد آلودہ نہ ہو۔

معتکف کو اپنے یا اپنے بال بچوں کی ضرورت کے لئے ایسی حالت میں کہ کوئی اور معتبر لانے والا نہ ہو، مسجد میں خریدنا یا بیچنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ چیز مسجد میں موجود نہ ہو یا ہو تو زیادہ جگہ نہ گھیرے اور اگر خرید و فروخت تجارت کے لئے ہو تو ناجائز۔

جن باتوں میں نہ ثواب ہو نہ گناہ، وہ بھی بے ضرورت معتکف کو نہ کرنی چاہئیں اکثر اوقات تلاوت قرآن مجید، ذکر الٰہی، درود شریف و مطالعہ کتب دین و درس

و تدریس و کتابت علم دین میں مصروف رہے صرف چپکا بیٹھنا کوئی عبادت نہیں، ہاں مراقبہ دوسری چیز ہے۔ اعتکاف نفل اگر کسی وجہ سے بیچ میں چھوڑ دے تو اس کی قضا نہیں اور اعتکاف مسنون کو توڑا تو جس دن توڑا فقط اس ایک دن کی قضا کرے پورے دس دن کی قضا واجب نہیں۔

صورت اعتکاف مسنون

عمدہ صورت یہ ہے کہ ۲۰ رمضان کی عصر و مغرب کے درمیان باوضو مسجد کو جائے۔ پہلے دایاں قدم مسجد میں بہ نیت اعتکاف یہ کہتے ہوئے داخل کرے کہ بسم اللہ، اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ (یہ دعا ہمیشہ مسجد میں داخل ہوتے وقت پڑھنی سنت ہے۔) اگر قبل عصر داخل ہو جائے تو دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرے ورنہ نہیں۔ مسجد کے کسی ایک گوشہ میں اس طرح علیحدہ بیٹھ رہے کہ اور نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔ اگر علیحدگی کے لئے کوئی پردہ وغیرہ ڈالے تو وہ ایسے انداز پر نہ ہو کہ اس کی وجہ سے جماعت کی صف منقطع ہو جائے یا دونوں طرف برابر نہ رہے۔ اس علیحدگی سے مقصد محض یکسوئی کا حاصل کرنا اور گیان دھیان میں مشغول ہونا ہے۔ کہا گیا ہے۔

معتکف خانۂ خدا میں بنو ٭ کچھ تو سیکھو طریقۂ تجرید

لیلۃ القدر

یہ دس دن اور راتیں بالکل یاد خدا میں گزریں، لَیْلَۃُ الْقَدْرِ بھی ان ہی دس راتوں میں سے کسی ایک میں ہوگی، زیادہ غالب یہ ہے کہ ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ یا ۲۹ ویں راتوں میں سے کسی ایک میں ہو، اس بڑی عزت والی رات کے برکات سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے ہر وقت انتظار انوار و تجلیات الٰہیہ میں قلبی آنکھوں کو مشتاق دیدار بنائے، سراپا شوق بنا رہے۔

روزہ میں نفسانی مجاہدہ، ماسوا اللہ سے انقطاع کا مقدمہ تھا، اس عزلت گزینی میں نفس کشی کی پوری صورت اب رمضان رخصت ہوتا ہے۔ امید وار بندہ دامن امید پھیلائے دربار خداوندی میں حاضر اور بکمال عجز عرض پرداز ہے

بکر خدایا نہ ہو سکی طاعت ٭ نہ ہوا ہم سے کوئی کار سعید

نہ ہوئی تیرے حکم کی تعمیل ! ٭ نہ ہوئی اہل رشد کی تقلید
کوئی خدمت بجا نہ لائے ہم ٭ جنس عقبیٰ کی کر نہ سکے خرید
جو ہوا تیری مہربانی سے ٭ ناتوانوں کی تو نے کی تائید
شکر کی تو نے ہم کو دی توفیق ٭ شکر سے تیری نعمتیں ہیں مزید
شکر نعمت بھی تو نے سکھلایا ٭ ورنہ تھا ہم سے تو بہت بعید

رمضان کا مہینہ یوں گزرا
ختم روزہ ہوئے تو آئی عید
اس کی عطا اور اس کا کرم ایسا کہ عید الفطر کی۔

لیلۃ العید

تمام شب ملائکہ خوشیاں منانے میں مصروف، انوار و تجلیات الٰہیہ عالم کی طرف متوجہ اور پھر رب العزت اپنے فرشتوں سے اس طرح مخاطب کہ "اے گروہ ملائکہ اس مزدور کا کیا بدلہ ہے جس نے اپنا کام پورا کیا" فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اس کو پورا اجر دیا جائے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے "میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے سب کو بخش دیا"

وہ رب کریم فرماتا ہے کہ "روزہ میرے لئے ہے اور اس کا بدلہ میں ہی دوں گا۔ یا اس کا بدلہ میں ہی ہوں۔ کیوں کہ بندہ اپنی خواہش اور کھانے کو میری وجہ سے ترک کرتا ہے"

اس لئے اس رات کو بھی بہتر تو یہ ہے کہ یاد الٰہی میں گزاریں۔ ورنہ عشاء کی نماز باجماعت تکبیر اولیٰ میں شریک ہو کر پڑھے پھر سو جائے۔ فجر کی نماز کی تکبیر اولیٰ میں شریک ہو جائے تو شب بیداری کے ساتھ عبادت میں مصروف رہنے کا ثواب۔ درحقیقت ہر رات کو ایسا ہی کرو تو کیا اچھا! امید فضل ہے کہ قائم اللیل ہونے کا ثواب ملے۔) حدیث میں آیا جو عیدین کی راتوں میں قیام کرے۔ اس کا دل اس دن نہ مرے گا، جس دن لوگوں کے دل مر جائیں گے (یعنی قیامت کے دن) نیز فرمایا کہ جو پانچ راتوں میں بیداری کرے اس کیلئے جنت واجب، ذی الحجہ کی آٹھویں، نویں، دسویں کی راتیں، عید الفطر کی رات اور پندرھویں شعبان کی رات۔

عیدالفطر

جب سرکارِ عالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ اہلِ مدینہ کو دیکھا کہ سال میں دو دن خوشی کرتے تھے۔ (مہرگان نیروز) فرمایا "یہ کیا دن ہیں؟" لوگوں نے عرض کیا "جاہلیت میں ہم ان دنوں میں خوشی کرتے تھے" فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ نے اُن کے بدلے میں ان سے بہتر دو دن تمہیں دیئے۔ عیدالضحیٰ و عیدالفطر۔"

اس لئے عیدالفطر کے مبارک دن صبح سویرے اٹھیے۔ نماز فجر سے فارغ ہو کر خط بنوایئے۔ ناخن ترشوایئے، مسواک کیجئے، غسل فرمایئے۔ حسب استطاعت شروع جائز اچھے کپڑے پہنئے۔ نئے ہوں تو قیمتی، ورنہ دُھلے ہوئے سہی، خوشبو لگایئے، جانے سے پہلے چند کھجوریں، چھوارے یا کوئی میٹھی چیز کھایئے۔ بہتر یہ ہے کہ تین کھجوریں یا چھوارے کھایئے کہ سنت یہی ہے۔

خود تو کھاتے پیتے، خوشیاں مناتے ہو، اپنے غریب بھائی، بہنوں، مسلمان یتیم ولا وارث بچوں کا خیال کیجئے اور صدقۂ فطر دیجئے۔

صدقۂ فطر روزے معلق رہیں گے، جب تک صدقۂ فطر نہ دوگے، جو کچھ لغو اور بیہودہ باتیں روزہ میں ہو گئیں۔ صدقۂ فطر روزوں کو اُن سے پاک کر دے گا۔

صدقۂ فطر عید کے دن صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی واجب ہوتا ہے، ہر مسلمان آزاد جو کہ ملک میں اس وقت حاجت اصلی[1] سے فاضل نصاب[2] کے قابل مال ہو (زکوٰۃ کے لئے تو ہر سال گزرنا لازم مگر صدقۂ فطر کے لئے نہیں)، مرد پر یہ بھی واجب ہے کہ اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی دے۔ اور بالغ اولاد کو دینے کی ہدایت کرے) اگر باپ نہ ہو تو دادا باپ کی جگہ ہے، اپنے یتیم پوتا پوتی کی طرف سے وہ صدقۂ فطر دے۔

ایک صدقۂ فطر کی مقدار گیہوں یا اس کا آٹا یا آدھا صاع، کھجور، منقیٰ، یا جو، یا اس کا آٹا یا ستو ایک صاع بالکل صحیح تحقیق سے یہ ثابت کہ ایک صاع ۔ آجکل کے سکہ کے تین سو اکاون روپیہ (جب کہ ہر روپیہ کا وزن ایک تولہ ہو) کے وزن کے برابر ہوتا ہے اور آدھا صاع ایک سو پچھتر روپے اور اٹھنی بھر وزن کی برابر، گیہوں اور جو دینے سے ان کا آٹا دینا افضل اور پھر آٹے سے بھی بہتر اس کی قیمت کا دینا۔ صدقۂ فطر ہمیشہ اچھی عمدہ قسم کا ہو۔ اس لئے قیمت دے تو بھی عمدہ قسم کے گیہوں یا جو۔ اگر خراب قسم کا غلہ دیا یا معمولی درجہ کے اناج کی قیمت لگائی تو اسی قدر صدقۂ فطر میں کمی رہے گی۔ جس کا پورا کرنا واجب، اگر چاول، جوار، باجرہ یا کنی اور ایسے ہی غلہ کی قسم کا لحاظ کر کے دے یعنی نصف صاع، گیہوں یا ایک صاع جو کی قیمت میں جتنا غلہ آئے اسی قدر، یہاں تک کہ گیہوں یا جو کی پکی پکائی روٹی دے تو بھی گیہوں یا جو کی قیمت کے لحاظ سے۔

وقت مسنون و بہتر یہ ہے کہ عیدگاہ جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دے اور اگر نہ دیا تو واجب سر پر رہے گا۔ عمر بھر میں جب دینا چاہے ادا ہو جائیگا۔

عید کے دن صبح صادق طلوع ہوتے ہی واجب ہوتا ہے، پس جو شخص صبح ہونے سے پہلے مرگیا یا مالدار تھا فقیر ہو گیا یا کافر صبح ہونے کے مسلمان ہوا یا بچہ پیدا ہوا تو واجب نہ ہوا۔

---

[1] حاجت اصلی سے مراد وہ ضروریاتِ زندگی، جن کا انسان اپنی حیثیت کے مطابق زندہ رہنے کیلئے محتاج ہے مثلاً رہنے کا مکان، جاڑے گرمی کے کپڑے، خانہ داری کا سامان، سواری کا جانور، مجاہد کیلئے ضروری ہتھیار، پیشہ ور کے لئے اوزار علماء کیلئے ضرورت کی کتابیں۔ منہ۔ [2] نصاب ہر مال کا جداگانہ ہے، سونا ساڑھے ۷ تولہ چاندی ۵۲½ تولہ، اونٹ ۵، گائیں ۳۰، بکریاں یا بھیڑیں ۴۰، تجارت کی چیزیں سونے یا چاندی کے نصاب کی قیمت ہوں۔ منہ غفرہٗ

صدقہ فطر کس کو دیا جائے؟

صدقۂ فطر کے مستحق وہی ہیں جو زکوٰۃ کے حق دار ہوں۔ مگر عاملوں[1] کا اس میں حق نہیں۔ مسلمان فقیر یعنی ایسا ضرورت مند جس کے پاس نصاب کے قابل مال نہیں۔ یا اگر ہے تو قرض وغیرہ میں ڈوبا ہوا۔

مسلمان مسکین یعنی ایسا ضرورت مند جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، نہ ستر ڈھکنے کو کپڑا، نہ پیٹ بھرنے کو کھانا، جہاد یا حج کو جانے والا مفلس، علم دین پڑھنے پڑھانے والا متعلم یا معلم۔ ایسا ضرورت مند مسلمان مسافر جس کے پاس اس وقت سفر میں نصاب کے قابل مال نہ ہو (اگرچہ گھر پر سب کچھ ہو) اس وقت سفر میں نصاب کے قابل مال نہ ہو (اگرچہ گھر پر سب کچھ ہو۔

بے یار و مددگار یتامیٰ ہوں۔ یا متعلم و معلم یا فقیر و مسکین عالم جو زیادہ ضرورتمند وہی زیادہ مستحق، اپنی اصل یعنی دادا، دادی، نانا، نانی، وغیرہ اور اپنی اولاد بیٹا بیٹی پوتا پوتی وغیرہ کے سوا جو رشتہ ناتہ میں زیادہ قریب وہی سب سے اوّل حقدار، پھر ضرورت مند پڑوسی، پھر جو اپنی بستی میں زیادہ حاجت مند پڑوسی، پھر جو اپنی بستی میں زیادہ حاجت مند، وہی دینے کے لئے اَولیٰ۔

فقیر اگر عالم ہو تو اُسے دینا جاہل کے دینے سے افضل، مگر عالم کو دے تو اس کے اعزاز کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادب کے ساتھ نذر کی صورت میں دے معاذ اللہ! اگر عالم دین کی حقارت[2] کا وہم بھی دل میں آیا تو یہ ہلاکت بہت سخت ہلاکت ہے۔

---

[1] عامل بیت المال کے کارندہ، حکومت اسلامیہ کے بیت المال کے کارندوں کو یعنی زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے والوں کی تنخواہیں صدقہ فطر کی رقم میں سے نہیں دی جا سکتیں۔ منہ ۱۲

[2] کہ عالم کو عولم یعنی ملّاٹا یا ملّانا جیسے تحقیر کے کلمات کہنا بھی کفر ہے۔ (عالمگیری۔ منہ غفرلہٗ)

کافر کو صدقۂ فطر دینے سے ہرگز ادا نہ ہوگا۔ اکثر ناواقف غیر مسلم بھنگیوں کو صدقۂ فطر کا اناج تقسیم کیا کرتے ہیں۔ یہ تقسیم مال کا برباد کرنا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ زکوٰۃ و صدقہ فطر وغیرہ ذمی کافر کو بھی دینا جائز نہیں۔ چہ جائیکہ ان حربی کفار کو جنہیں معمولی نفل خیرات بھی دینا جائز نہیں۔ غیر مسلم نما بدعقیدہ لوگ بھی ہرگز زکوٰۃ و صدقات کے مستحق نہیں۔ مثلاً تبرائی، رافضی، خارجی، قادیانی، بابی اور خدا جل و علا و انبیاء علیہم التحیۃ والثناء میں سے کسی کی جناب میں ادنیٰ گستاخی کرنے اور کلمات توہین بکنے اور لکھنے والے کہ وہ یقیناً اسلام سے خارج ہیں۔

ایک شخص کا فطرہ ایک ہی آدمی کو دینا بہتر اگر کئی کو تقسیم کیا تو بھی ادا ہو گیا اسی طرح چند آدمیوں کا فطرہ ایک مستحق کو دینا جائز۔

نمازِ عید

نمازِ عید کے لئے شہر سے باہر عیدگاہ جانا سنت ہے۔ اگرچہ مسجد میں گنجائش ہو، بلاوجہ نمازِ عید چھوڑنا گمراہی و بدعت ہے، ہاں اگر کوئی عذرِ شرعی مانع ہو تو اجازت خوشی ظاہر کرتے ہوئے۔ کثرت سے صدقات و خیرات دیتے، اطمینان و وقار کے ساتھ نیچی نگاہ کئے آپس میں مبارک باد دیتے۔ یہ تکبیر کہتے ہوئے عیدگاہ جائیے:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ؕ

عیدگاہ میں پہنچ کر جہاں جگہ پائیے بیٹھ جائیے لوگوں کو پھلانگ کر جانا سخت بے تمیزی ہے۔ جب تک نماز کھڑی ہو تکبیر و تہلیل و ذکر الٰہی میں مصروف رہے۔

نمازِ عید سے قبل نفل نماز مطلقاً مکروہ ہے۔ عیدگاہ میں ہو یا گھر پر، نیز نماز

عید کے بعد عیدگاہ میں نفل پڑھنا مکروہ، گھر پہ پڑھ سکتا ہے۔

وقت ایک نیزہ آفتاب بلند ہونے کے بعد سے ضحوۂ کبریٰ یعنی نصف النہار شرعی تک نمازِ عید کا وقت ہے مگر عید الفطر میں آفتاب بلند ہونے کے بعد ذرا دیر سے نماز پڑھنا مستحب۔ لیکن نہ اتنی کہ نمازِ عید کا سلام پھیرنے سے پہلے زوال ہو جائے کہ اس شکل میں نماز ہی نہ ہوگی۔

نمازِ عید کی ترکیب اور ضروری مسائل

دو رکعت نماز واجب عید الفطر چھ تکبیروں کے ساتھ ادا کرنے کی نیت کیجئے کانوں تک ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھیے اور پھر سُبْحٰنَكَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِكَ آخر تک پڑھیے۔ پھر کانوں تک ہاتھ اٹھائیے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ چھوڑ دیجئے پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائیے اور چھوڑ دیجئے پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائیے اور باندھ لیجئے۔ پھر امام اَعُوْذُ وَ بِسْمِ اللّٰہ پڑھ کر سورۃ فاتحہ اور جو کچھ قرآن شریف سے پڑھنا ہے، جہر کے ساتھ پڑھے، مقتدی خاموش کان لگائے سنتے رہیں۔ سنائی نہ دے تو چپ چاپ کھڑے رہیں۔ رکوع سجدوں سے نپٹ کر دوسری رکعت میں پہلے اَلْحَمْد اور جو کچھ قرآن شریف سے پڑھنا ہے، پڑھے، پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائیے اور چھوڑ دیجئے۔ پھر کانوں تک اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع میں جائیے

اور نماز پوری کیجئے بعد سلام خشوع و خضوع کے ساتھ مالک بے نیاز کی بارگاہ میں دستِ تمنا پھیلائے ہوئے مانگیے، جو کچھ مانگنا ہے کہ اس کے خزانے میں کچھ کمی نہیں، اب مانگ لو کہ ادھر دریائے رحمت جوش میں ہے۔ ابرِ کرم کے چھینٹے پڑ رہے ہیں۔ خوش نصیب ہے وہ جو آج بھرپور ہو جائے۔ اور بدنصیب ہے وہ جو اس مبارک ساعت میں بھی محروم رہ جائے۔

خطبہ

نمازِ عید کے بعد امام کو دو خطبہ پڑھنا اور سب مقتدیوں کو غور و توجہ کیساتھ چپ چاپ سننا سنت ہے۔

خطیب پہلا خطبہ شروع کرنے سے پہلے ۹ بار اور دوسرے سے پہلے ۷ بار اور منبر سے اترنے سے پہلے ۱۴ بار اللہ اکبر کہے۔

اتباعِ امام امام نے اگر نماز میں چھ تکبیر سے زیادہ کہیں تو مقتدی بھی امام کی پیروی کرے۔ لیکن اگر تیرہ سے بھی زیادہ کہے تو پھر پیروی نہ کرے۔

پہلی رکعت میں امام کے تکبیریں کہنے کے بعد مقتدی جماعت میں شامل ہوا تو اسی وقت تین تکبیریں کہہ لے، اگرچہ امام نے قرأت شروع کر دی ہو۔ اگر اس نے تکبیریں نہ کہی تھیں کہ امام رکوع میں چلا گیا تو خود بھی رکوع میں چلا جائے اور رکوع ہی میں تکبیریں کہہ لے اور اگر امام کو رکوع میں پایا اور غالب گمان یہ ہے کہ تکبیریں کہہ کر رکوع میں مل جائے گا تو کھڑے کھڑے تکبیریں کہہ لے۔ اب اگر یہ تکبیریں کہنے نہ پایا تھا کہ امام نے رکوع سے سر اٹھا لیا تو تکبیریں اس کے ذمہ سے ساقط ہو گئیں۔ رکوع میں جب تکبیر کہے تو ہاتھ نہ اٹھائے۔ اگر امام کے رکوع سے اٹھنے کے بعد شامل

فہرست

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلي ونسلم على رسوله سيدنا محمد
خاتم النبيين و على آله و أصحابه و أولياء أمته

پیش لفظ

کتاب التصوف مسمّی بہ لطائف المعارف تصوف کے موضوع پر آج سے تقریباً پچیس سال قبل حضرت قبلہ سیدی وسندی و مرشدی و مولائی شاہ محمد عبدالعلیم الصدیقی القادری نور اللہ مرقدہ (۲۳ / ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ مطابق ۲۲ / اگست ۱۹۵۴ء) نے تصنیف فرمائی۔ اور پہلی بار اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی۔ تصوف کے شائقین میں اس کتاب کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی اور وابستگان سلسلۂ عالیہ علیمیہ قادریہ اس سے مستفید ہوتے رہے۔ کچھ عرصہ ہوا اس کے تمام نسخے ختم ہو گئے۔ اس عرصہ میں اس عاجز کے واسطہ سے پاکستان میں، نیز عالمی تبلیغی اسفار کے دوران ایشیا کے دوسرے ممالک، افریقہ، یورپ اور امریکہ میں، نئے افراد سلسلہ عالیہ میں داخل ہوتے رہے ہیں۔ یہ نئے افراد بیشتر انگریزی بولنے والے ہیں۔ مگر ان میں صدہا ایسے بھی ہیں جو پاکستان میں اور پاکستان سے باہر دور افتادہ علاقوں، مثلاً سرینام (جنوبی امریکہ) میں آباد ہیں اور ان کی مادری زبان اردو ہے، ان اردو داں وابستگان سلسلہ کی تربیت کے لیے خصوصیت سے اس امر کی شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ کتاب التصوف کو دوبارہ طبع کیا جائے۔ چنانچہ الحلقۃ العلیمیۃ القادریۃ العالمیۃ کراچی کی جانب سے اس کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اس سے قبل اس حلقہ کی جانب سے شجرہ شریف، نیز ذکر حبیب ﷺ حصہ اول و حصہ دوم شائع ہو چکے ہیں۔ اس کار خیر

میں شرکت کرنے والے حلقۂ پاکستان کے بعض اراکین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائے، اور تمام اراکین سلسلہ کو دین متین کی اعلیٰ ترین خدمت کی سعادت بخشے۔ آمین۔

سلسلہ عالیہ علیمیہ پانچ نسبتوں یعنی قادری، چشتی نقشبندی، سہروردی اور شاذلی کا حامل ہے، لیکن ان سب میں خصوصی مقام قادری نسبت کو حاصل ہے اور قادری سلوک ہی اس وقت سلسلہ میں دائر۔ اس لئے کتاب التصوف کے موجودہ ایڈیشن میں اراکین سلسلہ کی فوری عملی ضرورت کے اعتبار سے صرف سلوک قادریہ کو شامل کرنے پر اکتفا کیا گیا۔ اصل کتاب میں دوسرے چار سلاسل کے سلوک کا جو بیان ہے اس کو ان شاء اللہ چار جداگانہ رسالوں کی صورت میں اضافوں اور تشریحات کے ساتھ علیحدہ شائع کیا جائے گا۔ نیز ہپناٹزم پر جو باب ہے اس کو ان جدید ترین تحقیقات کی روشنی میں جو یورپ اور امریکہ میں علم النفس کے اس شعبہ میں جو PARAPSYCHOLOGY کہلاتا ہے از سر نو مرتب کر کے پیش کیا جائے گا۔ موجودہ صورت میں یہ کتاب اراکین سلسلہ کی بنیادی علمی ضروریات کے لیے کافی ہے۔ درسیات تصوف کا جو نصاب وابستگان سلسلہ کے لئے تجویز کیا گیا ہے اس کی یہ پہلی کتاب ہے، باقی کتابیں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ یکے بعد دیگرے پیش کی جائیں گی۔ انگریزی اور دوسری زبانوں میں بھی درسیات تصوف کا ایک نصاب اسی طرح زیر ترتیب ہے، اللہ تعالیٰ تکمیل کی سعادت ارزانی فرمائے۔ آمین! وما توفيقنا الا بالله العلي العظيم۔

المفتقر الی اللہ الباری
محمد فضل الرحمٰن الانصاری القادری
رئیس الخلفاء سلسلہ عالیہ علیمیہ قادریہ
۱۹۶۳ء

پہلا باب

افکار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

تلاش حق

حمد کے قابل خالق کون و مکان۔ نعت کے مستحق سید انس و جان ﷺ، اس نے سارے عالم کو بنایا۔ انہوں نے عالم کو مقصد حیات بتایا۔ اس کی نعمتیں اس کا کرم ایسا عظیم کہ کتنی بھی کوشش کرو گننا شمار کرنا اور گھیرنا محال۔ ان کی رحمت ایسی وسیع کہ جو کچھ ملا انہیں کے صدقہ میں، جو کچھ بنا انہیں کے طفیل میں۔ مگر وائے بدقسمتی، آج کوئی چائے کی پیالی، پان کی گلوری، بلکہ معمولی ایک الائچی بھی دے تو آداب کے لئے جھک کر سلام کریں، کسی نے ذرا سا احسان کر دیا تو شکریہ ادا کرتے کرتے زبان سوکھتی ہے، کوئی قوت رکھتا ہے، نعمت رکھتا ہے، دولت مند ہے، تو ہزار جتن کئے جاتے ہیں کہ اس سے روابط بڑھیں، تعلقات پیدا ہوں، ہم اسے پہچانیں، وہ ہمیں جانے، معمولی سلام دعا نہیں دوستی، دوستی نہیں بلکہ محبت، اور محبت بھی بے تکلف محبت۔ کسی نہ کسی طرح حاصل ہو ہی جائے۔ کون ہے جسے بادشاہ کا مقرب بننے کی تمنا نہ ہو۔ کون ہے جس کے دل میں دنیا کی محبت کا درد رہ رہ کر چٹکیاں لیتے ہوئے ہر اس قوت اور صاحب قوت، دولت اور صاحب دولت، دنیا اور اہل دنیا سے ہم آغوش ہونے کے ولولے نہ پیدا کرتا ہو۔

مگر یہ محقق ہوتے ہوئے کہ دنیا کا بنانے والا وہ پروردگار، دولت کا دینے والا وہ کردگار، ساری چیزوں کا وہی والی و مختار، اصل کو چھوڑنا اور شاخوں سے لٹکنا، مکین کو چھوڑنا اور مکان سے دل لگانا، اس سے زیادہ بے سمجھی کی بات اور کیا ہوگی؟ ہوش کی

آنکھیں جب کھلتی ہیں، عقل کے ناخن جب لیے جاتے ہیں، حواس جب درست ہوتے ہیں، ہر زمانہ، ہر ملک، ہر قوم اور ہر گروہ میں کچھ افراد ایسے نکلتے ہیں جن کو یہ فکر دامن گیر ہو، اور اس اصل اصول ذات واجب الوجود کی محبت کا ولولہ قلوب میں موجزن ہو کر اس کی طرف کھینچے۔ افریقہ کی بربریت ہو یا یورپ کی مادیت، امریکہ کی حریت ہو یا ایشیا کی دلربایانہ انسانیت، ہر فضا میں اس نہال محبت کی آبیاری ہوتی ہے اور کوئی نہ کوئی مائی کا لال ایسا ضرور نکلتا ہے جو چشم بصیرت سے کام لے کر اس عقل اول، علت اولیٰ، یا مایۂ حیات، روح حقیقی، ایزد داور، جہاں آفریں، پرماتما یا پرمیشور کی دھن میں لگتا، اس کے پریم میں متوالا بنتا، اور اس کے عرفان اس کی پہچان کے دریائے ناپیدا کنار میں غواصی کے لئے قدم اٹھاتا ہے۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں جو اس مقصد کی طرف ہمت کریں، اور خوش نصیب ہیں وہ افراد جو اس کی طرف قدم اٹھائیں۔

کہا جاتا ہے کہ سقراط اسی دھن میں رہا۔ فیثا غورث کے دل میں بھی یہی لگن لگی، گوتم بدھ نے بھی اسی خیال میں متوالا بن کر راج پاٹ کو چھوڑا، کرشن کی بانسری بھی اسی لے کے الاپ میں مصروف رہی، بہر حال صورت عالم انسانیت کے منازل ارتقاء کی تاریخ کے جس ورق کا مطالعہ کیا جائے، جس باب کو کھولا جائے، اس شراب محبت کے بعض متوالے اپنی اپنی مستانہ شانوں میں اس کی محبت کے ترانے گاتے ہوئے نکلتے ضرور ہیں، لیکن عقل کے گھوڑے کتنے ہی دوڑائے جائیں، قوائے دماغی کو کتنا ہی کام میں لایا جائے، جنگلوں کی خاک چھانیں یا پہاڑوں کے غار جھانکیں، قطب شمالی سے جنوبی تک ایک ایک نقطہ پر نظر غائر ڈال جائیں، یوں تو اس کی شانیں ہر ہر ذرہ میں نمایاں اور وہ ہر رنگ میں عیاں:

فَــفِــيْ كُــلِّ شَــيْءٍ لَــهٗ آيَةٌ
تَــدُلُّ عَــلٰــى أَنَّــهٗ وَاحِــدٌ

مگر با وصف کمال ظہور وہ ایسا مستور کہ انتہائے مقام تحقیق اول منزل واقفیت بھی نہیں۔ کمال شعور ابتدائے ادراک ذات کا مقدمہ بھی نہیں۔

آئینۂ خیال میں جو شکل بھی محقق ہوئی، جب غور کیا تو وہ بھی میرے واہمہ کی ایک مخلوق، صغریٰ کبریٰ نے جس نتیجہ پر پہنچایا، وہ بھی میرے دائرہ علم میں محدود، فلسفہ کی موشگافیوں نے جس نقطہ کو پایا، وہ بھی میرے عقلیات کا ایک مفروضہ مجسمہ، اور وہ واجب الوجود، قادر مطلق خالق ہے نہ کہ مخلوق، محیط ہے نہ کہ محاط و محدود، باقی ہے نہ کہ فانی، قدیم ہے نہ کہ حادث:

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ماہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

پس رخش خیال تھک وو سے ہارا، سمند عقل کے گھٹنے ٹوٹے:

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

اس لق و دق بیابان حیرانی اور بادیۂ پریشانی میں رحمٰن و رحیم کے ایک متوالے کی دلکش آواز درد والے لہجے میں:

مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ (ہم نے تجھے مکمل طور پر پہچانا ہی نہیں۔)

کا نغمہ تمام عالم انسانیت کی طرف سے وکیل و نائب و مختار بن کر پیش کرتی ہوئی سنائی دیتی ہے:

مَــا عَــرَفْــنَــاكَ (ہم نے تجھے نہیں پہچانا) کا نَر کسی دوسرے سِر کا پتہ دیتا ہے۔ اس نا (یعنی ہم) کی ضمیر میں کوئی خاص رمز معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ آواز کس کی ہے، نغمہ بجانے والا کون ہے، اس نا کا قائل کون ہے؟ وہ جو عالم کو اس کی باتیں بتاتا ہے، دنیا سے اس کا کلمہ پڑھواتا ہے، زمانہ کو اس کی طرف بلاتا ہے، اور جہاں بھر کے سامنے اس کی آیات (نشانیاں) پیش فرماتا ہے۔ عرب کی اجاڑ بستی میں عقل و دانش و فلسفہ و حکمت کے مدرسوں سے دور، اس کا پتہ بتانے کے لیے:

﴿نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (ق:۱۶)

''ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔''

کا مژدہ دیتا ہے، پھر:

﴿وَ فِيْ أَنْفُسِكُمْ أَ فَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ (الذاریات:۲۱)

''اور تمہارے اندر (نشانیاں) موجود ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں؟''۔

فرماتے ہوئے نہ صرف پتہ نشان بلکہ دیکھنے دکھانے، پہچاننے پہچوانے کی دعوت دیتا ہے، عشق و محبت کا بادۂ گلفام اڑا کر صبغۃ اللہ کی رنگ چڑھا کر، طلب سے محبت، محبت سے عشق، عشق سے محبوبیت کے مقام میں پہنچا کر قرب کا خلعت پہناتا ہے۔

ایک طرف مَا عَرَفْنَاكَ سے عجز کا اقرار، دوسری طرف مقام عرفان پر فائز ہونے اور فرمانے میں یہ اصرار کہ:

اَلْمَعْرِفَةُ رَأْسُ مَالِيْ۔۔۔الحدیث

لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِيْ فِيْهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَ لَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ۔

(اس حدیث کو شرح سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۴۲۳۹ کے ذیل میں نقل کیا گیا ہے) (۱/۱۳۳)

(اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرا ایک خاص وقت ہے جس میں کوئی مقرب فرشتہ میرے نزدیک ہوتا ہے نہ کوئی نبی مرسل۔)

اور ﴿إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾

(آل عمران:۳۱)

''اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں محبوب بنالے گا۔''

پھر، مَا عَرَفْنَا میں آخر کیا تھا؟ نفی عرفان تھی تو یہ اثبات کیسا؟ اثبات تقرب ہے تو یہ نفی کیسی؟

واقف حال کہتا ہے کہ نفی، نفی عرفان مجرد نہیں، بلکہ نفی عرفان بواسطہ ''انا'' ہے۔ یعنی یوں سمجھو کہ میں نے ڈھونڈا نہ پایا۔ میں نے کھوج لگایا پتہ نہ چلا، اس نے

خود بتایا، اسی نے خود پہنچوایا۔ یا یوں سمجھ لو کہ جب تک ''انا'' کا وجود بلکہ واہمہ و خیال بھی باقی ہے، عرفان ناممکن۔ یہ پہچاننا اسی کی طرف سے پہنچوانا بھی اسی کی جانب سے:

تا در تو ز پندار تو ہستی باقیست
میداں بہ یقیں کہ بت پرستی باقیست
گفتی بت پندار شکستم رستم
ایں بت کہ تو پندار شکستی باقیست

سننے کے لئے کان لگاؤ، جاننے پہچاننے کے لئے آنکھیں ملاؤ، اس نے تو دیے ہیں مگر تم نے ان کو دوسری آوازوں سے بھرلیا، اس نے تو عطا کی ہیں، مگر تم نے ان کو دوسرے نظاروں میں محو تماشا کرلیا۔ جب توبہ کرو گے آواز غیر سے کان بہرے ہوں گے، جمال غیر سے آنکھیں بند ہوں گی اس کا کلام کانوں میں اس کا جمال آنکھوں میں، تم اس میں گم وہ تم میں نمایاں، تم اس میں مخفی، وہ تم میں عیاں:

گم شدن در گم شدن دین من است
نیستی در ہست آئین من است

کان کھولو اور اس کا کلام سنو، چشم حق بیں وا کرو، اور اس کی راہ دیکھو۔ وہ کلام ہے:

﴿إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾

(آل عمران:۳۱)

وہ راہ ہے:۔ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِيْ (الحدیث)

(الترمذی:۲۷۱/۱۱، باب ماجاء فی افتراق ھذہ الأمۃ)

(جس راہ پر میں اور میرے صحابہ ہیں)

جس نے دیکھا اس طرح دیکھا، جس نے پایا اسی صورت سے پایا، کسب سے استعداد وہب پیدا کرو پھر:

فیض روح القدس ارباز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

اس کا طریق ہے:۔

﴿ فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ ﴾ (البقرۃ:۱۵۲)

(پس تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کرتا ہوں)

انبیاء و مرسلین کی بعثت اسی شاہراہ حقیقی کو پیش کرنے کے لیے تھی۔ اخلاء و محبوبین کی خلقت اسی شراب کا ساقی بنانے کے لیے تھی۔ منزل پر پہنچایا فقط انہی نے، محبوب سے ملایا صرف انہی نے، کجروی سے بچایا، ورطۂ ہلاکت سے نکالا، وہمیات سے چھڑایا، اس لیے کہ وہ اپنی عقل کے گھوڑے نہ دوڑاتے، وہ اٹکل کے تیر نہ مارتے، بلکہ وہی سناتے جو سنتے تھے، وہی بولتے تھے جو بلوائے جاتے تھے:

﴿وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ﴾ (النجم:۳)

''اور وہ اپنی مرضی سے نہیں بولتے، وہ تو وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔''

الہامش از جلیل و پیامش زجبرئیل
نطقش نہ از طبیعت و رائش نہ از ہوا

آج بھی جو اپنی کہے جھوٹا ہے، جو ان کی کہے سچا۔

ان اوراق میں آپ جو کچھ بھی دیکھیں گے وہ انہی کی تعلیمات کا مرقع۔ وہی اصول ہے جس کے یہ مختلف فروع، وہی جڑ ہے جس کی یہ مختلف شاخیں۔ سمجھ سے کام لیجئے۔ مقدمات کو بغور مطالعہ کیجئے۔ پھر قول کو چھوڑ کر عمل کی طرف قدم بڑھائیے اور منزل مقصود کو پائیے:

قال را بگوار و مرد حال شو
پیش مردے کاملے پامال شو

وَ مَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

مُبَسْمِلًا وَ حَامِدًا وَ مُحَمِّدًا (جل و علا)
وَ مُصَلِّیًا وَ مُسَلِّمًا مُحَمِّدًا (سلم اللہ تعالیٰ علیہ و صلی)

سلوک الی اللہ

خالق عالم نے انسان کو عجیب عجیب نعمتوں کے زیور سے آراستہ فرمایا۔ جس نعمت کو کام میں لایا جائے فائدہ اٹھایا جائے، انواع و اقسام کے غرائب کا انکشاف ہوتا جاتا ہے۔ بدن انسانی کے مختلف اعضاء ہی کو لیجئے، جس عضو سے کام لیا جائے نت نئی چیزیں اپنے آپ سامنے آتی جاتی ہیں، نجار (بڑھئی) اپنے ہاتھوں سے کام لیتا ہے، قسم قسم کے نئے نئے سامان بناتا ہے۔ انجینئر انجنوں کی ایجاد و اختراع کرتا ہے، معمار طرح طرح کے باریک سے باریک کام بناتا ہے، محل اور قلعہ تعمیر کر ڈالتا ہے، کاتب لکھتا ہے، کیا کیا گل کھلاتا ہے، آنکھوں سے کام لیجئے کیسے کیسے تماشے سامنے آتے ہیں، کانوں کو مصروف کار کیجئے کیسی کیسی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ زبان کو حرکت میں لائیے بہترین گانے گائیے، اچھی اچھی تقریریں فرمائیے، روتوں کو ہنسائیے، ہنستوں کو رلائیے، مردہ دلوں میں جان ڈالیے، دماغ کی کرشمہ سازیاں تو کیسے کچھ رنگ لاتی ہیں، علم کیمیا اور اس کی ہر شاخ، معقول و فلسفہ اور اس کا ہر شعبہ، ہیئت اور اس کی ہر کرامت، غرض ہر قسم کا آرٹ اور ہر پیکر کی سائنس اسی کے برکات کے نمونے، اور اسی کے مکاشفات کے کرشمے ہیں۔ لیکن موئے سر سے ناخن پا تک تمام وجود ایک جسم ہے، اور اس کی حیات کا دارومدار ایک چیز پر۔ جب تک وہ ہے جسم ہے، اور جب وہ علیحدہ ہوئی جسم مردہ ہوا، بیکار شمار کیا گیا۔ کسی نے زمین میں دفنایا کسی نے جلایا، غرض کسی نہ کسی طرح جلد سے جلد خاک میں ملایا۔ کیا کبھی اس پر بھی غور کیا کہ

آن کی آن اور لحظہ کے لحظہ میں کیا ہو گیا؟ وہ پیاری چہیتی صورت کیوں ایسی دو بھر ہو گئی کہ ایک لحظہ کے لئے گھر میں رکھنی بھی ناگوار ہے؟ سڑنے کا احتمال، ہوا خراب ہونے کا ڈر، بدبو پھیلنے کا خوف، کوئی چیز تو تھی جس کے جاتے ہی یہ جسم کسی قابل نہ رہا، وہ کیا تھی؟ ہوا تھی؟ پانی تھا؟ مٹی تھی؟ آگ تھی؟ کوئی کہتا ہے حیات تھی، جان تھی، گیس تھی، اسپرٹ تھی، آتما تھی، روح تھی، تھی ضرور کوئی چیز، نام کچھ رکھ لو، مگر یہ تو بتاؤ کہ اس کی تعریف کیا ہے؟ وہ تھی کیا؟ کہاں سے آئی؟ اور کہاں گئی؟

حقیقت روح

فلسفی حیران ہیں، سائنٹسٹ پریشان، نہ کسی آرٹ میں اس کا سراغ، نہ سائنس میں اس کا پتہ، جانیں تو کیوں کر جانیں، پہچانیں تو کس طرح پہچانیں؟ بڑے بڑے رشی، بڑے بڑے اوتار، اسی دھن میں جنگلوں کی خاک چھانتے ہوئے پہاڑوں کے غاروں میں پناہ گزیں ہو کر غور میں مصروف ہیں۔ قابل قابل پروفیسر، علمی کتب خانوں میں اسی جستجو میں لگے ہوئے ہیں کہ کچھ اس کا پتہ چلے، عالم و جاہل تک اسی کی تلاش میں سرگرداں ہیں کہ آخر وہ کیا ہے؟ کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ لکھا مگر حقیقت کا کسی کو بھی پتہ نہ چلا۔

مردم ز سر قیاس چیزے گفتند
معلوم نہ گشت و قصہ کوتاہ نشد

ہکسلے (HUXLEY) جو سائنس کا ایک جلیل القدر امام مانا گیا ہے، اپنے عجز علم روح کا کس سادگی کے ساتھ ان الفاظ میں اعتراف کر رہا ہے کہ:۔

''ہم اس روح کی نسبت اس سے زیادہ کیا جانتے ہیں کہ وہ بھی ہمارے احوال وکوائف شعور کی نامعلوم اور فرضی علت کا ایک نام ہے۔''

جب کسی کو پتہ نہیں چلتا تو چھپی باتوں کے بتانے والے غیب کی خبریں لانے والے، عرش سے فرش تک کے حالات بیان فرمانے والے مکہ کے چاند، مدینہ

کے تاجدار احمد مختار، سرکار دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی لوگ آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ روح کیا ہے؟ وہ سرکار جو اپنی طرف سے ایک حرف بھی نہیں بولتے بلکہ جو ان کا رب ان سے کہلواتا ہے کہتے ہیں، جو وہ بلواتا ہے بولتے ہیں، اس بات میں بھی اپنی رائے نہیں بتاتے، اپنا خیال ظاہر نہیں فرماتے، بلکہ وحی الٰہی وفرمان ربانی صاف صاف لفظوں میں اس طرح سناتے ہیں:۔

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ، قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّيْ
وَمَا أُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (الاسراء:۸۵)

(یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم)

''لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ ان سے فرما دیجئے کہ روح تو میرے رب کے امر سے ہے، تمہیں تو علم تھوڑا ہی سا دیا گیا ہے۔''

رب کے حکم سے، رب کے امر سے؟ کیا مطلب نکلا، کیا سمجھے؟ کوئی یوں کہے کہ ارشاد ''کن'' کی تجلیات میں سے ایک تجلی ہے۔ کوئی یہ کہے کہ عالم امر کی ایک خاص مخلوق۔ تجلی کی حقیقت خود ایک اجمال، عالم امر کی کیفیت خود مغلق، پھر سمجھیں تو کس طرح سمجھیں، آیت یقیناً مغلق نہیں، بیان بالیقین مجمل نہیں، علم کی کمی سبب ظاہر بیان کر ہی دیا گیا، اس لئے یوں سمجھ لو کہ ''جناب رب العزت جل وعلا کے ساتھ خاص نسبت وتعلق ورابطہ رکھنے والی ایک ایسی کیفیت ہے جس کے متعلق جب تک اس ر.. تک رسائی نہ ہو، عالم امر سامنے نہ آئے، تجلیات پرتو فگن نہ ہوں، حقیقت وتعریف کا منکشف ہونا محال۔''

اطباء طلبائے طب کو علم طب سکھانے کے لیے چیر پھاڑ کر بدن دکھائیں، تب تشریح بدن کا کچھ عقدہ کھلے، علم کیمیا کا ماہر متعلم کیمسٹری کے سامنے مادہ کی تفریق کرے تب اس کی ماہیت کی کچھ خبر ملے، اسی طرح بلا تمثیل جب اس دریائے روح

میں غوطہ زن ہوں تب گوہر مقصود ہاتھ آئے، اور حقیقت جلوہ نما ہو، ہاتھ نہ ہلاؤ، کچھ نہ بنا سکو گے، کان نہ لگاؤ کچھ نہ سن سکو گے، زبان نہ چلاؤ کچھ نہ بول سکو گے، بلاتمثیل اسی طرح روح کو کام میں نہ لاؤ اس کی صفات نہ معلوم کر سکو گے، تا بہ ذات چہ رسد۔ کام میں لانے کے لیے پہلے قوت کی ضرورت اور قوت کے لیے تغذیہ کی حاجت، فاقہ پر فاقہ کرو، بدن کو خوراک نہ پہنچاؤ، ضعف ونقاہت بڑھتے بڑھتے اس حد کو پہنچا دے گی کہ ہاتھ ہلانا اور زبان چلانا بلکہ پلک تک جھپکانا دشوار ہو جائے گا، بلاتمثیل اسی طرح روح کو کام میں لانے کے لیے بھی روح میں قوت کی ضرورت اور قوت کے لئے غذا کی حاجت، جسم مادہ کا جزو ہونے کے اعتبار سے مادی اغذیہ کا محتاج ہے تو اس نسبت خاص کے سبب جو روح کو رب جل وعلا سے حاصل وہ بھی ایسی ہی غذا کی ضرورت مند جو اس رب کے ساتھ خاص مناسبت رکھتی ہو۔ اس لیے پہلے مجمل طریق سے ان غذاؤں کو معلوم فرمایئے جو روح کو قوت دینے والی اور اس کو اس کی حقیقی معراج کمال تک پہنچانے والی ہیں۔

اغذیہ روحانی

رب عظیم جل وعلا کے ساتھ یوں تو کون سی چیز ہے جو نسبت نہیں رکھتی:

ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

ہر مخلوق مظہر ہے اور مظہر، صفات الٰہیہ کسی نہ کسی رنگ میں بلاتمثیل اس میں میں اس طرح جلوہ نما جیسے آئینہ میں کوئی صورت۔ اس لیے اسمائے صفات کو اس ذات کے ساتھ ایک خاص نسبت حاصل اور ہر اسم صفت میں ایک خاص کیفیت تغذیہ روح موجود، لیکن اسم ذات اس نسبت میں اخص، اس لیے تغذیہ میں اعظم۔ اس لیے ارشاد کہ:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ

الَّیْلِ وَ النَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ، الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ...﴾

(آل عمران: ۱۹۰۔۱۹۱)

"یقیناً آسمان وزمین کی پیدائش اور رات اور دن کے لوٹ پھیر میں سمجھ داروں کے لئے نشانیاں ہیں۔ (سمجھ دار وہ ہیں) جو کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر (لیٹے ہوئے یعنی ہر حالت میں) اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمان وزمین کی پیدائش میں فکر"۔

عقل مند اور سمجھ دار عرف عام میں بھی وہی شخص کہا جاتا ہے جو کمائے اور کھائے، نہ وہ جو ہاتھ پیر توڑ کر اپاہج بن جائے۔

پس اس میدان میں بھی سمجھ دار وہی سمجھا جاتا ہے جو اسم ذات کے ذکر اور اسمائے صفات میں فکر کی مبارک اغذیہ کا کاسب بنے اور ان سے اپنی روح کو قوت پہنچائے۔ پس ذکر وفکر یہ دو غذائیں ہیں۔ آؤ! ان اغذیہ کے بنانے اور کھانے کی ترکیب سنو۔ اور اللہ ہمت دے تو استعمال کر کے روحانی پہلوان بنو۔

امراض روحانی

مگر غذائیں اچھی سے اچھی کھاؤ لیکن پرہیز نہ کرو، یا عمدہ وبہترین کھانے میں تھوڑی سی غلاظت بھی ملا دو تو محنت برباد جائے گی، معدہ کبھی قبول ہی نہ کرے گا، لہٰذا اس سے پہلے کہ غذا کا استعمال کرو، اس کو اچھی طرح دیکھ لو کہ اس کے ساتھ کوئی بری چیز تو نہیں ملی، اس کے ساتھ ساتھ سوچ لیجئے کہ اگر جسم بیماری میں مبتلا ہے اور امراض صعبہ میں گرفتار تو کیسی ہی عمدہ غذا، دودھ ہو یا انڈا، کیوں نہ کھایئے، نفع دینا تو درکنار الٹا نقصان ہوگا۔

مرض کی تعریف علم طب میں ملاحظہ فرمایئے:

"مزاج کا نقطۂ اعتدال سے ہٹنا یا کسی امر غیر طبعی کا پیش آنا مرض کہلاتا ہے"۔

پس روح کی حالت اعتدال یہ ہے کہ ''اس کی نسبت رب اکرم کے ساتھ قائم ہو، اور کوئی دوسرا علاقہ اپنی کشش مقناطیسی سے اس کو اپنے مقام سے جدا کرنے والا اور ہٹانے والا نہ ہو۔۔۔'' اس رب کے منشاء کے خلاف جس قدر امور ہیں وہ امور غیر طبعی روحانی کہے جائیں گے۔ اس لئے روح کا ماسوی اللہ کی طرف میلان اور معاصی کی جانب رجحان یہی وہ بلائیں ہیں جن کو طب روحانی میں امراض روحانی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ فلسفیانِ اخلاق نے اسی کو ذمائم سے یاد کرتے ہوئے اس کی اصلاح کی تدبیریں اور علاج کے لیے دوائیں تعلیم فرمائیں۔ ہم یہاں بڑی بڑی بیماریوں کا ذکر کرتے ہیں جو حقیقۃً مہلک ہیں، اور حیاتِ حقیقی کا خاتمہ کر دینے والی۔

شرک

تم نے سنا کہ مزاج کا حالت اعتدال سے ہٹنا ایک مرض ہے، لیکن جہاں حالت اعتدال سے صرف کسی قدر ہٹنا ہی نہیں، بلکہ اصل سے قطع تعلق ہو تو وہ مرض یقیناً سخت ترین بن جائے گا اور اس کے نتائج کیسے مہلک ہوں گے۔ روحانی امراض میں یہ بدترین مرض شرک ہے۔ یعنی ''اس خداوند جلیل و جبار جل جلالہ کی ذات یا صفات میں کسی کو کسی عنوان سے اس کا ہمسر و ہم پلہ ماننا''، یا کسی ایسے فعل کا کرنا جو اس اعتقاد پر دلالت کرنے والا ہو''۔ اس کو بغاوت کہیے، غدر سمجھئے، اسی لیے یہ مرض غایت درجہ مہلک ہیں۔!

اگر اسی حالت میں زندگی کا خاتمہ ہو گیا (معاذ اللہ) تو مالک عالم فرما رہا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء:۱۱۶)

''یقیناً اللہ اس بات کو نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اس کے سوا جس کو چاہے بخش دے''۔

کفر

اور اسی کے جیسا کفر۔ یعنی شرک میں ماسوی اللہ سے رابطہ کا جوڑنا تھا، اور کفر میں مجرد خدا سے سرکشی و روگردانی، خواہ کسی اور سے رابطہ پیدا ہو یا نہ ہو۔ یہ بھی ایسا ہی خطرناک، کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾

''ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے''۔

نفاق

ان کے ساتھ ہی ساتھ ایک اور بلا بھی ہے کہ حقیقۃً دل میں شرک ہو، کفر ہو، اور ظاہر یہ کیا جائے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ خدا کے سامنے گردن جھکی ہے، یعنی مسلم ہیں۔ اس کو نفاق کہتے ہیں۔ چونکہ یہ بہت سے امراض کا مجموعہ ہے، شرک ہے، کفر ہے، جھوٹ ہے، دھوکا ہے، ریاء ہے وغیر ذلک، اسی لئے یہ سب سے زیادہ ہلاکت میں ڈالنے والا:۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (النساء:۱۴۵)

''یقیناً منافق تو آگ کے سب سے نیچے طبقہ میں ڈالے جائیں گے''۔

تکبر

بزرگی، بڑائی، عظمت و جلالت اسی شہنشاہ کے شایاں ہے جس نے تمام عالم کو بنایا۔ سب کچھ اس کی ملک، وہ سب کا مالک، وہی حقیقی بادشاہ ہے۔ سب فنا ہونے والے اور وہ ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ (غافر:۱۶) کا نقارہ بجانے والا، اس کے سامنے اکڑنا، اپنے آپ کو بڑا جاننا، خواہ اس کے مقابلہ میں ہو، جیسے فرعون و نمرود کا دعویٰ

خدائی یا اس کی اور مخلوق پر اپنی بڑائی، نسبتیں اگرچہ علیحدہ علیحدہ ہیں مگر مرض نہایت زبردست مہلک، جس کو اس اصطلاح امراض روحانی میں تکبر و نخوت و غرور و تمکنت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کی ہلاکت کو غیور قہار و جبار خداوند عظیم نے یوں فرمایا ہے کہ:۔

﴿فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ (الزمر:۷۲)

''پس تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ تو بہت ہی برا ہے''۔

نیز ارشاد ہوتا ہے:۔

اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظْمَةُ اِزَارِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ فِيْ أَحَدٍ مِنْهُمَا أَلْقَيْتُهُ جَهَنَّمَ وَ لَا أُبَالِيْ...... (حدیث قدسی)

(مسند امام احمد: ۹۵۲۳، سنن ابی داؤد: ۴۰۹۰، باب ما جاء فی الکبر، ابن ماجہ: ۴۲۶۵، باب البراۃ من الکبر)

''کبریائی میری ردا (چادر) ہے اور عظمت میری ازار۔ جس نے میرے ساتھ ان میں سے کسی ایک میں بھی جھگڑا کیا میں نے اس کو جہنم میں ڈالا اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں''۔

گناہ کسے کہتے ہیں؟

یہ ہیں سب سے زیادہ مہلک امراض، باقی ان کے ماسوا ہر وہ چیز جو اس رب کی مرضی کے خلاف ہو، جس سے اس نے صراحۃً منع فرمایا، یا اس کے محبوب ﷺ نے برا بتایا، مرض روحانی ہی ہے کہ ہر وہ بات جو روح کو اس کے نقطۂ اعتدال یعنی قرب ربانی کے مقام سے ہٹانے والی ہوگی، مرض ہی کہلائے گی۔ اسی چیز کو اصطلاحِ شرع میں گناہ کہتے ہیں۔

معالجۂ روحانی

آج تم دیکھتے ہو کہ ایک شخص یا جماعت ایک کام کو برا بتائے، دوسرا شخص یا جماعت اسے اچھا جانے، اس کا فیصلہ کون کرے؟

بیمار بسا اوقات اپنی بیماریوں کو نہیں جانتا۔ ہوتا ہے بیمار مگر سمجھتا ہے کہ میں تندرست ہوں، یا بری بھلی ہر چیز کے کھانے کی رغبت کرے اور چٹ پٹے مزے کے لئے ہر چیز کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ یہ امر کہ کون سی چیز اس کے لئے مفید ہے؟ کون سی مضر؟ نیز یہ کہ کون سی حالت حالتِ صحت ہے اور کیا کیفیتِ کیفیتِ مرض۔ اس کا فیصلہ حاذق طبیب کے ہاتھ، اسی کے فیصلہ کا اس باب میں اعتبار، اسی طرح تشخیص امراض روحانی اور تعیین بیماری حقیقی، یعنی کسی چیز کے گناہ ہونے یا نہ ہونے میں انسانی رائے کو نہ دخل ہو سکتا ہے، نہ ہونا چاہیے۔ اس کا فیصلہ الہام و وحی سے ہوتا ہے، اسی پر اس تعیین و تشخیص کا دارومدار۔ سب سے پہلے یہ دیکھنے کی ضرورت کہ یہ الہام و وحی صحیح ہے یا نہیں۔ اس امر کو جس کسوٹی پر چاہو اچھی طرح پرکھ لو اور جس کسی چیز کا الہام ہونا معلوم ہو جائے تو اس کے بعد جس چیز کو الہام و وحی برا بتائے، بے چون و چرا مان لیا جائے کہ بے شک وہ بری ہے، خواہ اس کی برائی ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اسی لئے فرمایا گیا:

﴿مَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر:۷)

''رسول تمہارے لئے جو لائیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے بچے رہو''۔

قتل نفو ہو یا زنا، چوری ہو یا اور کوئی بدمعاشی، جس چیز کو بھی اس سرکار رسالت ﷺ نے برا بتایا، وہ بری اور وہی روحانی بیماری۔ جب کبھی کوئی بدنی بیماری پیش آتی ہے، بلغم، سودا، صفرا، خون، ان میں سے کوئی خلط حد اعتدال سے بڑھتا ہے، فساد

آتا ہے، طبیب منضج پلا کر مادہ اکھاڑ کر مسہل دیتا اور تنقیہ کرتا ہے۔

جب تنقیہ سے صفائی ہو جاتی ہے، قوت کی دوائیں اور عمدہ غذائیں کھانے کی اجازت دیتا ہے، جو دوا وہ کھلائے کھانی ضروری اور جس چیز سے وہ بچائے بچنا واجب۔ اسی طرح بلا تمثیل امراض روحانی کے مبتلا کے لئے طبیب روحانی کی ضرورت، اور جو وہ بتائے اس پر عمل کرنے کی حاجت۔

ضرورت شیخ

اگر امراض روحانی میں مبتلا ہو، خطرات ماسوی اللہ کا ہجوم ہے اور ہلاکت کا اندیشہ، طبیب کو ڈھونڈو جو خود تندرست ہو، صحیح الدماغ والحواس ہو، مرض کی حقیقت جاننے والا ہو اور مزاج کو بھی پہچاننے والا، صرف عقل کے گھوڑے دوڑا کر آپ کو تختۂ آزمائی کا آلہ بنانے والا نہ ہو بلکہ تجربہ کار اساتذۂ طب، حکماء مشہور کے اقوال سے تمسک رکھنے والا اور اس شاہراہ پر چلنے والا ہو جس پر چل کر بہت سے مریض تندرست ہو چکے ہوں، وہ زبردست طبیب جن کے پاس نہ صرف دوا ہے بلکہ نسخۂ شفاء جن کے علاج نے کبھی خطا نہ کی، ایک دو نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں لا تعد ولا تحصی ایسے زبردست بیماریوں کو جو پا بگور تھے، جن کے قلوب زنگار معاصی سے اس قدر سیاہ ہو چکے تھے کہ مہر منیر ایمان کی تجلیات کا منعکس ہونا ہی از قبیل محالات تھا، آناً فاناً میں نہ صرف صحیح و تندرست بنایا بلکہ ایسا زبردست پہلوان کر دکھایا کہ بڑے بڑے شہزوران کے نام سے تھراتے اور بڑے بڑے بادشاہ ان کے ڈر سے لرزہ میں آتے۔ سید کونین، رسول الثقلین، طبیب القلوب، شفیع الذنوب، سرکار مکہ، مولائے مدینہ ہیں۔ صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔ اس لئے سب سے مقدم یہ امر کہ ان کے دربار کے سند یافتہ ان کی درس گاہ کے تعلیم یافتہ ایسے شخص کی طرف رجوع کرو جس کا سلسلہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک صحیح ہو، صحیح الحواس ہو نہ کہ مجذوب، مرض و مزاج کی پہچان رکھتا ہو، عالم بکتاب اللہ ہو اور خود صحیح المزاج متبع سنت سنیہ و معرض

عن الآثام والمعصیۃ ہو۔ اگر اس میں یہ صفات موجود نہیں ہیں تو خود بھی ڈوبے گا اور تم کو بھی لے ڈوبے گا۔ اگر مکار ہے اور بندۂ شکم، شیروں کے لباس میں گدھا ہے، بچو! بچو! اتم متردد ہو گے کہ ہم پہچانیں کیونکر؟ کرامتوں پر نہ بھولنا، مکاشفات پر نہ ریجھنا، بزرگوں نے فرمایا کہ اگر کسی کو ہوا پر اڑتا دیکھو اور پانی پر چلتا، لیکن سنت کے خلاف پاؤ، سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے:

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نہ باید داد دست

ان شرطوں کو دیکھ لو کتاب و سنت کی کھلی ہوئی کسوٹی پر پرکھ لو، نسبت صحیح اگر حضور نبی اکرم روحی فداہ ﷺ سے رکھتا ہے، ضرور ان کے دربار میں مؤدب ہوگا، اطباء روحانی یعنی اولیائے کرام کی شان میں ہر آن، ہر لحظہ پاس ادب رکھے گا، اگر گستاخ و بے ادب ہے، دولت علم الٰہی سے محروم ہے اور بدنصیب، زنہار زنہار اس کے قریب نہ جانا۔

اِیَّاکُمْ وَ اِیَّاھُمْ لَایُضِلُّوْنَکُمْ وَلَایَفْتِنُوْنَکُمْ۔
(مسلم ۱۲، باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء)

"تم ان سے بچتے ہی رہنا کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں۔"

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از فضل رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

وہ خود مریض ہے تمہیں کیا شفا دے گا۔ ہاں جو ان شرائط میں کامل ہے وہی تمہارے لئے فاضل، اس کی ذات کو غنیمت سمجھو۔ اعتقاد شرط ہے، اگر طبیب ظاہر سے بدعقیدہ ہو گئے، دوا سے تعلق پہلے ہی سے یہ سمجھ لو گے کہ فائدہ نہ دے گی۔ تو مشہور

Scanned by CamScanner

بات ہے کہ اثر نہ ہوگا، یا ہوگا تو بدیر۔ لہٰذا صحیح اعتقاد کے ساتھ اسی کو اپنا ہادی اور رہبر سمجھ کر مؤدبانہ حاضر ہو۔ شرمندگی کے آنسو بہاتے ہوئے، سچے دل سے توبہ واستغفار کا منضج و مسہل استعمال کرو اور قدرت الٰہی کا تماشا دیکھو۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَا لَا ذَنْبَ لَهٗ......الحدیث

(سنن البیہقی الکبریٰ:۲۱۰۱۴، باب شہادۃ القاذف، وابن ماجہ:۴۲۴۳، باب ذکر التوبہ)

''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا کہ گویا اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہ تھا''۔

تزکیہ قلب

روح حیوانی کا مولد قلب ہے، روح حقیقی کے ساتھ بھی قلب کو ایک خاص تعلق، اسی لئے کہا گیا ہے کہ:۔

اِنَّ فِیْ جَسَدِ ابْنِ آدَمَ لَمُضْغَةً لَوْ فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَلَوْ صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ أَلَا وَ هِيَ الْقَلْبُ......الحدیث

(مسند الطیالسی:۷۸۹، ص:۱۰۶، الفردوس بماثور الخطاب:۲۱۸/۱،۸۳۳)

''آدمی کے جسم میں ایک پارۂ گوشت ہے، اگر اس میں فساد آیا تمام جسم میں فساد آیا، اگر وہ اصلاح پذیر ہوا تمام بدن اصلاح پذیر ہوا۔ خبردار ہو جاؤ، وہ قلب ہے۔ ہوشیار ہو جاؤ، وہ قلب ہے۔''

جب تک معاصی سے اجتناب تھا قلب پاک تھا، احادیث میں یہ مضمون موجود کہ ایک معصیت قلب پر ایسا کام کرتی ہے، جیسے زنگار کا ایک نقطہ چمک دار لوہے پر۔ پس غور کرو کہ چمکدار لوہا جس میں تمہارا منہ نظر آتا ہے کچھ دنوں کیچڑ میں پڑا رہا زنگ کے نقطے لگتے لگتے اس کو کالا بنا دیں گے، تب اس کی اصلاح کی کیا تدبیر؟ کسی لوہار کو تلاش کرو، وہ اس زنگ آلود لوہے کو بھٹی میں ڈال کر دھونکنی سے آگ کو دھونکے گا یہاں تک کہ لوہا اچھی طرح تپ جائے اور حرارت اس کے رگ و پے میں اس طرح سرایت کر جائے کہ خود انگارہ معلوم ہونے لگے، اس وقت لوہار اہرن پر رکھ کر ہتھوڑے

سے کوٹے گا، زنگ دور ہوگا، پانی میں غوطہ دے کر دھوئے گا پھر صیقل کرے گا، وہی زنگ آلود سیاہ لوہا آئینہ سکندری کی طرح شفاف ہو کر شکل محبوب دکھانے کے قابل ہو جائے گا، بلا تمثیل اسی طرح وہ مصفیٰ و مجلیٰ قلب جو زنگار معاصی و تکدرات ماسوی اللہ سے آلودہ ہو کر سیاہ پڑ گیا ہے، قلوب پر صیقل کرنے والے، یعنی تزکیۂ باطنی فرمانے والے (جن کی شان میں فرمایا گیا ﴿ یُزَكِّیْهِمْ ﴾ (وہ ان کا تزکیہ فرماتے ہیں) سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر کرو۔ ان کے دربار کے خادم ان کے ساتھ صحیح نسبت رکھنے والے اسی صیقل گری کے سند یافتہ شیخ کی خدمت میں لاؤ۔ وہ محبت الٰہی اور ایمان کی چنگاری باطنی قوت سے تمہارے قلب میں ڈالیں گے اور تمہیں سکھائیں گے کہ لَا اِلٰہَ کی دھونکنی سے اسے دھونکو اِلَّا اللّٰہُ کی ضربوں سے اسے کوٹو محمد رسول اللہ کے مبارک ذکر کے آب رحمت میں اسے غوطہ دو، اور پھر ذکر اسم ذات سے اس پر صیقل کرو۔ کفر و شرک کے جلی داغ اس طرح جائیں گے لاکو دماغ تک کھینچ کر ھاد ماغ سے نکال کر عرش تک پہنچاؤ، کہ تمام معبودین باطلہ فنا ہوں، لا معبود کا تصور ذہن میں رہے، وہاں سے فیوض الٰہیہ کو لئے ہوئے الٰہی جلال و قوت کی ضرب اِلَّا اللّٰہُ قلب پر دو تا کہ خدائے قدوس کی تجلیات قلب پر پرتو فگن ہوں، اور دل میں بیٹھ جائے کہ بس وہی ایک معبود ہے۔

جب یہ مضمون دل پر جم جائے، شرک و کفر، کذب و زور وغیرہ کا مجموعہ نفاق یا ریا کا شائبہ بھی باقی نہ رہ جائے، اس وقت لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ کا تصور کرو، یہ ہے انقطاع ماسوی اللہ۔ جب تک تن وہی سے ایک ہی جانب رجوع کر کے یکسوئی (CONCENTRATION) کے ساتھ متوجہ نہ ہو گے مطلب حاصل نہ ہوگا۔

لہٰذا اچھی طرح دل میں جمائیے کہ میرا مقصود سوائے اللہ کے کوئی نہیں ہے، جب یہ کیفیت راسخ ہو جائے تو آگے بڑھو، تکبر جس کا نقطہ قلب پر لگا ہے، بلکہ خود اپنی ہستی جو ایک پردہ بن کر راہ میں حائل ہے، انانیت کی صورت میں کہیں رنگ نہ لائے، اس لئے اس حقیقت پر غور کرو کہ وہی تھا اور کچھ بھی نہ تھا، وہ رہے گا اور کچھ بھی نہ ہوگا،

یہ تمام ظل ہو یا ظہور فی نفسہٖ کچھ بھی نہیں، اس کو بھی مٹاؤ، اور لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہ کے بجائے تصور کرو لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ کا۔ یہ ہے وہ زبردست تنقیہ جس کو اصطلاح صوفیہ میں جاروب قلب کے نام سے موسوم کرتے ہیں:

تا بہ جاروب لا نہ روبی راہ
نہ رسی در سرائے الا اللہ

اس میں دوا بھی ہے اور غذا بھی، مرض بھی جائے گا اور قوت بھی آئے گی، اس کے مختلف طریق ہیں، چہار زانو یا دو زانو بیٹھ کر، بلند آواز سے، خواہ پست آواز سے، خواہ سانس کے ساتھ تصور ہی تصور میں، خواہ حبس دم کے ساتھ محض تخیل سے، خواہ بلا حبس دم، خیال ہی خیال میں۔ اس لئے کہ اس دھیان کا اصل مطلب دھیان کا جمانا اور یکسوئی پیدا کرنا ہے، جس مریض کے لئے جیسا مناسب ہو یہ طبیب بتا سکتا ہے، اسی تنقیہ کو ''تزکیۂ قلب'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سلوک طریقت واحکام شریعت

عقلائے دہر اپنے ذہنی و عقلی و خیالی مفروضہ مجسمہ کو سامنے لائیں اور اس خیالی تصویر سے دل لگائیں، وہم پرست مادیات میں آلودہ اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی پتھر کی مورتوں یا آب و آتش کے سیال و مشتعل وجودوں سے دل بہلائیں، مگر مدرسہ حقیقت کے سمجھدار متعلمین کو سزاوار نہیں کہ چھوٹی چھوٹی چیزوں پر ریجھیں، مخلوق کو خالق سمجھیں، مملوک کو مالک جانیں، ان کا کام ہے کہ اس غیب الغیب سرالسر ہستی پر کما ھو ھو ایمان لائیں، وہ کیا ہے؟ کیسا ہے؟ جب حقیقت میں آنکھیں کھلیں گی، دیکھنے کے بعد مدرکہ حقیقی بیدار ہوگی، سمجھ لیں گے، اس کے دربار میں بار پائیں۔ تب وہ جو بلوائے گا بولیں گے، جو وہ سمجھائے گا سمجھیں گے:

﴿اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾ (البقرۃ:۳)

''جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔''

کے یہی معنی، یعنی صرف یہ اعتقاد کہ ''ہے'' اور کون کے جواب میں فقط ''ھو'' یہ ہے، ان کی ابجد جس کو لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ کہلواتے ہوئے پڑھایا جارہا ہے، درس گاہ میں قدم رکھا ہے، شان متعلمی یہ ہے کہ آداب بجالائے، معلم صادق علیہ الصلاۃ والسلام کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہہ کر اپنی غلامی اور اس سرکار اعظم ﷺ کے واسطۂ فیض ورابطۂ حقیقی ہونے کا اقرار کرلے، کوچۂ عشق ومحبت میں قدم رکھا ہے، عاشق کی بسم اللہ ہے، نقد جان ومال معشوق کے دربار میں نثار کرنا۔ اسی لئے:

﴿ اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴾

(الانفال:۳)

''جو نماز قائم کرتے اور ہمارے دیے سے خرچ کرتے ہیں''۔

سے ان عشاق جان باز کی کیفیات کا اظہار، جبین نیاز مالک کارساز کے سامنے جھک رہی ہے، قیام، رکوع وسجود وقعود آداب دربار شاہانہ ہیں، جس کی صورت نماز میں پیدا۔ ذوق محبت وجذبۂ عشق میں وارفتہ ہوکر کھانے پینے اور لذات نفسانی سے محرز رہ کر درجات قرب طے کرتے ہیں۔ اس کی کیفیت رمضان کے روزہ میں ہویدا۔ مال اس کے نام پر فدا، غرباء ومساکین پر تقسیم جس سے فریضۂ زکوٰۃ ادا، عاشق کی البیلی شان اسی طرح نمایاں کہ نہ پہننے کا ہوش، نہ بناؤ سنگھار کا دھیان، ایک چادر اوڑھے اور ایک چادر باندھے، کبھی کعبہ کے گرد پروانہ کی طرح نثار ہوتا ہے کہ یہاں معشوق نے دیدار کا وعدہ کیا ہے، کبھی صفا ومروہ میں دوڑ رہا ہے کہ محبوب نے ان گلیوں میں بھی جلوہ دکھایا ہے، کبھی عرفات کے میدان میں لبیک لبیک پکار رہا ہے کہ پیارے معشوق کے جلوے عشاق نے ان گھاٹیوں میں بھی دیکھے ہیں، عشق ومحبت کے ارادہ کی تکمیل اس حج سے ظاہر۔ اسی لئے شہادت کلمہ ونماز وروزہ، زکوٰۃ، حج یہ پانچ باتیں اس مبارک طریق کا اصول اساسی اور اس مبارک مدرسہ عشق ومحبت کے مضبوط

ستون۔ زبان اس مبارک حکم سے آراستہ، جسم ان چاروں ارکان کے مبارک لباس سے پیراستہ۔

﴿مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر:۷)

''رسول (ﷺ) جو کچھ تمہیں دیں لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو''۔

کا الہامی بیان ان کی حیات کے ہر شعبہ پر اسی طرح رنگ جمائے ہوئے کہ ہر حرکت، ہر سکون، ہر قول، ہر فعل، محبوب کے محبوب نمونہ کے سانچے میں ڈھلا ہوا۔ اب درس و تدریس کا دروازہ کھلتا ہے۔ معانی و بیان کے انکشاف کا وقت آتا ہے، اس جمال کے معائنہ کے لیے خاص آنکھیں درکار ہیں، اور ان مطالب کے ادارک کے لئے ایک خاص مدرکہ کی ضرورت۔ ہمت مردانہ کو کام فرمایئے اور استقامت کے ساتھ قدم بڑھایئے اور مطالعہ فرمایئے کہ وہ آنکھیں کونسی آنکھیں ہیں، اور وہ مدرکہ کونسی مدرکہ۔ صدر اول میں ایک نگاہ پر انوار سرکار ﷺ خاص ان آنکھوں کو منور اور اس خاص مدرکہ کو بیدار فرماتی ہے۔ دولت دیدار سرکار سے مشرف ہونے والے صحابہ آن کی آن اور لحظہ کے لحظہ میں فائز المرام اور دولت وصال سے شادکام ہوتے ہیں، آج بھی ان کی نسبت تو وہی قائم مگر حجابات ہیں عالم کی نظر کے سامنے، تکدرات ہیں دنیا کے آئینہ خیال میں، زنگ ہے روابط دنیوی میں مربوط انسانوں کے قلب پر:۔

اپنے آئینہ دل میں جو صفائی ہوتی
شکل محبوب الٰہی نظر آئی ہوتی

لہٰذا اس کی صفائی کی ضرورت۔ ورنہ اس مالک کی شان تو یہ ہے:۔

﴿إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ (البقرۃ:۱۸۶)

(جب آپ سے میرے بندے، میرے بارے پوچھیں، تو (انہیں بتادو)
میں (ان کے) قریب ہوں، دعا مانگنے والا جب مجھ سے دعا مانگتا ہے تو
اس کی دعا کو قبول فرماتا ہوں۔)

انہی تکدرات کو ہٹانے، حجابات کو اٹھانے اور زنگ معاصی کے چھڑانے کے وہ تمام طرق ہیں جو تصوف کے مختلف سلاسل میں رائج ہیں، مگر بعض افراد اپنے نزدیک ایک بہت زبردست اعتراض کی شکل میں یہ شبہہ پیش کر دیا کرتے ہیں کہ اذکار و اشغال کے یہ طریقے نو ایجاد ہیں، نہ زمانہ نبوت میں ان کا سراغ، نہ صحابہ و تابعین کے دور میں ان کا وجود۔ یہ شبہہ محض ناواقفیت ولاعلمی کے سبب پیدا ہوتا ہے، کہ نہ ہمارے ان شبہہ کرنے والے عزیزوں کو ان اذکار کی حقیقت کا علم، نہ اسلام کی حقیقی تعلیمات کی خبر۔

اس مقام پر ہم چند باتوں کا اظہار ضروری خیال کرتے ہیں تا کہ ان شبہات کا سد باب ہو سکے۔ اگر یہ امر کہ سرکار دو عالم ﷺ روحی فداہ کے زمانہ میں ان طرق کا رواج نہ تھا؟ صحیح مان بھی لیا جائے تو آپ دن رات دیکھتے ہیں کہ ان دیہات میں جہاں کوئی ماہر فن جراحی موجود نہیں، کسی دنبل یا پھوڑے سے مواد خارج کرنے اور پھر زخم کے اندمال کے لیے ادویہ کا استعمال کیا جائے گا، اور پلٹس باندھی جائے گی، ہاں! اگر کسی شہر میں کوئی قابل سرجن موجود ہو تو اس قدر مشقت کی ضرورت نہیں۔ وہ ایک آن واحد میں عمل جراحی (آپریشن) کرے گا، اور تھوڑی مدت میں سب کام درست ہو جائے گا۔ مدتوں کا مریض کمزور عرصہ تک اطباء کے زیر مشق رہے، مگر ایک تجربہ کار ماہر فن طب اکسیر کی ایک ذرا سی پڑیا میں ایک عرصہ کے مفلوج وجود کو کندن بنا دیتا ہے۔ اسی مثال سے قیاس فرمالیجئے کہ دور اول میں نظر کیمیا اثر سرکار دو عالم ﷺ آن واحد میں آلودگی و تکدرات ماسوی اللہ سے قلب کو پاک کرنے والی ہوتی اور اپنی قوت باطنی سے روح کو درست حالت میں لانے والی ہوتی۔ اس دور میں ہماری ظاہری آنکھیں اس جمال پر انوار کے دیدار سے محروم ہیں۔ ہمیں ان اصولوں پر غور کرنا ہے جو ہمارے

علاج اور تغذیہ کے لیے سرکار نے بتائے اور اس پلٹس کو استعمال کرنا ہے جو مواد کو پکائے اور قابل اخراج بنائے۔ اندرونی علاج کرنا ہے اس مادہ فاسدہ کا جو ہماری صحت روحانی کا سب سے بڑا دشمن ہے، یعنی نفس امارہ، جس کے لئے قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ﴾ (یوسف:۵۳)

''نفس تو برائی ہی کا حکم دینے والا ہے''۔

اور سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد کہ:۔

أَعْدَا عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِيْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ.

(جامع الاحادیث والمراسیل: ۱۸۲۳۰، الاکمال من الجامع الکبیر ۶/۲۰۶، العسکری فی الامثال عن سعید بن ابی ہلال)

''تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو جنبین (دو پہلوؤں) کے درمیان ہے''۔

پھر علاج کرنا ہے اس بیرونی سرد و گرم حملہ کا جو شیطان کی صورت میں رونما ہو، جس کے لیے ارشاد خداوندی ہے کہ:۔

﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (یوسف:۵)

''یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے''۔

اور ﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾

(البقرۃ:۲۶۸)

''شیطان تمہیں فقیری کی طرف بلاتا ہے اور بے ہودہ باتوں کا حکم دیتا ہے''۔

پس ان دونوں امراض کا علاج وہی اصول علاج بالضد کے مطابق ملاحظہ فرمایئے۔ دشمن اول کے مقابلہ کے لیے ارشاد:

خَالِفُوا الْهَوٰى.

''مخالفت کرو خواہشوں کی''۔

دوسرے دشمن کے لئے حکم کہ

﴿وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾

''شیطانی خطروں کی پیروی نہ کرو''۔

اسہال کی تدابیر و اخراج مادہ کا طریق صورت توبہ میں موجود:

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ (النساء:۶۴)

(اور جب یہ اپنی جانوں پر (گناہوں کا ارتکاب کر کے) ظلم ڈھا بیٹھیں تو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں، اللہ سے مغفرت کے خواستگار ہوں اور رسول بھی ان کے لئے بخشش طلب کریں، تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے اور بہت رحم فرمانے والا پائیں گے)

استغفار کی حقیقت

اَلتَّوْبَةُ اَلنَّدَمُ.

''توبہ شرمندگی کا نام ہے''۔

سے ظاہر تھی۔ اب رہیں اغذیہ ان کے لیے ارشاد اور نہایت روشن ارشاد کہ دل کا چین اور قلب کی راحت اللہ کے ذکر میں ہے:۔

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (الرعد:۲۸)

''دل اللہ ہی کے ذکر سے آرام پاتے ہیں''۔

دل کے چین اور اطمینان پر تمام امور موقوف، اس لیے کہ وہ تمام وجود کی جڑ اور تمام جوارح اسی سے متعلق۔ اسی لیے دل کو یہ غذا پہنچانے کے لیے تاکید پر تاکید کریں۔ ارشاد کہ:

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾

''تم میرا ذکر کرو، میں تمہارا ذکر کروں گا''۔

کہیں یہ حکم کہ:

﴿وَ اذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَ الْإِبْكَارِ﴾

(آل عمران:۴۱)

"کثرت کے ساتھ اپنے رب کا ذکر کرو، اور شام سویرے اسی کی پاکی بیان کرو"۔

تحریض کے لیے حدیث میں یوں فرمایا گیا:

لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَ غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَ نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَ ذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ.

(مسلم: ۶۸۰۵، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن، مسند امام احمد: ۱۱۶۲۰، مسند ابی سعید الخدری، ۵۲/۳۰)

"جو لوگ اللہ کا ذکر کرنے بیٹھتے ہیں، فرشتے انہیں اپنے پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں، ان پر سکون و اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ والوں کے پاس ان کا ذکر فرماتا ہے"۔

رحمت ان پر چھا جاتی ہے، سکینہ و اطمینان انہیں حاصل ہوتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اس مجمع میں یاد کرتا ہے جو (اس کے مقربین کا) اس کی بارگاہ میں ہے"۔

پھر تہدید کے لیے قرآن کریم میں آیا:

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ (طٰہٰ:۱۲۴)

"جس کسی نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی اس کے لیے تنگ روزی ہے اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے"۔

پھر حدیث میں یہ بھی بتایا گیا کہ:

أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.

اس کے وہ مختلف طریقے ہیں جو مختلف سلاسل صوفیہ میں رائج ہیں تا کہ روح وقلب کو ان کے ذریعہ ایسی قوت حاصل ہو جائے کہ وہ آرام پا سکیں، چین حاصل کر سکیں اور قوت دافعہ اس قدر بڑھ جائے کہ مادہ فاسدہ یعنی نفس امارہ و حملۂ بیرونی یعنی

شیطان وابلیس کے شرور سے محفوظ ہو جائیں۔!

جہاد کی فرضیت وضرورت میں کس کو انکار، مقصود اصلی مقابلہ کفار مسلم، اس کے لیے سامان کی حاجت تسلیم، زمانِ سرکار ﷺ میں تیر وتلوار و نیزہ وکمان کے ذریعہ مقابلہ کفار کیا جاتا، آج اگر توپ، بندوق، ہوائی جہاز، بم کے گولے یا سمندروں میں تارپیڈو وغیرہ جہاد کے وقت استعمال میں لائے جائیں تو کیا اس کو یہ کہہ کر چھوڑا جا سکتا ہے کہ سرکار ﷺ کے زمانہ میں یہ آلات نہ تھے۔ علی ہذا ایمانی قوت رکھنے والے سرکار ﷺ کے فیض صحبت سے پلنے والے صحابہ کو نہ پریڈ کی ضرورت تھی، نہ قواعد کی حاجت، نہ نشانہ بازی کا باقاعدہ انتظام۔ آج اگر باقاعدہ بہ تعین اوقات قواعد و پریڈ کے لیے اہتمام کیا جائے اور جدید اصول حرب استعمال میں لائے جائیں، تو کیا ان کو یہ کہہ کر رد کیا جا سکتا ہے کہ قرون سابقہ میں ان کا وجود نہ تھا۔ شاید ہی کوئی بے عقل ایسا ہو جو ایسی رکیک بات اپنے ذہن میں بھی لائے۔ بس اسی پر قیاس کر لیجئے کہ یہ جتنے طرق ہیں، ہر زمانہ کے مطابق اعداء کی سرکوبی کے لیے اختیار کیے جا رہے ہیں، جس کی تعلیم خود سرکار ﷺ نے دی۔ وہاں تو آلات حرب کی صورت اور جنگ کا طریق ہی بالکل بدلا ہوا نظر آتا ہے لیکن یہاں نہ آلات میں تغیر، نہ طریق جدال میں تفاوت، اصل وہی تعلیمات ہیں، طریق ادا ہر متعلم کی استعداد کے مطابق۔ حلال وحرام کو دلائل قرآن عظیم و احادیث رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے واضح کر دیا۔ بکرے کا گوشت حلال اور مقوی، انڈہ، مکھن، دودھ، دہی، ساری غذائیں اچھی ہی اچھی، اسی طرح پھل پھلواری، دال ترکاری، اجمال یا تفصیل سے بہرصورت کسی نہ کسی طرح ہر شے کے متعلق حکم بتا دیا گیا۔ اور پھر جس کی حرمت ثابت نہ ہو، اس کے لیے:

أَصْلُ الشَّيْئِ فِيْ كُلِّ أَمْرٍ اِبَاحَةٌ.

(ہر معاملہ میں اصل چیز اباحت ہے۔)

کا کلیہ فقہاء نے ترتیب دے دیا۔

گوشت حضور انور ﷺ نے بھی کھایا، صحابہ نے بھی تناول فرمایا، تابعین و تبع

تابعین سبھی نے نوش جان کیا، مگر کس طرح؟ کیا ہماری طرح کوٹ کر، مصالحہ ملا کر، کباب سیخ بنا کر، یا مرغن و مجرب قلیا قورما، سوپ، یخنی بنا کر، یا یونہی بڑے بڑے ٹکڑے آگ پر گرم فرما کر۔ آج اگر گوشت کو ان ترکیبوں سے پکایا کھایا جائے تو کیا کوئی سمجھدار اس پر یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ کھانے کا یہ طریقہ بدعت یا خارج از اباحت، ہاں! جو کہے گا یونہی کہے گا کہ گوشت کھانا سنت، دست کا گوشت اور بھی زائد قابل رغبت، اس لیے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو اس سے خاص الفت، اسی طرح اس باب میں بھی تصور فرمالیجیے کہ ذکر نفی و اثبات یا اسم ذات ذکر ہی ہے، نہ کہ کچھ اور، اور اس کا ورد کرنا ہر مومن و مسلم کا کام۔ ہاں! ورد کا کیا عنوان، یہ ہر ایک شخص اپنی آسانی اور ضرورت کے مطابق خود غور کرے کہ کس طرح میرے لیے زیادہ نافع ہوگا، اور اس روحانی غذا کو کس طرح کس مصالحے کے ساتھ بنا کر میں زیادہ لذت یاب ہو سکتا ہوں، خود نہ غور کر سکے، دوسروں سے مشورہ کر لے کہ کھانا پکانے کے نت نئے طریقے روز بروز یونہی نکلتے رہتے ہیں۔ ایک اصول یہیں سمجھ لیجیے اور یاد رکھیے، ان شاء اللہ تعالیٰ ہر جزئیے میں کام دے گا کہ ذکر الٰہی کا داخل دین ہونا تو ثابت، اب اگر ان طریقوں میں سے کسی طریق پر کسی صاحب کو اعتراض ہو تو وہ براہ کرم اس کے حرام، مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی ہونے کے لیے کوئی دلیل شرعی بیان فرما دیں، اگر ان تینوں باتوں میں سے کسی کے لیے بھی دلیل نہ ہو (اور یقیناً نہیں ہے) تو امر مباح اپنی اباحت پر قائم۔ چونکہ یہ ذکر اللہ ہے، اس کا مستحب و سنت ہونا ظاہر و باہر۔ قرآن عظیم منزل من اللہ اور اس کا پڑھنا اور جاننا ہر مسلمان پر واجب۔ اس کے پڑھنے کے لیے دن رات ہم اپنی ضرورتوں کے مطابق نئے نئے قاعدے بناتے ہیں، اسی کے سمجھانے کے لیے صرف و نحو، اسی کے حقائق تک رسائی پانے کے لیے معانی و بیان، پھر مخالفین قرآن کے اعتراضات کے دفاع کے لیے معقول و فلسفہ، بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ سب تعلیمات اسی لیے ہیں کہ خدا کا کلام سمجھنے کی قابلیت پیدا ہو جائے، اسی طرح اصل مقصود یہ ہے

کہ بندہ اپنی شان بندگی کا لحاظ رکھتے ہوئے اس معبود حقیقی کے دربار میں سر نیاز جھکائے اور جس عبادت کا وہ حقیقی مستحق ہے، نیز جس انداز عبادت کو بجالانے کا یہ بندہ بشان عبدیت مکلف، وہ عبادت حضور قلب کے ساتھ بجالائے تا کہ اس کے دربار میں قرب و وصول کی نعمت سے مالا مال ہو کر عرفان کے منازل طے کرتے ہوئے اس رب کو جانے اور اسے پہچانے۔ اس عبادت کا بہترین طریق بلکہ واحد انداز بصورت فرض بندہ کے ذمہ نماز کی شکل میں عائد کیا جاتا ہے، اور اسی نماز کو منازل عرفان کی معراج بتایا جاتا ہے۔

سلوک الصلوٰۃ

نماز کی اہمیت یہ بتاتے ہوئے جتائی جا رہی ہے کہ:

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ، مَنْ اَقَامَهَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّیْنَ وَ مَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّیْنَ۔ (کشف الخفاء: ۱۶۲۱، ۳۹/۲)

''نماز دین کا ستون ہے، جس نے اسے قائم کیا (یعنی وقت پر ادا کیا) اس نے اپنے دین کو قائم کیا، اور جس نے اس کو ترک کیا دین کی عمارت کو ڈھا دیا''۔

کہیں ارشاد ہوتا ہے:

لَیْسَ بَیْنَ الْعَبْدِ وَ الْکُفْرِ اِلَّا تَرْکُ الصَّلٰوۃِ۔

(سنن البیہقی الکبری: ۹۲۸۸، ۳۶۶/۳)

''بندہ اور کافر (پھرے ہوئے) میں فرق ترک نماز ہی سے ہے''۔

کہ جو اپنے آپ کو خدا کا بندہ سمجھتا ہے، جبین نیاز مالک بے نیاز کی بارگاہ میں جھکاتا ہے، اور جو سرکشی کرتا ہے کافر (پھرا ہوا) کہلاتا ہے، بے شک نماز ہی وہ بہترین عبادت ہے جو بندہ کو مولیٰ تعالیٰ سے ملنے کا رستہ بتائے اور قرب کے منازل

طے کرائے کہ:

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

(شرح سنن ابن ماجہ: ۴۲۳۹، ۳۱۳/۱)

''نماز ایمان والوں کی معراج ہے''۔

خواہ اسے یوں سمجھ لیجئے کہ جس طرح لیلۃ المعراج میں صاحب معراج رسول اکرم ﷺ نے جمال الٰہی بے پردہ و بے حجاب ملاحظہ فرمایا، اسی طرح بندہ چشم بصیرت و نظر قلبی سے حالت نماز میں تجلیات الٰہیہ کا معائنہ کرتا ہے، اسی لیے ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ۔

(احمد: ۶۱۳۰، مسند عبد اللہ بن عمر بن الخطاب ۲/ ۲۸۰، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۱۲۸۷، ۲۸۲/۸، ۷۳۴، فی البکاء، ۱۱۳/۳۰، مجمع الزوائد: ۹۳۱۲، باب فی صلوٰۃ العشاء، وجامع الاحادیث والمراسیل: ۹۳۲۰، مسند زید ان عوام ۸۳/۱۷)

''اپنے رب کی عبادت اس طرح کرو گویا اس رب کو دیکھ رہے ہو''۔

قرآن عظیم نے اسی کیفیت کی طرف

﴿ اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ﴾

''وہ جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں''۔

کہتے ہوئے اشارہ کیا۔ پس غور طلب امر یہ ہے کہ یہ کیفیت خشوع و خضوع اور یہ حضوری جس کی یہاں تک تاکید کہ

لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ۔ (مختصر المختصر: ۳۳/۱)

''بغیر دل لگائے نماز ہوتی ہی نہیں''۔

کیوں کر میسر آئے اور

وَاعْبُدْ رَبَّكَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ

''اپنے رب کی عبادت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے''۔

کی صورت کس طرح جلوہ دکھائے، ظاہر ہے کہ جب تک آئینہ قلب تکدرات ماسوی اللہ میں آلودہ ہے اور خس و خاشاک تخیلات واہیہ سے ملوث، تجلیات الٰہیہ اس میں کیونکر جلوہ نما ہوں۔ آج آلودہ زنگ خوردہ آئینہ آفتاب کی ایک کرن کا رونما بھی نہیں ہوسکتا تو زنگ آلودہ قلب کیوں کر اس آفتاب حقیقت کے پرتو سے منور ہوسکتا ہے۔

زد تو زنگار از رخ او پاک کن
بعد از آن آن نور را ادراک کن

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

کا ذکر پاس انفاس کی کیفیت میں ہو، یا جلی و خفی کی شکل میں، اسی خس و خاشاک کے دور کرنے کے لئے کیا جاتا ہے، اور چشتیہ و قادریہ، سہروردیہ و نقشبندیہ اذکار کی تمام مشقیں اسی زنگ معاصی کے اثر کو زائل کرنے کے لیے کی جاتی ہیں:۔

رکھ اپنا ورد دلا لا الہ الا اللہ
ہے زنگ دل کی جلا لا الہ الا اللہ

مراقبات میں یک سوئی کی مشق اسی لیے بڑھ جاتی ہے کہ قلب و روح لطف نماز سے بہرہ اندوز ہونے کے قابل ہو جائیں۔ اس وقت نماز حقیقی نماز ہو جائے گی۔ اسی لیے اس تزکیہ و تصفیہ کے طریق پر عمل کرنے والے تصوف کی اصل اسی مبارک حدیث میں بتا رہے ہیں جو احسان کی تعریف:

أَنْ تَعْبُدَ رَبَّكَ كَأَنَّكَ تَرَاه۔ (تخریج پہلے گزر چکی ہے)

سے کر رہی ہے۔ بے شک جب آئینہ قلب کو اس طرح مجلیٰ و مصفیٰ بنا کر پوری یکسوئی کے ساتھ اس معراج صلوٰۃ پر گامزن ہوں تو عروج یقینی، و وصول قطعی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہی وجہ ہے کہ حقیقی اور واقعی نماز کے ادا کرنے والے یقیناً اس نماز ہی کے

ذریعہ تمام مدارج طے فرماتے اور منزل مقصود تک رسائی پاتے ہیں۔ یہ مسلم ہے کہ نماز کے لیے طہارت شرط، اور بدن کا نجاست سے پاک ہونا لزوماً ضروری۔

نجاست کی دو قسمیں فقہ میں بیان کی گئیں:

اول: نجاست حقیقی جیسے پیشاب، پاخانہ، شراب وغیرہ۔

دوم: نجاست حکمی جیسے جنابت، حدث۔

جس طرح نظر ظاہر بیں نجاست حقیقی کو دیکھتی ہے اور دور کرنا ضروری سمجھتی ہے اسی طرح نظر شریعت میں نجاست حکمی کو ملاحظہ کرتی اور غسل و وضو سے دور کرنا ضروری سمجھتی ہے۔ یہی غسل و وضو بے شک بدن کو ظاہری میل کچیل سے پاک بناتا اور نجاست حکمی کو دور کرتا ہے۔ نظر حقیقت بین معاصی کی نجاست کی طرف جاتی ہے اور بمصداق ارشاد سرکار دو عالم ﷺ کہ وضو ہاتھوں کے گناہوں کو پاک بناتا ہے، چہرہ پر پانی کا بہانا چہرہ کے صغیرہ گناہوں کو دھوتا ہے، وعلی ہذا القیاس۔

پھر آخر میں اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ کہنے والا بندہ تمام کبیرہ گناہوں سے بریت کا اظہار کرتا ہے۔ اسی غسل و وضو کی معنوی کیفیات وہ تمام طرق توبہ و اذکار و اشغال عالم ناسوت ہیں جو حقیقی نماز پڑھنے کا طالب لذت نماز سے فیض یاب ہونے کے لیے عمل میں لاتا ہے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ (أَوِ الْمُؤْمِنُ) فَغَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ اِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ (أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ)، فَاِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ (أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ) فَاِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَ كُلُّ خَطِيْئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ (أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ) حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوْبِ.

(مسلم: ۵۳۰، باب خروج الخطایا مع ماء الوضوء)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ مسلم (یا مومن) وضو کرتا ہے، اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو قطرۂ آب کے ساتھ (یا آخری قطرہ کے ساتھ ہی) اس کی ساری خطائیں ختم ہو جاتی ہیں جو اس کی آنکھوں سے صادر ہوئی ہیں، جب ہاتھ دھوتا ہے تو پانی کے قطرہ کے ساتھ (یا آخری قطرہ کے ساتھ ہی) ہاتھ کی ساری خطائیں دور ہو جاتی ہیں جو کچھ پکڑنے کی وجہ سے صادر ہوئی ہوں، جب پاؤں دھوتا ہے تو قطرۂ آب کے ساتھ ہی (یا آخری قطرہ کے ساتھ ہی) پاؤں کی ساری لغزشیں جاتی رہتی ہیں جو چلنے کی وجہ سے صادر ہوئی ہوتی ہیں، یہاں تک (جب وضو سے فارغ ہو چکا ہوتا ہے) تو گناہوں کی تمام آلائشوں سے پاک وصاف ہو چکا ہوتا ہے۔

اب عالم ناسوت سے سیر ملکوت، کی طرف اٹھتا ہے، اور بمصداق ئے:

مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ اَلطُّهُوْرُ وَ تَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَ تَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ.

(مسند امام احمد ۱۰۰۵، مسند علی بن ابی طالب ۱/۱۹۶، والترمذی ۳، باب ما جاء اَن مفتاح الصلاۃ ۔۔۔ ۱/۱۳)

"نماز کی چابی طہارت (وضو)، اس کی تحریم تکبیر، اور تحلیل سلام پھیرنا ہے۔"

قلب کو ماسوی اللہ سے پاک بنا کر حرم صلوٰۃ میں داخل ہونے والا اللہ اکبر کہہ کر دروازۂ ناسوت کو بند کرتا اور ملکوتی شان اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ ملائکہ کی شان ہے کہ:

يُسَبِّحُوْنَ اللّٰهَ لَيْلًا وَ نَهَارًا، وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ.

"رات دن اللہ کی تسبیح کریں اور وہی کریں جو حکم پائیں"۔

سب سے پہلے تسبیح و تحلیل سے افتتاح کرتا ہے، کہتا ہے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ وَ لَا اِلٰهَ غَيْرُكَ.

پھر سرکش شیطان سے پناہ مانگتے ہوئے خدا کا نام لے کر اسی کی زبان میں حمد باری تعالیٰ بجا لاتا ہے، اس مالک کی شان بندہ نوازی، کہ جو شرف ہم کلامی شبانہ

روز تسبیح و تحلیل میں مشغول رہنے والے ملائکہ کو حاصل ہو وہ آلودۂ معاصی بندہ جو ابھی ابھی توبہ کے پانی سے طہارت حاصل کرتے ہوئے حاضر دربا ہوا ہے، اسی مرتبہ پر فائز فرمایا جاتا ہے۔

دریائے رحمت جوش زن ہے، بندہ نے عرض کیا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

ادھر سے ارشاد ہوتا ہے:

حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ

''میرے بندہ نے میری تعریف کی''۔

بندہ عرض کرتا ہے:

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ادھر سے ارشاد ہوتا ہے:

مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ

(میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی)

بندہ عرض کرتا ہے:

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

ادھر سے ارشاد ہوتا ہے:

أَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ

(میرے بندے نے میری ثنا بیان کی)

پھر بندہ اپنی صحیح حالت کا بیان اس طرح کرتا ہے اور اپنا رابطہ اس مالک کے ساتھ اس طرح جتاتا ہے کہ:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

یعنی میں نے تمام ماسوی اللہ کو چھوڑا۔ سب جہان سے منہ موڑا۔ میں تیرا

بندہ تو میرا معبود۔ نہ کسی سے یہ رشتہ عبدیت، نہ کسی سے طلب و استعانت، تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔

اس جاذبہ کا سامنے آنا ہے اور اس کمال طلب کا پیش کیا جانا کہ ادھر سے دریائے محبت کی موجیں بڑھ کر استقبال کرتی ہیں اور بغایت جود و کرم ارشاد ہوتا ہے:

هٰذَا بَيْنِيْ وَ بَيْنَ عَبْدِيْ وَ لِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ.

(احمد: ۷۲۶۹، مسند أبي هريرة ۴۶۶/۲، سنن أبي داؤد: ۸۲۰، باب من ترك القراءة في وصلاته بفاتحة الكتاب ۲۱۶/۱)

''یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان راز و نیاز کی بات ہے کہ اس نے سارے عالم سے منہ موڑ کر میری چوکھٹ کو تھاما اور یہاں سر نیاز کو جھکایا ہے۔ پس میرے بندہ کے لیے ہے جو چاہے وہ مانگے''۔

گویا صاف لفظوں میں یوں کہا جاتا ہے کہ مانگ کیا مانگتا ہے؟

سمجھ دار بندہ دنیا کی دولت، عالم کی عزت، سب پر لات مار کر طالب ذات بن کر آیا ہے، اس لیے مردانہ وار نیاز مندانہ صورت میں طلب ذات کس خوبصورت انداز سے کرتا ہے:۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

''مجھے سیدھی راہ پر لگا دے''۔

خط مستقیم دو نقطوں کے درمیان اُقرب الخطوط کو کہتے ہیں۔ بندہ کی طلب بھی یہی کہ نقطۂ واجب الوجود و نقطۂ ممکن الوجود (مخلوق) یا نقطۂ معبود و نقطۂ عبد کے درمیان جو اُقرب الخطوط ہو اس پر مجھے جما دے، لگا دے، یعنی میرے اور تیرے درمیان جو حجابات ہیں انہیں اٹھا کر مجھے اپنی ہستی میں ایسا گم کر دے کہ بس تو ہی تو رہ جائے اور غیریت مٹ جائے:

اے جانِ جہاں اے روحِ رواں بس تو ہی رہے اور میں نہ رہوں
میں تجھ میں ہوں گم تو مجھ میں عیاں، بس تو ہی رہے اور میں نہ رہوں

یہی راہ ہے، یہی طریقہ ہے جس پر تیرے وہ بندے چلے جن پر تو نے انعام

کیااور أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي کاخلعت پہنا کر اپنا مظہر حقیقت بنایا، یعنی انبیاء و مرسلین، صدیقین، شہداء و صالحین علیہم السلام و رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

اور اس کج روی سے بچالے جس میں وہ لوگ پڑے رہے جن پر تو نے غضب کیا اور جو گمراہ ہو گئے:

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّالِّيْنَ. آمین

کہا، دعا قبول ہوئی۔ وہ عزت خاص بخشی گئی کہ خدا کا کلام اور بندہ کی زبان کچھ دیر کے لیے بندہ ہے اور مجرد تلاوت قرآن فَاقْرَأُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ کا فرمان اس پر برہان۔

اس گزارش کا دربار خداوندی میں پیش کیا جانا اور در اجابت کا وا ہونا، جبروتی جلوے نظر حقیقت بین کو محو تماشا کرتے ہیں، ملکوت سے جبروت کی طرف صعود ہے، اور الٰہی جلال و جبروت کی شان ملاحظہ کرتے ہی بندہ باادب دربار ایزدی میں سر نیاز جھکا رہا ہے۔ اَللّٰهُ أَكْبَرُ کہتے ہوئے سر جھکانا اور سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ کہنا انہی کیفیات جبروت کے مشاہدہ کا پتہ دیتا ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ

(تو اپنے عظمت والے رب کے نام کی تسبیح کرو۔)

فرماتے ہوئے اسی عظمت و جبروت والی ذات کی تسبیح کا حکم دیا گیا۔ یہاں سالک مقام جبروت متصل مشاہدۂ تجلیات جبروتی میں محو تماشا ہے اور اس سمیع حقیقی کی صفت سماعت کا نظارہ کرتے ہوئے

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتے ہوئے سر اٹھاتا ہے۔

رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

اس موہبت عظمٰی پر ادائے شکر کا انداز ہے۔ پھر شوق جمال یار میں دیوانہ وار خود رفتہ ہو کر عالم بے خودی میں سر جھکاتا ہے اور سجدہ نیاز بجالاتا ہے، یہ ہے قرب خاص کا مقام کہ حدیث میں آیا:

''بندہ کو اپنے مولیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ قرب حالت سجدہ میں ہوتا ہے''۔

اب نہ پردہ ہے نہ حجابات لاہوتی، جلوہ آنکھوں میں ہے اور بندہ بشکل ''ھ'' ہائے ہویت میں گم ہے۔ زبان سے شکریہ باری میں اس کے علو مکان کے ملاحظہ پر سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى کہہ رہا ہے۔ ادھر سے لاہوت کی طرف پیش قدمی تھی، اُدھر ھاہوتی و یاہوتی عوالم کے نظاروں سے طالب صادق کا استقبال کیا جا رہا ہے، وہ ذات بحت بے حد و بے نہایت:

اے برادر بے نہایت درگہے است
ہر چہ بروے می رسی بروے مایست

کا سبق پڑھنے والا اس کمال اشتیاق میں کہ اب اس سے آگے رسائی ہوگی، سر اٹھاتا ہے اور بکمال خضوع سر جھکاتا ہے۔ پھر وہی نظارے ہیں، وہی تماشا، ادھر حیرت بالائے حیرت کا اضافہ۔ یہ مقام تلوین ہے، اپنی آلودگی، عالم ناسوت کے ساتھ وابستگی پر شرماتا ہے۔

اور پھر اسی حالت اولیٰ کی طرف عود کرتا ہے کہ:

مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ.

''ہم نے تو تیری عبادت کا حق ہی ادا نہیں کیا''۔

اپنی بے بضاعتی پر آنسو بہاتا ہے اور پھر بغایت خشوع و خضوع تلاوت فاتحہ وَمَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ کرتے ہوئے اسی عالم کی طرف دوڑ رہا ہے۔ آخر سجدہ کے بعد اجازت قعود ملتی ہے اور اس نوازش و مکرمت پر شکریہ بجالانے کے لئے آداب و تحیات دربار:۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَ الصَّلَوَاتُ وَ الطَّيِّبَاتُ.

کہتے ہوئے ادا کرتا ہے۔ اور اس سرکار احمد مختار روحی فداہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، جن کے صدقے میں یہ سعادت ملی۔ امم سابقہ میں سے کوئی برسوں حالت

قیام ہی میں رہا، کسی کو رکوع سے زائد آداب بجالانے کی جازت ہی نہ ملی، کوئی سجدہ ہی میں برسوں سر رگڑ اکیا، یہاں یہ لطف و کرم کہ سب مقامات ایک ہی وقت میں طے، اور سب کیفیات کا ایک ہی وقت میں ورود، وہ نہ دے کچھ نہ ملے، یہ کچھ نہ تقسیم فرمائیں، ہم کچھ نہ پائیں۔ وہ دینے والا، یہ بانٹنے والے:

اِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ" انہی کی شان، وَاللّٰهُ الْمُعْطِي" اسی کا مرتبہ بغایت ادب نقل واقعۂ معراج کی نیت سے نہیں بلکہ بملاحظہ حضوری دربار سرکار ابد قرار ﷺ عرض پرواز کہ:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ

پھر اس حالت پر استقامت اور اس راہ پر ثبات کے لئے دعا کرتا ہے:۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰالِحِيْنَ.

بحر توحید میں غواصی کے لیے:

أَشْهَدُ أَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.

کا نعرہ لگاتے اپنی اسی نسبت کا اظہار کرتے ہوئے جن کے صدقے میں مدارج نصیب ہوئے، ان کی رسالت کی گواہی:

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ (ﷺ)

کہتے ہوئے دیتا ہے کہ یہ ایسی جلیل بارگاہ ہے جہاں وہ افضل الرسل، ہادی سبل ﷺ بہ شان عبدیت جبین نیاز جھکائے ہوئے ہیں، اور رحمت الٰہی کی طلب اس صحیح انداز میں کرتا ہے کہ رحمت ہمیشہ اصل پر آئے تو فروع تک پہنچتی ہے۔ اصل کائنات ذات سید موجودات ﷺ ہے، ان پر رحمت آئے تو غلاموں تک پہنچ جائے۔ اسی لیے وہ مالک عالم یوں فرماتا ہے کہ:۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ (الاحزاب:۵۶)

"یقیناً اللہ رحمت بھیجتا، اور فرشتے رحمت لے کر آتے ہیں نبی ﷺ پر"۔

پس ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الاحزاب:۵۶)

اے ایمان والو!

اگر تم اللہ کی رحمت سے حصہ لینا چاہتے ہو، اور خدا کے کرم کے خواستگار ہو تو:

﴿صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (الاحزاب:۵۶)

"ان کے لیے دعائے رحمت کرو اور ان کے دربار میں سلام بجالانے کے آداب کے موافق ہدیۂ سلام پیش کرو"۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

(بخاری:۳۳۰۵، باب یزفون۔النسلان فی المشی، و مسلم:۸۵۸، باب الصلاۃ علی النبی بعد التشہد)

پھر شرمندہ ہو کر اپنی کوتہی پر اور بکمال تضرع عرض پرواز ہے کہ:

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ، رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ. (ابراہیم:۴۰۔۴۱)

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَ ارْحَمْنِيْ اِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ.

(بخاری:۸۳۵، باب الدعاء قبل السلام، و مسلم:۶۸۱۹، باب استحباب خفض الصوت بالذکر)

"اے میرے پروردگار! میں نے اپنی جان پر بہت ستم کیا ہے، اور تیرے علاوہ کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں ہے، اپنی جناب سے میری مغفرت اور مجھ پر رحم فرما، یقیناً تو بہت ہی بخشنے، بہت ہی رحم فرمانے والا ہے"۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ

کہنا تھا کہ پھر عالم ناسوت سامنے ہے اور اس کے تمام لذائذ اپنی اصلی

صورت میں موجود، لیکن:

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا
سب سے بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا

تیز ترین روشنی سے معمولی روشنی میں آنے والا انسان جانتا ہے کہ اگر چہ اس شمع سے گھر میں اجالا ہے، مگر بجلی کی سینکڑوں بتیوں کے انوار نے اس کی آنکھوں میں وہ کیفیت نورانیہ برقیہ پہنچائی ہے کہ اب یہ شمع کا اجالا بھی اسے اندھیرا ہی معلوم ہوتا ہے۔

اس نورانیت حقیقی سے چشم باطن کا لذت اندوز ہونا وہ کیفیت پیدا کر چکا ہے کہ اب اس عالم ناسوت کی کوئی لذت جس میں وہ کیفیت حقیقی نہ ہو، یعنی کوئی معصیت خواہ کیسی ہی دلربایانہ شکل میں کیوں نہ آئے، اس کی آنکھوں میں نہیں سماتی۔ یہی معنی ہیں اس مبارک فرمان کے کہ:

﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَ الْمُنْكَرِ﴾

''نماز تمام فحشاء ومنکرات سے بچاتی ہے۔''

نماز کی لذت سے بہرہ یاب ہونے والے کو اب کوئی معصیت وفسق وفجور بھاتا ہی نہیں اور اسے ان میں سے کسی چیز میں مزا آتا ہی نہیں۔ زہد وورع، تقویٰ و طہارت کی حقیقت روشن ہوتی ہے اور مست دیدار محو تماشائے یار پھر اسی آنکھوں کی ٹھنڈک کا طالب ہے، جیسا کہ فرمایا گیا:

قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ۔

(احمد: ۱۲۰۳۹، مسند انس بن مالک ۳/۵۵۲، والبیہقی: ۱۳۹۱۸، باب رغبۃ فی النکاح ۱۰/۲۳۶، وسنن نسائی: ۳۹۵۰، باب حب النساء)

''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے''۔

یہ فرائض کی ادائگی، اب سنن میں شغف، اور اس سے بھی آگے بڑھے نوافل میں مشغولی تا کہ بندہ محو عبادت ہو جائے اور اسی نماز ہی کے ذریعہ درجات قرب پر فائز۔ حدیث قدسی میں فرمایا گیا:

لَا یَزَالُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنُ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی کُنْتُ أُحِبَّہٗ۔

''میرا مومن بندہ نفلوں کی کثرت کے سبب مجھ سے نزدیکی حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ (میری محبوبیت کے خلعت فاخرہ سے نوازا جاتا ہے اور) میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں''۔

وہ طلب تھی جس کا جاذبہ اس بزم تک بار دلانے والا ہوا، اب طالب رنگ محبوبیت میں رنگا جا رہا ہے:۔

﴿ صِبْغَۃَ اللّٰہِ ، وَ مَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً ﴾ (البقرۃ: ۱۳۶)

''اللہ کا رنگ، بھلا اللہ کے رنگ سے زیادہ اچھا رنگ کون سا ہوگا''۔

آخر طالب مطلوب میں، حبیب محبوب میں ایسا محو ہے کہ ممکن واجب میں فنا اور مجاز حقیقت میں گم:

میں تھا بھی کہاں اور ہوں بھی کہاں ہستی ہے میری ایک وہم وگماں
جب آئے یقین مٹ جائے گماں بس تو ہی رہے اور میں نہ رہوں

﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰی یَأْتِیَكَ الْیَقِیْنُ ﴾ (الحجر: ۹۹)

''اور اپنے رب کی عبادت کرو یہاں تک کہ آپ یقین سے مالا مال ہوں''

میں اسی کیفیت کی طرف اشارہ تھا۔ اب کہ ہستی طالب ہستی حقیقی میں گم ہے، نظر ظاہر بیں اس کے فعل کو اس کے جسم کا فعل سمجھے، اس کا بولنا زبان کی حرکت، سننا کانوں کی قوت، چلنا پھرنا پیروں کی طاقت پر محمول کیا جائے مگر:

کوئی اور بولتا ہے یہ میری زبان نہ سمجھو

کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَ بَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَ یَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا۔

(بخاری: ۶۵۰۲، باب التواضع، الاحادیث القدسیۃ: ۸۱، جزء ۱، معادات اولیاء اللہ تعالیٰ ۱/۳۲)

''میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے، اور اس کے قدم بن جاتا ہوں جن سے چلتا ہے''۔

Scanned by CamScanner

تمام عالم اس کے تحت تصرف، جہاں بھر میں اس کا حکم۔ خدا کی قوت، خدا کی طاقت، اس کی سمع، اور اس کی بصارت سے کون سی چیز ہے جو خارج ہو سکے؟ اس آئینہ میں وہی جلوہ آشکار:

طور جل کر رہ گیا جلوہ ہے اب تک برقرار
حسن میں تھی پختہ کاری جوش سودا خام تھا

طور سے اِنِّیْ أَنَا رَبُّكَ کی آواز آتی ہے تو وہی آواز سُبْحَانِيْ مَا أَعْظَمَ شَأْنِيْ کا کلمہ یہاں بھی سناتی ہے مگر حاشا حاشا یہ نہ سمجھنا کہ اس جسم میں اس ذات کا حلول ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ بلکہ یہ وجود اس ہستی حقیقی میں فنا۔ "یہ" ہے ہی نہیں وہی "وہ" ہے:

بخدا غیر خدا درد و جہاں چیزے نیست
بے نشان است کز و نام و نشان چیزے نیست
ہستی تست حجاب تو وگرنہ پیداست
کہ دریں پردہ بجز دوست نہاں چیز نیست
لَا آدَمْ فِی الْکَوْنِ وَلَا اِبْلِیْسْ
لَا مُلْكُ سُلَیْمَانَ وَ لَا بِلْقِیْس
فَالْکُلُّ عِبَارَۃٌ ،أَنْتَ الْمَعْنٰی
یَا مَنْ هُوَ لِلْقُلُوْبِ مِغْنَاطِیْس

اس میدان میں نہ قلم کو یارائے تحریر نہ اس زبان کو مجال تقریر۔ جو کچھ ہے حال، قال کی گنجائش نہیں۔ جو بولا تباہ ہوا۔ جس نے سمجھا اور پایا وہ خود ہی نہ رہا، جو بولتا۔

وَمَا تَوْفِیْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ أُنِیْبُ.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دوسرا باب

اذکار

سلوک قادریہ

بحرنا پیدا کنار توحید میں مستغرق ہو کر مرتبۂ محبوبیت سے نوازے جانے والے، جو اپنے مقام قرب خاص ولایت پر ممتاز ہو کر قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ فرمائیں، اور جملہ اولیائے زمانہ ان کے قدم مبارک اپنی گردنوں پر لیں، محبوب سبحانی، قطب ربانی، غوث الثقلین، مغیث الکونین، رب قادر کے قدرت نما پیارے سیدنا الشیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جنہوں نے ملت اسلامیہ کے مردہ وجود میں جان ڈالی اور محی الدین کہلائے، مردہ دلوں کو زندہ کیا، اور محی حقیقی جل وعلا کی حیات بخشی کے نمونے ظاہر فرمائے، نفس وشیطان پر موت کا پہاڑ توڑا اور رب ممیت کی قدرت ممات کے جلوے دکھائے۔ وہ جب اپنی محبوبانہ، دلربایانہ ادائیں دکھائیں، عالم کو دیوانہ ومتوالا بنائیں، عجمی کہلائیں اور عرب پر اپنی سطوت وجبروت کا سکہ بٹھائیں:۔

آن ترک عجم چوں زئے حسن طرب کرد
بر پشت سمند آمدہ و صید عرب کرد
چوں کاکل ترکانہ بر انداخت ز مستی
غارت گری کوفہ و بغداد و حلب کرد

عربی تاجدار روحی فداہ ﷺ کے لاڈلے بیٹے شہنشاہ ہفت اقلیم کے قدم بہ قدم چل کر:

وَكُلُّ وَلِیٍّ لَهٗ قَدَمٌ وَاِنِّیْ
عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْكَمَالِ

کہتے ہوئے جو نقش قدم اپنے قدم پکڑنے والوں کے لیے چھوڑتے ہیں، سلوک قادریہ کی صورت میں اسی طرح پیش۔ زہے نصیب جو ان قدموں پر سر جھکائے، اور خوشا قسمت جو اس راہ پر چل کر منزل مقصود پائے اور دولت وصال سے مالا مال ہو جائے۔

اصول عشرہ یا عوالم کلیہ

کشتیوں، ریلوں، اور ہوائی جہازوں میں سیر کرنے والے اصول مساحت کے اعتبار سے خشک صحراؤں اور بڑے بڑے سمندروں کو ماپیں اور کرہ ارضی کی پیائش (SERVEY) کرتے ہوئے اپنی دوربینوں اور آلات کے ذریعہ جو کچھ معلوم کریں اس کو ترتیب دے کر عالم کا نقشہ بنائیں اور جغرافیہ مدون کریں، ہم نے تم نے نہ ان کی طرح سفر کیا، نہ ہم وہ آلات میسر، نہ ہم اس فن مساحت سے واقف، جو کچھ انہوں نے کہہ دیا اس پر یقین، اور جو کچھ وہ بتائیں بلا تحقیق اس کی تصدیق، اگر یہ اصول صحیح ہے اور دیکھنے والوں، جاننے والوں، تحقیق کرنے والوں کے کلام کا اعتبار کرنا دنیا کا دستور، تو روحانی ممالک کی سیر فرمانے والوں، اقالیم ملکوت ولاہوت وجبروت کی مساحت فرمانے والوں اور اس جغرافیہ ما فوق الارض کی پیائش کرنے والوں کے ترتیب دیئے ہوئے جغرافیہ کو بھی سن لیجئے۔ خدا توفیق دے ہمت ہو تو خود سیر کیجئے، خود تحقیق کیجئے، معلوم ہو جائے گا کہ بے شک جو کہا گیا سچ تھا، جو بتایا گیا واقعی تھا۔ سیر ارضی ومساحت دنیوی کے لیے آلات اور دوربینیں درکار۔ اس سیر میں قلبی آنکھوں اور روحانی دوربینوں سے سروکار۔ وہاں ان سے کام چلے، یہاں ان کے ذریعہ راہ طے، جغرافیۂ روحانی کی تفصیل تو سیر سے ہی معلوم ہوگی۔ یہاں ایک اجمالی نقشہ دیتے ہیں اور فقط ممالک کی تقسیم بتاتے ہیں کہ ابتداء میں طلبہ کو جغرافیہ ارضی بھی اسی طرح سکھایا جاتا ہے۔

ہر خطہ کے دیکھنے کے لیے جو آلات خاص آپ کے وجود میں موجود

ہیں، اس کی طرف اشارہ ہوگا اور وہاں کی پیداوار کا الوان و انوار کے الفاظ سے اظہار۔ ان آلات کو اصطلاح صوفیہ میں لطائف کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔ اس سلوک مبارکہ میں لطائف بسیط یا عوالم کلیہ دس بتائے جاتے ہیں، اور انہیں کو اصول عشرہ کہتے ہیں:۔

اصل اول

ولایت حضرت محبوبیت محمدیہ

علی صاحبہا السلام والتحیۃ

اس عالم کا نام عالم بہت یا یاہوت ہے اور لطیفہ اخفیٰ کو اس سے خاص نسبت۔ یہاں ظہور عمائیہ حضرت ذات الٰہیہ ہے اور خلوت احدیت۔ جلوہ علم ذاتی ہے اور نوریت اخضریہ۔

اصل دوم

ولایت عیسویہ

علی صاحبہا السلام والتحیۃ

عالم ہویت یا ہاہوت، لطیفہ خفی کو اس سے خاص نسبت، یہاں ظہور صفات تنزیہیہ ہے اور خلوت وحدانیت، جلوہ علم اجمالی ہے اور نوریت اسودیہ۔

اصل سوم

ولایت موسویہ

علی صاحبہا السلام والتحیۃ

عالم الٰہیہ یا لاہوت۔ لطیفہ سر کو خاص نسبت۔ یہاں ظہور صفات شیونیہ ہے، اور خلوت احدیت۔ اس میں جلوہ علم تفصیلی ہے اور نوریت ابیضیہ۔

اصل چہارم

ولایت ابراہیمیہ

علی صاحبہا السلام والتحیۃ

عالم روحیہ یا عالم جبروت۔ لطیفہ رُوح کو خاص نسبت، یہاں ظہور مجرد از مادہ و جسمیت ہے، اسی ولایت میں جلوۂ صفات سبعہ ہے اور اس کی نوریت اصفر ہے۔

اصل پنجم

ولایت آدمیہ

علی صاحبہا السلام والتحیۃ

یہ عالم مثال ہے یا عالم ملکوت۔ لطیفہ قلب کو اس سے خاص نسبت۔ یہاں نوریت مجرد از جسمانیت ہے، لیکن مشبہ بصورت شہادت، یہ حضرت نوریت مثالیہ ہے اسی میں جلوۂ فعلیہ الٰہیہ ہے اور یہاں کی نوریت احمریہ۔

اصل ششم

نفس

عالم نفسیہ، لطیفہ نفس کو اس سے نسبت خاص۔ یہاں صورت جسمیہ مدبرہ حیوانیہ مقتضیۂ حرکات شہوانیہ ہے، اس میں جلوۂ خالقیت ہے۔

اصل ہفتم

نار

عالم ناریہ۔لطیفۂ نار کو اس سے نسبت۔اس میں بھی جلوۂ خالقیت۔

اصل ہشتم

ہوا

عالم ہوائیہ،لطیفۂ ہوا کو اس سے خاص نسبت۔ یہ حضرت طیر یہ ہے،اس میں بھی جلوۂ خالقیت ہے۔

اصل نہم

ماء

عالم مائیہ،لطیفۂ آب کو اس سے نسبت۔ یہاں صورت جسمیہ مقتضیۂ برودت ورطوبت ہے،اس میں جلوۂ خالقیت ہے۔

اصل دہم

ارض

عالم ارضیہ،لطیفۂ خاک کو اس سے نسبت۔صورت جسمیہ مقتضیۂ برودت و یبوست ہے۔ یہ حضرت تمکین وسکینہ اور کمالات نبوت کا اس سے انکشاف۔

یہ اجمال حقیقۃً جن عوالم کی تفصیل ہے وہ ان ناموں سے مشہور۔

عالم لاہوت۔اس میں یاہوت وہاہوت بھی داخل۔

عالم جبروت **عالم ملکوت**

عالم ناسوت: اس میں اصول خمسہ از ششم تا دہم یعنی نفس، نار، ہوا، آب،خاک سب داخل۔

سلوک سلسلہ عالیہ قادریہ (رضی اللہ تعالیٰ عن اصحاب) انہیں چار عالموں کے طے کرنے پر منظوری۔سالک کی پہلی منزل عالم ناسوت،جس میں اصول خمسہ نفس و نار و ہوا وآب وخاک داخل،سامنے ہے،علی الترتیب ادنیٰ سے چل کر اعلیٰ تک راہ پایئے، اور ذیل کی مشقوں پر علی الترتیب عمل فرمایئے:

جسم انسانی چار عنصروں سے مرکب: نار و ہوا،آب وخاک۔ضرورت ہے کہ ان چاروں عناصر کی کثافت پر روحانی لطافت اس طرح غالب آ جائے کہ اس وجود میں باوجود مادیت روحانی گلشن کی سیر کی قابلیت پیدا ہو جائے۔اس لیے ہر ہر عنصر کی تطہیر کی حاجت،خاکی وجود پر ارضیت ہی غالب،اس لیے پہلے اس عنصر کی طرف توجہ درکار،یوں تو تمام جسم اسی سے مرکب مگر جسم میں اس کا محل خاص یا نقطۂ مرکزی زیر ناف،اس لیے اس مقام سے ابتداء کیجئے۔

مشق اول

تطہیر لطیفۂ خاک

بعد توبہ استغفار وقرأت کلمہ شہادت وفاتحہ حسب معمول دوزانو یا چہار زانو قبلہ رو بیٹھیے،اور اس طرح ذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کیجئے۔

لَا: ناف کے نیچے محل لطیفۂ خاک پر سانس روک کر لا کو کھینچ کر دماغ سے اوپر بہ تصور مافوق الی العرش المعلیٰ لے جایئے۔

اِلٰہَ: تمام مادیات کی نفی کا تصور کرتے ہوئے دائیں کاندھے پر لایئے۔

اِلَّا اللّٰہُ: بائیں طرف لیتے ہوئے قلب پر ضرب دیجئے،آواز بہت بلند نہ بالکل پست۔بہتر یہ ہے کہ زبان سے ذکر کیجئے۔ ہاں اگر کچھ موانع ہوں اور شیخ

اجازت دے تو صرف خیال ہی خیال میں کیا جا سکتا ہے۔

ضرب اِلَّا اللّٰہ پر اس قدر سانس کو روکے رکھیے کہ دم گھٹنے لگے، اس کے بعد سانس کو آہستہ آہستہ چھوڑ دیجیے، زبان سے محمد رسول اللہ (ﷺ) کہیے، اسی طرح جتنی دفعہ اور جتنی دیر ذکر کرنا ہے کیے جائیے، چند روز کے بعد جب ایک سانس میں ایک بار اچھی طرح ذکر جم جائے اور سانس بچنے لگے تب تعداد بڑھائیے، اور ایک سانس میں تین مرتبہ اسی ترتیب سے " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ " کہیے اور تیسری مرتبہ سانس چھوڑ کر محمد رسول اللہ (ﷺ) کہیے، جتنی بار ذکر کرنا ہے اسی طرح کیے جائیے۔ جب اس کی عادت بھی اچھی طرح ہو جائے تو تعداد کو اور بڑھائیے اور ایک سانس میں پانچ مرتبہ ذکر فرمائیے، پانچویں بار سانس چھوڑ کر محمد رسول اللہ (ﷺ) کہیے۔ اس طرح عادت ڈالتے ہوئے بتدریج ایک سانس میں ذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی تعداد کو اکیس تک پہنچائیے۔

مراقبہ

ذکر کے بعد تھوڑی دیر خاموش بیٹھیے اور قلب پر فیض ربانی کا انتظار کیجیے۔

نتیجہ و طریقہ امتحان

جب قلب میں حرارت و رقت پیدا ہو سمجھئے کہ اجزاء ارضی میں صفائی پیدا ہوئی۔ حالت مراقبہ میں زمین، پہاڑ، مکانات، غار، معدنیات، مساجد، معابد، مقابر اکثر سامنے آئیں گے۔ یہی صاف ہوتے جانے کی دلیل ہے۔ کشف قبور سے اس کا مزید امتحان کر سکتے ہیں۔ اگر صاحب قبر کی کیفیت مکشوف ہونے لگے سمجھئے کہ یہ مشق صحیح طور پر کی گئی۔ آگے بڑھیے۔

اگر اس امتحان میں ناکامی ہو تو اکیس تک تعداد ذکر کو پہنچانے کے بعد پھر ابتداء سے شروع کیجئے اور معنی کا تصور، نفی کا مفہوم، مد و شد، تحت و فوق، یعنی کیفیت

ذکر کو ہر اعتبار سے درست کرتے ہوئے بتدریج تعداد بڑھائیے، شمار بڑھانے میں عجلت نہ کیجئے، مقصود اس کا اثر رکھیے، جب اچھی طرح امتحانات سے ثابت ہو جائے کہ اس عنصر کی تطہیر ہو چکی تب مشق دوم یعنی تطہیر لطیفہ آب کی طرف توجہ کیجئے۔

مشق دوم

تطہیر لطیفۂ آب

حسب معمول اسی ذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کو کیجئے۔

لَا: دائیں پستان کے نیچے سے اٹھائیے اور مشق اولیٰ کی ترتیب کے مطابق ما فوق العرش تک لے جائیے۔

اِلٰہَ: دائیں شانہ پر لائیے۔ تمام مادیات کی نفی فرمائیے۔

اِلَّا اللّٰہ: قلب پر ضرب دیجئے اور اسی ترتیب مشق اول کے مطابق بتدریج تعداد ذکر کو بڑھائیے۔ اکیس تک لے جائیے۔ روزانہ بعد فراغ تھوڑی دیر کے لیے مراقبہ فرمائیے۔

نتیجہ امتحان

جب قلب کی سی حرکت دائیں پستان کے نیچے بھی پیدا ہو جائے، حالت مراقبہ میں مینہ کی پھوار، زور کی بارش، حوض، نہر، دریا، سمندر، خود بخود بار بار سامنے آئیں یہ دلیل صفائے لطیفہ آب ہے۔ آگے بڑھیے۔

مشق سوم

تطہیر لطیفہ ہوا

حسب معمول وہی ذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کیجئے، توجہ کو ناف سے اوپر قائم فرمائیے اور اسی طرح:

لَا: ناف کے اوپر سے سانس روک کر اٹھایئے، مافوق العرش لے جایئے۔

اللہ:۔ داہنے شانے پر لایئے وہاں سے

اِلَّا اللّٰہ: کی ضرب قلب پر دیجئے۔ تعداد ذکر کو اسی ترتیب کے ساتھ بڑھایئے، ایک سے چل کر اکیس تک لے جایئے۔

نتیجہ امتحان

جب ناف کے اوپر اس مقام پر بھی نبض کی سی حرکت محسوس ہونے لگے عین مشغولی ذکر، یا وقت مراقبہ بعد ذکر، یا اسی زمانہ ذکر میں خواب کے اندر، اپنے آپ کو اڑتا دیکھئے، قسم قسم کی ہواؤں کا انکشاف ہو، سمجھئے کہ لطیفۂ ہوا میں صفائی پیدا ہوئی۔

مشق چہارم

تطہیر لطیفہ نار

حسب معمول وہی ذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کیجئے۔ توجہ کو سینہ کے بالکل وسط میں قائم فرمایئے۔ فم معدہ سے اور پر دونوں پسلیوں کے ملنے کی جگہ دھیان جمایئے، وہیں سے لَا کو اٹھایئے، اور حسب معمول قلب پر ضرب اِلَّا اللّٰہ دیجئے۔ تعداد ذکر کو اسی ترتیب کے مطابق بڑھایئے اور اکیس تک لے جایئے۔

نتیجہ و امتحان

جب اس مقام پر حرکت نبض محسوس ہونے لگے یہ دلیل صفائے لطیفہ نار ہے، مزاج میں گرمی پیدا ہو، بات بات میں اشتعال ہو، حالت ذکر و فکر یا خواب میں آگ، شہاب ثاقب، برق و صواعق، چراغ و مشعل معائنہ ہوں، سمجھئے کہ لطیفۂ نار میں صفائی ہوئی۔

مشق پنجم

تطہیر لطیفہ نفس

اسی مذکورہ قاعدہ کے مطابق ذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کیجئے، مگر توجہ ام الدماغ پر قائم کیجئے۔

لَا: وہیں سے اٹھایئے، مافوق العرش لے جایئے۔

اِلٰہ: کو دائیں شانہ پر لایئے اور تمام مادیات و نفسانی خواہشات کی نفی کرتے ہوئے اِلَّا اللّٰہ کی ضرب قلب پر دیجئے۔ تعداد ذکر کو اسی ترتیب مذکورہ سے بڑھایئے، اکیس تک لے جایئے، تا آنکہ ام الدماغ سے بھی حرکت نبض پیدا ہو جائے۔

نتیجہ امتحان

چونکہ دماغ سے عصبات تمام جسم میں پہنچتے ہیں، اس مشق کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام رگ و پے میں حرکت ذکر محسوس ہو اور بڑھتے بڑھتے ذاکر کو یہ معلوم ہونے لگے کہ میرے ساتھ میرے جسم کا ہر ہر حصہ ذاکر ہے، ہر ہر بن مو جب ذکر میں مشغول معلوم ہو، اعضاء و جوارح میں کثرت انوار اس طرح مشاہدہ ہو جیسے آسمان پر ستاروں کا ہجوم۔ سمجھئے کہ لطیفہ نفس میں صفائی ہوئی۔ یہی سلطان الاذکار ہے۔

ہدایت خاص

اس حالت میں مد کو جس قدر طول کیا جائے زیادہ مفید، اگرچہ عدد ذکر کمتر رہے، مگر مد و شد و توجہ معانی بیشتر رہے تا کہ نفع جلد اور پائیدار ہو، جسم کے تمام اعضاء کی حرکتیں برابر رہیں، اور تمام وجود اس طرح فکر میں مشغول ہو جائے کہ تمام اعضاء کے ذکر کی مختلف آوازیں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آواز کی طرح سنائی دیں،

یہاں کوشش کرنی چاہیے کہ یہ تمام آوازیں اسی طرح ایک ہو جائیں کہ مدوشد کچھ نہ معلوم ہو، یہی آواز صوت سرمدی کے نام سے موسوم۔ اس وقت آفتاب نیم روز یا بدر کامل کی سی نورانیت ظاہر ہو اور نور ہی نور محیط نظر آئے۔ نفوس انسانی وحیوانی وجنی و شیطانی، فلکی وکوکبی سب مکشوف ہوں اور اگر مدرکہ صحیح ہے تو کشف قلوب بہت بڑھ جائے۔

یہاں ذکر جسدی تمام ہوا، ناسوت کی منزل طے ہوئی۔ اگر چہ بعض صاحبان ارشاد طالبین با استعداد کو اس مقام تک ترقی یافیہ پا کر دوسروں کو بیعت کی اجازت دے دیتے ہیں، مگر حاشا حاشا یہ نہ سمجھنا کہ یہ منصب کمال ہے، بلکہ یوں سمجھ لو کہ فضل ربانی شامل حال ہے تو یہ مقام استعداد کمال کی ایک دلیل ہے، آگے بڑھو، نفس امارہ سے خلاصی کی تدبیر کرو، ایسا نہ ہو کہ کشف وکرامت کی الجھنوں میں پھنس کر مقصود اصلی سے دور جا پڑو۔ یہ تو سیر ناسوت تھی۔ اب عالم ملکوت میں قدم رکھو، واللہ الھادی۔

مشق ششم

تطہیر لطیفۂ قلب

اوپر کی مشقوں میں جس جز کو قلب یا دل کے نام سے یاد کیا گیا وہ قلب حقیقی نہیں بلکہ صورت قلب تھی۔ کیونکہ گوشت کا ٹکڑا ایک جسمانی شے، وہ گویا قلب حقیقی کا مرکب ہے یا اس کا مقام قلب کی حقیقت کی طرف اصل پنجم ولایت آدمیہ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ نور جسمانیت سے مجرد، مشبہ بصورت شہادت ہے، اس کا نام عالم مثال اور یہی ولایت آدمیہ۔ اس کا تصفیہ اس طرح کرو لا الٰہ کلمہ نفی تھا، مرکبات کے تصفیہ کے لیے اس کے ذکر کی ضرورت تھی، اب مجردات کا باب شروع ہے، یہاں اثبات مجرد سے کام لو اور صرف اِلَّا اللّٰہ کے معنی کا دھیان کرو، یہاں نفی کے ذکر سے

مقصود میں فتور اور کام میں قصور۔

ا) کلمہ اِلَّا اللّٰہ کا مفہوم (یعنی اللہ ہے) ذہن میں لو۔

ب) قلب ظاہر جس صورت میں تم کو مکشوف ہوا (خواہ بصورت جسمانی مخروطی یا بصورت آفتاب یا ماہتاب) اس صورت کے اندر داخل ہو، اور الفاظ سے مجرد محض مفہوم اثبات کو قائم کرو، یہاں تک کہ قلب کی صورت مثال بصورت طالب ظاہر ہو، اور خود اپنی جسمانیت سے علیحدہ ہو کر قلب کی وہ صورت جو پہلے قائم تھی بالکل غائب ہو کر طالب کو اپنی ہی صورت اس طرح نظر آئے جس طرح آئینہ میں منہ دیکھتے وقت بے کم وکاست معلوم ہوتی ہے۔ یہاں جسم وذکر جسمانی سب غائب ہیں، تجلیات افعال کا ظہور ہے۔

نتیجہ

سالک پر جملہ کائنات جو مخلوق ہو چکی یا آئندہ مخلوق ہو گی، اعمال کی صورتیں، افعال واقوال کی اشکال منکشف ہوتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ فناء جسمیت کے بعد فعلیہ مثالیہ رب العزت جل وعلا کی تجلی ظاہر ہوتی ہے، اس کی ترتیب احاطہ تحریر میں اسی قدر آ سکتی ہے، باقی حال ہے جب وارد ہو گا مشاہدہ کر لینا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس ذکر قلبی سے عالم ملکوت کی منزل طے ہوئی اور اس عالم کی تم نے خوب سیر کی۔ الحمد للہ، ثم الحمد للہ۔ لیکن ابھی منزل دور ہے۔ آگے بڑھو۔

مشق ہفتم

تطہیر لطیفہ روح

اب عالم جبروت شروع ہے۔ اِلَّا اللّٰہ کے اِلَّا سے بھی قطع نظر محض "اللّٰہ" اسم ذات سے کام ہے۔ طریقہ مشق یہ ہے کہ قلب کی وہ صورت مثال جو قائم ہو چکی

ہے اس میں غور کرو، پہلے مفہوم "اللّٰہ ہے" ذہن میں تھا، اب نسبتوں سے منزہ از محض اسم ذات کی ورزش کرو (یہ مضمون اس سے بھی باریک ہے، القاء مرشد کی ضرورت) جب یہ توجہ کامل ہو جائے گی، تو اب وہ صورت جسم بھی غائب ہوگی اور صورت روح محض نور، صورت جسم سے منزہ صفات الٰہیہ سے مربوط، مشاہدہ ہوگی (صفات الٰہیہ سے مراد امہات الصفات صفات سبعیہ ہیں یعنی حیات، علم، قدرت سمع، بصر، کلام، ارادہ) اب جسم وصورت جسم ومثال سب غائب، صرف ایک نور کا مشاہدہ ہوگا جو بذاتہ حی وعلیم وقدیر وسمیع وبصیر ومتکلم ومرید ہے، یہاں سالک پر قُلِ الـرُّوْحُ مِـنْ أَمْرِ رَبِّىْ کا راز کھلے گا۔ ارواح لطیفہ واعیان عجیبہ کا شہود اور کرامات غریبہ کا ظہور ہوگا۔

الحمدللہ! عالم جبروت کی منزل طے ہوئی، آگے بڑھو۔

مشق ہشتم

تطہیر لطیفہ سر

اب عالم لاہوت شروع ہے۔ اسم نہیں بلکہ تصور ذات "ہ" کی مشق ہے اس طرح کہ وجود روحی بھی غائب ہو اور صرف وجود علمی باقی رہے۔ اس کی کیفیت قلم کیا لکھے؟! اتنا ہی سمجھ لیجئے کہ پہلے صفات ثبوتیہ کا ظہور ہوا، اب صفات سے بڑھ کر شیون ذاتیہ کی تجلی ہے۔ جب یہ توجہ کامل ہوتی ہے تو سالک پر ایک خلا ظاہر ہوتا ہے، جیسا کہ آسمان وزمین کے درمیان خلا ہے، خلا کے سوا اسے کچھ نہیں ملتا۔ البتہ اپنے علم کا شعور ضرور باقی رہتا ہے جس کے ذریعہ اسرار کلامیہ، علوم عقلیہ، معارف حقیقت، علوم لدنیہ اور تجلیات شیونیہ عظمت وجلالت کا ظہور ہوتا ہے۔ سالک پر کُـلَّ يَوْمٍ هُوَ فِـىْ شَأْنٍ کا راز کھلتا ہے، اور منزل لاہوت طے ہو جاتی ہے، لیکن لقائے رب کی تمنا تو سالک پر لازم کہ تعمیل امر رب فرمائے کہ ارشاد حضرت عزت جلت عظمتہ ہے:

﴿ فَـمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا

وَ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ أَحَدًا ﴾ (الکہف: ۱۱۰)

"جو رب کے دیدار کی تمنا رکھتا ہو پس اسے چاہیے کہ نیک کام بجالائے اور رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے"۔

یہ ضرور ہے کہ عالم لاہوت سے آگے جائے گام زدن نہیں، یہی انتہائے سلوک، اسی لیے یہاں سالک کو منتہی کہتے ہیں اور اکثر مشائخ اس مقام پر طالب کو اجازت کی عزت سے نوازتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ منزل ناسوت کا طے ہونا، قبول کمال اور استعداد کمال کی دلیل ہے، اس کے بعد ملکوت طلب کمال وارادہ تحصیل عروج بدرگاہ ذوالجلال ہے، اور جبروت طی مسافت اور لاہوت در شہریار پر پہنچنا، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے آگے جائے گام زدن نہیں، حقیقۃً تمنائے لقاء کا پیش کرنا، اور جب تک دیدار یار نہ ہو عجائبات وکرامات پر فریفتہ رہنا مقصود سے کوسوں دور ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بعد طی منزل لاہوت، سالک مستعد بنا رہے۔ اب اس کو ہمت کرنے کی ضرورت ہے، جمال جہاں آراء کا مشتاق رہنا چاہئے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ وَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ.

"یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے اور نیک کاروں کے اجر کو رائیگاں نہیں فرماتا"۔

مشق نہم

تطہیر لطیفہ خفی

مشق ہشتم کے دوران میں جو خلا نظر آیا تھا، کیا تھا؟ ہائے ہویت کی وسعت تھی۔

﴿ وَ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴾ (الطلاق: ۱۲)

"اور یقیناً اللہ اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے"۔

اسی کی طرف اشارہ۔ وہ وسعت حد شیونات سے بڑھ کر سالک کو حیرت میں ڈالے گی اور صفات باری میں مستہلک کر دے گی۔ وسعت کا احساس غائب

ہوا، صورِ عقلیہ اور علوم اضافیہ سے یک لخت غیب میسر ہو کر صفات الٰہیہ میں فنا حاصل ہوئی، اب سالک پر جلوۂ محبوب ہزاروں صفات جمال و جلال کے پردوں سے متجلی ہو کر اس امر کا ایمان کامل عطا فرماتا ہے کہ:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَ الْإِكْرَامِ﴾ (الرحمٰن: ۲۶-۲۷)

''اس پر جو کوئی بھی ہے فنا ہونے والا، باقی رہتی ہے تمہارے رب کی ذات جو جلال و اکرام والا ہے''۔

تجلیاتِ تنزیہی کا وفور ہوا تو سالک کو اذعان ہوا کہ:۔

﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ، وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ (الاخلاص: ۲-۴)

''اللہ (ایسا) بے نیاز ہے (کہ وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں، اس کے اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے''۔

عالم لاہوت کے بعد یہ عالم حاحوت بالطاف ربانی کھل جاتا ہے یا ہمت اعانت فرماتی ہے، بظاہر اس کی مشق کو یوں خیال کر لینا ہے کہ عالم لاہوت میں توجہ کے لیے ہائے ہویت ''ہ'' کی مشغولی راہبر بنی تھی، اب کیا کیجئے؟ اس ''ہ'' کے دائرہ میں سرگردانی؟ یا کیا؟ ہاں! بات تو یہی ہے، لیکن یہ بتائیے کہ اللہ کی ''ہ'' پر یہ الٹا پیش جو نظر آ رہا ہے وہ کیا ہے؟ یہ ''ہ'' کا اشباعی ضمہ ہے، جو ھو میں واو کی صورت رکھتا ہے اور محض ''ہ'' پر اس کا الٹا یعنی واو کا عکس منعکس ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ واؤ اور قلب کی صورت ایک جو جسم عنصری میں ذات بے چون و بے چگوں کی آیت ربانی ہے۔ جب رابت ذوالجلالی، یعنی ضمہ اشباعی ''ہ'' پر پہنچی تو قلب الٹا اور اپنی اصل کی طرف دوڑا تو اب شکل راست ہوئی اور اس راستی کی بدولت اپنے آپ کو قطرہ کی طرح دریا میں پہنچ کر فانی و مستہلک پایا۔

﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۱۵۶)

کا سفر طے کر کے ﴿اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى﴾ (النجم: ۴۲)

کی منزل گاہ مقصود پر پہنچا۔ علوم اضافیہ کو غائب اور صفات الٰہیہ تنزیہیہ کو غالب پایا ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى﴾ (النجم: ۵۵)

(اپنے رب کی کس نعمت میں شک کرتے ہوئے)

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى آلَائِهٖ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَلٰى نَعْمَائِهٖ۔

مشق دہم

تطہیرِ لطیفۂ اخفیٰ

عالم ہاہوت میں سالک کو صفات تنزیہیہ میں فنا میسر ہوئی، لیکن صفات اگرچہ فی ذاتہا متحد لیکن تعدد ضرور۔ حقیقۃً صفات غیر ذات نہیں، لیکن غیریت اعتباری کا شعور باقی، اور سالک کی نسبت یہ سمجھئے کہ اگرچہ فانی لیکن کس میں؟ صفات میں، پس ﴿قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ......الآية﴾ (الانعام: ۹۱)

''کہو، اللہ، پھر ان کو (ان کی حالت پر) چھوڑ دو''۔

سالک کو لازم کہ صفات سے ذات کی طرف راہ لے اور اپنی فنا کے شعور کو بھی فنا کر دے تا کہ فنا، فی الفنا، حاصل اور ذات سے واصل۔ اب اس کی مشق کا کیا عنوان ہو، یہاں تو ضمہ اشباعی بھی نہیں، پس اسی لیے یہاں بعد طے عالم بہت یا علم ہاہوت کہا گیا کہ اقصیٰ مراتب سالک ''تحیر'' یا ''حیرت'' بتایا گیا ہے۔ جب سالک متحیر ہوا اور قطرہ کو تمنا ہوئی کہ دریا بنے اور کوئی راہ ملی نہیں تو حیرت زدہ ہو کر پکارتا ہے۔

قَدْ تَحَيَّرْتُ فِيْكَ خُذْ بِيَدِيْ
يَا دَلِيْلًا لِمَنْ تَحَيَّرَ فِيْكَ

''میں تیری ذات میں فنا ہوں، اے اپنے محبوبوں کے راہنما میری دستگیری فرما۔''

ادھر سے آواز آئی۔

﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾ (الزمر ۵۳)

''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، یقیناً اللہ تعالیٰ ہی تمام گناہوں بخشنے والا ہے۔''

اپنی واماندگی سے نہ گھبرانا:

مَنْ أَتَانِيْ يَمْشِيْ أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً.

(بخاری: ۷۴۰۵، باب قول اللہ تعالیٰ ''ویحذرکم اللہ''، ومسلم ۶۷۵۶، باب الحث علی ذکر اللہ)

''جو میری طرف چل کر آتا ہے، میری رحمت اسے دوڑ کر پکڑتی ہے۔''

آ! آ! اے بندہ آ! دریا نے کشش کی، قطرہ کو اپنی طرف کھینچا، جذب الٰہی نے سالک کو خلوۃ عمائیہ میں پہنچایا، اب نورِ احدیت چمکا:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ (الاخلاص:۱)

کا راز کھلا۔ سالک فانی، سلوک فانی، فنا فانی، یعنی انا کو کھو کر فنا حاصل کی تھی، اب فنا کا شعور بھی غائب ہے تو حقیقۃً ایمان و عرفان تک رسائی ہوئی۔ تجلی ذات اگرچہ متصف بصفات متعددہ لیکن متحد۔

﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ (البقرۃ ۱۶۳)

بذاتہ سمیع و بصیر و حکیم اور حی و قدیر و مرید و علیم ہے۔ یہ کیفیت جس پر گزرے وہی جانے، دوسرا اس کو کیا پہچانے۔ اس کا بیان اسی قدر سمجھ لو کہ سالک جسمانیت کو چھوڑ مثال سے منہ موڑ روح و سر سے گزر کر تجلیات افعالی، صفات، شیونات سے بے ذہول کر چکا ہے۔ اس کی تمثیل بلا تمثیل ایسی ہی ہے کہ کوئی عاشق زار دیدار یار کی تمنا میں در یار کو آستانہ کعبہ سمجھے، سر نیاز جھکائے، وہیں کا ہو رہا۔ محبوب کو اس کی حالت زار پر رحم آئے اور اپنے مقربان خاص کو اجازت دے کہ اس کو

ہماری بارگاہ جلالت پناہ میں حاضر کرو۔ اب وہ وہاں پہنچ کر جملہ زیب و زینت کو دیکھے اور محبوب کا پتہ نہ پائے، اگر پائے تو صرف اتنا کہ چلمن سے، جھروکوں سے، تجلیات صفاتی فائض ہو کر کبھی اس پر غشی کا عالم طاری کر دیتی ہوں اور کبھی ہوش میں لے آتی ہوں۔ گویا ایک قسم کا شعور فنا باقی ہے۔ یہ عالم باہوت تھا۔ اب ہاھوت آیا۔ جب اس کی حیرت بڑھتی، لقاء محبوب کی تمنا جوش مارتی ہو کہ یکا یک محبوب چلمن کو اٹھا طالب دیدار کا ہاتھ پکڑ کر کھینچے اور سینہ سے لگا لے اور عاشق کو فرط خوشی سے شادی مرگ ہو جائے تو بتاؤ کوئی شعور انا و فنا باقی رہا؟ کوئی نہیں۔

پس ظہور عمائیہ ہوتا ہے اور ذات مجرد سے تجلی ذاتی فائض ہو کر سالک کو فناء حقیقی سے نوازتی ہے اور اس سے شعور فنا کو بھی کھو دیتی ہے، فناء الفناء غیبۃ الغیبۃ اسی حالت کا نام ہے اور سالک کو فانی فی اللہ کہا جاتا ہے۔

گم شدن در گم شدن دین من است

کا راز یہی ہے کہ یہاں ذات کے سوا کچھ اور باقی نہیں رہتا

﴿وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ﴾ (الرحمٰن:۲۷)

''اور آپ کے رب کی ذات کو ہی بقا ہے''

کی حقیقت کھلتی ہے اور

﴿سَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا﴾ (الانسان:۲۱)

''اور ان کا رب انہیں پاکیزہ مشروب پلائے گا۔''

کا جام طالب کو مست و مدہوش کر دیتا ہے، یہی حقیقت وحدۃ الوجود ہے، بکمال سے شطحیات کا صدور ہوتا ہے کیونکہ سالک پر:

﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ، لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (غافر:۱۶)

''آج کس کی بادشاہی ہے؟ ایک قہار اللہ کی۔''

پیش آنے والا واقعہ طاری و مشاہدہ ہوتا ہے یعنی عالم صغیر کی قیامت قائم ہوئی، اس کے قویٰ و حواس معطل، مدعیان باطل اب فنا ہو چکے، تا آنکہ اس کا شعور بھی

باقی نہ رہا۔ ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ صدائے ذات پیدا ہے، عالم صغیر میں کوئی جواب دینے والا نہیں، مرتبۂ ذات سے ہی ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ کا جواب ہے وہی أَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنَا کی آواز جو شجرۂ موسوی سے مسموع ہوئی تھی، شجرۂ سالک سے أَنَا الْحَقُّ کا نعرہ بلند کرتی ہے اور سُبْحَانِیْ مَا أَعْظَمَ شَأْنِیْ کا ترانہ علانیہ اور لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ غَیْرَ اللّٰهِ کی خبر پہنچاتی ہے۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ أَوَّلًا وَ آخِرًا.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ضمیمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حلقۂ ذکر پاک

سلسلہ علیمیہ قادریہ میں جو بھائی کسی ایک مقام پر اجتماع کی صورت میں مل بیٹھنے کی سہولت پاتے ہیں ان کے لیے شیخ قبلہ و کعبہ علامہ شاہ محمد عبد العلیم الصدیقی القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و نور اللہ تعالیٰ مرقدہ الکریم نے ایک عمدہ طریقہ عنایت کیا ہے، جس کی تفصیل سب اہل سلسلہ کے لیے پیش کی جا رہی ہے۔

حلقہ ذکر کی محفل یوں تو روزانہ بھی کی جا سکتی ہے مگر جہاں تمام بھائیوں کے لیے یہ سہولت میسر نہ آ سکے تو وہ کم از کم ہفتہ میں ایک بار ہی سہی، جمع ہوں۔ اس کے لیے بیشتر اکابر تصوف نے جمعرات ہی کو پسند فرمایا ہے۔ نماز مغرب یا نماز عشاء ادا کرنے کے بعد سب برادران سلسلہ ایک صدر مقام پر حلقہ ذکر کی محفل منعقد کرنے کی نیت سے جمع ہوں۔ حلقہ کی صدارت امیر حلقہ، یا اس کی عدم موجودگی میں جو بھائی تقویٰ اور علم کے اعتبار سے سب حاضرین میں برتر سمجھے جائیں، کریں۔

اس محفل میں سب سے پہلے ختم خواجگان پڑھا جائے گا، جس کی ترتیب حسب ذیل ہے:۔

ختم خواجگان کی ترکیب

پہلے سورۃ الفاتحہ ایک بار اور سورۃ الاخلاص تین بار مع درود شریف پڑھ کر اس کا ثواب حضور انور ﷺ، اور صحابہ کبار و اہل بیت اطہار اور جمیع اولیاء و اصفیاء و اتقیاء و جمیع امت سید ابرار ﷺ الی یوم القرار کی ارواح کو پہنچائیں۔ پھر مندرجہ ذیل طریقے سے ختم خواجگان شروع کریں:۔

اول۔۔۔۔۔۔۔ ۷ بار سورۃ الفاتحہ

دوم۔۔۔۔۔۔۔ ۷۹ بار سورۃ الم نشرح

سوم۔۔۔۔۔۔۔ ۱۰۰ بار درود شریف

چہارم۔۔۔۔۔۔۔ ۱۰۰۰ (ایک ہزار) بار سورۃ الاخلاص

پنجم۔۔۔۔۔۔۔ ۱۰۰ بار درود شریف

ششم۔۔۔۔۔۔۔ سو، سو بار مندرجہ ذیل اسماء الحسنیٰ:۔

۱) یَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ	۲) یَا دَافِعَ الْبَلِیَّاتِ
۳) یَا رَافِعَ الدَّرَجَاتِ	٤) یَا شَافِي الْأَمْرَاضِ
٥) یَا کَافِي الْمُهِمَّاتِ	٦) یَا حَلَّ الْمُشْکِلَاتِ
۷) یَا مُسَبِّبَ الْأَسْبَابِ	۸) یَا مُفَتِّحَ الْأَبْوَابِ
۹) یَا مُجِیْبَ الدَّعْوَاتِ	۱۰) یَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

۱۱) آمین۔

اس کے بعد جس طرح شروع میں سورہ فاتحہ ایک بار اور تین بار سورہ اخلاص اور ایک بار درود شریف پڑھ کر ایصال ثواب کیا گیا تھا، اسی طرح آخر میں تمام ختم شریف کا ایصال ثواب کیا جائے۔

نوٹ: شمار کرنے کے لیے ۱۱۰ بادام کے دانے لیں، دو دانے میر مجلس اپنے پاس رکھے ۱۰۰ بادام کے دانوں میں سے شروع میں ۲۱ دانے علیحدہ رکھیں تا کہ ۷۹ دانوں پر سورۂ "الم نشرح" پڑھی جا سکے۔

اب پہلے انگلیوں پر شمار کر کے سورۃ الفاتحہ اس طرح پڑھیں کہ سب بھائیوں کے پڑھنے کی تعداد سات ہو جائے۔ پھر ۷۹ بار سورۂ "الم نشرح" علیحدہ کردہ دانوں کے مطابق پڑھیں۔ پھر ۲۱ دانے جو علیحدہ کر دیے گئے تھے ملا دیں۔ پھر

ان ۱۰۰ دانوں پر درود شریف پڑھیں۔ پھر انہیں سو دانوں کو ۱۰ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنے کے لیے استعمال کریں تا کہ ایک ہزار کی تعداد پوری ہو جائے۔ ان دس مرتبہ کی گنتی امیر حلقہ ان دس دانوں سے کرے گا جو اس کے پاس علیحدہ رکھے ہوں گے۔ اسی طرح باقی تسبیحیں ۱۰۰، ۱۰۰ کی پوری کریں۔ شمار کرنے کے لیے یہ طریقہ رائج کیا گیا ہے جو سہل بھی ہے اور باعث اطمینان بھی، اور جو اسرار اس میں پائے جاتے ہیں وہ اہل دل حضرات سے پوشیدہ نہیں، اس ختم شریف کی مشہور برکت جو چلی آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ اس کا ورد رکھنے والا کبھی رزق کے لیے محتاج نہیں رہتا، والغیب عنداللہ۔ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ۔

حلقہ ذکر کی ترکیب

پہلے سورۂ فاتحہ ایک بار، سورۂ اخلاص تین بار اور درود شریف ایک بار کا ہدیہ پیش فرمائیں۔ ذکر شروع کرنے سے پہلے چند باتیں غور کے قابل ہیں ان پر عمل کریں، یعنی:۔

سب بھائی اس طرح بیٹھیں جس طرح نماز میں قعدہ کی حالت میں بیٹھتے ہیں۔۔ اگر کوئی بھائی بوجہ عذر شرعی، بیماری، یا ضعف اس طرح نہ بیٹھ سکیں تو وہ چار زانو ایسے بیٹھیں کہ پاؤں زانوں کے نیچے دبے رہیں۔۔!

اس کے بعد اپنی توجہ کو خالصۃً لوجہ اللہ یکسو کریں، یعنی تمام دنیاوی، شیطانی اور نفسانی وسوسوں سے دل کو خالی کر لیں۔

ظاہر ہے جب قلب یوں یکسو ہوگا تو یہ محسوس ہوگا کہ گناہوں کی سیاہی نے قلب کو گھیر لیا ہے، اب اس کے صاف کرنے کے لیے بارگاہ غفور رحیم میں اپنی غفلت پر ندامت کا اظہار ہو۔۔

اس ندامت کے آنسوؤں سے قلب کی سیاہی کو صاف کرنے کی نیت سے
أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ

أَتُوْبُ إِلَيْهِ تین بار کہا جائے گا۔

جب دل اس طرح صاف ہوا تو زبان سے اقرار اور قلب سے تصدیق کے ساتھ کلمہ شریف پڑھا جائے گا، یعنی:

أقول: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (ﷺ)

اور یوں شہادت دی جائے گی:۔

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ أَشْهَدُ
أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ
صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم

اس کے بعد ذکر مبارک کی پہلی تسبیح لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه سو بار پڑھی جائے گی۔ اس کی ترکیب ذہن نشین کر لی جائے،۔

چونکہ مل کر ذکر ہو رہا ہے، یہ ممکن ہے کہ کسی وقت کسی بھائی کی تسبیح کی آواز میں فرق آ جائے، یعنی یا وہ جلدی شروع کر رہا ہو یا دیر میں ختم کر رہا ہو۔ ایسی صورت میں جب کسی بھائی کی آواز امیر حلقہ کی آواز سے نہ مل رہی ہو تو وہ اسی وقت اپنی تسبیح کو روک لے اور جب دوسری تسبیح شروع ہو اپنی آواز کو ملا کر پڑھے۔ ایسا کرنے سے توجہ نہیں بٹے گی اور یکسوئی ہوگی۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه کو تین حصوں پر منقسم سمجھیں:۔

پہلا حصہ ''لَا'' جس کے معنی ''نہیں ہے کوئی''۔ دوسرا حصہ ''إِلٰه'' جس کے معنی ہیں ''معبود'' اور تیسرا حصہ ''إِلَّا اللّٰه'' جس کے معنی ہیں ''سوائے اللہ کے''۔

جب معنی ذہن نشین ہو جائیں تو ذکر شروع کریں۔

پہلے ''لَا'' کی آواز نکالنی ہوگی۔ اس وقت توجہ میں اس آواز کی ابتداء مقام نفس سے کریں، یعنی ناف سے آواز کو اٹھاتے ہوئے اپنے سیدھے کندھے تک لائیں، اس میں ان تمام وسوسوں کی نفی ہوگی جو نفس امارہ سے پیدا ہوتے ہیں، کندھے

کے مقام کو شیطان کے وسوسوں کی آماجگاہ سمجھیں۔ اس کی بھی نفی آواز کے ختم ہونے پر ہو جائے گی۔ اب اِلٰہ کی آواز کو یہاں سے اٹھاتے ہوئے دماغ سے خارج کرتے ہوئے عرش کی طرف متوجہ ہوں۔ جب نفس و شیطان کے وسوسوں سے ذہن خالی ہو کر متوجہ الی اللہ ہوا تب عرش سے قلب کی جانب اِلَّا اللّٰہُ اللہ کی تین ضربیں اس طرح دیجئے:۔

اِلْ۔ لَلْ۔ لَہ (اِلَّا اللّٰہُ) یہ ایک بار ہوا۔ اسی طرح لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر سو بار کیا جائے گا۔

اس کے بعد چند لمحوں کے لیے مراقب ہو جائیں: آنکھیں بند، زبان بند، تالو سے لگی ہو۔ قلب سے خیالات ختم۔ توجہ صرف فضل مولیٰ کی جانب۔ سالک یہ خیال کرے کہ اس کے شیخ دامت برکاتہ کے قلب کے واسطہ سے انوار باری تعالیٰ کا نزول اس کے قلب پر ہو رہا ہے۔ جب کچھ لمحہ مراقب ہونے کے بعد سکون کی کیفیت طاری ہو تو مراقبہ سے باہر یوں کہتے ہوئے آئے:۔

حق حق حق لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

دوسری تسبیح: "اِلَّا الـلّٰـہُ" کی ہے۔ عرش سے قلب تک تصور قائم کرتے ہوئے ایک سانس کے ساتھ اِلَّا اللّٰہُ کی تین ضربیں قلب پر دیجئے۔ اسی طرح سو بار کیجئے۔ پھر حسب سابق مراقبہ فرمائیے۔

تیسری تسبیح: "اللہ" کی ہے۔ تین ضربوں کے ساتھ ایک سانس میں اس طرح ادا کیجئے:۔

ال۔ لا۔ ہ یہ تسبیح سو بار پوری کیجئے۔ پھر حسب سابق مراقبہ کیجئے۔

مراقبہ سے فارغ ہو کر شجرہ شریف پڑھا جائے اور دعا کی جائے، پھر سب احباب درود شریف پڑھتے ہوئے کھڑے ہو کر اپنی توجہ سوئے روضۂ انور محمد رسول اللہ ﷺ کرتے ہوئے بہ ادب صلوٰۃ و سلام کا نذرانہ پیش کریں۔ پھر اس ذکر پاک کا

ایصال ثواب کریں اور فاتحہ شریف پر ختم کریں۔

اس کے بعد نماز پڑھیں۔ یا اس سے فارغ ہو چکے ہوں تو اللہ کی یاد میں مستغرق رہتے ہوئے آرام کریں۔ فضول گوئی سے زبان کو روکیں۔ یوں تمام رات عبادت کا ثواب پائیں۔ تہجد پڑھیں اور پھر نماز فجر باجماعت پڑھیں۔

وَمَا تَوْفِيْقُنَا اِلَّا بِاللّٰهِ۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

محمد جعفر بی۔ اے
ناظم عمومی، الحلقۃ العلمیۃ القادریۃ العالمیۃ
کراچی

بہارِ شباب

مصنفہ

حضرت علامہ مولانا شاہ عبدالعلیم صاحب صدیقی قادری

منکرین حدیث کا علمی محاسبہ

تالیف : محمد نعیم اللہ خان قادری

بی ایس سی۔ بی ایڈ

ایم اے اردو۔ پنجابی۔ تاریخ

ناشر: فیضان مدینہ پبلیکیشنز جامع مسجد عمر روڈ کاموکے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ کہ "بہارِ شباب" اپنی تمام بہاروں اور شباب کے ساتھ منظرِ عام پر آگئی اور اب نظرِ ناظرین کی جارہی ہے۔ اس کتاب مستطاب کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے ہر خاص و عام اس کتاب کو پڑھ کر نفع حاصل کر سکتا ہے خصوصاً اُن حضرات کیلئے یہ کتاب بہت ہی مفید ہے جو اپنے شباب کی بہاریں از خود کھو رہے ہیں مصنف علیہ الرحمہ نے دکھتی ہوئی رگ کو پکڑا ہے اور ہر بات کو نہایت خوش اسلوبی سے سمجھایا ہے اس کتاب کی بہت ہی ضرورت محسوس کی جارہی تھی عوام کے اصرار پر ہم اس کتاب کو شائع کر رہے ہیں۔

اس کتاب کے مصنف مبلغ اسلام حضرت علامہ مولانا شاہ عبد العلیم صاحب صدیقی میرٹھی ہیں علامہ موصوف کی شخصیت کوئی ڈھکی چھپی اور محتاجِ تعارف نہیں آپ قائدِ اہلسنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی کے والدِ ماجد اور اعلیٰحضرت امام اہلسنت مجدد دین و ملت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور خلفاء میں سے ہیں۔ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آپکے متعلق فرمایا ہے۔

عبد علیم کے علم کو سن کر — جہل کی بہل بھگاتے ہیں یہ

علامہ موصوف ایک عظیم مفکرِ اسلام اور ایک عظیم مبلغ اسلام تھے آپکے دستِ

حق پرست پر اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد ایک لاکھ کے لگ بھگ ہے دنیا کی تمام مشہور زبانوں پر مہارت تامہ رکھتے تھے۔ انگریزی میں جب کلام فرماتے تو انگریز انگشت بدنداں رہجاتے عربی میں جب کلام فرماتے تو عرب داد تحسین دیا کرتے اور فارسی میں جب کلام فرماتے تو ملا شور بازار جیسے محو حیرت رہ جاتے۔ آپ نے دنیا کے گوشے گوشے میں علم اسلام کو بلند فرمایا جہاں تک علامہ کے حالات زندگی کا تعلق ہے فقیر جناب محمد حنیف حاجی طیب صاحب بانی انجمن طلبہ اسلام کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جنہوں نے اپنی شب و روز مصروفیات کے باوجود ہمارے کہنے پر علامہ موصوف کے حالات زندگی مرتب فرمائے جس کو ہم شامل اشاعت کر رہے ہیں۔ ہم ان کے بہت ہی ممنون ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

الفقیر سید شاہ تراب الحق القادری رضوی

مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی حالاتِ زندگی

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پے روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اسلام دین فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے دین کو مکمل کر دیا اور حضور اکرم ختمی مرتبت کو خاتم الانبیاء قرار دے کر آپ پر سلسلہ نبوت و رسالت کو ختم فرمادیا۔ عقیدہ ختم نبوت ضروریات دین میں سے ہے اور اسی لئے ہر مسلمان کا جز و ایمان ہے۔ اس میں شک کرنے والا مسلمان نہیں کہلایا جا سکتا۔ حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے جلیل القدر انبیاء اکرام اس دنیا میں ہدایت کا پرچم بلند کرنے کیلئے بھیجے گئے انہوں نے اپنے بعد کسی اور ہادی کی خوشخبری سنائی لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آخری نبی ہیں اس لئے آپ نے اپنے علماء کو انبیاء کا وارث قرار دیا تا کہ سلسلہ نبوت و رسالت ختم ہونے کے باوجود تبلیغ اسلام کا کام جاری رہے۔ اس گروہ علماء و مبلغین کی نشاندہی قرآن عظیم میں اس طرح کی گئی کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیئے جو لوگوں کو اچھائی کی طرف بلائے اور برائیوں سے باز رکھے۔ اسلام کے اسی نظام تبلیغ کا صدقہ ہے کہ اسلام ہمارے پاس ۱۴۰۰ سال گزرنے کے باوجود اپنی اصلی شکل میں موجود ہے اور تا قیامت رہے گا۔ تاریخ اسلام ہمیں بتاتی ہے کہ ہر دور میں ایسے مبلغ موجود ہے جنہوں نے اپنی

جان ہتھیلی پر رکھ کر دین کی اشاعت کی' ہر دور کے نمرود و فرعون نے ان پرخلوص مبلغین کو خریدنے کی پوری کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

جفا کی تیغ سے گردن و فاشعاروں کی
کٹی ہے برسر میداں مگر جھکی تو نہیں

مولانا عبدالعلیم صدیقی:

۱۵ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ میں میرٹھ ہندوستان کے ایک علمی گھرانے میں سیدنا ابوصدیق رضی اللہ عنہ کی ۳۷ویں پشت سے پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی اپنے وقت کے جید عالم دین اور شیخ طریقت تھے۔ اپنے بیٹے کی تعلیم پر آپ نے خصوصی توجہ کی' صرف چار سال کی عمر میں مولانا عبدالعلیم صدیقی نے قرآن شریف کا ناظرہ ختم کرلیا۔ عربی اور فارسی گھر ہی والد ماجد سے پڑھی۔ مدرسہ عربیہ قومیہ میرٹھ سے درس نظامی میں سند حاصل کی' اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ سے میٹرک پاس کیا جہاں بھارت کے سابق صدر جناب ڈاکٹر سید ذاکر حسین آپ کے ہم سبق تھے۔ ڈویژنل کالج میرٹھ (جواب میرٹھ یونیورسٹی ہے) سے درجۂ اوّل میں گریجویشن کیا۔ آپ کے اساتذہ کرام میں قابل ذکر نام مجدد ملت امام اہلسنت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی' مولانا عبدالباری اور شیخ احمد الشمس شامل ہیں۔ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ میں جذبہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوٹ کوٹ کر بھر دیا اور روحانی منزلیں طے کرا کے آپ کو

اپنی خلافت سے بھی نوازا۔ آپ کو شاعری کا ذوق اپنے والد ماجد سے ورثے میں ملا تھا۔ علیم تخلص کیا کرتے تھے' ۹ سال کی عمر میں میرٹھ کی جامع مسجد میں محفل میلاد کے جلسے میں پہلی تقریر کی اور سامعین کو محو حیرت کر دیا۔ دنیا کی کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ جن میں اُردو فارسی اور عربی کے علاوہ انگریزی' فرنچ' جرمنی' جاپانی' انڈونیشی اور افریقہ کی سواحلی زبان وغیرہ شامل تھیں۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے Oriental Languages میں بھی سند حاصل کی۔ حکیم احتشام الدین سے علم طب حاصل کیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نہایت پاکباز خاتون تھی۔ ابھی آپ صرف ۱۲ سال کے تھے کہ شفیق والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ یہ آپ کی والدہ ہی تھیں جنہوں نے بہترین تربیت کر کے آپ میں اعلیٰ صفات وصلاحتیں پیدا کیں۔

اخلاق حسنہ

مولانا موصوف باوجود یکہ غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ آپ میں غرور و تکبر نام کو نہ تھا' آپ بہترین اخلاق کے مالک تھے' آپ کی شخصیت مؤثر' بارعب اور پروقار تھی۔ اصول کے بے حد پابند تھے' حلیم الطبع اور منکسر المزاج تھے' آپ کے ملنے والوں میں شاہ و گدا سب تھے مگر آپ ان سب سے بلا امتیاز ادنیٰ و اعلیٰ خوش اخلاقی سے ملتے تھے' گو آپ کا واسطہ بڑے بڑے امراء و شاہوں سے بھی رہتا مگر آپ اپنی عزت نفس کا اس قدر پاس رکھتے تھے کہ بڑے سے بڑا آدمی بھی آپ سے بہت سنبھل کر بات کرتا تھا۔ آپ بڑے حق گو اور بے باک تھے۔ آپ جرأت مندی سے کلمہ حق بلند کرتے تھے اور حق بات کہنے میں کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے' آپ کی اس صفت کی

جھلک آپ کے فرزند مولانا شاہ احمد نورانی کے کردار میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ چونکہ آپ طبیب بھی تھے اسی لئے اہم دوائیں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے' جب کسی کے علاج کی ضرورت محسوس ہوتی تو مفت علاج کرتے' مدینہ منورہ میں آپ طبیب ہندی کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ انسانی ہمدردی کا جذبہ آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

کمال خطابت:

مولانا موصوف بڑے پائے کے خطیب تھے' ۹ سال کی عمر میں آپ نے جامع مسجد میرٹھ میں محفل میلاد کے کثیر مجمع کے سامنے پہلی تقریر کی' تقریر کو سننے والوں نے کہہ لیا تھا کہ یہ بچہ غضب کا خطیب بنے گا' اندازہ صحیح ثابت ہوا۔ آگے چل کر آپ نے خطابت میں وہ کمال حاصل کیا کہ اپنے تو اپنے غیر بھی آپ کو خطابت کا بادشاہ مانتے تھے۔ دوران تقریر لوگ نہایت خاموشی سے خطاب سنا کرتے تھے' آپ کا انداز بیان اس قدر مسحور کن تھا کہ لوگ ہلنے کا نام نہیں لیتے تھے اور پھر یہ کمال صرف اُردو زبان ہی میں حاصل نہ تھا بلکہ جب آپ عربی، فارسی، انگریزی وغیرہ زبانوں میں خطاب فرماتے تو اہل زبان منہ میں انگلیاں لے لیا کرتے تھے۔ جاپان کے پروفیسر برلاس نے آپ کے کمال خطابت کا تذکرہ کچھ اس طرح کیا ہے کہ:

''مولانا کی تقریر سے ہر شخص محظوظ و مستفیض ہو سکتا ہے کیوں نہ ہو جبکہ ایک طرف مولانا کی مقناطیسی شخصیت ہو' دوسری طرف آپ کی نغمہ بار آواز اور تیسری جانب آپ کی ٹھوس اور مدلل تقریر ہو''۔

اور پھر یہ کہ کسی ایک زبان میں خصوصاً مادری زبان میں ابوالکلام بن جانا بڑی

بات نہیں ہے' مولانا کا کمال یہ تھا کہ وہ بیک وقت تمام اہم عالمی زبانوں میں خطابت کے شہنشاہ تھے اور اس سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مولانا کو کبھی جاپان' چائنہ' امریکہ اور برطانیہ کے اہل علم حضرات کے مجمع سے خطاب کرنا پڑتا اور کبھی پاک و ہند اور افریقہ کے پس ماندہ علاقوں میں غیر پڑھے لکھے لوگوں سے مخاطب ہونا پڑتا۔ حالانکہ ان علاقوں کے حالات مختلف ہیں' ان کی تہذیب و تمدن اور نفسیات بلکہ سوچنے سمجھنے کے معیار بھی مختلف ہیں۔ لیکن قربان جایئے مولانا کے زور خطابت کے کہ آپ ان تمام مقامات پر خوب جم کر بولتے تھے اور لوگوں کے قلوب کی اتھاہ گہرائیوں تک اسلام کا پیغام محبت پہنچا دیا کرتے تھے۔ بلاشبہ اس فن میں مولانا اپنی مثال آپ تھے۔

تبلیغی سرگرمیاں:

تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے ایک مبلغ کی حیثیت سے اپنے مشن کا آغاز کیا۔ آپ نے پورے کرۂ ارض کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا دائرہ کار بنایا' اسی لئے آپ متعدد بار دنیا کے مختلف ممالک کے دورے پر گئے۔ جس کی ایک نامکمل فہرست درج ذیل ہے۔

برطانیہ، امریکہ، جرمنی، فرانس، جاپان، چائنہ، کنیڈا، ویت نام، برما، ملائیشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، فلپائن، سیلون، ماریشیس، ری یونین، مڈگاسکر، ساؤتھ افریقہ، پرتگال، لبنان، ایلیٹ، کینیا، کانگو، تنزانیہ، یوگنڈا، سعودی عربیہ، مصر، شام، فلسطین، اردن، عراق، ویسٹ انڈیز، گیانا، ساؤتھ امریکہ، زنجبار، اٹلی، سنگاپور، بیلجیم، سائیگون، ہالینڈ وغیرہ۔ ان میں سے بہت سے علاقے ایسے ہیں جہاں آپ متعدد بار تشریف لے

گئے۔ آپ نے مسلسل ۴۰ سال تک تبلیغی دورے فرمائے اور ایسے دور دراز علاقوں میں اسلام کا پیغام پہنچایا جہاں پہلے لوگ اسلام کے نام تک سے واقف نہ تھے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ آپ کے دورے کسی سرمایہ دار تاجر یا سیاح کے دورے نہیں تھے بلکہ ایک مبلغ کے دورے تھے، جس میں ایک لمحہ کیلئے بھی آرام کی گنجائش نہیں ہوتی۔

آپ نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو صرف غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کرنے تک محدود نہ رکھا تھا بلکہ آپ کی کوششوں سے جا بجا یتیموں اور لاوارثوں کیلئے یتیم خانے' بیماری سے سسکتی ہوئی انسانیت کیلئے شفا خانے' علم کی شمع روشن کرنے کیلئے تعلیمی ادارے' روحانی تربیت کیلئے خانقاہیں' خدا کی عبادت کیلئے مساجد' تبلیغ و اشاعت کیلئے تبلیغی سوسائٹیاں' مطالعے کیلئے لائبریریاں' لادینیت کا مقابلہ کرنے کیلئے بین المذاہب تنظیمیں' مسلمانوں کو متحد و منظم کرنے کیلئے مراکز اتحاد و مثلاً مسلم یوتھس بریگیڈ' ینگ مین مسلم ایسوسی ایشن' مسلم اسکاؤٹس، مسلم والنٹیئر کارپس وغیرہ کا بھی قیام عمل میں آیا۔

اپنے تبلیغی دوروں میں آپ کو اکثر غیر مسلم مبلغوں' فلسفیوں' شاعروں' ادیبوں' سائنس دانوں' سیاست دانوں اور دانش وروں سے مناظرہ کرنا پڑتا تھا' آپ ان لوگوں سے گھنٹوں اسلام کی حقانیت کے موضوع پر مباحثہ کرتے تھے' قدرت نے آپ کو بات سمجھانے اور الجھے ہوئے مسائل کو سلجھانے کا بڑا ملکہ دیا تھا۔ برنارڈ شا سے آپ کے مناظرے کو ہی لے لیجئے! دنیا کا عظیم ناول نگار جس سے ہزاروں لوگ انٹرویو لیا کرتے تھے لیکن جب وہ آپ کے سامنے آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ آپ کا انٹرویو لے رہا ہے۔ برنارڈ شا کو ماننا پڑا کہ مستقبل میں پڑھے لکھے لوگوں کا دین اسلام ہوگا۔

ایک مرتبہ ایک عیسائی اسکالر سے مناظرہ ہو رہا تھا' اس نے سوال کیا کہ مسلمان کہتے ہیں کہ قرآن ہدایت کی کتاب ہے۔ تو پھر یہ کتاب ۲۳ سال کے طویل عرصے میں کیوں نازل ہوئی؟ ایک ہی ساتھ کیوں نہ نازل کر دی گئی؟ مولانا نے برجستہ جواب دیا کہ آپ نے جو تعلیمی اسناد حاصل کی ہیں وہ اتنے عرصے پڑھنے کے بعد کیوں حاصل کی ہیں؟ ایک ہی دن میں کیوں نہ حاصل کر لیں؟ ساتھ ہی آپ نے اس سے پوچھا کہ آپ ۳۵، ۴۰ سال میں اتنے بڑے کیوں ہوئے۔ پیدا ہوتے ہی ایک دن میں اتنے بڑے کیوں نہ ہو گئے؟ آپ کے اس برجستہ جواب نے اس عیسائی اسکالر کو دم بخود کر دیا۔

اسی طرح ایک اور مناظرے میں کسی نے آپ سے پوچھا تھا کہ اسلام کا جو نقشہ آپ پیش کر رہے ہیں وہ واقعتاً بہت اچھا ہے اور ایسے دین کو قبول کرنے میں ہمیں کوئی حرج نہیں۔ لیکن آپ یہ بتائیے کہ دنیا کے کس خطے میں اسلام پر عمل ہو رہا ہے؟ آپ نے ایک مثال دے کر اس کو سمجھایا کہ فرض کر لیجئے آپ کے پاس ایک ریڈیو سیٹ ہے۔ آپ اسے دن بھر مختلف اسٹیشنوں پر لگاتے ہیں لیکن کہیں نہیں لگتا۔ اب آپ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ دنیا کے سارے اسٹیشن خراب ہیں بلکہ آپ اپنے سیٹ کی مرمت کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ بس اسی طرح اگر آپ دل کی گہرائیوں سے کہہ رہے ہیں کہ اسلام بہترین دین ہے تو اس کو اپنی زندگی میں اپنانا شروع کر دیجئے۔ خدانخواستہ دنیا کے کچھ لوگ اگر کسی اچھائی پر عمل نہیں کر رہے تو آپ ان کو دیکھ کر اچھائی کو خیر باد تو نہیں کہہ دیں گے۔

آپ کی تبلیغ اس قدر موثر تھی کہ بڑے بڑے پادری، سائنسدان، دانشور، حاکم اور جج آپ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جن میں چند قابل ذکر

شخصیات کے نام درج ہیں:

سیلون کے آنریبل جسٹس ایم مروائی

سیلون کے عیسائی وزیر ایف کنگسری

ری یونین کے فرانسیسی گورنر مروارث

امریکی سائنسدان منخائن ہوف

سنگاپور کے ایس۔این ڈث وغیرہ

آپ کی باوقار شخصیت آپ کے علمی تبحر اور آپ کے ماہرانہ تخاطب نے وہ جوہر دکھائے کہ آپ نے اپنی زندگی میں کم وبیش ۵۰ ہزار غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ آپ جہاں بھی جاتے ہر جگہ مسلمان آپ کا والہانہ استقبال کرتے' جلوس نکالتے' ریڈیو پر آپ کا خطاب ہوتا اور بڑے بڑے میلاد کے جلسے ہوتے۔ آپ مقامی مسلمانوں کے مسائل معلوم کر کے انہیں حل کرنے کیلئے مقامی حکومت کے سربراہ سے بھی ملاقات کرتے۔ مختصر یہ کہ آپ کا انداز تبلیغ اپنے اندر ایسی مقناطیسی صفات رکھتا تھا کہ دوست آپ کو فرشتہ اور دشمن جادوگر کہا کرتے تھے۔

لادینیت کا مقابلہ:

آپ نے اپنے تبلیغی دوروں میں جہاں اسلام کی تبلیغ کی وہاں تمام مذاہب کے ماننے والوں کو لادینیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی شدت سے بھی آگاہ کیا' آپ نے عیسائی، یہودی، سکھ، بدھ مت' ہندومت اور دیگر مذاہب کے پیشواؤں سے ملاقاتیں کیں' ان کو خطوط لکھے۔ ان کے اجلاس طلب کئے اور ان کو اس بات پر مجبور کیا

کہ وہ کم از کم لادینیت کے خلاف محاذ بنائیں۔ چنانچہ آپ کی کوششوں کے نتیجے میں سنگاپور میں ۱۹۴۹ء میں تمام مذاہب کے پیشواؤں کا مشترکہ اجلاس ہوا۔ جس میں بین المذاہب تنظیم بنائی گئی۔ اس اجلاس میں آپ کی خدمات کے پیش نظر تمام مذاہب کے پیشواؤں نے متفقہ طور پر آپ کو His Exalted Eminence کا خطاب دیا۔ آپ نے مختلف ممالک کے اخبارات میں مضامین چھپوائے' ریڈیو سے خطاب کیا اور کتاب بھی لکھی جس میں بتایا گیا تھا کہ کمیونزم مادہ پرستی اور لادینیت کا مقابلہ کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ حسن اتفاق سے مجھے آپ کے اس خط کی ایک کاپی مل گئی جو آپ نے عیسائیوں کے پوپ پال کو لکھا تھا۔ اس خط کے ایک ایک جملے سے آپ کے ان احساسات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو لادینیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے پیش نظر آپ کے ذہن میں اُبھر آئے تھے۔

اتحاد عالم اسلامی:

آپ نے عالم اسلام کے اتحاد کیلئے بھی بڑی کوششیں کیں، آپ مسلمانوں کے باہمی انتشار کو سخت نقصان دہ تصور کرتے تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے موقع پر جب آپ نے دیکھا کہ برطانوی سامراج نے عربوں اور ترکوں میں نااتفاقی پیدا کر دی ہے اور دونوں کو لڑوا دیا ہے تو آپ سخت بے چین ہوگئے۔

آپ فوراً حجاز پہنچے اور شاہ شریف حسین سے ملاقات کی اور ترکوں کے خلاف اس کی پالیسی پر تحریری تنقید پیش کی اور صحیح راہ عمل کا تعین کیا' اس پر شاہ شریف حسین سخت ناراض ہوا لیکن چند روز بعد جب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو نادم ہوا اور آپ کو ناظم

تعلیمات کے عہدے کی پیشکش کی۔ آپ نے یہ عہدہ تو قبول نہ کیا البتہ نظامت تعلیمات کو اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔

تحریک پاکستان میں کردار:

سیاسی طور پر آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں' آپ نے ترکی کی خلافت اسلامیہ کے بقاء کیلئے بڑی جدوجہد کی' جب ہندوؤں نے شدھی کی تحریک شروع کی تو آپ گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور دیگر علماء اہلسنت کے ساتھ مل کر برصغیر کے اہم مقامات کا طوفانی دورہ کیا جلسوں سے خطاب کیا اور ایسی فضاء قائم کر دی کہ جس میں شدھی کی تحریک کا دم گھٹ گیا۔

جب برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں نے انگریزوں اور ہندوؤں کے مظالم سے تنگ آ کر حق خود اختیاری کا مطالبہ کیا اور اسلامیان برصغیر کیلئے ایک علیحدہ ریاست پاکستان کی تحریک شروع ہوئی تو آپ دیگر علمائے اہلسنت کے ساتھ میدان میں آئے۔ یہ وہ وقت تھا جب دیگر فرقوں کے علماء کانگریس نوازی میں بے سروپا حرکتیں کر رہے تھے آپ نے برصغیر کے چپے چپے کا دورہ کیا اور ۱۹۴۶ء میں بنارس سنی کانفرنس کے انعقاد میں اہم کردار انجام دیا۔

اس کانفرنس میں ۵ ہزار سے زائد جید علماء و مشائخ اہلسنت نے برصغیر کے کونے کونے سے شرکت کی اور بہ یک زبان مطالبۂ پاکستان کی حمایت کی۔ اندرونی محاذ پر تو فتح حاصل ہوگئی لیکن بیرونی محاذ پر ہندوؤں سکھوں اور انگریزوں نے اپنے طور پر مسلمانوں کے اس مطالبے کو احمقوں کے خواب سے تعبیر کرنا شروع کیا اور زبردست

زہریلا پروپیگنڈا کیا۔ ان مکاروں کا یہ پروپیگنڈا اس قدر کامیاب رہا کہ خود مسلمانان عالم بھی برصغیر کے مسلمانوں کے اس مطالبے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔

آل انڈیا مسلم لیگ نے جب یہ صورتحال دیکھی تو اس کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ بیرون ممالک کے محاذ پر فتح حاصل کرنے کیلئے آپ کی خدمات حاصل کرے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری نوابزادہ لیاقت علی خاں نے دہلی میں آپ سے ملاقات کی اور آپ کی سربراہی میں ایک سہ رکنی کمیٹی ترتیب دی۔ جس کے چیئرمین آپ اور جنرل سیکرٹری مولانا عبدالحامد بدایونی بنائے گئے۔ سہ رکنی وفد نے اپنے اخراجات پر حج کا قصد کیا اور حرمین شریفین میں مسلمانوں کے عظیم اجتماعات سے خطاب کیا اور قیام پاکستان کی غرض و غایت سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد دو(۲) ارکان وفد تو واپس تشریف لے آئے لیکن آپ مسلسل ایک سال تک اسلامی ممالک کے دورے پر رہے' مفتی اعظم فلسطین' حسن البنا' اردن کے شاہ عبداللہ' عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل عبدالرحمٰن اعظم پاشا وغیرہ سے ملاقاتیں کیں' جلسوں' پریس کانفرنس اور مجالس مذاکرہ سے خطاب کیا' اخبارات میں آرٹیکل لکھے۔ آپ کی ان مسلسل کوششوں کے نتیجے میں غلط فہمیاں دور ہوگئیں اور پورا عالم اسلام مطالبہ پاکستان کی حمایت کرنے لگا۔

قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں شرعی قوانین کے نفاذ کی بات یاد دلانے کیلئے جس وفد نے سب سے پہلے جناح صاحب سے ملاقات کی۔ اس کی قیادت کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہوا۔

قیام پاکستان کے بعد پہلی نماز عید جناح صاحب اور سردار عبدالرب نشتر وغیرہ نے کراچی کی مرکزی جامع مسجد عید گاہ میں آپ کی قیادت میں ادا کی۔ گذشتہ دنوں ہمارے ایک دوست نے سندھ کے سابق گورنر میر رسول بخش تالپور سے ملاقات کی اور عید گاہ مسجد کی جلد تعمیر کا مطالبہ کیا تو تالپور صاحب نے از خود یہ بتایا کہ مجھے زندگی میں ایک نماز میں بڑا سرور حاصل ہوا اور وہ نماز میں نے قائد اعظم کی ہمراہی میں مولانا عبدالعلیم صدیقی کے پیچھے مرکزی جامع مسجد میں ادا کی تھی۔

فتنہ قادیانیت کا استیصال:

مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اہم کارنامے سرانجام دیئے ہیں ان میں فتنہ قادیانیت کا استیصال بھی شامل ہے۔ آپ کی نگاہ بصیرت نے دیکھ لیا تھا کہ انگریز نے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے ان میں جذبہ جہاد و جذبہ عشق رسول کو ختم کرنے اور مسلمانوں کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت کو متزلزل کرنے کیلئے جھوٹے مدعی نبوت کو کھڑا کیا ہے۔ لہذا آپ نے ہر جگہ مسلمانوں کو اس فتنے سے باخبر کیا' آپ نے اس سلسلے میں عربی' اردو' انگریزی اور انڈونیشی زبانوں میں کتابیں لکھیں' دنیا کے مختلف ممالک میں قادیانی مبلغوں سے مناظرے کیئے اور جلسوں میں عامۃ المسلمین کو اس فتنہ سے آگاہ کیا۔ جس کے نتیجہ میں کثیر تعداد میں قادیانیوں نے قادیانیت سے توبہ کی۔

جہاں آپ نے ساری دنیا کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ وہاں آپ نے اپنی اولاد کی تربیت بھی اسی نہج پر کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے فرزند ارجمند حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صاحب نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے وہ بھرپور کردار انجام دیا

کہ جس کے سبب نہ صرف یہ کہ سینکڑوں قادیانی تائب ہو کر داخل اسلام ہوئے بلکہ مولانا نورانی نے قومی اسمبلی کا رکن منتخب ہوتے ہی انتھک جدوجہد کی اور بالآخر حکومت کو مجبور کر دیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے۔

پاکستان کے قومی اسمبلی کے اس تاریخ ساز فیصلے کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچانے کیلئے مولانا شاہ احمد نورانی نے مولانا عبدالستار خاں نیازی، علامہ ارشد القادری، پروفیسر شاہ فرید الحق کی معیت میں چار ماہ کا کامیاب عالمی دورہ بھی کیا۔

حج ٹیکس:

یہ امر ہمارے بہت سارے قارئین کیلئے باعث حیرت ہوگا کہ اب سے کچھ عرصے پہلے سعودی حکومت نے حج کیلئے آنے والوں پر حج ٹیکس نافذ کر رکھا تھا' یہ ٹیکس سراسر غیر شرعی تھا اور لاکھوں مسلمان اس سے متاثر ہوتے تھے۔ اخلاقی نقطہ نظر سے بھی یہ بات کس قدر افسوس ناک ہے کہ جو شخص ہزاروں روپے خرچ کر کے ہزاروں میل کا سفر طے کر کے اپنے کاروبار اور بال بچوں کو چھوڑ کر حج کیلئے پہنچے اس کا شاندار استقبال کرنے کے بجائے سعودی حکومت ٹیکس کے بوجھ سے اس کا استقبال کرتی تھی۔

آپ کیلئے سعودی حکومت کا یہ طرز عمل ناقابل برداشت تھا..... آپ نے سعودی حکومت کے ارباب حل و عقد سے ملاقاتیں کیں' علمائے حجاز سے مباحثہ کیئے۔ عالم اسلام کے ممتاز مفتیوں سے فتاویٰ حاصل کیئے جن میں مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں اور مولانا نعیم الدین مرادآبادی جیسے جلیل القدر علماء اسلام شامل ہیں۔ ان فتاویٰ کو عربی میں ترجمہ کرا کے شائع کروایا اور بالآخر سعودی حکومت کو ٹیکس

ختم کرنے پر مجبور کر دیا۔

یہ آپ کا وہ کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک زندہ و پائندہ رہے گا اور بلاشبہ جس سے کروڑوں مسلمان ہر سال فائدہ اُٹھاتے ہیں لیکن افسوس پاکستان کے مسلمان اپنے اس عظیم قائد کے عظیم کارنامے سے واقف نہیں۔

محبت مدینہ اور وصال شریف

آپ کے قلب میں عشق اور محبت مدینۃ الرسول کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میری دو تمنائیں ہیں' ایک یہ کہ مدینہ منورہ میں موت نصیب ہو اور دوسری یہ کہ سنت رسول کے مطابق ۶۳ سال کی عمر میں۔ آپ اپنے احباب سے ان تمناؤں کے پورا ہونے کیلئے دعا کیلئے بھی کہا کرتے۔

آپ نے جب کراچی میں آخری مرتبہ آرام باغ میں جلسہ عام سے خطاب کیا تو وہاں بھی اپنی ان آرزوؤں کا ذکر کیا۔

بارگاہ الٰہی میں آپ کی خدمات کو قبولیت کی سند یہ ہے کہ آپ کی یہ دونوں خواہشیں پوری ہوئیں' آپ نے ۶۳ سال کی عمر میں ۱۳۷۳ھ میں مدینہ منورہ میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قدموں میں آسودہ ہیں۔

قدرت کی مہربانی دیکھئے کہ چونکہ آپ کی خدمات عالمگیر تھیں اس لئے آپ کا وصال بھی ایسے موقع پر ہوا جبکہ حج کے بعد پورے عالم اسلام کے مسلمان مدینہ منورہ

میں حاضر تھے۔ گویا آپ کی نماز جنازہ میں دنیا کے کونے کونے کے مسلمانوں نے اپنے اپنے علاقے کی نمائندگی کی۔

آپ کو مدینہ منورہ اور اہالیان مدینہ سے بے حد و حساب پیار تھا' عموماً تبلیغی دوروں کے دوران مدینہ شریف میں ضرور قیام کرتے۔ قیام کم از کم تین ماہ کا ہوا کرتا تھا کبھی کبھی مسلسل سال بھر ٹھہر جاتے تھے۔

مدینہ شریف میں قیام اکثر پیر طریقت مولانا ضیاء الدین قادری خلیفہ امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر ہوتا۔ اگر کبھی کہیں اور ٹھہر بھی جاتے تو تب بھی کھانا مولانا ضیاء الدین ہی کے ہاں کھاتے۔

تہجد سے اشراق تک اور عصر سے عشاء تک مسجد نبوی میں ضرور ٹھہرتے۔ باب سیدنا صدیق اکبر کے سامنے ستون سے متصل بیٹھا کرتے۔ طلبہ آپ سے وہیں آ کر مسائل پوچھا کرتے اور کافی طلبا ایسے بھی تھے جو آپ سے بخاری شریف' مشکوٰۃ شریف اور جلالین شریف کا درس گنبد خضرا کے سائے میں لیا کرتے تھے۔

بہت سے علماء اب بھی ایسے بقید حیات ہیں جنہوں نے آپ سے مسجد نبوی میں بیٹھ کر حدیث میں سند حاصل کی۔

قیام پاکستان کے بعد آپ نے مدینہ منورہ میں ایک مکان بنوایا جس کو آپ نے "وقف علی الاولاد" کر دیا اور یہ شرط رکھ دی کہ اگر میری کوئی نرینہ اولاد نہ رہے تو یہ مکان مسجد نبوی کی ملکیت میں شامل کر لیا جائے۔

مدینہ منورہ میں آپ اپنے پیسے مرحوم عبدالغنی دادا میمن کے ہاں رکھوایا کرتے

تھے۔ (جو خوش قسمتی سے علماء کے خادم اور میرے نانا جان ہیں)
ایک مرتبہ کسی نعت خواں نے آپ کے سامنے مندرجہ ذیل شعر پڑھا:

مدینہ جاؤں پھر آؤں مدینہ پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

آپ نے اس نعت خواں سے کہا کہ میں اب اس شعر کو نہیں پڑھتا۔ اس شخص نے انتہائی تعجب سے پوچھا کہ حضرت آپ کو مدینہ منورہ سے بڑا لگاؤ ہے آپ کیوں یہ شعر نہیں پڑھتے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میں نے اس شعر میں ترمیم کر لی ہے اور اب میں اس کو یوں پڑھا کرتا ہوں۔

مدینہ جاؤں پھر نہ آؤں وہیں پے رہ جاؤں
درِ حبیب پہ قصہ تمام ہو جائے

آپ میں عشق رسول و محبت مدینہ رسول کی یہ شمع امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے روشن کی تھی۔

تصنیفات و تالیفات

عدیم الفرصتی کے باوجود آپ نے چند اہم موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں۔ جن کی فہرست درج ذیل ہے۔

اُردو میں ذکر حبیب (دو حصے)
احکامِ رمضان وعید الفطر
قادیانی حقیقت کا اظہار

انگریزی میں:

1. Quest for True Happiness
2. Principles of Islam
3. Forgotten Path of Knowledge
4. Muslims Contribution to Science
5. Mistory of the Codification of Islamic law
6. Elementry Teachings of Islam (for Hanafis)
7. Elementry Teachings of Islam (for Shafais)
8. The Mirror
9. A Shavian and a Theologian (etc)

مولانا موصوف کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے مشن کو جاری رکھنے کیلئے مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا شاہ محمد جیلانی اور ڈاکٹر فریدہ احمد جیسی باصلاحیت تربیت یافتہ اور صالح اولاد چھوڑی۔ جس نے نیابت کا حق ادا کر دیا ہے۔ آپ کے وصال کے بعد کراچی کی میمن مسجد صدر میں علماء کا ایک اجتماع ہوا۔ جس میں مولانا فضل الرحمٰن انصاری نے مولانا شاہ احمد نورانی کے سر پر دستار خلافت باندھی اور دعا کی کہ [illegible] نورانی اپنے والد ماجد مولانا عبدالعلیم صدیقی کے مشن کو آگے بڑھائیں۔ جملہ علماء کرام نے آمین کہی۔

کتنی مبارک تھی وہ گھڑی کہ مولانا فضل الرحمٰن انصاری کی دعا کو خداوند قدوس نے شرفِ قبولیت بخشی۔ آج مولانا شاہ احمد نورانی اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار

لاتے ہوئے اپنے والد کے مشن کی تکمیل کیلئے سرگرم عمل ہیں۔

یہ تھا مختصر سا تذکرہ اس عظیم ہستی کا جس نے اپنی تمام تر صلاحیتوں اور اپنی زندگی کے تمام لمحات کو اسلام کی سربلندی کیلئے وقف کردیا تھا۔ میری آرزو ہے کہ اسلام کے اس عظیم کارنامہ کے کارناموں سے عوام کو آگاہ کرنے کیلئے مولانا موصوف کی مفصل سوانح حیات لکھوں۔ اس سلسلے میں خاصا مواد جمع ہو چکا ہے' مستند مواد جمع کرنے کی جدوجہد جاری ہے۔ آخر میں اس بات کی وضاحت کردوں کہ میں ایک طالب علم ہوں۔ اگر مضمون میں کوئی نقص رہ گیا ہو تو علماء کرام میری رہنمائی فرمائیں تاکہ اصلاح کی جاسکے

تحریر: جناب محمد حنیف حاجی طیب
سابق صدر انجمن طلبہ اسلام پاکستان

===============

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مقدّمہ

قدرت نے انسان کو جس قدر بھی قوتیں عطا فرمائی ہیں ان میں سے ہر ایک کا طریق استعمال بھی بتادیا گیا، اس قسم کی تعلیم اگرچہ فطرۃً جانوروں کو بھی دی گئیں۔ مگر انسان اور جانوروں کی تعلیم میں ایک خاص فرق یہ ہے کہ انسان کو نئی نئی باتیں پیدا کرنے، اور اپنی قوت کو ترقی دینے کا کمال بھی عطا کیا۔ اس کے بالمقابل جانوروں میں ابھی اس کا تجربہ نہیں ہوا، کہ خود بخود بغیر کسی انسان کے سدھائے اپنی قوت کے کارناموں کو ترقی دینے میں مشغول ہیں یا نہیں۔

آج دعویٰ کیا جارہا ہے کہ عالمِ انسانیت ترقی کی منزلوں کو طے کرتے ہوئے معراج کمال پر پہنچ چکا ہے، دماغ کی فہم وفراست فلسفہ ومعقول کی موشگافیوں اور علوم مادیہ میں، کیمسٹری وغیرہ کی نت نئی تحقیقات کی شکل میں ترقی کرتے ہوئے نئی نئی باتیں سوچنے اور جدید صحیح طریقہ نکالنے میں کامیابی کے زینہ پر فائز ہوتی جاتی ہے۔ بلکہ ہیئت کی کارگزاریوں پر نظر ڈالئے تو آسمان تک کے قلابے ملاتی ہے۔ آلات ظاہری کو دیکھئے تو ہاتھ جس قدر کام آج سے دو سو برس پہلے کر سکتے تھے، آج مشینوں اور کلوں کے ذریعہ اس سے

ہزار گنا انجام دے رہے ہیں۔ پیتر، برسوں میں جس فاصلہ کو بہت مشکل سے طے کر سکتے تھے، آج ریلوں اور موٹروں اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ اسے منٹوں میں طے کیا جا رہا ہے۔ کان جس قدر پہلے سن سکتے تھے، آج اس سے ہزاروں بلکہ لاکھوں، کروڑوں درجہ زیادہ ٹیلیفون ٹیلی گراف اور وائرلیس کے ذریعہ سن رہے ہیں، آنکھیں جو زیادہ سے زیادہ چند فرلانگ تک دیکھ سکتی تھیں، آج دور بینوں کے ذریعے ہزاروں میل کی چیزیں دیکھ رہی ہیں، لیکن اس مخصوص قوت کی طرف غور کے ساتھ دیکھا جائے جس پر انسانی نسل کے باقی رہنے اور اولاد پیدا ہونے کا دار و مدار، تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا، کہ اس میں بجائے ترقی، تنزل اور بجائے زیادتی روز بروز کمی ہی ہوتی چلی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ بے سوچے سمجھے کوئی صاحب اس دعوے کا رد کرنے کی جرأت فرمائیں، اور جواب میں اس قسم کی دلیلیں لائیں کہ انسانی مردم شماری اس قسم کی دلیل قوی، کہ اس مخصوص قوت کے اثرات میں بھی زیادتی ہے نہ کہ کمی، نیز نئی نئی مقوی ادویہ بھی اس قوت کے باقی رکھنے اور سنبھالنے کے لئے ایجاد کی جا رہی ہیں لیکن ان دونوں شبہوں کا جواب، معمولی غور سے خود بخود سامنے آ جانے والا کہ محض تعداد کی زیادتی ترقی پر دلالت کرنے والی نہیں ہو سکتی، صحیح نتیجہ تناسب پر نظر کرنے کے بعد نکالا جا سکتا ہے۔ مثلاً آج سے دو سو برس پہلے اگر ایک لاکھ کی آبادی میں دس برس کے اندر پچاس ہزار قوی

ہیکل صحیح و تندرست انسانوں کا اضافہ ہوتا تھا تو آج اضافہ تو نہیں ہے مگر ایک لاکھ میں زیادہ سے زیادہ بیس، پچیس ہزار، وہ بھی کمزور، بیمار مُنحنی انسانوں کا، پس انصاف سے دیکھئے کہ اس کو اضافہ کہا جائے گا، یا کمی، امراض کی زیادتی، اعضائے رئیسہ کی کمزوری اور تعداد میں اس نسبت سے جو فطرتاً ہونی چاہئے تھی کمی، یہ ثابت کر رہی ہے کہ اس مادۂ تولید یا قوت مخصوص کو نہ صرف یہ کہ ترقی دینے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ اس کی حفاظت بھی جیسا کہ ہونی چاہئے تھی ویسی نہیں کی جا رہی ہے ورنہ یہ صورتیں پیدا نہ ہوتیں۔ ایک دانہ اگر وقت پر صحیح طور سے زمین کو عمدگی کے ساتھ بنا کر قاعدہ کے مطابق ڈالا جائے، نیز وقت پر پانی بھی دیا جائے تو قوی امید ہے کہ وہ فصل پر بہت سے دانے لائے۔ لیکن اگر وہی ایک دانہ بے وقت نکمی زمین میں پھینک دیا جائے اور اس کی غور و پرداخت مطلق نہ کی جائے، تو نتیجہ ظاہر کہ نہ پودا اُگنے کی اُمید، اگر اُگا بھی تو بالیں نکلنا مشکل، بالیں نکلیں بھی تو دانے خاطر خواہ آنے دشوار، یہی حال انسانی بیج کا بھی ہے جس کے بے موقع نکمی زمینوں پر پھینک دینے یا ویسے ہی برباد کئے جانے کے سبب روز بروز ترقی انسانی پیداوار، نقصانات ہی کا شکار ہوتی جا رہی ہے۔ ڈاکٹروں کی کمی نہیں، دواؤں کی بھی افراط ہے، معالجات کی طرف بھی لوگوں کو التفات، مگر علاج و دوا کی بالکل ویسی ہی حالت جیسے پھٹے ہوئے کپڑے میں ٹانکا پیوند لگا کر وقت گزارنا، یا مشین کے گھسے ہوئے پرزوں میں تیل ڈالکر

چند روز کام نکالنا، ضرورت اور سب سے زیادہ ضرورت ہے کہ انسانی ہمدردی کا ایک شمّہ بھی اپنے قلب میں رکھنے والے افراد اس اصل جوہر کی حفاظت کی خاطر توجّہ کریں اور اس کے صحیح استعمال کی تدابیر سامنے لائیں۔ ؎

وَاحْفَظْ مَنِيَّكَ مَا اسْتَطَعْتَ فَإِنَّهُ
مَاءُ الْحَيٰوةِ يُرَاقُ فِي الْأَرْحَامِ

میں اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر، یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر میرے پاس ایک سو نوجوان مرد و عورت مریض آتے ہیں تو میں ان میں سے بچانوے کو اسی مادّے کی ضعف و خرابی کے امراض میں مبتلا پاتا ہوں، کشتہ طلا بیشک اس قوّت کو بڑھا سکتے، بعض معجونیں اور فولاد کی مختلف ترکیبیں یقیناً قوّت پہنچائیں اور اس طرح ٹوٹی ہوئی کمر کو کچھ سہارا دیدیا جاسکے، اصلی فطرتی قوّت کے جانے یا خراب ہوجانے کے بعد دوائیں زیادہ سے زیادہ چند روزہ انتظام کردیتی بھی بشرطیکہ نقصان اس حد تک نہ پہنچا ہو کہ مریض کو ناقابلِ علاج بنادے لیکن اس معاملہ میں انسانی نسل کی اصل خدمت نہ دواؤں کی ایجاد سے ہوسکتی ہے نہ بجلی کے آلات سے۔ بلکہ انسانی زندگی کے اس دور میں جب کہ انسان اس قوّت مخصوص کے استعمال پر خواہ وہ بجا ہو یا بے جا بدحواس ہوجاتا ہے اور اَلشَّبَابُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْجُنُوْنِ " جوانی دیوانی" کا منظر سامنے آتا ہے۔ ایک سمجھدار حکیم کی بہترین خدمت یہ ہے کہ

وہ دانائی کے ساتھ اچھے طریق پر ایک طرف طبّی اصول سے اور دوسری جانب اخلاقی طور پر ان اُبھرتی ہوئی امنگوں اور بڑھتے ہوئے شوق والے نوجوانوں کو ٹھیک رستہ پر لگائے۔ ابلتے ہوئے چشمے کے لئے اگر ایک گھیرا بنادیا جائے تو پانی محفوظ ہوجائے گا اور عالم اس کے فیض سے سیراب، ورنہ پانی پھیل کر ضائع ہوجائے گا، کوئی بھی نفع نہ اٹھائے گا۔ دریا کی روانی زور و شور کے ساتھ جاری اگر صحیح راہ پر لگا دیا جائے۔ ٹھیک رستہ اس کے لئے بنادیا جائے، وہی پانی زمین کے ایک بڑے خطّے کی سرسبزی کا موجب ہوگا۔ ورنہ وہی دریا کا چڑھاؤ بہت سی آبادیوں کو ڈبونے اور برباد کرنے والا نظر آئے گا۔

آج کھیتی کی سرسبزی کے لئے نہریں بنانے کی فکر مشینوں کے ذریعہ نئے نئے چشمے نکالنے میں انہماک۔ مگر اس انسانی زندگی کے سرچشمہ کی روانی کو اس بیدردی کے ساتھ برباد ہوتے دیکھ کر بھی کسی شخص کو اتنا خیال تک نہیں آتا کہ اس کی دیکھ بھال کی جائے۔

محکمۂ حفظانِ صحت، طاعون اور ہیضہ کے کیڑوں کو مارنے اور چیچک کا ٹیکہ لگانے میں اس درجہ سرگرم کار کہ ہر ہر میونسپلٹی اس پر لاکھوں روپیہ صرف کرنے کو تیار، ہر ہر حکومت کے پاس اس شعبہ میں کام کا انبار۔ مگر کیا کسی میونسپلٹی اور حکومت نے اس طرف بھی توجہ کی کہ اس مادہ مخصوص کی بربادی اور اس کے بیجا استعمال کے سبب جو زبردست خرابی قوموں اور نسلوں کی غارت گری کررہی ہے اسکے انسداد کیلئے بھی کوئی صورت اختیار کیجائے۔ آج کتنے ناپاک

متعدی امراض ہیں جو اسی مادّہ کے غلط استعمال کے سبب ملکوں کو تباہ کر رہے اور انسانی نسل کو زبردست نقصان پہنچا رہے ہیں، مگر حکومت کے مشیر اس طرف سے غافل، اور رہبرانِ ملّت اس کام کے لئے کاہل۔ پہلو میں دل اور دل میں سچا درد ملّی رکھنے والا انسان، قوم و ملک کے نوجوانوں کی اس بربادی کو دیکھ کر خون کے آنسو روتا ہے۔ اس تالیف میں آپ کو وہی خون کے قطرے ملینگے اور یہ نوجوانوں کی خدمت کے لئے یہ پہلا قدم اٹھایا ہے جس کے اثرات ان صفحات پر آپ کی نظر کے سامنے آئیں گے۔ یہ کوک شاستر نہیں ہے، جو استعمال مادّہ منویہ کے لئے مختلف آسن بتائے، قرابادین یا بہشتی زیور کا گیارھواں حصّہ نہیں جو مقوّی و مغلّظ و ممسک نسخہ سکھائے۔ اشتہار بازوں کا اشتہار نہیں جو "مُردہ زندہ ہوگیا" کی سُرخی دکھاتے ہوئے جوب دمعاجین کی چاشنی چکھائے۔ بلکہ ایک درد بھرے دل کا محبت بھرا پیغام ہے نوجوانانِ ملّت کے نام۔

کاش مالک عالم لفظوں میں اثر دے، طرز بیان کو شستہ و پاکیزہ رکھے جو دل میں گھر کرنے والا، بھولے ہوؤں کو رستہ بتانے والا اور بھٹکنے والوں کو صحیح راہ پر لگانے والا ثابت ہو۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

محمد عبد العلیم الصدّیقی القادری میرٹھی

"شباب"
یا
"جوانی"

انسانی زندگی کے تین دور ہیں۔ ابتدائی زمانہ کو بچپن، انتہائی عمر کو بڑھاپا اور ان دو زمانوں کی درمیانی مدّت کو **جوانی یا شباب** کہتے ہیں۔

ہم جس وقت کی یاد ناظرین کے دل و دماغ میں تازہ کرنا چاہتے ہیں وہ اس شباب کے آغاز، یا جوانی کی ابتدا، انسانی زندگی کی بہار کا سماں ہے۔

درخت کا بیج، زمین میں پہنچا۔ زمین کی اگانے والی قوت پودا نکال کر مضبوط بنا رہی ہے، رحمت کے پانی کے چھینٹے، نسیم بہار کے جھونکے، سرسبزی و شادابی کا سامان پہنچا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ وہی چھوٹا سا پودا، پھل پھول سے آراستہ ہوکر اپنے دلربایانہ، مستانہ انداز میں جھوم جھوم کر ایک عالم کو اپنی اداؤں کا متوالا بناتا، اور اپنے پھولوں پھلوں کی عام دعوت دنیا کو پہنچاتا ہے۔

انسانی زندگی کا بیج بھی مقررہ قاعدہ کے مطابق اس سرزمین میں پہنچکر جہاں اس کی آبیاری[1] کے لئے قدرت نے ہر قسم کا سامان بہم پہنچا رکھا ہے، نو مہینے کے بعد ایک نرم و نازک، موہنی صورت لئے ہوئے جلوہ آرائے عالم[2] ہوتا ہے۔

دودھ کی نہریں جو قدرت نے اُسی کی خاطر جاری فرمائیں، اس کے غذا پہنچانے کا

---

[1] پانی دینا، (پالنا، پوسنا) [2] جہان کو سجانے والا۔

کام انجام دے رہی ہیں، پھر طرح طرح کی غذائیں اس کی تربیت کا فرض بجا لا رہی ہیں
علم طب کے مطابق بدن کے جوڑ جوڑ کا حال دیکھنے والے مطالعہ کرتے
ہیں کہ غذائیں معدہ میں پہنچتی ہیں، معدہ کی گرمی ان کو دوبارہ پکاتی اور قسم قسم
کے کھانوں کو ایک جان بناتی ہے۔ قدرت کی چھلنی نے تیار کئے ہوئے مادے
کو اچھی طرح چھانا، تلچھٹ یا فضلہ باہر پھینکا گیا۔ اصل غذائی مادہ جگر میں پہنچا
وہاں جگر کی مشینری نے دوبارہ اپنا کام شروع کیا، اور جگر کی ہانڈی میں اچھی
طرح پک کر چار قسم کے خلط تیار ہو گئے، زرد زرد پتلا پانی صفرا کہلاتا ہے
چپچپا لیس دار رطوبت بلغم کہی جاتی، اور بالکل نیچے جل جانے والا مادہ سودا کہا
جاتا ہے۔ لیکن اس پورے غذائی مادہ کا اصلی جوہر سُرخ رنگ لئے ہوئے
خون بن کر قلب میں پہنچا، پھیپھڑے سے آنے جانے والی ہواؤں نے اُسے
صاف و شفاف بنایا، رگوں کی نہروں اور نالیوں نے تمام بدن کے جوڑ جوڑ
بال بال تک اس جوہر کو پہنچایا، بدن کے ہر حصّہ نے اس سے غذا پائی اور کمزور
جان میں اسی خون کے ذریعہ طاقت آئی۔ بدن کی تربیت کے لئے جس قدر
خون کی حاجت تھی خرچ میں آتا رہا۔ اور انسانی پودہ اسی خون کے ذریعہ
نشوونما پاتا رہا، جب بدن کا بناؤ ایک اوسط درجہ میں آیا، جو خون بدن
کی فربہی کی خدمت سے بچا، انسان کے بدن میں ٹھہرا۔ اب ذرا غور کرو کہ
یہ خون، تمام غذاؤں کا بہترین جوہر اپنے اندر رکھتا اور تمام بدن کے جوڑ
جوڑ اور بال بال کی سیر کر لینے کے سبب ہر ہر عضو کی کیفیت کا اثر پیش کرتا ہے۔
بلاتمثیل دریا کا پانی زمین کے جس حصّہ سے گزرتا ہے، اس کے اثرات

لہ بڑھنا ترقی کرنا۔ ۱۲

اپنے ساتھ لئے چلتا ہے، اسی طرح رگوں کی نالیوں اور نہروں میں بہتا ہوا خون
جب اپنے ٹھہرنے کی جگہ پہنچا تو اپنے قطرے قطرے میں سارے بدن کے
کمالات کا اثر رکھتا ہے، اور اس اثر کی لطافت سے اعضائے رئیسہ دل و
دماغ خاص ذوق حاصل کرتے ہیں، اور رُوح حیوانی اسی ارغوانی امرت
سے لذّت یاب ہوتی ہے۔ یہی امرت انسانی وجود میں وہ جوش و کیفیت پیدا کرتا
ہے، جس پر لاکھوں کروڑوں ناپاک بوتلوں کے گندے ناپائدار نشے قربان، اسی
جوہر میں وہ قوّت ہے جو تمام عالم کے جواہرات کے خمیروں اور تمام عالم کی
بہترین معجونوں میں مل مجل کر بھی نصیب نہیں ہو سکتی، اسی جوہر کی طاقت سے
آنکھوں میں نور، قلب میں سرور، بدن میں ہمّت، حوصلہ و جرأت، بلکہ یوں سمجھئے
کہ تمام وجود کی طاقت و قوّت اسی جوہر کی بدولت تم اپنے سینوں پر اپنی پستانوں
میں جو سختی جوان ہوتے وقت محسوس کرتے ہو، یہ اسی خون کے جوہر یا جوانی کے مادہ
یا شباب کی علامت ہے۔

انسانی عادت و فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ جب کسی شخص میں کوئی کمال پیدا ہوتا
ہے فوراً اس کے اظہار و نمائش کے ولولے قلب میں خاص گدگداہٹ پیدا کرتے ہیں
شاعر جب کوئی شعر تصنیف کرتا ہے اس کا دل چاہتا ہے کہ کوئی اہل فن اس کو سُنے،
حسین و جمیل چاہتا ہے کہ میرے حسن و جمال کے قدرداں آئیں اور مجھے دیکھیں، مقرر
چاہتا ہے کہ میری تقریر سُن کر لوگ محظوظ ہوں، اور میں اپنا کمال دکھاؤں، سنار، لوہار،
نجار، کاتب غرض ہر اہل فن کمال حاصل کرنے کے بعد اپنا کمال دکھانا چاہتا
ہے کسی شخص کے پاس دولت آتی ہے، ثروت ملتی ہے تو اس کے ساتھ ہی ساتھ

اس کے اظہار و نمائش کا بھی خیال پیدا ہوتا ہے، کبھی وہ اس کے اظہار کے لئے عالی شان مکان بناتا ہے۔ فرنیچر سجاتا ہے، عمدہ پوشاک پہنتا اور دوست واحباب کو بلاتا ہے۔ بادشاہی ملتی ہے تو شان وشوکت کے اظہار کیلئے بڑے بڑے دربار منعقد کرتا ہے اور وزراء وامراء طلب کئے جاتے ہیں، عجائب وغرائب سامان ہوتے ہیں۔ غرض یہ انسانی فطری جذبہ ہے کہ کمال کا اظہار کیا جائے یہی جذبہ اس خاص دولت و مخصوص قوت کے پیدا ہونے اور کمال کی صورت اختیار کرنے کے بعد اس کے اظہار کی طرف مائل کرتا ہے اور خواہ مخواہ دل میں یہ سودا سماتا ہے کہ اس دولت کو صرف کرنے کی لذت اٹھائے۔

بیشک زبان بولنے کے لئے، کان سننے کے لئے، پیر چلنے کے لئے، آنکھیں دیکھنے کے لئے بے چین ہوتے ہیں، اسلئے کہ ان اعضاء کا یہی کام اسی طرح اس قوت کے اظہار کیلئے بھی ایک عجیب وغریب انتشار ہوتا ہے اور یہ مادۂ مخصوص اپنے استعمال میں لائے جانے کیلئے بعض اوقات انسان کو مجبور اور بے قرار کر دیتا ہے بلکہ ایسا از خود رفتہ بنا دیتا ہے کہ اگر اس حالت کو جنون سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہو گا۔

اَلشَّبَابُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْجُنُوْنِ

اسی حال سے عبارت، اور "جوانی دیوانی" سے یہی مراد اور مطلب۔ یہ بالکل درست کہ وہ جوہر جب اپنے کمالات دکھانے کی آرزو میں لئے ہوئے میدان میں آنا چاہتا ہے تو جہاں اس کو موقع نہ دینا اور قدرت کی دی ہوئی اس نعمت کا استعمال میں نہ لانا، صحیح ناشکری اور اس قوت مخصوص پر ظلم کہا جائے گا، وہاں اس کا غلط استعمال فضول و لغو ہی نہیں بلکہ تباہ کرنے والی صورتوں سے ضائع کرنا بھی سخت ترین ظلم ہی سمجھا جائے گا۔

دن رات کی عرق ریزی اور پوری محنت ومشقت کے ساتھ تجارت کے ذریعہ جو دولت ہاتھ آئی یہ ضرور ہے کہ اس کا ضروری کاموں کیلئے بھی صرف میں نہ لانا بخل، اور اخلاقی خرابی سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس کا بیجا استعمال اور آمدنی سے زیادہ صرف کرنا بھی یقیناً ایک نہ ایک دن دیوالیہ بنائیگا، عمر بھر لائیگا کھویا ہوا خزانہ پھر نہ پائے گا۔ اور اس وقت کا پچھتانا ہرگز کام نہ آئے گا۔

سمجھداروں کا یہ کام ہے کہ اگر تجارت کو ترقی دینا مقصود ہے تو کم از کم کچھ دنوں نفع کو بھی اصل میں شامل کریں اور اسطرح تجارت کے سرمایہ کو ترقی دیں۔

انسانی جواہرات کا یہ **انمول خزانہ** انسانی جسم کی بیش قیمت کانوں اور زندگی کے سمندر کی گہرائیوں سے نکل کر جسم انسانی کی بعض محفوظ کوٹھریوں میں پہنچا ہے اگر چند روز تک اس صندوق میں امانت رہے تو وہ دوبارہ خون میں جذب ہو کر خون کو تقویت دینے والا صحت کو درست اور بدن کو مضبوط بنانے والا ہوگا، رعب داب حسن وجمال کو بڑھانیوالا اور مردوں میں مردانہ، عورتوں میں زنانہ خصوصیات کو چار چاند لگانے والا ثابت ہوگا، دماغ کی ذکاوت ترقی پائیگی، قوت حافظہ میں تیزی آئیگی، آنکھوں میں سرخی کے ڈورے، اس مالداری پر دلالت کرنیوالے اور ہمت کی بلند پروازی، حوصلہ کی سربلندی اس دولت میں زیادتی کی علامت ہوگی، البتہ اس کے بعد جب یہ سرمایہ کافی مقدار کو پہنچ جائے کہ مالداروں کی فہرست اور اعلیٰ تاجروں کی فہرست میں نام شمار ہونے لگے اس وقت میدان عمل کی طرف قدم اٹھائیے اور اس بیش گراں بہا کمائی کو بہترین طریق پر صرف میں لائیے، وہ صحیح طریق استعمال کیا ہے آگے چل کر ملاحظہ فرمائیے۔ یہ فیصلہ ہم آپ ہی کی مرضی پر چھوڑ دیتے ہیں، کہ اپنے آپ کو کتنا مالدار بنائیے،

اور کم از کم کس حد تک نہ پہنچائیے، بشرطیکہ آپ کے متعلق ہمیں یہ یقین ہو جاتا کہ آپ
اس معاملہ میں صحیح رائے قائم کر سکیں گے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ آج ایسے لوگوں
کی کمی ہی نہیں، بلکہ تقریباً بالکل ہیں ہی نہیں، اس لئے مثال اور نمونہ کے لئے پیش
کریں تو کسے؟ اور آپ بھی معیار اور کسوٹی بنائیں تو کسے؟ بعض پرانے زمانے کے
لوگوں نے پچیس برس کی عمر کو ایک اوسط عمر قرار دیا اور یہ بتایا کہ اگر اچھی غذائیں
کھانے کو ملیں، بے فکری کی زندگی نصیب ہو، تو بدن کو اچھی طرح تربیت دینے اور
کافی طاقت ور بنانے کے لئے پچیس برس کی عمر تک اس امرت کی حفاظت کی ضرورت
اور استعمال سے بالکل بچنے کی حاجت، لیکن پچیس تو پچیس آج ہمارے نوجوان [illegible]
اور مذاق بھی اڑائیں گے اگر ہم ان سے یہ درخواست بھی کریں کہ کم از کم بیس برس کی عمر تک
اس کی حفاظت کر لو، اور اس انمول دولت کو ابھی ضائع نہ کرو، ذرا صبر سے کام لو پھر
اس کے بہترین نتائج دیکھو، اس کے بعد یا خیر جانے دو۔ اس سے پہلے ہی بھی اس کا
استعمال کرتے ہو، تو تمہیں تمہاری ابھرتی ہوئی جوانی کا واسطہ دیکر کہتے ہیں، کہ اس پر
رحم کھاؤ، اسے برباد نہ کرو، بیدردی سے لٹانے والے تو نہ بنو، ورنہ یاد رکھو پچھتاؤ گے
اور بری طرح پچھتاؤ گے، تم نے ابھی شاید پورے طور سے نہ سمجھا ہو کہ اس قیمتی خزانہ میں
کیا کیا جواہرات موجود ہیں، دیکھو دیکھو، ابھی کیا کچھ بننے والا ہے، یہ ایک بیج ہے جس
سے بہت سے پودے اگیں گے، بہت سے پھل نکلیں گے، بہت سے پھول
کھلیں گے، آج بیج کو ضائع نہ کرنا کہ اسی میں تمہاری آئندہ زندگی کی بہار پوشیدہ ہے۔

انسانی جوڑے

قدرت نے ہر نر کے لئے مادہ اور ہر مادہ کے لئے نر، پیدا فرما کر بہت سے
جوڑے عالم میں بنائے، اور ہر ایک کے بدن کی مشین پر مختلف پرزوں اور آلوں
کو اس انداز کے ساتھ سجایا، کہ وہ ہر ایک کی فطرت کے مطابق، اس کی ضرورت
کو پورا کرنے والے ہیں، مرد عورت کیلئے عورت مرد کے لئے۔ عنفوان شباب، یا
انسانی زندگی کی بہار کے وقت ایسا ہی بےقرار ہے، جیسے پیاسا پانی کے لئے
یا بھوکا کھانے کے واسطے اس لئے کہ مرد کے شباب کی قدر دان عورت۔ اور فقط
عورت ہی بن سکتی ہے، اور اسی طرح عورت کے جواہرات جوانی کی قدر دانی مرد
اور فقط مرد ہی کر سکتا ہے۔ ایک دوسرے کے دل کا چین اور دوسرے کی جان کا
آرام گانے والا بہروں کے سامنے گائے کیا نتیجہ! عمدہ سینما کا تماشا اندھوں کو
دکھلایا جائے تو کیا فائدہ؟ اسی طرح اس زندگی کے امرت اور اس انسانی بیج کو کلر
نکمی زمین میں ڈالا جائے گا تو سخت حماقت اور بدترین جہالت۔ اس مادہ کی یہ
خصوصیت کہ مرد وعورت کے ملاپ، اور ایک دوسرے کے جذبات کے برانگیختہ ہونے
پر رنگ بدلنا شروع کرتا ہے اور نیچے غدودوں میں پہنچکر سپید یا زرد رنگ اختیار کرتا
ہے۔ اب اگر صحیح موسم اور ٹھیک وقت پر ظاہری جسم کے ملنے کے ساتھ، مرد اور عورت
کی یہ دولت، مشترک سرمایہ کی صورت اختیار کرلے تو ایک پیاری موہنی صورت
نو ماہ بعد جوانی کے پھل کی شکل میں جلوہ دکھائے۔ یہ قدرت۔ فطرت نے عورت ہی
کو عطا فرمائی ہے کہ وہ مرد کی اس امانت کو حفاظت کے ساتھ رکھتی اور اپنے خون جگر سے

اس کو ترقی دیتی، اور آخر بڑھا چڑھا کر ایک تیسرے انسان کے پیکر میں ڈھال کر جلنے
لاتی ہے، اس لئے مرد کی اس دولت کے خرچ کرنے کی جگہ عورت اور فقط عورت کے پاس
اور عورت کی ابھرتی ہوئی امنگوں، اور ولولوں کی قدر دانی کرتے ہوئے جام محبت
د بادۂ گلفام الفت کے ساتھ اس کو سیراب کرنا مرد ہی کا کام ہے ۔

عورت اور مرد کے درمیان قانونی رشتہ کی ضرورت

آپ نے ابھی مطالعہ فرمایا کہ اس انسانی بیج کی حفاظت اور تربیت کی
ذمہ داری کا زبردست بوجھ، عورت ہی کے کاندھوں پر ہے، یہ مادہ عورت کے پاس
پہنچکر بڑھنا اور پلنا شروع ہوگا۔ نو مہینہ کی مدت اس کی تکمیل کے لئے درکار، اس
زمانہ میں عورت فطرتاً اس امر کی محتاج ہوگی کہ کوئی شخص اس کی کفالت کرے اور
اپنی ضروریات زندگی کی طرف سے گونہ مطمئن رہے، بزیادہ وزنی اور بوجھل کام میں مشغول
ہوکر اپنی قوت کو نہ گھٹائے، تاکہ وہ مادّہ اچھی طرح ترقی کے درجے طے کرتا جائے
تکمیل کے بعد وہ بچہ پیدا ہو کر بھی دوسرے جانوروں کے بچوں کی طرح فوراً اپنی
ضروریات پوری کرنے کے قابل نہیں، بلکہ ایک مدت تک اس امر کا محتاج کہ خود
اس کی خبرگیری، کھلانے، پلانے، سلانے اٹھانے بٹھانے کے لئے ذمہ دار ہستیاں
موجود ہیں، اس قسم کی زبردست ذمہ داری کا بوجھ اٹھانا اگرچہ بظاہر آسان نظر آتا
ہے، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اس قسم کی خبرگیری کسی دنیوی لالچ اور مالی نفع
کے خیال سے اگر کی بھی جائے تو خاطر خواہ نہ ہوگی، اس کے لئے ضرورت ہے بچے کے
ساتھ خلق اور محبت کی جس کے دل میں بچہ کی محبت کا درد، اس انداز کے ساتھ سمایا ہوا

ہو کہ اس کی ذرا سی تکلیف بھی اسے بےچین کر دے، اسکے آرام بغیر اسے آرام نہ آئے، ایسی
محبت فطرتاً صرف اسی ذات کو ہو سکتی ہے جس نے نو مہینہ تک اس کی حفاظت کی
خدمت انجام دی یعنی اس نونہال کی ماں کہلانے والی خاتون، چوبیس گھنٹے تک مسلسل
ایک معصوم بے زبان کو، دودھ پلانے غذا پہنچانے اور ہر قسم کی خبرگیری کے فرائض
بجالانے کی خدمت انجام دینے والی خاتون جب اپنا سارے کا سارا وقت اسی
کام میں صرف کرے جس کی اشد شدید ضرورت، تو خود اپنی ضروریاتِ زندگی اور
مصارف خانگی کے انتظام کے لئے کہاں سے وقت نکال سکے گی، لہٰذا ضرورت
ہے کہ اس کے خرچ کی ذمہ داری کسی دوسری ذات کے سپرد کی جائے کہ عورت بے فکر
ہو کر صرف بچہ کی خدمت بجالائے، ایک بے تعلق آدمی ایسی ذمہ داری کیونکر لے سکتا
ہے، اس ذمہ داری کا بوجھ یقیناً اسی شخص کے سر پر ہونا چاہیئے جس کی امانت یہ
عورت سنبھال رہی ہے۔ پس اس سے پہلے کہ یہ امانت عورت کی تحویل میں آئے،
ضرورت ہے کسی ایسے مرد کے ساتھ اس کا تعلق قائم ہو جائے جو امانت دینے کے
بعد اس کی خدمت کی ذمہ داری اچھی طرح نباہ سکے، اسی تعلق کا نام تعلق ازدواج
ہے اور اس قانونی رشتہ کی تکمیل کو نکاح کہتے ہیں ۔

نکاح کی صورت اور حقوق مرد و عورت

رشتۂ نکاح ایک باقاعدہ باضابطہ ایسا قانونی تعلق ہے کہ مرد، عورت
کے کھلانے پلانے، پہنانے وغیرہ اور آئندہ پیدا ہونے والی اولاد کے مصارف
کا پورے طور پر ذمہ دار، عورت اس مرد کی اطاعت و فرماں برداری کے ساتھ

شریک زندگی بن کر اس کی امانت کی حفاظت اور ہر طرح خدمت کرنے کی حالت قطع نظر ان فائدوں کے جو ایک مرد کو عورت کی محبت، اور عورت کو مرد کی رفاقت کے سبب جذبات الفت سے لطف اندوز ہونے اور خانگی زندگی میں آرام سے گزارنے سے حاصل ہوتے ہیں سب سے بڑی بات جو یہ رشتہ باندھنے میں ہے وہ انسانی نسل کی بقاء و حفاظت کا مسئلہ ہے، اس قسم کا قانونی رشتہ نہ ہونے کی صورت میں مرد و عورت کے غلط ملط اور ناجائز تعلقات سے جو بڑے نتیجے آئے دن پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ وہ کبھی حمل گرانے اور کبھی پورے پورے زندہ سلامت بچوں کے نالیوں میں ڈالے جانے۔ کبھی جیتے جاگتے بچوں کو زندہ درگور کرنے یا گلا گھونٹ کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور انسانی ہمدردی کا ادنیٰ حصہ بھی قلب میں رکھنے والا معمولی تامل سے معلوم کر سکتا ہے کہ اس سے زیادہ ظالمانہ کام اور کیا ہوگا ننھی ننھی معصوم بے زبان جانوں کو اس طرح ہلاک اور تباہ کیا جائے۔

دنیا کی ہر قوم نے خواہ وہ مہذب کہی جائے یا غیر مہذب۔ انسانی نسل کے بقاء و تحفظ کے لئے اس رشتہ کو ہر زمانہ میں ضروری سمجھا، اور اپنے اپنے خیال کے مطابق اس رسم کے ادا کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی طریقہ مقرر کیا۔ ہندوستان میں ہندو پنڈت صاحب کو بلا کر کنگنا باندھ کر عورت مرد کے دامن میں گرہ دیکر اس تعلق کو مضبوط کریں، یا برہما کے بدھ مت پر چلنے والے عورت کے مرد کے ساتھ بھاگ جانے ہی کو اس تعلق کی مضبوطی کا طریقہ جانیں۔ یورپین عیسائی اقوام گرجا میں جا کر اس رسم کو ادا کریں، بہر صورت نتیجہ ایک ہی ہے کہ عورت مرد کی زوجیت میں داخل ہو کر اس کی امانت خاص کی امین بن جاتی ہے۔

وہ مہذب دین جو انسانی زندگی کے ہر ہر شعبہ کے متعلق مکمل قانون پیش کرتا ہے۔ اس باب میں بھی ایسا جامع قانون سامنے لاتا ہے جس میں ایک ایک جزئیہ موجود ہے۔ قرآن عظیم کو دیکھئے، سب سے پہلے بتایا جاتا ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ — عورتوں میں سے جو تم کو بھائے اس سے نکاح کرو۔

پھر تاکید کی جاتی ہے، حدیث میں آتا ہے، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ "نکاح میری سنت ہے، جس کسی نے میری سنت سے منہ پھیرا وہ مجھ سے نہیں ہے"

پھر فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

تَنَاكَحُوْا وَتَنَاسَلُوْا فَاِنِّيْ اُبَاهِيْ بِكُمُ الْاُمَمَ — نکاح کرو نسل کو بڑھاؤ کیونکہ میں تمہاری کثرت کے سبب اور امتوں پر فخر کروں گا۔

پھر ایک مقام پر تو یہاں تک فرما دیتے ہیں:۔

اَلنِّكَاحُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ — نکاح آدھا ایمان ہے۔

اسی مضمون کو ایک جگہ یوں ادا فرماتے ہیں:۔

اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَاسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّيْنِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِيْ — بندہ جب اپنا جوڑا منتخب کر لیتا ہے تو آدھا دین مکمل ہو جاتا ہے اب باقی آدھے کے لئے اللہ سے ڈرے۔

نکاح کو آدھا ایمان اور نصف دین بتا کر یہ جتایا جا رہا ہے کہ جب تک انسان اس قانونی بندش میں اپنے آپ کو مقید نہ کریگا قوت شہوانیہ کے جوش یا جنون جوانی اور اس آزادی کے زمانہ میں دیوانہ بن کر خدا جانے کیا کچھ کر بیٹھے اور اس دولت بے بہا کو کس طرح برباد کر ڈالے جب بیوی پاس ہو گی تو اس قسم کے خیال

لئے ہی اسکی روک تھام کا سامان مہیا کر دیگی اسلئے فرمایا گیا اور کتنا پاکیزہ نسخہ بتا یا گیا۔

اَيُّمَا رَجُلٍ رَأَى امْرَأَةً
فَلْيَقُمْ إِلَى أَهْلِهِ فَإِنَّ
مَعَهَا مِثْلَ الَّذِي مَعَهَا

"جب کسی آدمی کو کوئی عورت بھا جائے (یعنی
کسی اجنبی عورت کو دیکھ کر خاص خیال اس
کے دل میں آئے) تو اسے چاہئے کہ فوراً
اپنی بیوی کے پاس جائے، کیونکہ اسکے پاس وہی سامان موجود ہے جو اس اجنبی عورت کے پاس ہے"

اسی کا عکس عورتوں کیلئے سمجھ لیا جائے کہ انکے دل میں جب کبھی کوئی خیال پیدا ہو تو اپنے شوہر کے پاس جائیں کہ انکے تشفی قلب کا سامان انکے پاس موجود۔ اگر اس خزانہ کو جو مرد عورت کے پاس ہے، مرد نے اجنبی غیر کی زمین میں ڈالا، یا عورت نے اجنبی اور غیر کی تخم ریزی سے سیرابی حاصل کی تو ادھر وہ دانہ دوسرے کی ملک میں پہنچ کر تمہارے ہاتھوں سے گیا۔ دوبارہ اسے سنبھالے یا نہ سنبھالے، تم سے گیا گزرا ہوا، ادھر اگر عورت نے بھی غلطی کی تو آئندہ یا سخت پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کو تیار رہے یا اس زبردست دولت کو برباد کر ڈالے اور قتل کا گناہ اپنے سر لے، بہر صورت دونوں شکلوں میں نقصان ہی نقصان۔ نظر براں دنیا و آخرت دونوں حیثیت سے بھلائی اور خوبی اسی میں ہے کہ بیج اپنی مملوکہ زمین میں بویا جائے، اور زمین کی آبیاری اپنے ذاتی کنوئیں سے کی جائے۔ آج تمہاری پنچایتوں اور جماعتوں نے ممکن ہے کہ اس مبارک رسم کو پورا کرنے کیلئے دس پابندیاں لگا دی ہوں یا تمہاری برادری کے رسم و رواج نے تمہیں مشکلوں میں پھنسا دیا ہو۔ مثلاً سیلون کے سیلونی غیر مسلم و مسلم دونوں کی نوجوان لڑکیاں صبر کئے ہوئے اپنے ان ظالم بزرگوں کو بد دعا دیتی ہوں جنھوں نے یہ قید لگا رکھی ہو کہ جب تک لڑکی اپنے ساتھ ہزاروں لاکھوں کا جہیز نہ لے جائے، کوئی مرد اُسے منہ نہ لگائے یا ہندوستان کے بعض گھرانوں میں یہ پابندیاں

کہ جب تک مہر کی کثیر رقم اور جہیز کا بیش قیمت سامان برادری کے کھانے اور فضول ڈھول باجے کے خرچ کے لئے روپیہ نہ ہو جائے اس وقت تک نکاح کی رسم پوری نہ ہونے پائے۔ اسلام کا مبارک مذہب اس زبردست بات کی رعایت رکھتے ہوئے کہ بغیر قانونی رشتہ ہوئے مرد و عورت دونوں کے لئے ہلاکت، نہایت آسان قانون بتاتا، اور مرد عورت دونوں کو کامل آزادی دیتے ہوئے یہ بتاتا ہے کہ:۔

اَلنِّكَاحُ عَقْدٌ مَوْضُوعٌ
لِمِلْكِ الْمُتْعَةِ أَيْ حِلِّ
اِسْتِمْتَاعِ الرَّجُلِ مِنَ
الْمَرْأَةِ وَهُوَ يَنْعَقِدُ
بِإِيجَابٍ وَقَبُولٍ وَشَرْطُهُ
سَمَاعُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا
لَفْظَ الْآخَرِ وَحُضُورُ
حُرَّيْنِ أَوْ حُرٍّ وَحُرَّتَيْنِ
مُكَلَّفِينَ مُسْلِمِينَ سَامِعِينَ
مَعًا لَفْظَهُمَا

"نکاح تو ایک قانونی معاہدہ ہے
جو بہت آسانی کے ساتھ منعقد
ہو جاتا ہے، ایک طرف سے ایجاب
ہو، دوسری طرف سے قبول،
دونوں ایک دوسرے کے الفاظ
سن لیں (خواہ بلا واسطہ یا بالواسطہ)،
اور جس طرح ہر دنیوی معاملہ کے
لئے گواہوں کی ضرورت، اسی
طرح اس معاہدہ کی تکمیل کے لئے
بھی صرف اس قدر درکار کہ دو مرد یا
ایک مرد دو عورتیں اس پر گواہ ہو جائیں، مگر وہ گواہ آزاد ہوں، مسلمان ہوں اور دونوں فریق کے ایجاب و قبول کے دو بول سن لیں"

مرد و عورت نکاح کے لئے راضی، تو حاجت رجسٹریشن نہ ضرورت قاضی، عورت مرد سے بواسطہ وکیل کہے "میں نے اپنے نفس کو تمہاری زوجیت میں دیا" مرد کہے .

"میں نے قبول کیا"۔ دو گواہ ان کلمات کو سُن لیں، یہ بیاہ ختم
ہوگیا۔ اب خوب ایک دوسرے سے لطف صحبت اٹھائیں، نہ کوئی قانون اُسے ناجائز
بتائے، نہ دنیائے تمدن میں اس سے کوئی فرق آئے، ان ہی دو بول کے سبب مرد نے
تمام ذمّہ داریوں کو قبول کرلیا۔ اور عورت اب اس مرد کے ساتھ ایسا تعلق پیدا کرچکی
کہ دوسرے کسی مرد کو اس سے اس قسم کا فائدہ حاصل کرنے کا کوئی حق نہیں رہا، جس
کے لئے اس نے اپنے آپ کو اس مرد کے سامنے پیش کردیا۔

اس مرد کے ذمّہ ہے کہ اس کو پکا پکایا[1] کھانا کھلائے، سلا سلایا کپڑا پہنائے، بچہ
پیدا ہو تو اس کے مصارف کا بار اٹھائے۔ عورت کا کام ہے کہ مرد کی اطاعت و فرماں
برداری کرے، اور اپنی محبت بھری دل لبھانے والی باتوں سے مرد کو ایسا رجھائے کہ
وہ دوسری طرف مائل ہی نہ ہونے پائے، اسی پر عالم کے تمدن کا دار و مدار، ایسا نہ ہو
تو اولاد کا پلنا بڑھنا اور دنیا کا ترقی کرنا دشوار۔

تقسیم کار اقتصادیات و تمدن و معاشرت کا پہلا اصول اگر اس اصول کو
نظر انداز کردیا جائے تو تمام عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ تعجب کا مقام ہے
کہ پیشہ و حرفہ تجارت و زراعت، غرض دنیوی زندگی کے ہر شعبے میں تو تقسیم کار کی
رعایت، لیکن وہ زندگی جس کے ساتھ انسان کو دن رات کے چوبیس گھنٹے گہرا تعلق

---

[1] اگر ماں باپ کے گھر بیٹھے، پکانے کا کام ملازمہ کرتی تھی تو مرد کے ذمّہ بھی نوکر لازم اور
اگر عورت کے ماں باپ کے گھر بھی ملازمہ نہ تھی تو شوہر کے یہاں بھی عورت
خود پکائے اور سی کر پہنے۔ ۱۲

اس اصول سے الگ کردی جائے۔ مرد عورت کی "مساوات و برابری" کے صحیح الفاظ کو
بغلط جامہ پہنایا جائے، کہ ایک دوسرے کے فرائض و اختیارات میں فرق نہ رکھا جائے
سخت بے سمجھی اور غلطی ہی کہی جائے گی۔ بیشک مرد و عورت میں مساوات ہے، اس طرح
کہ نہ مرد عورت پر زیادتی کرنے پائے، نہ عورت مرد کے حقوق میں خلل لائے۔ نہ اس
طرح کہ مرد عورت بنے، اور عورت مرد بن جائے۔ عورتیں بقا و تحفظ نسل انسانی کی
اس اہم خدمت کو چھوڑ کر پارلیمنٹ و میونسپل بورڈ و لوکل گورنمنٹ کے اسٹیج پر آئیں،
اور مرد زنانہ لباس زیب تن فرما کر گھر میں بیٹھ کر بچوں کی پرورش اور امور خانہ داری
کی نگہداشت فرمائیں۔ اگر جنگ کے وقت یہ کسی طرح جائز رکھا جائے کہ دفتر کے کلرک،
مدارس کے مدرس، کالج کے پروفیسر، مالیات کے افسر تو میدانِ جنگ میں توپ و تفنگ
چلانے کی خدمت پر بھیج دیئے جائیں، اور دن رات کے مشاق نبرد آزما فوجی سپاہی قلم د
دوات سنبھال کر دفاتر و مدارس میں بٹھا دیئے جائیں، تو یہ بھی جائز ہوسکتا ہے کہ مرد
و عورت کے فرائض بھی بدل جائیں، ورنہ یہ ممکن ہے کہ عورتیں بال کاٹ کر مردوں کی
سی صورت بنائیں، مرد، داڑھی مونچھوں کو صاف کرکے مانگ پٹی میں مصروف ہو کر عورتوں
کی شباہت پیدا کریں۔ عورتیں اعلیٰ قابلیت تقریر و تحریر پیدا کرکے میدان عمل میں
آئیں، اور مرد خانہ داری کی خدمت بجا لائیں۔ لیکن یہ کیونکر ممکن ہے کہ مرد و عورت
اپنی ان اعضاء و جوارح کی شکلوں، اور صورتوں کو بدل دیں، جن کے سبب ان دونوں
میں قدرت نے امتیاز پیدا کیا اور اعضاء کی مناسبت سے ہر ایک کو جہت جُدا جُدا
دیا۔ عورتوں کو اپنے ان فرائض کی طرف سے بے توجہی، مردوں کی اس اخلاقی خرابی کی
بڑی حد تک ذمّہ دار ہے جس کے سبب دنیا میں بالعموم اور یورپ میں علی الخصوص تحکم

انسانی کی برباد ہوتی جاتی ہے۔

مرد عورت کا ملاپ

یعنی

مقاربت کا فطری و شرعی طریقہ

عورت اور مرد کے اعضاء کی ساخت ہی ہر ایک کے فرائض کی صورت سامنے لاتی ہے چنانچہ قرآن کریم نے اپنے حکیمانہ انداز بیان میں جہاں اس مقدس کے دوسرے شعبوں پر مکمل ہدایت نامہ پیش کیا وہاں عورت مرد کے ملنے کا طریق بھی بتلا دیا۔

نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ

"تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں اپنی کھیتی کو جس طرح چاہو استعمال میں لاؤ اپنے واسطے آگے کی تدبیر کرو (یعنی وہ طریقہ استعمال کرو جس میں آئندہ نسل بڑھے")۔ غیر فطری طریقہ اختیار نہ کرو، ورنہ تخم حیات برباد جائے گا، بیج تربیت کے لئے مقام ہی نہ پائے گا کوئی حظ و لطف بھی نہ آئے گا۔

عیاش عیش پرستی کے لئے نئے نئے طرز ایجاد کریں، نت نئی ادائیں اس ملاپ کے لئے نکالیں۔ مگر عورت کی صحت مرد کی عاقبت اور تخم حیات کی خیریت وسلامتی کی صورت یہی اور فقط یہی ہے، حدیث میں صاف صاف بتا دیا کہ:-

لَا تَأْتُوا النِّسَآءَ فِي أَدْبَارِهِنَّ "عورتوں کے ساتھ انکی پیچھے کی شرمگاہ کیطرف نہ

پھر تاکید و تہدید فرمائی کہ:-

مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى امْرَأَتَهُ فِي دُبُرِهَا وہ شخص جو اپنی عورت کے پیچھے کے مقام سے ملتا ہے ملعون ہے"

اس لئے کہ اس طرح تخم حیات برباد ہو جائے گا، اور جانبین کی صحت میں بھی خلل آئے گا۔ جس طرح معمولی میل ملاپ میں سادگی کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار جو ذوق و کیفیت پیدا کرتا ہے۔ بناوٹی اور مصنوعی کیفیات میں وہ مزا نہیں آتا اسی طرح اس ملنے کی بھی سادگی کے طریق کو ملحوظ رکھنے میں خاص حظ و سرور مگر یہ سادگی جانوروں کی سی بے تمیزی نہ ہو، اسی لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد میں اس طرف بھی اشارہ کہ "اچھی طرح کھیلو کودو، ایک دوسرے کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا ذوق پاؤ، جب جذبات انتہائی برانگیختی کی حد کو پہنچیں تب لطف صحبت اٹھاؤ۔

کاشت کے لئے ایک زمانہ مقرر، تخم ریزی کے لئے وقت معلوم۔ اگر بے وقت بیج زمین میں ڈالا جائے، ادھر محنت برباد جائے۔ اس گھر کی پونجی بھی اکارت جائے، اس لئے فرمایا گیا:-

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ۔

"ایام ماہانہ کے وقت عورتوں سے الگ رہو ان سے جس طرح ملا کرتے ہیں ایسے نہ ملو) یہاں تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں، جب پاک ہو جائیں، تو جس طرح خدا نے ملنے کا حکم دیا، اسی طرح ملو"۔

عورتوں کے پاک ہونے کے بعد، ملنے کا خاص وقت ہے۔ اس وقت مقاربت و صحبت نتیجہ خیز ہوگی۔ اطبا کی تحقیق بھی اس باب میں یہی۔ بعض نے تین دن بتائے بعض نے کچھ اور بڑھائے۔ الغرض پاکی کا زمانہ تخم ریزی کا وقت

ہے۔ اور ناپاکی کے دنوں میں علیحدگی ضروری۔ مگر یہاں ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ گندگی ایسی گندگی اور یہ ناپاکی ایسی ناپاکی نہیں جس میں چھوت چھات شروع کر دی جائے اور ایک صاف ستھری پاکیزہ عورت کو ایسا ناپاک سمجھ لیا جائے کہ کوئی اس کے ہاتھ کی چیز بھی نہ کھائے۔ اس کو اپنے ساتھ کھانا بھی نہ کھلائے، نہیں نہیں وہ اس آزار میں مبتلا ہے تو نماز نہ پڑھے، قرآن عظیم کو ہاتھ نہ لگائے اور مرد اس زمانہ میں قربت نہ کرے، لطف صحبت نہ اٹھائے، باقی ساتھ کھلائے پلائے بلکہ پاس لیٹے ایک چادر میں سُلائے تو بھی مضائقہ نہیں۔ صرف اس بات کا خیال رہے کہ بے قابو نہ ہو جائے اور جس بات سے منع کیا گیا ہے اس میں نہ پھنس جائے۔

رَجُلٌ سَئَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا یحل من امرأتی وھی حَائِضٌ فقال لہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم تشد علیھا ازارھا شانك باعلاھا۔

"کسی شخص نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اپنی بیوی سے حیض کی حالت میں مجھے کس طرح ملنا جائز؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسکے ازار کو مضبوطی سے بندھا رہنے دو، اور بالائی حصّہ سے لطف اُٹھاؤ"

یہی حکم اس وقت جب کہ زچگی کی کلفت، اور نفاس کے سبب عورت میں قربت کی طاقت و اہلیت نہ ہو۔ حیض و نفاس کی حالت میں قربت سے نہ صرف یہ کہ تخم انسانی بے کار جائے گا، اس لئے کہ یہ وقت تخم ریزی کا نہیں، بلکہ جانبین کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ۔ جو خون ان اوقات میں باہر نکل رہا ہے اپنے اندر ایک خاص زہریلا مادہ رکھتا ہے، اسی لئے قدرت اس کو باہر نکال رہی ہے، اگر اس زمانہ میں

قربت کی جائے گی، وہ زہریلا مادہ مرد میں اپنا اثر کرتے ہوئے اس کو گرمی اور خون کی خرابی کے دردناک، ناپاک امراض میں گرفتار کر دے گا۔ اِدھر عورت کو اس زمانہ میں کھال کے نازک ہو جانے کے سبب قربت سے تکلیف بھی ہوگی اور اس وقت کی حرکتوں کے سبب اگر زہریلا خون کچھ رُک گیا تو اس کے کیڑے بدن میں پھیل کر سخت ترین امراض پیدا کر دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جسمانی طب اور اخلاقی و روحانی طب دونوں اصولوں میں اس کی ممانعت کر دی گئی ۞

غیر قانونی صُورت

"زنا"

جب قانونی رشتہ کے ہوتے ہوئے بھی حالت حیض و نفاس میں مقاربت شرعی و طبی دونوں اصولوں سے ناجائز قرار پائی۔ اس لئے کہ اس میں تخم انسانی کی بربادی ہے تو ذرا غور کرو کہ جہاں قانونی رشتہ ہی نہ ہو یا دوسرے کسی شخص کے ساتھ قانونی رشتہ میں بندھی ہوئی ہے۔ یا ابھی آزاد ہے کسی سے نکاح نہیں ہوا، اور اس تخم انسانی کی حفاظت کی ذمّہ دار نہیں لے سکتی تو اس انمول امرت کا ایسی زمین پر ڈالنا، اور برباد کرنا کس قدر شدید ظلم ہے اگر عورت کسی مرد کے ساتھ قانونی رشتہ میں بندھی ہوئی ہے۔ تو ایسی حالت میں کسی اجنبی نے اس کے ساتھ قربت کی، دوسرے کی زمین میں اپنا بیج ڈالا، اس کے ہاتھوں سے تو گیا، برباد ہوا۔ اگر اس عورت کا جائز قانونی شوہر اس پر اطلاع پائے تو انسانی شرافت، حیا اور غیرت، اس کو ہرگز اجازت نہ دیگی کہ وہ پھر اس

عورت کو منہ لگائے۔ اس طرح ایک طرف یہ اجنبی غاصب بنا، دوسرے کی ملک میں خلل انداز ہوا، دوسری وہ عورت نہ ادھر کی رہی نہ اُدھر کی ہوئی۔ اس خزانہ کی بربادی بہرصورت ہو ہی گئی اور اگر بالفرض وہ جائز شوہر ایسا بے حیا و دیوث ہے کہ اس کو ناگوار نہ جانے (یا نیوگ کے مسئلہ کو صحیح مانے جس کو کوئی شریف الطبع انسانیت کا جوہر رکھنے والا کبھی جائز نہیں رکھ سکتا) یا بالفرض اسے اس خباثت کی خبر ہی نہ ہو، اور عورت کی عیاری و چالاکی، اس راز کو چھپائے تو کیا اس اجنبی کی غیرت اس کو گوارا کرتی ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس کی جائز بیوی کے ساتھ ایسا بُرا کام کرے اگر گوارا نہیں کر سکتا اور کوئی غیرت والا شریف آدمی تو ہرگز گوارا نہ کرے گا ؎

"ہرچہ بر خود نہ لپسندی بر دیگراں ہم مپسند"

جو بات تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرو، جیسا بوؤگے ویسا کاٹوگے۔ اگر آج تم ایک عمل کو اپنے لئے جائز سمجھ رہے ہو تو تیار ہو جاؤ کہ کل دوسرے تمہارے مقابلہ میں بھی اس کو جائز سمجھیں۔ اگر کوئی زمانہ ایسا نازک و تاریک بھی آجائے کہ جانبین سے یہ خیالات غیرت و حمیت ہی مٹ جائیں تو وہ انسانی نسل کی تباہی و بربادی کا انتہائی وقت ہوگا۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔

اب رہی وہ شکل کہ عورت کسی جائز رشتہ میں منسلک نہیں اگر پاک دامن ہے، عفیفہ ہے، باعصمت ہے، اور آج ہی کوئی مرد اس کی عزت و عصمت و عفت کو اپنی سیاہ کاری سے برباد کر رہا ہے یا وہ خود جوانی کے جنون میں گرفتار ہو کر اس زشت کاری کا شکار ہو رہی ہے تو ؎

ہوشیار آدمی کو لازم ہے کام کا پہلے سوچ لے انجام

اگر یہ بیج اپنے مقام پر پہنچ کر جم گیا، پودا اُگا، پھل نکلا تو کیا یہ عورت اپنی اس بے بسی کی حالت میں اس کی تربیت کی ذمہ داری لے سکتی ہے؟ اور کیا اس نمونہ کے ساتھ ہوتے ہوئے پھر کسی شریف و باحمیت مرد سے جائز تعلق پیدا کرنے کے لئے منہ رکھتی ہے؟ اگر نہیں تو کیا یہ اس کو ضائع کرے گی؟ اور ایک خون ایک قتل کی مرتکب بنے گی، یقیناً! ایسا ہی ہوگا اور ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ نالیوں میں پڑے جیتے جاگتے بچے کراہ کراہ کر پکار رہے ہیں کہ ہم ظالم مرد و عورت کے ظلم کا شکار ہو رہے ہیں، ماں کی درد بھری آہیں سخت سے سخت کلیجہ کو بھی تڑپا دیتی ہیں۔

آہ۔ وہ گوشت کا ٹکڑا جو ابھی کچا پکا گرایا گیا اگرچہ ابھی بے زبان ہے، اس کی ہائے کی آواز بھی نہیں سنائی دیتی، مگر ان قاتل، ظالم مرد، عورت پر لعنت کر رہا ہے جنھوں نے اس پر آفت ڈھائی۔

مقننین سے دو دو باتیں

قانون دعویٰ کرتا ہے۔ دنیا میں امن و امان قائم کرنے، ظلم و دکھ، قتل و غارت کو مٹانے کا۔ لیکن کیا کوئی مقنن ہمیں بتلائے گا کہ اس بے زبان پر جنھوں نے ظلم کیا ان سے بھی کوئی مواخذہ کیا گیا؟ اگر کوئی ڈاکو کسی آدمی کو مار ڈالے تو خواہ اس مقتول کا کوئی عزیز و قریب قصاص کا طلب گار ہو یا نہ ہو پولیس تحقیقات

کرے گی. قاتل کا پتہ چلائے گی، اور جج اپنی خونی سرخ پوشاک پہن کر عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر قاتل کو پھانسی کا حکم سنائے گا۔ لیکن دن دھاڑے ان ننھی جانوں پر ظلم کا پہاڑ توڑا جا رہا ہے اور خرمن انسانیت پر ڈاکہ زنی کی جا رہی ہے، کوئی ہے جو ان مظلوموں کی داد سنے۔ اور کوئی ہے؟ جو اس ظلم کے انسداد کے لئے کمر ہمت باندھے۔ یہ مانا کہ بچہ کا گرانا اگر ثابت ہو جائے تو ایسا کرنے والی کو بعض عدالتوں سے سزا تجویز کی جاتی ہے لیکن اس سے اس اصل مرض کا علاج نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ نفس فعل زنا کو جرم نہ قرار دیا جائے وہ حکیم مطلق جس کو اپنی مخلوق کے آرام و آسائش اور اس کے امن و امان کا پورا دھیان، اس ظلم کے انسداد کے لئے قانونی دفعہ وضع فرماتا ہے اور اس ظلم کو ایک شدید جرم قرار دیتا ہے۔

زنا کی حد اور اس کا فلسفہ

دنیا کی تمام مہذب ہی نہیں غیر مہذب قوموں میں بھی انسان کا قتل کرنا، اور اس کی جان لینا ایک اشد شدید جرم قرار دیا جاتا ہے۔ اور جس وقت سے دنیا میں قانون کی بنیاد رکھی گئی. قاتل کی سزا قتل ہی قرار پائی۔ اس قتل میں بچہ، جوان، بوڑھا، عورت، مرد سب برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ قاتل حقیقۃً سوسائٹی کے ایک فرد کی جان لیکر عالم انسانیت پر ظلم کر رہا ہے۔ پس جب قتل میں بوڑھا، بچہ، سب برابر تو دو دن کا بچہ۔ بلکہ ابھی ابھی دنیا کے پردہ پر قدم رکھنے والا بچہ بلکہ رحم مادر کے محفوظ کمرے میں آرام کرنے والا نونہال، بلکہ صُلب پدر کی خوش نما کیاریوں میں اچھلنے، کودنے والا۔ وہ مادہ جو کل کو انسانی شکل اختیار

کرکے ایک بہترین قابل دماغ لیکر ججی کی کرسی پر بیٹھنے والا ہو سکتا ہو، اس کو خاک میں ملانے والا، اس کو برباد کرنے والا، اس کو زہر دیکر ہلاک کرنے والا، اس کو زمین میں دفن کرنے والا. یا بربادی کے لئے جنگل اور نالیوں میں ڈالنے والا، کس اصول کے مطابق مجرم قتل نہ قرار دیا جائے؟ اور کیوں نہ وہی سزا پائے جو ایک مجرم قتل کو دی جاتی ہے؟ اگر ایک آدمی نے قتل کیا تو وہ ایک مجرم اگر دو نے اس کو مل کر انجام دیا تو وہ دونوں مجرم و ملزم، پھر وہ عورت و مرد جو اس انمول امرت کو پانی کے مول بہا کر ضائع یا اپنے نفسانی ذوق کے لئے تھوڑی دیر مزا اڑانے کی خاطر ایک انسانی جان کا اس طرح خون کر رہے ہیں، کیوں اس جرم سے بری سمجھے جائیں؟ اور کہاں کا انصاف اور کونسا عدل ہے کہ ان کو کوئی سزا بھی نہ دی جائے بلکہ یہ جرم جرم ہی قرار نہ پائے؟

سیوا جی نے اگر قتل و غارتگری کو اختیار کیا تو وہ ظالم کہا گیا۔ پنڈھاریوں نے اگر قتل و غارتگری کو پیشہ بنایا تو ان کے استیصال کی تدابیر عمل میں لائی گئیں. مگر وہ بدکار عورتوں کا جتھا جو دن رات انسانیت کے خرمن پر بجلیاں گرا رہا ہے، اور بازاروں میں بیٹھ کر کھلے بندوں نونہالان نسل انسانیت کو اپنی غارتگری میں شریک کرتے ہوئے، قوموں اور ملکوں کی آئندہ نسلوں کو برباد کر رہا ہے یونہی شتر بے مہار کی طرح آزاد چھوڑ دیا جائے اور ان پر کوئی فرد جرم نہ چلنے پائے یہ کون سا انصاف ہے؟ قانون فطرت عدل پر مبنی ہے اس میں ظلم نہیں۔

"زنا کے لئے اسلامی قانون"

آج دنیا اپنی نفس پرستی کے لئے اندھی ہو جائے. لیکن وہ خدائے قدوس جس کو اپنے بنائے ہوئے کی قدر و قیمت خود معلوم، اس غیر قانونی صورت سے انسانی جان تلف کرنے والے، مرد و عورت دونوں پر فرد قرار داد جرم لگاتا، اور ویسی سزا ان کے لئے مقرر فرماتا ہے جس کو قاتل نفس کے لئے مقرر فرمایا ہے اور تمام عالم کے مقننین نے بھی اپنے قوانین میں اس کو داخل تو کیا مگر صرف قاتل نفس کیلئے نہ زنا کیلئے، یعنی جان کے بدلے جان، قتل کے بدلے قتل، اس قانون مقدس کی دفعہ ملاحظہ ہو

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ	"زنا کرنے والا مرد اور زنا کرنے والی عورت
فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ	ہر ایک کے سو سو دُرّہ مارو (چمڑے کے
مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ	دُرّہ وہ بھی سو اور سختی سے مارے جائیں
وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا	کہ) خبردار دیکھو ان پر شفقت و رافت نہ کرنا
رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ	یہ اللہ کا حکم ہے" (وہ ناپاک اس قابل نہیں کہ ان پر شفقت کی جائے)

یہ دُرّہ کی سزا بھی اس وقت ہے جب کنوارے ہوں۔ قانونی جائز جوڑا اب تک ملا ہی نہ ہو۔ اگر جوڑا ہوتے ہوئے پھر بھی ایسی نازیبا حرکت کی ہے تو چمڑے کا دُرّہ نہیں اس کی سزا پتھر ہے، نظیر ملاحظہ ہو :۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ	ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی کہ
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ماعز بن

قَالَ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ اَحَقٌّ مَا	مالک سے فرمایا" کیا یہ سچ ہے جو مجھے تمہارے
بَلَغَنِيْ عَنْكَ ؟ وَمَا بَلَغَكَ عَنِّيْ	متعلق یہ خبر پہنچی ہے۔ عرض کیا کہ حضور میرے
قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّكَ قَدْ وَقَعْتَ	متعلق کیا معلوم ہوا ؟ سرکار نے فرمایا کہ
عَلٰى جَارِيَةِ آلِ فُلَانٍ فَشَهِدَ	مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم فلاں خاندان کی
اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ ثُمَّ اَمَرَ بِهِ	چھوکری کے ساتھ ملے اس پر چار گواہیاں
فَرُجِمَ (حدیث)	لی گئیں اور بالآخر ان کو رجم کیا گیا (یعنی زمین

میں کھڑا کر کے چاروں طرف سے پتھر مارے گئے، یہاں تک کہ انھیں پتھروں میں دب کر مر گئے)

قانون کی کتابوں میں "زنا" کے معنی یہ بتائے گئے ہیں کہ:۔

زنا کسے کہتے ہیں ؟

الزنی وطی الرجل المرأة	"زنا اس مجامعت کو کہتے ہیں جو ایک
فی غیر الملك و شبهته	مرد ایک ایسی عورت کے ساتھ کرے
(عام کتب فقہ)	جو اس کی ملک اور شبہ ملک میں نہ ہو"۔

سزا مختصر الفاظ میں یوں بتائی گئی۔

زنا پر حد یا دنیوی سزا

للمحصن رجمة فی فضاء	"نکاح شدہ مرتکب زنا ہو تو اس کی
حتی یموت ولغیر المحصن	سزا یہ ہے کہ کھلے میدان میں پتھروں سے
جلدة مائة	مار ڈالا جائے، اور غیر نکاح شدہ کے سو دُرّے مارے جائیں۔

یہی زنا ہے جو آج تہذیب کی مدعی حکومت کے نزدیک جرم ہی نہیں، بلکہ اس لوٹ و مار و قتل و غارت کا نام رکھا جاتا ہے "آزادی" اگر آزادی کا یہی مفہوم صحیح ہے تو چوروں کو، ڈاکوؤں کو، لٹیروں کو، کیا وجہ کہ آزادی نہیں دی جاتی، اپنے حظِ نفس کے لئے ایسا کرتے ہیں تو وہ بھی اپنے حظِ نفس ہی کے لئے سب کچھ کر رہے ہیں قیدیوں کو قید خانہ میں بھی چوری کے جرم کی خرابیاں سمجھانے کے لئے مبلغین بھیجے جائیں، لیکن کبھی اس جرم کے انسداد کے لئے بھی کوئی مبلغ بازاروں اور گلی کوچوں میں پہنچا، جب جرم جرم ہی نہ سمجھا جائے تو پھر ان امور کا کیا شکوہ۔ رب العالمین اپنی مخلوق کی تربیت کے لئے جس رؤف و رحیم مبلغ دین قویم رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مبعوث فرماتا ہے، وہ دیکھو کس محبت کے ساتھ فرماتے ہیں:۔

جوانوں کے نام محبت کا پیغام

یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ

"اے (مرد و عورت) جوانوں کے گروہ تم میں سے جس کسی میں جماع کی قوت ہو اُسے چاہئے نکاح کرلے یہ نظر کو بھی محفوظ رکھے گا (یعنی خیالات بھی خراب نہ ہونے پائیں گے) اور شرمگاہ کی بھی حفاظت کرے گا جس میں نکاح کی طاقت نہ ہو (یعنی عورت کے حقوق ادا نہ کرسکے یا عورت کو اس کی مرضی کا شوہر نہ ملے وغیرہ) پس اُسے چاہئے کہ روزہ رکھا کرے (روزہ رکھنے سے نفس پر قابو اور خواہشِ نفسانی کو روکنے کی عادت ہو جائے گی)

پھر تحریض کے لئے ارشاد ہوتا ہے:۔

یا شباب قریش لا تزنوا الا من حفظ فرجه فله الجنة

"اے قریش کے نوجوان (مرد اور عورتوں) دیکھو زنا نہ کرنا خبردار ہو جاؤ جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اسے جنت ملے گی۔

ترغیب کے لئے فرماتے ہیں:۔

زنا سے بچے تو عبادت کا مزہ پائے

ما من مسلم ينظر الى محاسن امرأة اول مرة ثم يغض بصره الا احدث الله له عبادة يجد حلاوتها

"کسی مسلمان کی نظر جب اتفاقی طور پر ایک بارگی کسی عورت کے حسن و جمال پر پڑ جاتی ہے اور پھر (خدا کے خوف سے) وہ اپنی آنکھیں اس کے حسن سے بچا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایسی عبادت کی کیفیت ظاہر فرماتا ہے جس کا وہ مزہ پاتا ہے

اس تحریض و ترغیب کے بعد تہدید و تنبیہ و تخویف دیکھو:۔

آج دنیا نے زنا کو بہت معمولی چیز سمجھ لیا، اس کو ایسا نظر انداز کیا جانے لگا کہ گویا یہ کوئی بڑی بات ہی نہیں، حالانکہ حدیث میں ارشاد اور صحیح ارشاد کہ:۔

(حدیث نبوی صفحہ ۳۹۸ پر ملاحظہ ہو)

شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ "زنا" ہے

ماذنب بعد الشرك اعظم عند الله من نطفة وضعها رجل فی رحم لا یحل لہ

"شرک کے بعد اللہ کے نزدیک اس سے بڑا کوئی گناہ ہی نہیں کہ ایک شخص اپنے مادۂ مخصوص کو کسی ایسی عورت کے رحم میں پہنچائے جو اس کے لئے حلال نہیں" یعنی جائز قانونی بیوی نہیں)

بلکہ ایک جگہ تو یہاں تک فرمادیا کہ :۔

زنا کرنے سے ایمان جاتا ہے

اذا زنی العبد خرج منه الایمان فکان فوق رأسه کا لظلة

"جب کوئی شخص (مرد یا عورت) زنا کرتا ہے تو ایمان اسکے سینہ سے نکل کر سر کے اوپر بادل کی طرح آسمان وزمین کے درمیان معلق، ٹھہر جاتا ہے"

حضرت عکرمہ نے عبداللہ بن عباس سے پوچھا کہ :۔

کیف ینزع الایمان منه ؟ قال هكذا وشبك اصابعه ثم اخرجها۔

"ایمان نکل کیونکر جاتا ہے ؟ تو ابن عباس نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر انہیں کھینچ لیا اور فرمایا کہ دیکھو اس طرح"

یہاں تک کہ اسی لئے صاف صاف فرمادیا کہ :۔

لایزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن،

"مومن ہوتے ہوئے تو کوئی زنا کر ہی نہیں سکتا"

خدا پر ایمان ہے اس کو حاضر وناظر جانتا ہے تو اس سے نہ شرمائیگا کہ وہ رب عظیم تو دیکھ رہا ہے، اس روسیاہی کو مول لے کر اُسے کیا مُنہ دکھائیگا اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بتا دیا کہ :۔

الزانی بحیلة جاره لا ینظر الله الیه یوم القیمة ولا یزکیه ویقول له ادخل النار مع الداخلین

"اپنے ہمسایہ کی حلال عورتوں کے ساتھ زنا کرنے کرنے والے شخص کی طرف مالک عالم ذرا بھی نظر التفات نہ فرمائے گا اور نہ اُسے ناپاکی سے پاک کرے گا بلکہ یوں فرمائیگا کہ جا! اور جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تو بھی جہنم میں جا!"

کیونکہ ایک حدیث میں ارشاد ہے :۔

اشتد غضب الله علی الزناة۔

"زنا کرنے والے مرد و عورت پر خدا کا غضب بہت ہی سخت ہوتا ہے (قیامت کے دن ان کا عجیب حال ہوگا)"

ان الزناة یأتون تشتعل وجوھهم نارًا

"زانی مرد و عورت قیامت کے دن اس طرح دربار خداوندی میں لائے جائیں گے کہ ان کے چہرے آگ کی طرح دہکتے ہوں گے"

آج پردوں میں چھپ چھپ کر کالا مُنہ کرلیں، کل قیامت کے دن معلوم ہو جائے گا، اور سب میں رسوائی ہوگی۔

ان السموات السبع والارضین السبع والجبال

"ساتوں آسمان ساتوں زمینیں اور پہاڑ بڈھے زناکار پر لعنت بھیجتے ہیں اور قیامت کے دن زناکار مرد

لتعلن الشيخ الزاني، وان فروج الزناة ليؤذي اهل النار نتن ريحها

"عورت کی شرمگاہوں سے اس قدر بدبو آتی ہوگی کہ جہنم میں جلنے والے جہنمیوں کو بھی اس کی بدبو سے تکلیف پہنچے گی۔"

آج ذرا سے بھنگے سے بھی ڈرتے ہو، سانپ کی صورت، بلکہ نام سے بھی بھاگتے ہو، سن لو کہ :-

مَنْ قَعَدَ عَلٰى فراش مغيبة قيض الله له ثعبانا يوم القيمة

"جو کوئی شخص کسی اجنبی عورت کے ساتھ ہم بستر ہو، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر ایک بڑے زہریلے سانپ کو مسلط کر دے گا۔"

وہ خطیب امم سید اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسے دل لبھانے والے انداز میں وعظ فرماتے اور مسلمانوں کے گروہ کو پکارتے ہیں :-

زنا کرنے سے افلاس آتا ہے

يامعشر المسلمين اتقوا الزنا فان فيه ست خصال ثلاث فى الدنيا وثلث فى الاخرة فاما التى فى الدنيا فيذهب بهاء الوجه ويورث الفقر وينقص العمر واما التى فى الاخرة فيورث السخط وسوء الحساب والخلود فى النار۔

"اے مسلمانوں کے گروہ زنا سے بچتے رہنا اس کی چھ خاصیتیں ہیں۔ تین دنیا ہی میں اپنا رنگ دکھاتی ہیں اور تین آخرت میں۔ دنیا میں یہ تین باتیں پیدا ہوتی ہیں کہ (۱) چہرہ کی رونق اور وجاہت جاتی رہتی ہے (۲) آخر کبھی نہ کبھی فقیری اور مسکنت آتی ہے ٹکڑے ٹکڑے کی محتاج ہو ہی جاتی ہے (۳) عمر گھٹتی ہے۔ آخرت کی تین باتیں یہ ہیں کہ (۱) اللہ کا غضب ہوتا ہے (۲) برا حساب ہوتا ہے (۳) اور جہنم میں پڑا رہنا ہے۔"

مرد و عورت زنا کے گناہ میں دونوں برابر

یہ تمام احکام مرد و عورت سب کے لئے یکساں، بیشک وہ مرد جو اس دولت بے بہا کو برباد کرتا، اور نامۂ اعمال کو گناہ کی سیاہی سے کالا بناتا ہے سزا کا مستحق عذاب کے قابل، اس کے چہرہ پر پھٹکار برسے، فقیری و مصیبت میں مبتلا ہو، دنیا و آخرت دونوں میں روسیاہ ہو، اسی طرح وہ عورت جو اپنی عفت و عصمت جیسی بیش قیمت چیز کو چند لمحہ کی ناپائیدار لذت کے سبب خاک میں ملا کر عمر بھر کے لئے کلنک کا ٹیکہ اپنے ماتھے پر لگائے یقیناً سخت سزا کی سزاوار، عذاب خداوندی میں گرفتار، نہ دنیا میں کوئی عزت والا، عزت والا مرد ایسی بے غیرت و بے حیا کا خریدار، نہ آخرت میں اس کی طرف نظر کرم پروردگار۔ لیکن وہ

بازاری فاحشہ عورتیں،

جنھوں نے حیا و شرم کے نقاب کو اٹھایا، پہلے ہی بے غیرتی کے پشواز کو پہنا، وہ یقیناً انسانی سوسائٹی کے لئے وہ ناپاک کیڑے ہیں جو پلیگ اور ہیضہ کے کیڑوں سے زائد دنیا کے لئے خطرناک ہیں۔

عالم کا کوئی طبیب، زمانہ کا کوئی ڈاکٹر، اس حقیقت سے انکار نہیں

کرسکتا کہ مختلف انسانوں کے ملنے کے سبب عورت اپنے جوہرِ عفت و عصمت ہی کو نہیں کھو دیتی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ صحت جیسی بیش قیمت دولت کو بھی خیرباد کہتی ہے۔ طاعون و ہیضہ کا مرض اس قدر پھیلتا ہو یا نہ پھیلتا ہو لیکن وہ ناپاک متعدی امراض جو انسانی زندگی کو ہمیشہ کیلئے تباہ و برباد کر رہے ہیں یقیناً ایسے ہی چشمۂ امراض سے سیرابی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

محکمۂ حفظانِ صحت سے دو دو باتیں

ہاسپٹل مختلف مواقع پر کھولے گئے۔ تاکہ امراض کی دوائیں مُفت تقسیم کی جائیں مرض کے آنے سے پہلے حفظِ ماتقدم کے لئے چیچک کا ٹیکہ لگانے کا انتظام بھی بہت باضابطہ کیا گیا، یہاں تک کہ حج کے فرض کو ادا کرنے بھی کوئی جانے نہ پائے، جب تک کہ ٹیکہ نہ لگا یا جائے ذرا آب و ہوا میں خرابی آئی کہ فوراً (DISINFECTION) کا کام جاری ہوا۔ کوچہ و بازار میں بہنے والی نالیوں میں فنائل ڈالا گیا۔ لیکن ان گندی نالیوں کی صفائی کی بھی کوئی تدبیر کی گئی۔ جن کے کیڑے آتشک اور سوزاک، برص اور جذام جیسے ناپاک امراض کو دن بدن پھیلاتے ہی چلے جا رہے ہیں، چیچک اور طاعون کے اعداد و شمار ہمیں بتائیں گے کہ کس قدر جانیں اس میں ہلاک ہوئیں، اور کتنے بیمار، لیکن کوئی دفتر اس کا بھی ہے جس میں ان ناپاک امراض کی فہرست ہو ؟ اگر نہیں تو اطبا سے پوچھو، ڈاکٹروں سے دریافت کرو، وہ بتائیں گے کہ یہ مہلک امراض ان گلیوں اور کوچوں سے چل کر، بڑے بڑے شرفا کے محلّوں اور قلعوں

میں پہنچ چکے ہیں، بدکار۔ حرام کار مرد۔ ان گندی بیماریوں کو بازاری عورتوں سے دام دے کر خریدتے ہیں، ان ناپاک مَردوں کے کرتوت کے سبب گھر میں بیٹھنے والیاں بھی ان امراض کا شکار ہو رہی ہیں۔ وہ بے چاریاں اپنی حیا و شرم کے سبب اس راز کو چھپاتی ہیں۔ اور بلاوجہ و بلاقصور ان معصوموں کی جانیں ہلاک ہو جاتی ہیں۔ کیا کوئی دردمند ہے جو ان بیکس معصوم خاتونوں ہی کے حال پر رحم کھائے۔ اور ان بے زبان مظلوموں ہی کی خاطر سے ان کی ناپاکی کے انسداد کی تدبیر عمل میں لائے؟

"زنا" کا لائسنس اور ڈاکٹری مُعائنہ

بعض ملکوں میں دیکھا گیا کہ حکومت کی طرف سے بازاری پیشہ ور عورتوں پر یہ قید لگائی گئی ہے کہ وہ اوّل حرام کاری، کے لئے حکومت سے اجازت حاصل کریں اور زنا کا لائسنس (اجازت نامہ) لیں، اور اس کی فیس حکومت کے خزانہ میں داخل کریں، پھر ہر ہفتہ یا پندرھویں دن اپنا ڈاکٹری معائنہ کرائیں، اگر کسی متعدّی بیماری میں مبتلا پائی جائیں تو اس بیماری سے صحت پانے تک لائسنس ضبط رہے۔ نیز عیّاش طبیع حرام کاروں کے لئے یہ ہدایت ہے کہ کسی پیشہ وَر عورت کے پاس جانے سے پہلے اس کا لائسنس اور صحت کی رپورٹ دیکھ لیں۔

اس قانون پر اخلاقی حیثیت سے تو تبصرہ کرنا ہی بے کار ہے جن کے نزدیک

زنا جیسا ناپاک کام اخلاقی جرم ہی نہیں، انہیں نانگہ کی طرح کما ڈ میں حقہ، لڑانے اور ٹیکس لینے میں کیا شرم عار، یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ اس قسم کے ڈاکٹری معائنہ کے نمونہ رات دن دُنیا کے سامنے ہیں، اگر ایک سنگدل قصاب اپنے ٹکے سیدھے کرنے کے لئے کمزور و ناتواں بیمار جانور کو ذبح کرنے کی اجازت ڈاکٹر صاحب کی جیب گرم کر کے بہت آسانی سے حاصل کر سکتا ہے، تو ان نرم و نازک دلربا مورتوں کو "پاس" حاصل کرنے میں دشواری ہو سکتی ہے۔ ورانحالیکہ ان کو یہ خوف دامنگیر ہے کہ اگر صحت کا پاس نہ ملا تو "گاہک" دیکھ لیں گے اور دُکان ہمیشہ کے لئے ٹھنڈی پڑ جائے گی۔

نوجوان مَردوں سے خطاب

پیارے نوخیز نوجوانو! تمہیں اپنی ابھرتی ہوئی جوانی کا صدقہ سنبھلنا، بچنا، ہوشیار رہنا دیکھو دیکھو! اس گلی میں قدم بھی نہ رکھنا، جہاں تمہاری جوانی کے چور بستے ہیں، تمہاری عمر بھر کی کمائی برباد ہوگی۔ سخت ناپاک امراض کی مزید سزا ساتھ ملے گی، خدا کے دربار میں رُوسیاہ، دُنیا کی آنکھوں میں بے قدر، عمر بھر کے لئے صحت سے مایوس، عافیت آرام اور چین کی زندگی خواب وخیال ہو جائے گی، عقل والے انسان کا کام، دوسروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔

مختلف قسم کے کھانے، کھٹے، میٹھے، تیز ترش سب ملا کر ایک

جگہ رکھ دیں سڑیں گے، بدبو پیدا ہوگی، کیڑے پڑ جائیں گے۔ برہما کی بتھی تم نے نہ چکھی ہوگی یہ وہ پھلی ہے جو سرکہ اور کھٹائی میں مدّتوں سڑائی جاتی ہے جب اس میں موٹے موٹے کیڑے پڑ جائیں تب وہ عمدہ خوبصورت پلیٹ میں نکال کر نہایت مکلّف سرپوش سے ڈھکی ہوئی سامنے آتی ہے۔ چینی کی سنہری کامدار طشتری اور سرپوش کو دیکھ کر، یہ سمجھ کر کہ کوئی عمدہ کھانا ہوگا۔ تمہارا جی للچا جائے، منہ میں پانی بھر آئے، مگر جب کھولو گے تو اگر دماغ صحیح ہے۔ یقیناً اس کی بدبو ناک میں جاتے ہی ایسا پر اگندہ بنائے گی کہ سب کھایا پیا بھول جاؤ گے پھر گبریلے کی طرح گجگجے کیڑے جب چلتے ہوئے نظر آئیں گے، کھانا تو بڑی بات ہے، محض دیکھ کر استفراغ نہ ہو جائے تو ہم ذمہ دار۔ ہاں جو برہمی اس کے کھانے کے خوگر ہو چکے ہیں ان کے لئے البتہ یہ غذا خوشگوار۔

پیارے عزیزو! بازاری عورتیں بھی وہی برہما کی بتھی ہیں، پوڈر اور سرمہ پر نہ بہلنا، بالوں کی بناوٹ اور پشواز کی سجاوٹ پر نہ ریجھنا یہ وہی سرپوش دار طشتری ہے جس میں مختلف مزاج والے انسانوں کے ہاتھ پڑ چکے ہیں اور مختلف قسم کے مادّوں نے ایک جگہ مل کر اس کے مزاج کو بدل کر اس قدر سڑا دیا ہے اور ایسے باریک باریک کیڑوں کو جو دیکھنے میں نہیں آتے اس میں پیدا کر دیا ہے کہ تم ذرا اس کے پاس گئے اور انہوں نے ڈنک مارا۔ بہرحال یہ ایسا ناگ ہے جس کا کاٹا سانس بھی نہیں لیتا۔ ایک وقت کی ذرا سی لذّت پر اپنی عمر بھر کی دولت

آرام و راحت، تندرستی و صحت اور عیش و عشرت کو نہ کھو بیٹھنا۔

نہ لائق بود عیش با دلبرے　　　　که هر بامدادش بود شوهرے

طوائفوں کے نام محبّت بھرا پیغام

بازاری پیشہ ور عورتیں ناراض ہوں گی کہ ہم نے انہیں کیا کچھ کہا وہ ہمیں گالیاں دیں گی کہ ہم نے ان کی روزی کو تباہ کرنے کا سامان کیا لیکن انہیں بتا دیا جائے کہ ہم نے جو کچھ کہا ان کے بھلے کے لئے کہا، اب ہم انہیں سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ۔

اے اللہ کی بندیو! تم انسان ہو، انسان کی طرح پیدا ہوئی ہو، قدرت نے تم کو عقل دی، سمجھ دی اور اس عقل و سمجھ کے سبب اور جانداروں پر فضیلت دی، انسان کو جان و مال اور اولاد پیاری ضرور ہوتی ہے مگر زیادہ سمجھدار شریف الطبع انسان وہ کہا جاتا ہے جس کو ان تینوں کے مقابلہ میں عزّت پیاری ہو، کتنے بہادر ہیں جو جان پر کھیل جائیں، مال لٹائیں، اولاد کی پرواہ نہ کریں، لیکن اپنی عزّت پر حرف نہ آنے دیں، کیا تم نے اس دنیا میں آنے سے پہلے عزّت والے باپ کی پشت میں تربیت پائی ہے اگر ایسا ہے تو کیا تم بھی اس کی قائل ہو، اور عزّت کی اپنی نظر میں کوئی قدر و قیمت سمجھتی ہو، اگر ایسا ہے تو کیا تم نے کبھی سوچا، کبھی غور کیا، کہ آج سوسائٹی میں تمہاری کیا عزّت ہے، سوسائٹی سے مراد اپنی قوم کا محدود دائرہ نہ لینا، دُنیا میں

نظر دوڑاؤ اور اپنے لئے جگہ تلاش کرو۔ آج مانا کہ بڑے بڑے راجہ بھی تم پر جاں نثاری کے دعوے کرتے ہیں، تم کو ان کے برابر بیٹھنے کا نہیں بلکہ لیٹنے کا موقع بھی ملتا ہے، مگر کیا تم سچے دل سے کہہ سکتی ہو کہ تم کو وہ عزّت حاصل ہے جو ایک غریب مفلس، پاک دامن بی بی کو حاصل ہوتی ہے، نہیں اور ہرگز نہیں۔

اگر تم کو اولاد پیاری ہے تو کیا تم ہی انصاف سے بتاؤ گی کہ تمہاری وہ گاڑھی کمائی جو مدّتوں کی محنت کے بعد تمہارے وجود میں آئی دن رات کی اٹھکھیلیوں میں کس بری طرح برباد ہوتی ہے، مانا کہ اس کی تربیت بھی کی اگر وہ تمہاری جنس یعنی لڑکی کی صورت میں نمودار ہوئی تو آخر کیا تم پسند کرتی ہو کہ وہ بھی اسی طرح بے عزّت بنے، اسی طرح پیشے پر بیٹھے، اگر لڑکا ہو تو کیا تم گوارا کرتی ہو کہ اس کو کوچہ بازار میں بھی "حرامزادہ" ہی کہہ کر پکارا جائے، تمہاری جان اگر تم کو پیاری ہے تو کیا تم نہیں چاہتیں کہ امراض سے بچو اور بیماریوں کا شکار نہ ہو، جو مرد بازاروں میں آتے ہیں یا تمہیں بلاتے ہیں، کل کسی اور کے پاس گئے ہوں گے، اس طبقہ کا حال خود تمہیں ہم سے زیادہ معلوم۔ کیا تم چاہتی ہو کہ وہ ناپاک اور گندے امراض کو لائے اور تم تک پہنچائے۔ سچ یہ ہے کہ جسے نہ عزّت کا ڈر نہ جان کی پرواہ، نہ اولاد کا دھیان، صرف مال کا خیال ہو اور چند ٹکے ہی پر عزّت، آبرو، جان، اولاد، سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جائے تو اس سے زیادہ بے عزّت اور کون ہوگا؟

سچ بولنا کیا تم ایسی بہک گئی ہو؟ اچھا یہی اور فقط یہی ہے تو لا شبہ
مجھے بتاؤ کہ ایسے شخص میں اور کتے میں کیا فرق ہوگا وہ بھی ایک ٹکڑے
کے لئے دھتکار سنتا ہے، لکڑی کھاتا ہے، مگر پھر دوڑ دوڑ کر وہیں آتا
ہے، اس انسانی صورت پر غرور نہ کرنا کہ ایسی صورت پتھر کی مورت بھی
ہو سکتی ہے، ربڑ کی گڑیا کو بھی لباس پہنایا جا سکتا ہے، اصل صورت
وہ ہے جو اعمال کے اعتبار سے قرار پائے۔ آج بے عقل آدمی کو
ہر ایک شخص کہتا ہے کہ "گدھا" ہے حالانکہ اس کی صورت آدمیوں کی
سی ہے، اسی طرح اس بے حیائی و بے غیرتی کے فعل کو اختیار کرنے
والی صورتیں بظاہر آدمیوں کی سی معلوم ہوں، لیکن اگر کسی آنکھوں
والے سے پوچھو گی تو وہ بتادے گا بلکہ اگر کوئی روحانی دوربین رکھنے والا
درویش مل گیا تو دکھا بھی دے گا کہ خنزیر جیسے بے حیا و بے غیرت
جانور کی صورت ہے، اللہ تمہارے حال پر رحم کرے، اور تمہیں
ہدایت دے

اللہ کی بندیو! جانوروں میں بھی مادہ ہوتے ہی ہیں لیکن کیا تم
کوئی مادہ ایسی بتا سکتی ہو کہ جس نے اپنا پیٹ بھرنے کے لئے اس بُرے
کام کو اپنا پیشہ بنایا ہو؟ افسوس تمہاری یہ حرکت تو انسانوں کی جماعت
کو جانوروں کے سامنے بھی ذلیل بنا رہی ہے۔ ہمیں افسوس تو زیادہ
اس بات کا ہے کہ وہ مال جو اس طرح حاصل کیا گیا ہو، اس سے تم نے
کپڑے بنائے، اس سے تم نے کھانا کھایا، اسی کی تم میں قوت آئی، اسی

قوت سے تم نے عبادت بھی کی، اور بعض نیک کام بھی کئے، بیشک
تمہیں ان نیک کاموں کا ثواب ملنا چاہئے۔ مگر کیا کیا جائے کہ اس گندہ
مال اور گندی طاقت نے تمہاری تمام نیکیوں کو بھی گندہ کر دیا۔ عمدہ
شربت میں ایک قطرہ بھی نجاست کا مل جائے تو تمام گلاس خراب ہو جاتا ہے
یہاں تو تمام کام ہی شربت گندہ ہے۔

ان اللہ طیب لا یقبل الا لطیب اللہ پاک ہے صرف
پاک ہی چیز کو قبول کرتا ہے۔

کتنے رنج کی بات ہے کہ ایک ذرا سے لطف کے لئے تم نے اپنی
زندگی کی ایک بے بہا دولت کو یوں ہی لٹا دیا۔ اس حُسن ظاہری کو کب
تک سنبھال سکتی ہو، جس کے بل بوتے پر آج کیا کیا ٹھاٹ جما رکھے
ہیں کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے۔

جوبن دھن پاہُنا دِن چار	جا کی گرب کرے سو گنوار
پسو کی کھال کی بنے پنہیا	نوبت مڑھے نگارا
نر تیری چام کام نہیں آوے	جل بل ہو گئی سارا

(کبیر)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ لاڈلی بیٹی جن کے نام کو سنتے ہی تم
لائیں لیا کرتی ہو، جن کے پیارے بیٹے کے غم میں تم چوڑیاں ٹھنڈی
کیا کرتی ہو، اور محرم کے چالیس دن ماتمی لباس پہن لیا کرتی ہو، اس
قدر حیا و شرم والی کہ اس عالم سے پردہ کرنے کے بعد کے لئے بھی یہ

خیال وغم کہ کوئی میرے بدن کے بناؤ تک کو نہ دیکھے، جنازہ پر معمولی چادر پڑی ہوگی تو بدن کا بناؤ معلوم ہوجائے گا، پیارے باپ کے وصال کے بعد پہلے پہل خوشی کے آثار چہرہ پر اسی وقت نمودار ہوئے جب کہ ایک خادمہ نے جنازہ کے لئے گہوارہ کا نمونہ پیش کیا۔ ان کی یہ حیا اور تمہاری یہ حالت، سبط مرتضیٰ، شہید کربلا علیہ وعلیٰ آبیہ السلام نے جان دینا اختیار کیا۔ مگر زانی وفاسق یزید کی بیعت واطاعت کو گوارا نہ کیا آج تم نے ان کا سوگ منایا۔ مگر یاد رکھنا، یہ ہرگز کام نہ آئے گا۔ جب تک ان کے طریقہ کو اختیار کرکے اس ناپاک پیشہ سے توبہ نہ کروگی۔

نبی صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اپنی پیاری بیٹی، جنّت کی سیّدانی سے فرمائیں کہ "اے فاطمہ عمل کیجئے" عمل کیجئے۔ قیامت کے دن یہ نہ پوچھیں گے کہ کس کی بیٹی ہو۔ یہ پوچھیں گے کہ کیا عمل لے کر آئی ہو!

کیا تمہیں کبھی خیال نہیں آتا کہ تمہارا پیدا کرنے والا رب یوں فرما رہا ہے۔

لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَّسَآءَ سَبِیْلًا۔

"دیکھو زنا کے قریب بھی نہ جانا، یہ تو بڑی ہی بےحیائی کی بات اور بہت ہی بُرا راستہ ہے"۔

کیا تم نے کبھی نہیں سنا کہ تمہارے پیغمبر روحی فداہ فرماتے ہیں:-

مَنْ زَنٰی او شرب الخمر نزع اللہ منہ الایمان کما یخلع الانسان القمیص من رأسہ

"جس نے زنا کیا یا شراب پی اللہ تعالیٰ اس سے ایمان کو اس طرح نکال لیتا ہے جیسے انسان سر میں سے کُرتا نکال ڈالتا ہے"۔

تمہیں یہ بھی خبر ہے کہ:-

ان اللہ یدنو من خلقہ نیغفر لمن استغفر الا البغی بفرجھا

"اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے قریب ہوتا ہے اور کوئی مغفرت طلب کرے اسے بخشتا ہے لیکن اس عورت کو نہیں بخشتا جو اپنی شرمگاہ کا ناجائز استعمال کرتی ہی رہے"۔

ہم نے جو کچھ کہا، تمہارے بھلے کے لئے کہا، ہم نہیں چاہتے کہ تم جنس انسانی سے ہوکر حیوانات بلکہ ان سے بھی بدتر زندگی گزارو، ہم نہیں چاہتے کہ تم اس اسلام کے نام پر بدنما داغ لگاؤ، جو اس ناپاک فعل میں پھنسنے والوں کو واجب القتل قرار دے۔ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پڑھا ہے کہ:-

من سن سنۃ سیئۃ فلہ وزرھا وزر من عمل بھا۔

"جس کسی نے کوئی بُرا راستہ نکالا اس پر اس کا بھی گناہ اور جو اس راہ پر چلے اس کا بھی گناہ"۔

آج تمہاری اس خراب وبیہودہ روش سے کتنے نونہالانِ چمن انقلاب نغمت برباد ہوتے ہیں۔ یاد رکھنا کہ تم پر تمہاری تنہا بداعمالیوں کا بوجھ ہی نہیں بلکہ ان سب کی بداعمالیوں سے تمہارا نامۂ اعمال سیاہ پر سیاہ ہوتا جاتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ پھر اگر تمہاری اولاد یا پروردہ نے بھی اسی پیشہ کو اختیار کیا تو اس کی تمام بداعمالیاں جس طرح اس کے نامۂ اعمال کو سیاہ کریں گی تمہارے مرنے کے بعد بھی تمہارے نامۂ اعمال میں اسی طرح

گھن جائیں گی اس لئے کہ ان کی بنیاد تم نے ڈالی۔ پھر جب تک بھی تمہارے سدھانے کا یہ سلسلہ چلے ان میں سے ہر ایک بداعمالی تمھاری ہی بداعمالیوں میں اضافہ کرنے والی ہوگی۔ لہٰذا اب بھی باز آؤ۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہے موت کا قاصد سر پر کھڑا ہے اب بھی توبہ کرو اور شریفانہ زندگی اختیار کرو۔ جو ہونا تھا ہولیا۔ وہ ربّ غفور اب بھی محبّت کے ساتھ تمھیں پکار کر کہتا ہے۔

هَل مِن مستغفر — "ہے کوئی مغفرت مانگنے والا جو بخشش
فاغفر لہ — چاہے اور میں اسے بخشوں"
باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

خلافِ فطرت صُورتیں

تم نے ابھی پہلے باب میں مطالعہ کیا کہ قدرت نے عجیب و غریب طاقت مرد و عورت کو عطا فرما کر اس کے استعمال کے لئے ہر ایک کی حالت کے مطابق آلات بھی عطا فرمائے۔ زبان چکھتی ہے آنکھ دیکھتی ہے۔ ہاتھ چھوتے ہیں۔ کان سُنتے ہیں۔ لیکن اگر ان اعضا میں کوئی خرابی آجائے مثلاً آنکھ کا کام ہے روشنی اور اُجالے میں دیکھنا۔ تم سُورج کو ٹھیک دوپہر کے وقت نظر جما کر دیکھو یعنی

بینائی کا غلط اور بیجا استعمال کرو نتیجہ کیا ہوگا ؟ بینائی جاتی رہے گی اسی طرح اگر کانوں سے غیر موزوں طریقوں سے کام لیا گیا، مثلاً توپوں کے چلنے یا جہاز کی سیٹی کی طرح سخت و درشت کریہہ آوازیں یک لخت کانوں میں پہنچیں، تو بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ فوراً سننے کی طاقت جواب دے دے اور جاتی رہے ہم نے انجن اور کلوں میں کام کرنے والوں مزدوروں کو دیکھا ہے کہ وہ بہرے ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ دن میں ۱۰ گھنٹہ متواتر مشین کے چلنے کی آوازیں کان کے پردوں پر ایسا بوجھ ڈالتی ہیں کہ وہ بیکار ہو جائیں، اسی پر قیاس کرلو کہ وہ خاص آلے جو قدرت نے اس مخصوص قوّت کے استعمال کے لئے دئے ہیں۔ اگر غلط طریق پر بیجا استعمال میں لائے جائیں گے تو ان کی بھی وہی حالت ہوگی۔

حسن شباب کا یہ گوہر لطیف اور جوانی کا یہ انمول خزانہ ناف کے نیچے ایک تھیلی میں محفوظ ہے اور اس کے باہر لانے کیلئے ایک آلہ اور رستہ معین، مردوں میں وہ رستہ جس کے ذریعہ یہ باہر آتا ہے انلہ ایک اسفنج کے جیسا بناؤ رکھتا ہے، اور اسی میں ملے جلے پٹھے اور رگیں اسفنجی جسم کے اندر جلدی سے محسوس کرنے کی ایک خاص طاقت قدرت کی طرف سے رکھی گئی ہے۔ اسی طرح سے عورت کے جسم میں بھی اس کے لئے خاص مقام فطرت نے مقرّر کیا، اور دونوں کے ان مخصوص آلوں میں ایسی مناسبت رکھی کہ حقیقی لذّت اور واقعی ذوق حاصل کرنے کے لئے انھیں دونوں جسموں کا ملنا ضروری۔ اگر مصنوعی شکلیں

اختیار کی گئیں اور بناوٹی چیزوں سے کام لیا گیا تو سراسر نقصان ہی نقصان۔

وہ ہوس پرست جو فطرت کے مقرر کئے ہوئے طریقہ کو چھوڑ کر دوسری راہ کو اختیار کرتے ہیں دھوکہ کھاتے اور بعد میں منحت پچھتاتے ہیں۔ قدرت نے انسان کے بدن میں ہر حصہ میں ایک خاص کام کی قدرت رکھی ہے۔ فضلہ نکال کر پھینکنے کے لئے جو جگہ مقرر کی گئی اس میں اندر سے باہر پھینکنے کی قوت رکھی گئی۔ باہر سے اندر لینے کی استعداد اس میں نہیں عضلات اس دروازہ پر اس نگہبانی کے لئے ہر وقت تیار کہ کوئی چیز باہر سے اندر نہ جانے پائے، اگر خلاف فطرت اندر داخل کی جائے گی حفاظت کرنے والے عضلات زور لگائیں گے کہ وہ داخل نہ ہونے پائے۔ وہ نازک جسم، جو نرم اور مہین جھلی باریک باریک رگوں میں سمٹنے اور کبھی پھیل جانے والے سبک پٹھوں سے مرکب ہے اس جنگ میں سخت مقابلہ کرنے کے سبب دبتا ہے، بھنچتا ہے، اس کا سر کچلا جاتا ہے اس خلاف فطرت ملاپ نہیں بلکہ لڑائی کا نتیجہ یہ ہے کہ رگیں دب جائیں، کمزور پڑ جائیں، پٹھے خراب ہو جائیں اور محسوس کرنے کی طاقت بڑھ جائے۔ جڑ کمزور ہو کر جسم کا بناؤ بگڑ جائے۔ ممکن ہے کہ کسی جانب کبھی بھی آ جائے، احلیل پر زور پڑنے سے ورم پیدا ہو سکتا ہے جس کا اثر مادۂ مخصوص کی تھیلی تک پہنچ کر گدگداہٹ پیدا کرے گا اور بار بار کی اس گدگداہٹ سے ایک رقیق مادّہ نکلنا

شروع ہو گا۔ اس مادّہ کے بار بار نکلنے اور ہر وقت عضلات میں نمی رہنے کے سبب تمام پٹھے ڈھیلے پڑ جائیں گے رگوں میں رطوبت اتر آئے گی، نیلی نیلی، موٹی موٹی رگیں چمکنے لگیں گی۔ اور ہمیشہ اس طاقت، سختی اور توانائی کو صبر کرنا پڑے گا جو اوّل جسم میں موجود تھی، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسی رطوبت نکلتے نکلتے منہ پر جم جاتی ہے اور اس گندگی کی نالی میں رُکے رہنے کے سبب اندر زخم پڑ کر، پیشاب میں جلن کا سخت مرض لاحق ہو جاتا ہے، بار بار یہ خلاف فطرت حرکت کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جھلی میں خراش پیدا ہو کر ہر وقت کی جھوٹی خواہش پیدا کرے گی، کثرت کے ساتھ اس خواہش کے پورا کرنے سے خزانہ خالی ہو جائے گا، مادّہ پورے طور سے بننے بھی نہ پائے گا کہ نکلنے کا سلسلہ بند ہو جائے گا آخر جریان کی مصیبت لاحق ہو گی، آنکھوں میں گڑھے، چہرہ پر بے رونقی، دل و دماغ کی کمزوری، غرض تمام اعضائے رئیسہ جواب دے بیٹھیں گے۔ آخر اس خلاف فطرت حرکت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر انسان عورت کو منہ دکھانے اور دنیا کی زندگی میں وہ خاص لطف و صحبت اٹھانے کے قابل نہیں رہتا۔

ذرا **سوچنا!** وہ وقت کیسی حیرت و ندامت کا وقت ہو گا جب ایک دوشیزہ پاک دامن اپنی تمام امیدوں کا مرکز تم کو بنائے ہوئے تمہارے پاس آئے گی اور تم اس حالت میں گرفتار ہو گے کہ

شرم کے مارے سر بھی نہ اُٹھا سکو گے، اِدھر اپنی صحت و عافیت و تندرستی کو عمر بھر کے لئے کھویا اُدھر دوسری پاک دامن بے گناہ کی حسرتوں کا خون کیا، نہ خود ہی زندگی کا لطف اُٹھایا نہ دوسرے کو پانے کا موقع دیا۔ پھل لانا تو کجا بیج ڈالنے کے قابل بھی نہ رہے۔

آج۔ اس کل کی بات کے متعلق سوچو اور ابھی ابھی اس اُبھرتی جوانی میں اندھے نہ بن جاؤ۔ دیکھو دیکھو تمھارا ضمیر اس گندہ خلافِ فطرت فعل پر تم کو خود ملامت کرے گا، اگر خدا پر ایمان ہے اور اس کے احکام کی تمہارے دل و دماغ میں کچھ قدر و قیمت، اس کے عذاب کا خوف اور عتاب کا ڈر، تو سنو! سنو! وہ خداوند قدوس فرماتا ہے:۔

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِينَ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُونَ ؕ

"کیا تم دنیا میں لڑکوں سے ملتے ہو اور خدا نے تمہارے لئے جو بیویاں بنائی ہیں انھیں چھوڑتے ہو، یقیناً تم حد سے بڑھنے والے لوگوں میں سے ہو"

(الشعراء)

حضرت لوط علیہ السّلام کی قوم نے سب سے پہلے اس ناپاک عادت کو اختیار کیا، حضرت لوط علیہ السّلام نے انھیں بہت سمجھایا محبت بھرے انداز سے بتایا۔ پورا تاریخی واقعہ ہمارے تمہارے لئے درسِ عبرت کی شکل میں قرآن عظیم نے بیان فرمایا:۔

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعٰلَمِينَ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُسْرِفُونَ ؕ

"لوط علیہ السّلام نے جب اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسی بدفعلی کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے کی ہی نہیں تم تو عورتوں کے بجائے مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو یقیناً تم حد سے بڑھنے والے لوگوں میں سے ہو۔"

حضرت لوط علیہ السّلام نے اپنی قوم کے ان نالائق مردوں سے یہاں تک کہا کہ اگر تم کو اپنی نفسانی خواہش ہی پوری کرنی ہے تو میری قوم کی لڑکیاں حاضر ہیں، ان سے نکاح کر لو، مگر لڑکوں پر تو نظر نہ ڈالو۔ لیکن ان نابکاروں نے نہایت دریدہ دہنی سے ان کو یوں جواب دیا:۔

مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ۔

"آپ کی صاحبزادیوں کی ہمیں خواہش نہیں، آپ کو خبر ہے ہم کیا چاہتے ہیں۔"

آخر جب وہ اپنی خباثت سے باز نہ آئے، تو غضبِ الٰہی حرکت میں آیا اور وہ تمام لوگ جو اس خبیث عادت میں مبتلا ہو کر آئندہ نسلوں میں بھی اس ناپاکی کو پھیلا رہے تھے اس طرح

ہلاک کئے گئے کہ :۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ط

(پ ۱۴ ـ ع ۴)

" پس سورج نکلتے وقت انہیں چنگھاڑ نے پکڑ لیا اور ان کی بستی کو اوپر نیچے کر ڈالا اور ان پر کنکر کے پتھر برسائے "۔

اس درس عبرت کو دیکھتے ہوئے بھی کیا آنکھیں نہ کھلیں گی اور ایسی ناپاک حرکت کی نیت رہے گی ؟

کیا یہ تمنا ہے کہ معاذ اللہ خدا کا وہی عذاب پھر آئے ؟ کیا یہ خیال ہے کہ جب تک دیکھ نہ لو نہ مانو گے ؟ جو لوگ اس مصیبت میں مبتلا ہو چکے ہیں اور اس عذاب کو اپنے سر پر لے چکے ہیں۔ ان کی صورتیں دیکھ لو، نہ چہرہ پہ رونق، نہ رخساروں پہ تازگی، منہ پر پھٹکار برستی ہے اس لئے کہ مخبر صادق نے خبر دی ہے :۔

مَلْعُوْنٌ مَّنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ (حدیث)

" جس نے لوط علیہ السلام کی قوم کا سا کام کیا وہ ملعون ہے (پھٹکار مارا ہے) "

ایک حدیث میں یہاں تک صاف صاف بتا دیا گیا کہ ایسا خلاف فطرت کام مسلمان کا کام نہیں۔

مَنْ اَتٰی شَیْئًا مِّنَ النِّسَآءِ

" جس نے عورتوں یا مردوں

اَوِ الرِّجَالِ فِیْ اَدْبَارِهِنَّ فَقَدْ کَفَرَ

سے ان کے پیچھے کے مقام میں (جائز سمجھتے ہوئے) مجامعت کی یقیناً اس نے کفر کیا۔"

اس ناپاک کام سے یہاں تک بچایا گیا کہ اس کے مقدمات کو بھی اسی فعل میں شامل فرمایا گیا، انھیں بھی لعنت کا سبب بتایا، خدا کی طرف سے غیب کی خبریں پانے والے چھپی باتیں آئندہ واقعات بتانے والے مخبر صادق فرماتے ہیں :۔ صلی اللہ علیہ وسلم

سیکون فی آخر الزمان اقوام یقال لھم اللوطیہ علی ثلاثۃ اصناف فصنف ینظرون ویتکلمون وصنف یصافحون ویعانقون وصنف یعملون ذالک العمل فلعنۃ اللہ علیھم الا ان یتوبوا فمن تاب تاب اللہ علیہ

" کہ آخر زمانہ میں تین قسم کے لوگ ہوں گے جن کو " لوطی " کہا جائے گا، ایک وہ جو (لڑکوں کو) فقط گھوریں گے اور باتیں کریں گے ایک وہ جو (ان سے مصافحہ اور معانقہ کریں گے۔ ایک وہ جو (ان لڑکوں کے ساتھ فعل بد کریں گے، ان سب پر خدا کی مار پھٹکار ہو مگر وہ جو توبہ کر لیں۔ جس نے سچی توبہ کر لی اللہ نے قبول کی "

اس شخص پر مالک عالم کی نظر کرم کیوں ہو جو اس کی مرضی، اس فطرت اس کے قاعدہ کے خلاف، اپنی بیش بہا، بیش قیمت دولت

کو برباد کرے۔

لَا ینظر اللّٰہ اِلیٰ رجل اتی رجلا او امرأۃ فی الدبر۔ "جس شخص نے مرد یا عورت سے اس کے پیچھے کے مقام پر جماع کیا اللہ تعالےٰ اس کی طرف نظرِ رحمت نہ فرمائے گا۔"

غیر عورت اجنبی خاتون کے ساتھ غیر قانونی صورت سے آگے کی طرف ملنے میں ایک خفیف سا احتمال یہ ہو بھی سکتا تھا کہ اگر حمل ٹھہر جاتا اور اس نے اسے گرا دیا تو اگر بچہ پورا بن گیا تھا اور پھر پھینکا گیا۔ تو کوڑے کرکٹ پر یا نالی میں پڑ کر، کسی صورت سے شاید پیدا ہونے والا بچہ بچا رہ بڑا ہو بھی جائے اگرچہ اس ضائع کرنے والے نے تو ضائع کرنے پھینکنے اور اس طرح اس کے قتل کا سامان کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن اس خلاف فطرت صورت میں تو وہ احتمال ضعیف بھی نہیں لڑکوں کے پاس یا عورت کی پچھلی طرف وہ آلہ ہی نہیں جہاں یہ مادہ ٹھہرے اور بچہ بنے۔ اس لئے بچہ بننے سے پہلے بیج ہی ضائع ہوگا، اس لئے اس بیج کے ضائع کرنے والے قاتل کی سزا بھی وہی قتل ہے، چنانچہ صحیح حدیث میں فرمایا گیا:۔

ارجموا الاعلیٰ والاسفل ارجموا جمیعا یعنی الذی عمل قوم لوط (الحدیث) "قوم لوط کا سا فعل کرنے والے کو سنگسار کرو، اوپر والے نیچے والے دونوں ہی کو سنگسار کرو۔"

حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ و رضی اللہ عنہ نے تو اس فعل خبیث کے فاعل کے معمولی قتل پر بس نہ کی بلکہ بقول بعض اس کو آگ میں جلایا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر دیوار گرائی، اس لئے کہ اس ناپاک فعل میں تو انسان جانوروں سے گیا گزرا ہوا، نر اور مادہ کی رعایت وہ بھی رکھیں، اپنی جنس کو وہ بھی پہنچائیں، اس نے اگر عورت کی جگہ مرد کو دی، یا ان پنڈت صاحب کی طرح جن کی خبر ابھی حال ہی میں کسی اخبار میں پڑھی، اپنی جنس کو بھی چھوڑا، گائے پر نظر ڈالی تو اسلام اپنے جامع احکام میں، بہائم کو اپنی آلودگی سے ملوث کرنے والے کو بھی، اسی سزا کا مستحق گردانتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے:۔

من اَتیٰ بھیمۃً فاقتلوہ واقتلوھا معہ، "جو شخص چوپائے کے ساتھ فعل بد کرے اسے اور اس چوپایہ دونوں کو قتل کر دو۔"

اس فاعل تو فاعل، اس چوپایہ کو بھی قتل کر دینے کا حکم دیا گیا۔ لوگوں نے عبداللہ بن عباس سے پوچھا کہ چوپایہ نے کیا گناہ کیا انہوں نے فرمایا اس کی وجہ اور سبب تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں سنا، مگر حضور نے ایسا ہی کیا بلکہ اس کا گوشت تک کھانا نہ پسند فرمایا۔

اقتلوا الفاعل والمفعول بہ فی عمل قوم لوط "قوم لوط علیہ السّلام کے سے فعل بد والے فاعل و مفعول دونوں کو قتل کر دو"

مفعول بھی اس قتل میں شریک، اس ناپاک کی سزا بھی یہی ہے کہ اُسے قتل کر دیا جائے، تاکہ خبیث عادت دنیا میں اور پھیلنے نہ پائے۔ یہ وہ ناپاک فعل ہے جو انسانی فطرت کے خلاف، عقل کے خلاف، مذہب اور دین کے خلاف، خود تمھاری تندرستی اور عافیت کے خلاف۔

بلکہ سچ پوچھو اور انصاف سے دیکھو تو تمھارے نفس کی لذت کے بھی خلاف ہے۔

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ؟ "بولو کیا تم بچو گے؟"
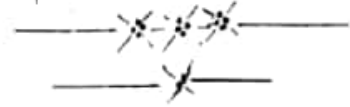
اِستمنا بِالید

(یا)

اپنے ہاتھوں خاص قوت کی بربادی

تم نے ابھی اس سے پہلے باب میں دیکھا کہ مرد کا یہ خاص آلہ جو اس جوہرِ لطیف کو عورت کے خزانہ تک پہنچانے کے لئے بنایا گیا ہے ایک اسفنج کا سا بناؤ اپنے اندر رکھتا ہے، جس کے سبب وقتِ ضرورت یہ بڑھ سکتا ہے اور ضرورت پوری ہونے کے بعد یہ گھٹ جاتا ہے۔ اس کی تھوڑی سی تشریح اور دیکھ لو تاکہ آئندہ جو بات ہمیں بتانی ہے اور جس مصیبت پر ہمیں آگاہ کرنا ہے وہ بآسانی سمجھ میں آجائے۔

پورے جسم کے تین حصے الگ الگ خیال میں لو (۱) سَر (۲) درمیانی جسم (۳) جڑ۔ جڑ سے سر کی جڑ تک تمام جسم اسفنج کی طرح خانہ دار بنا ہوا ہے، جس کے سبب وہ آسانی سے پھیل اور سمٹ سکتا ہے اس کے خانے پٹھوں، موٹی رگوں اور باریک باریک رگوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ رگیں اور پٹھے شاخ در شاخ ہو کر تمام جسم کے خانوں میں پھرتے ہیں۔ جا بجا ان میں تھوڑے تھوڑے گوشت کے ریشے بھی ہیں جسم کے اوپر کی طرف دو خاص جھلیاں ہیں جو اوپر نیچے واقع، اس جھلی

میں پٹھوں کے باریک باریک تار اس کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار دشوار، سیون کی طرف ایک باریک پٹھا ہے جو زندگی کی روح کو یہاں لاتا ہے۔ اس کے درمیان ایک نالی ہے جو پیشاب اور مادہ خاص کو لاتی ہے، اس میں بھی پٹھوں کے باریک باریک تار موجود ہیں۔

سر۔ یہ بھی اسفنجی صورت کا بنا ہوا ہے۔ اس میں بہت باریک باریک خون کی رگیں ہیں اور پٹھوں کے نہایت نازک باریک باریک تار جن میں احساس کی قوت سب سے زیادہ۔ یہ تمام پٹھے کمر اور دماغ سے ملے ہوئے ہیں، گویا ان کو بجلی کی تاروں کی طرح سمجھو، اُدھر دماغ میں خیال پیدا ہوا۔ ادھر ان اعصاب نے اپنا کام شروع کیا۔ دماغ سے خواہش اور ارادہ کا ظہور فوراً ادھر محسوس ہوا اور کمر سے ان پٹھوں کے لگاؤ نے جسم کو تنا رکھا۔ یہ سب کچھ اس لئے بتایا گیا کہ صرف اتنی بات سمجھ میں آجائے کہ اگر ان پٹھوں اور رگوں پر کوئی غیر معمولی دباؤ پڑے، یا یہ تار کسی طرح خراب ہو جائیں تو دماغ تک اس کا اثر پہنچے گا۔ کمر بھی اس کی تکلیف کو محسوس کرے گی، یہ بات تو تمھیں معلوم ہی ہے کہ رگڑنے سے رطوبت کم ہوتی اور خشکی آتی ہے یہ خشکی کھجلی اور بڑھاتی ہے، کھجلانے اور بار بار رگڑنے سے کھال دُکھ جاتی ہے اور خون فوراً اس طرف دوڑ آتا ہے (جہاں چاہو بدن میں کھجا کر دیکھ لو) اور اگر زیادہ سہلاؤ گے، کھجاؤ گے وہاں کچھ ورم بھی ہو جاتا ہے۔

اب سنو! عورت کے جسم میں قدرت نے ایسی رطوبتیں پیدا فرمائی ہیں جن کے سبب اگرچہ مرد کا جسم رگڑ ضرور کھاتا ہے۔ لیکن نہ کوئی خراش پیدا ہوتا ہے۔ نہ دُکھن۔ خون کا اس طرف دوڑ کر آنا ہیجان کو بڑھاتا ہے لیکن اندر کی رگوں اور پٹھوں پر کوئی ایسا ناگوار بار نہیں پڑتا جس سے اندر کسی قسم کی سوجن پیدا ہو، اور تکلیف پہنچے۔ اس کے بالمقابل دنیا کی تمام لیس دار رطوبتوں میں کوئی رطوبت تیل ہو یا صابن، ویسلین ہو یا گھی ہرگز وہ کیفیت نہیں پیدا کر سکتی، جو اس قسم کے رگڑ کی تکلیف سے بچائے، اور عورت کے مخصوص جسم کے سوا انسانی جسم کا کوئی حصہ بھی ایسا نرم نہیں، جو اپنی خراش سے مرد کے جسم کو محفوظ رکھ سکے۔

ہاتھ اور ہاتھ میں بھی ہتھیلیوں اور انگلیوں کی کھال ویسے ہی سخت پھر دُنیا کے کام کاج میں مصروف رہنے والے مَردوں کی کھال اور زیادہ سخت، ہاتھ اس جسم نازک سے چھیڑ چھاڑ کر کے اس نازک جھلّی کو سخت دُکھ پہنچاتا ہے، وہ باریک باریک رگیں اور پٹھے بھی اس سختی کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتے، خواہ کیسی ہی رطوبتیں اور چکناہٹ کیوں نہ استعمال میں لائی جائیں، رگیں اور پٹھے اس خراش سے اس قدر جلد اثر لیتے ہیں کہ ورم پیدا ہوتا ہے اور ایک بار اپنے ہاتھوں اس بے بہا دولت کو برباد کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حس بڑھ کر بار بار ہاتھ اس کام کی طرف بڑھتا ہے وہی ایک کھجلی کی سی کیفیت بار بار طبیعت کو ابھارتی

ہے اور دو تین بار معاذ اللہ ایسا کیا گیا تو وہی ورم مستقل صورت اختیار
کرتا ہے، نرم و نازک رگیں دب کر رگڑ کھا کر سست ہو جاتی اور پٹھے
اس قدر ذکی الحس ہو جاتے ہیں کہ رفتہ رفتہ معمولی رگڑ سے بھی ہیجان ہوکر
وہ انمول مادّہ یونہی پانی کی طرح بہہ جاتا ہے۔ رگوں کی سستی پٹھوں
کی خرابی، جسم کی حالت کو بگاڑتی ہے۔ اسفنجی قسم کے اجسام کے دبنے
سے سب پہلا جو اثر ہوتا ہے وہ جڑ کا کمزور اور لاغر ہو جانا ہے۔ اس کے
علاوہ درمیانی حصّہ جسم میں بھی جہاں جہاں رگیں اور پٹھے زیادہ دب جائیں گے
وہ ہموار نہ رہے گی، اور جسم ٹیڑھا ہو جائے گا، رگیں جو ان اسفنجی خانوں میں
ہیں، ان کے دبنے سے خون اور روح حیوانی کی آمد کم ہوگی، رگیں پھیل
نہیں سکیں گی، لہٰذا اسفنجی جسم بھی پھیل سکے گا، سختی جاتی رہے گی،
جسم ڈھیلا اور بیحد لاغر ہو جائے گا۔ اس کے بعد خواہ کتنی بھی کوشش
کیوں نہ کی جائے، جسم کی ترقی ہمیشہ کے لئے رُک جاتی ہے اور اپنے
ہاتھوں کے اس کرتوت کے سبب یہ جسم عورت کے قابل رہتا ہی نہیں
اگر کوئی بے زبان عصمت و عفت کی دیوی ایسے شخص کے سپرد کر دی گئی
تو عمر بھر اپنی قسمت کو روئے گی، اور یہ بدنصیب حقیقۃً اس کو مُنہ
دکھانے کے قابل نہ ہوگا، اس لئے کہ اوّل تو اس سے مل ہی نہیں سکتا
اور اگر کسی ترکیب سے مل بھی جائے تو مادّہ سے اولاد پیدا کرنے کے
اجزا مر چکے ہیں اب اسے اولاد سے ہمیشہ کے لئے مایوس ہو جانا چاہئے
اگر اس عادت خبیثہ کو اور جاری رکھا گیا تو کھال کا رنگ سیاہ ہو جاتا

ہے اور حس اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ معمولی کلپ دار کپڑے کی رگڑ سے
بھی انسانی جوہر برباد ہو جاتا ہے، پٹھوں کا حس اس قدر خراب ہو جاتا
ہے کہ (دماغ سے تعلق رکھنے کے سبب) ادھر دماغ میں خیال آیا ادھر مادّہ
ضائع ہوا۔ یہ وہ نازک حالت ہے کہ اس جسم خاص کی ان خرابیوں کے سبب
تمام جسم انسانی کی مشین خراب ہو جاتی ہے۔ ابھی تم نے دیکھا کہ ان پٹھوں کا
تعلق دماغ سے ہے ان کی خرابی سے دماغ خراب ہوا، تمام جسم کی طاقتیں
دماغ کی تابع اس کی خرابی سے تمام قوتیں خراب، نظر کمزور ہوگی،
کانوں میں شائیں شائیں کی آوازیں آئیں گی، مزاج میں چڑچڑا پن ہوگا،
خیالات میں پریشانی بڑھتے بڑھتے دماغ بالکل نکما بنا دے گی، اور
اپنے ہاتھوں اس جوہر کو برباد کرنے کا نتیجہ جنون ہے ؏

تم نے پہلے باب میں مطالعہ کیا کہ یہ جوہر لطیف خون سے بنا،
اور خون بھی وہ جو تمام بدن کے غذا پہنچانے کے بعد بچا، بس اگر اس مادّہ
کو اس کثرت کے ساتھ برباد کیا گیا کہ خون کو بدن کے غذا پہنچانے کا بھی موقع
نہ ملا، قلب میں ٹھہر ہی نہ سکا، کہ اس طرح نکال دیا گیا۔ تو قلب کمزور ہوگا،
دل دھڑکے گا، ذرا سا پتہ کھڑکا اور اختلاج شروع ہوا۔ دل پر تمام بدن
کی مشین کا دار و مدار، جسم کو خون نہ پہنچا، روز بروز کمزور اور لاغر ہوتا گیا
بلکہ اگر یہ کثرت اس حد کو پہنچی کہ خون بننے بھی پایا تھا کہ نکلنے کی نوبت آ گئی۔
تو جگر کا فعل خراب ہوا، گُردوں کی گرمی دُور ہوئی معدہ پر اثر پڑا، وہ
خراب ہوا، بھوک کم ہوئی، ضعف نے ایسا آ دبایا کہ چند قدم چلنا مشکل

ہوگیا، نہ دن کا چین رہا نہ رات کا آرام، رات کو سوئے آرام کے لئے۔ مگر خیالات پریشان نے کبھی کوئی تصویر پیش کی اور کبھی ویسے ہی کر دھیان تک نہیں، کیا ہوا وہی کر دکھایا، جو اپنے ہاتھوں سے کیا جاتا رہا، صبح اٹھے تو بدن سُست ہے، جوڑ جوڑ میں درد ہے آنکھیں چپکی ہوئی ہیں۔ اس لئے کہ ان کے عضلات بھی خاص جسم کے عضلات کے ساتھ ساتھ کمزور ہوتے گئے۔ مزا آرام کے لئے نہ تھا، جسم محسوس کر رہا ہے کہ اسے سخت تکلیف ہے، یہ سب کیوں ہوا صرف اس لئے کہ اپنے ہاتھوں اپنا خون بہایا گیا، یہ ہمارا کہنا جس طبیب سے چاہو دریافت کر، جس ڈاکٹر سے چاہو مشورہ لے لو، وہ بھی یہی بتائے گا جو ہم نے کہا۔

ایک مشہور ڈاکٹر اپنی تالیف میں لکھتا ہے کہ جسے "زرد" "دُبلا" "کمزور" وحشیانہ شکل و صورت کا پاؤ، جس کی آنکھوں میں گڑھے پڑ گئے ہوں۔ پتلیاں پھیل گئی ہوں، شرمیلا ہو، تنہائی کو پسند کرتا ہو، اس کی نسبت یقین کر لو کہ اس نے اپنے ہاتھوں اپنا خون بہایا ہے۔

ایک زبردست تجربہ کار، طبیب، اعلیٰ درجہ کے معالج اپنی تحقیق اس طرح شائع فرماتے ہیں کہ "ایک ہزار تپ دق کے مریضوں کے اسباب مرض دق پر غور کرنے سے یہ ثابت ہوا کہ ان میں سے ۸۰۶ اعورتوں سے کثرت کے ساتھ ملنے کے سبب اس مرض میں مبتلا ہوئے۔ ۴۱۴

صرف اپنے ہاتھوں اپنی قوت کے برباد کرنے کے سبب، باقی دوسرے امور بعض اسباب سے۔ ۱۲۴ پاگلوں کا امتحان کرنے سے معلوم ہوا کہ ان میں سے ۲۴ صرف اپنے ہاتھوں اپنے جسم خاص کے پٹھوں کو خراب کرنے کے سبب پاگل ہوئے اور باقی ایک سو دوسرے ہزاروں اسباب کے سبب۔

یہ آپ نے ابھی اس سے پہلے پڑھ لیا کہ جب مادۂ مخصوص پتلا ہو جاتا اور تھوڑی تھوڑی رطوبت اکثر نکلتی اور رستی رہتی ہے، تو نالی میں اس رطوبت کے رستے اور سڑنے کے سبب بسا اوقات زخم پڑ جاتے ہیں وہ زخم بڑھتے بڑھتے بڑا اثر کر ڈالتے ہیں، اوّل اوّل پیشاب میں معمولی جلن ہوتی پھر مواد آنا شروع ہوتا اور جلن بڑھتی ہے یہاں تک کہ پڑانا سوزاک ہو کر انسانی زندگی کو ایسا تلخ بنا دیتا ہے کہ اس وقت آدمی کو موت پیاری معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح ضائع کرتے کرتے مادۂ رقیق ہونے کے سبب خود بخود بلا کسی خیال کے پیشاب کے بعد یا پہلے یا پیشاب میں ملا ہوا نکل جائے گا اسی مرض کا نام جریان ہے جو تمام خرابیوں اور بہت سے شدید ترین امراض کی جان۔

"خود کردہ را علاجے نیست"

اگرچہ اس غلط کاری کے سبب جسم میں ایسی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں کہ اصلی حالت پر آنا اور پھر وہی ابتدائی کیفیت پانا دشوار ہی نہیں یقیناً ناممکن ہے، اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ خدا را بچو، ہوشیار رہو، جنون جوانی میں اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی نہ مارنا، ورنہ عمر بھر پچھتاؤ گے اس وقت ہمارا کہنا یاد آئے گا۔ سر پکڑ کر روؤ گے، اپنی جان کو کھوؤ گے

مگر ؏

نپھر پچھتادت کیا ہوئے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت؀

آج ہی سنبھل جاؤ، اس بلا کے قریب بھی نہ پھٹکو، ہوشیار ہو جاؤ اپنے آپ کو سنبھالو، ذرا صبر کرو۔

ہم تمہارے والدین سے کہتے ہیں کہ جلد تمہارا باقاعدہ نکاح کر دیں اور اگر وہ دیر کریں تو تمہیں اجازت ہے کہ تم خود بول اٹھو۔ یا خود کسی مناسب جگہ نکاح کر لو۔ لوگ اس کو بے حیائی کہیں مگر ہم نہ کہیں گے، اس ناپاک عادت سے تو بچو گے، جان سے تو ہاتھ نہ دھوؤ گے۔

اگر خدانخواستہ نصیب دشمناں کوئی شخص اس بُری عادت کا شکار ہو چکا ہے تو اسے ہمارا دردمندانہ، مخلصانہ مشورہ ہے کہ خدارا اشتہاری دواؤں کی طرف مائل نہ ہونا۔ نظر بھر کر بھی نہ دیکھنا، یہ دوسرا زہر کا پیالہ ہے جو ہونا تھا ہو لیا، سب سے پہلے سچے دل کی توبہ کرو، اور پھر کسی اچھے تجربہ کار تعلیم یافتہ طبیب کے پاس جائیے، بغیر شرمائے اسے اپنا سارا کچا چٹھا سنا دیجئے اور جب تک وہ بتائے باقاعدہ پورے پرہیز کے ساتھ اس کا علاج عمل میں لائیے، امید ہے کہ کچھ نہ کچھ مرہم پٹی ہو جائے۔

تم نے دیکھا کہ مبارک دین اسلام نے تمہیں سب سے پہلے یہ تعلیم دی کہ خدا کو حاضر و ناظر جانو۔ آج دنیا سے چھپ کر برائیاں کر بیٹھتے ہو یہ سوچ کر وہ تو دیکھ رہا ہے۔ اس سے بچ کر کہاں جاؤ گے

اس نے زنا کو حرام کیا اس کی سزا بتائی، اس نے لواطت کو حرام کیا۔ اس پر سزا معین فرمائی کہ اس دنیا میں یہ سزائیں دی جائیں تو آخرت کے عذاب سے بچ جائے۔ لیکن اپنے ہاتھوں اس انمول خزانہ کو برباد کرنا ایسا سخت گناہ ٹھہرایا گیا کہ دنیا کی کوئی سزا بھی ایسے شدید جرم کے لئے کافی نہیں ہو سکتی، جہنم کا دردناک عذاب ہی اس کا معاوضہ کا دنیا میں اس فعل ناپاک کے مرتکب کی صورت پر خدا کی ہزاروں لاکھوں پھٹکاریں۔

نَاکِحُ الْیَدِ مَلْعُوْنٌ۔ "ہاتھ کے ذریعہ اپنی قوت کو نکالنے والا ملعون ہے"

اس پر برہان قاطع و دلیل ساطع اور قیامت میں ان زانیوں سے زیادہ سخت عذاب جن پر دنیا میں حد نہ قائم کی گئی، لہٰذا اس عذاب سے بچنا اور دنیا و آخرت کو تباہ نہ کرنا۔

اپنے ہاتھوں اپنے گلے پر عورتوں کی چھری

قلم حیا کے سبب اشک ندامت بہاتا ہے، زبان کہتے ہوئے لڑکھڑاتی ہے، دنیا اس کو بے حیائی سے تعبیر کرے۔ مگر یہ حیا کا سبق ہے بے حیائی و بے غیرتی کو ناپید کرنے کے لئے یہ درد دل کا بیان ہے مدعا کی غرض سے کہنا ہے اور کیا کہنا ہے؟ وہی ایک خطاب ہے جو

نوجوان مردوں سے تھا ان عصمت کی دیویوں، ان نرم ونازک گلاب کی پتیوں سے، جن کو زمانہ کی بادِ سموم کملانے کے لئے تیار ہے جن کا چمن ابھی بہار دکھانے بھی نہیں پایا۔ ہمیں ڈر ہے کہیں خزاں کا شکار نہ ہو جائے اس لئے کہ جھونکے آرہے ہیں، فیشن پرستی اور نام نہاد آزادی حقیقۃً گناہوں کی زنجیروں میں گرفتاری اور پابندی نے ان کی تباہی اور بربادی کا بیڑا اٹھایا ہے، یورپین خواتین کے حالات سے عبرت لو

نئی تہذیب کی ہوا، بقیہ ممالک کے طبقۂ نسواں کو بھی اسی طرف دھکیلے جاری ہے۔ عفت وعصمت، شرم وغیرت آج یورپ کے زنانہ بازاروں میں ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملتی، مصر وشام کے علاقوں میں ناپید ہوتی جارہی ہے۔ ابھی کچھ تھوڑی سی ہندوستان[1] کی گلیوں یہاں کے کوچوں اور محلوں، بلکہ بعض مکانوں کی چہار دیواروں میں کہیں کہیں نظر آجاتی، کیا وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ ہم اس گرانمایہ کو یہاں بھی نہ پائیں گے۔ نوخیز نوجوان غیرمحرم لڑکیوں میں آتے جاتے ہی نہیں بلکہ ہنسی دل لگی بھی کرتے ہیں، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے نابینا کو بھی گھر کی چہار دیواری میں اپنی ازواج کے سامنے نہ آنے دیا۔

نظریں اٹھنی لگیں حالانکہ رب نے اپنے کلام میں یَغْضُضْنَ

---

[1] بھارت اور پاکستان۔

اَبْصَارَهُنَّ (عورتیں اپنی آنکھیں نیچی رکھیں) فرمایا۔ سر سے آنچل ہٹنے لگے، بدن کھلنے لگے، حالانکہ رب نے "وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ" (وہ عورتیں اپنا گھونگٹ اپنے گریبانوں میں ڈالیں) کہہ کر ان کی شرمیلی حیاؤں کو جتایا۔

پیاری بیٹیو! عزیز بہنو! تم کو بھی خدا نے وہی قیمتی جوہر عطا کیا، جو نوجوان مردوں کو دیا گیا۔ بیشک اس کا بیجا استعمال تمہاری جانوں کو بھی اسی طرح ہلاکت میں ڈال دے گا، جیسے مردوں کی جانیں ہلاک ہوتی ہیں، یقیناً تمہارے ذمہ بھی قتل کا الزام اسی طرح آئے گا جیسے مردوں کے سر آتا ہے بیشک تم کو بھی اپنی جان سے اسی طرح ہاتھ دھونا پڑے گا جیسا کہ بعض مردوں کا حشر ہوتا ہے۔

سن لو! سن لو! وہ زبردست گناہ جس کی سزا سو دُرّے جس کی سزا قتل، جس کی سزا پتھروں سے ہلاک کیا جانا، اسلام نے، یہودیت نے، عیسائیت نے، اور دنیا کے ہر مذہب نے مقرر کی، تمہارے لئے بھی ویسا ہی بڑا گناہ ہے جیسا مردوں کے لئے۔

ہاں ہاں! تم ذرا غور سے اس حدیث کو پڑھو، سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

العین زناها النظر والرجل زناها المشی والاذن زناها الاستماع والید زناها البطش	• غیرمحرم کی طرف دیکھنا آنکھ کا زنا ہے، پیروں سے اس کی طرف چلنا پیر کا زنا کانوں سے اس کا کلام سننا کان کا زنا

والسان زناھا الکلام والقلب ان یتمنٰی ویصدق ذالک او یکذب الفرج۔

ہاتھوں سے اسے پکڑنا ہاتھ کا زنا زبان سے اس کے ساتھ باتیں کرنا زبان کا زنا، دل میں اگر غیر محرم کے ناجائز ملاپ کی تمنا ہو تو دل کا زنا اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرے گی یا اسے جھٹلا دے گی"۔

یعنی اگر شرمگاہ تک نوبت پہنچی تو یہ سب گناہ بدکاری کے بڑے سخت گناہ کے ساتھ مل کر بڑے بن جائیں گے۔

کیا تم نے سنا ہے، حدیث میں آیا ہے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ

خدا غیر محرموں کو دیکھنے والوں اور جن کی طرف دیکھا جائے ان پر لعنت اور پھٹکار بھیجتا ہے۔

خدائے قدوس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے بارے میں یوں فرمایا ہے:۔

وَقُلْ للمومنات یغضضن من ابصارھن و یحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھن ولا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومن عورتوں سے فرما دیجئے کہ ذرا اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں اور اپنی سنگار نہ دکھائیں مگر جو خود کھلا ہی رہتی ہے اپنا گھونگھٹ گریبان پر ڈالے رکھیں

او ابائھن او اٰباء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخواتھن او نسائھن او ما ملکت ایمانھن او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا علیٰ عورات النساء ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن وتوبوا الی اللہ جمیعاً۔

اپنا بناؤ سنگار سوائے اپنے شوہر یا باپ یا خسر یا سگے بھائی یا سگے بھتیجوں یا بھانجوں یا عورتوں یا غلاموں یا ایسے کمیرے مردوں جو اس سے کچھ غرض نہیں رکھتے یا اپنے بچوں کے سوا جن کو ابھی عورتوں کے اسرار کی خبر ہی نہیں کسی کو نہ دکھائیں نیز اپنا چھپا ہوا سنگار دکھانے کے لئے پاؤں سے دھمک نہ دیں، سب کے سب مل کر اللہ سے توبہ کریں۔

یہ اتنا زبردست ہدایت نامہ تمہارے ہی حق میں نازل ہوا! تم کو اس قدر احتیاطیں کیوں بتائی گئیں؟ اس لئے کہ تم پر نسل انسانی کی بقاء و تحفظ کا دار و مدار تم میں اگر ذرا سی بھی کوئی خرابی آئی تو نسلیں کی نسلیں اور قومیں کی قومیں تباہ و برباد ہو جائیں گی تمہاری عادتیں، تمہارے اخلاق، تمہاری اولادیں فطرۃً اخذ کرنے والے۔ تم جس طرح سدھاؤ گی وہ اسی طرح سدھیں گے۔ جس حال میں تم کو دیکھیں گے، اسی کی نقل وہ بھی کریں گے تم پڑھ لو، اچھی طرح سمجھ لو کہ عفت و عصمت جیسا قیمتی زیور اور جواہرات اخلاق میں اس

سے بہتر جو ہر دنیا کے پردہ پر کوئی نہیں۔"

تمہیں تو ایسی تہمت اور فتنہ کی جگہ سے بھی بچنے کی ضرورت حدیث میں آیا۔

اتقوا مواضع التھم۔ "اس جگہ سے بچے ہی رہو جہاں تہمت لگنے کا اندیشہ ہو۔"

تمہیں پہلے ہی سے بتایا گیا ہے :۔

لا یخلون رجلا و المرأۃ الا کان ثالثہا الشیطان "ہوشیار رہنا! مرد و عورت اگر تنہائی میں کسی جگہ ہوتے ہیں تو ان میں تیسرا ایک شیطان ضرور ہوتا ہے"

یہ یاد رکھو کہ شیطان وہی ہے جو برائی کی طرف لے جاتا ہے۔

الشیطان یعدکم الفقر • و یامرکم بالفحشاء "شیطان محتاجی کی طرف بلاتا اور بے حیائی کے بیہودہ کاموں ہی کا حکم کرتا ہے۔"

مرد تو مرد عورتوں کے ساتھ بھی ایسی خلوت کہ وہ تمہارے چھپے ہوئے بدن کو دیکھیں، تمہارے لئے ممنوع، بلکہ حدیث میں صاف آیا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اور مردوں عورتوں کے لئے ایک حکم سنایا۔

لا ینظر الرجل الی عورۃ الرجل و المرأۃ الی عورۃ المرأۃ ولا یفضی الرجل الی الرجل فی ثوب واحد ولا یفضی المرأۃ الی المرأۃ فی ثوب واحد "کوئی مرد کسی عورت کے ستر کی طرف اور کوئی عورت کسی مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور ایک مرد دوسرے مرد کے ساتھ اور ایک عورت دوسرے عورت کے ساتھ ایک کپڑا اوڑھ کر لیٹیں۔"

قربان جائیے اس طبیب امت حکیم ملت، نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جنھوں نے عورت کو عورت کے ساتھ بھی ایک بستر پر ایک چادر میں راحت کرنے سے منع فرمایا۔ مردوں میں جس طرح اس حرکت سے قوم لوط کے ناپاک عمل کا اندیشہ، عورتوں میں بھی اسی فتنہ کا ڈر۔ اور جو نقصان طبی و دینی مردوں کی اس ناپاک حرکت سے پیدا، وہی عورتوں کی شرارت و خباثت سے ہویدا۔ جس طرح مرد کے جسم کے لئے عورت کے جسم خاص کے سوا دوسری کوئی چیز مناسب ہو ہی نہیں سکتی فطرت کے قاعدہ کے توڑنے کا نتیجہ اگر مردوں میں یہ ہوگا، کہ جسم خاص کی رگیں پٹھے دب کر ہمیشہ کے لئے خراب و برباد ہو جائیں۔ عورت کا جسم اس سے بھی زیادہ نازک و لطیف و ذرا سی بیجا رگڑ اور ناموزوں حرکت سے عمر بھر کے لئے بالکل نکما ہو جائے گا۔ اپنے ہاتھ کی انگلیاں اور کوئی چیز یا محض اوپری رگڑ اور غیر معمولی حرکت جسم کی حالت ہر صورت میں تباہ کرنے والی، اور عمر بھر کے لئے بیکار بنانے والی پہلا صدمہ نرم و نازک جھلی میں خراش پیدا کر کے ورم لائے گا۔ اس ورم کے سبب بار بار خواہش پیدا ہوگی۔ بار بار کی حرکت سے مادہ نکلتے نکلتے پتلا ہوگا اور دماغ کے پٹھوں پر اثر پہنچ کر خفقان و جنون کے آثار نمودار ہوں گے۔ دوسری طرف اپنا خون اس انداز سے

بہانے کے سبب قلب کمزور ہو، بیہوشی کے دورہ پڑیں، وہ جن اور بُھوت پریت جو رات دن گھر گھر آفت ڈھاتے رہتے ہیں[1]، یہ پتلا مادہ ہر وقت تھوڑا تھوڑا رستے رستے مقام کو گندا بنا کر سڑائے گا، اس میں زہریلے کیڑے پیدا ہوں گے زخم بھی ہو جائے تو کچھ تعجب نہیں، پیشاب کی جلن اس کی خاص علامت، مادّہ کا ہر وقت بہنا، تمام پٹھوں اور عضلات کو ڈھیلا بنا کر معدہ، جگر، گردہ سب کا فعل خراب کرے گا اور "سیلان الرحم" کا مرض جو اس زمانہ میں بلائے عام اور وبائے خاص بنا ہوا ہے، گھر کریگا، آنکھوں میں حلقہ، چہرہ پر بے رونقی، ہر وقت کمر میں درد، بدن کا لجلجا پن۔ ذرا سے کام سے چکرانا، دل گھبرانا، بات بات میں چڑچڑا پن، تمام بدن کا ہر وقت نڈھال رہنا، آخر خفیف حرارت کا بڑھتے بڑھتے پرانا بخار بننا، اور تپ دق کے مرض لا علاج میں گرفتار ہو کر موت کا شکار ہونا اس ناپاک حرکت کے نتائج ہیں۔ بعض بے سمجھ مردوں کی طرح شاید اس خبیث عادت میں مبتلا، عورتوں نے بھی یہ خیال کر رکھا ہوگا کہ اس میں کوئی گناہ نہیں۔ حاشا حاشا، یوں کہو کر غیر محرم سے ملنا ایسا گناہ جس کی سزا سو دُرّہ یا سنگساری، کہ اس گناہ کے سبب اگر یہ سزا دُنیا میں مل گئی تو آخرت کے عذاب سے نجات ہوئی مگر اپنے آپ یا دوسری عورتوں کے ذریعہ شرمناک صورت اختیار کرنا ایسی سخت مصیبت میں ڈالتا ہے کہ اس کی سزا کے لئے دنیا کا کوئی بدترین عذاب بھی کافی نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے جہنم کے وہ دہکتے ہوئے انگارہ اور دوزخ

[1] وہ جن اور بھوت پریت۔ درحقیقت اس بدعملی کے جو عورت اور مرد ناپاک حرکت سے پیدا ہوتے ہیں۔

کے وہ ڈراؤنے زہریلے سانپ اور بچھو ہی سزا ہیں جن کی تکلیف جاری اور باقی رہے۔

صاحب شریعت عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے تو صاف بتا دیا کہ

السحاق بین النساء زنا بینھن	"عورتوں کا آپس میں (خاص صورت سے) ملنا ان کا آپس کا زنا ہے"

پھر تاکید فرمائی کہ:۔

لَاتزوج المرأۃ المرأۃ ولاتزوج المرأۃ نفسھا فان الزانیۃ التی تزوج نفسھا	"نہ عورت عورت کے ساتھ مقاربت کرے نہ عورت اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو خراب کرے کیونکہ جو عورت اپنے ہاتھوں اپنے آپ خراب کرتی ہے وہ بھی یقیناً زانیہ ہے"

غیب کی خبریں لانے والے، چھپی باتیں بتانے والے آئندہ واقعات سنانے والے اس زمانہ کا نقشہ کھینچ کر بتا گئے۔ آج ہم احکام دین بتلانے میں شرمائیں تو یہ شرم نہیں بے حیائی ہے۔

جو اس کو چھپانا چاہیں وہ بے حیا کل خدا کو کیا مُنہ دکھائیں گے دیکھو! دیکھو! اس زمانہ کا پورا خاکہ دیکھو! ایک ایک بات کو برابر کر لو اور خدا کے غضب اور عذاب سے ڈرو۔ حضورؐ فرماتے ہیں:۔

عشر خصال عملھا قوم لوط	"دس عادتیں ہیں جنھیں قوم لوط نے

بها اهلكو وتزيدها امتي خصلتة ايتان رجل بعضهم بعضا (۱) ميهم بالجلاهق والخذف و لعبهم بالحمام وضرب الدفوف وشرب الخمور وقص اللحية وطول الشارب والصفير والتصفيق ولباس الحرير وتزيدها امتي خصلة ايتان النساء بعضهن بعضا۔

اختیار کیا اور اسی لئے وہ ہلاک کر دی گئی۔ میری اُمّت ان دس پر ایک اور زیادہ کرے گی (۱) مردوں کا مردوں کے ساتھ بدفعلی کرنا (۲) غلیل بازی کرنا (۳) گولیاں کھیلنا (۴) کبوتر بازی کرنا (۵) ڈھول باجے بجانا (۶) شرابیں پینا (۷) ڈاڑھی منڈوانا یا کتروانا (۸) مونچھیں بڑھانا (۹) سیٹی اور تالی بجانا (۱۰) مردوں کا ریشم پہننا اور میری اُمّت ایک عادت اور زیادہ کرلے گی کہ عورتیں عورتوں سے خاص طریق پر ملیں گی:۔

آج اور لوگوں کو خبر ہو یا نہ ہو، مگر ہم جانتے ہیں۔ واقعات ہمارے سامنے ہیں کہ لڑکیوں کے بعض مدرسوں میں کیا ہو رہا ہے ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ گھر کی چہار دیواریوں میں بند ہوکر، کوٹھریوں میں چھپ چھپ کر کس طرح نسل انسانی کا خون بہایا جا رہا ہے:۔

یا اللہ ہماری آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں، ہمارے کان کیا سُن رہے ہیں، جنون جوانی نے مرد و عورت دونوں کو دیوانہ بنایا ہے، حیا تو شرم کے مارے اپنا مُنہ چھپائے کسی گوشہ کوہ، یا کنار دریا پر جا بیٹھی

شرم و غیرت حیا کے سبب، پردہ سے باہر ہی نہیں آتی ؛

الٰہی! رحم فرما۔ ہمارے بچّوں اور بچیوں کو عقل دے شعور دے کہ وہ اپنے بھلے بُرے کو سمجھیں۔ خداوندا! انھیں ایمان دے، اپنا خوف دے۔ کہ وہ دین و مذہب کو جانیں، اس کے احکام کو پہچانیں، تیری مرضی کے مطابق چلیں، اور تیری رضامندی کی طلب میں مریں۔ وما توفیقی الا من عند اللہ العلی الاعلیٰ وصلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیٰ حبیبہ ونبیہ سیدنا ومولٰینا محمد المصطفیٰ وعلیٰ آلہ وصحبہ اھل التقی والنقی وانبہ وحزبہ فی ما مضی وفی ما بقی ؛

تمت بالخیر

———✻✻✻———

(کتبہ، ابو محمد حسینی تلمیذ مرجع رقم)

شاہ عبد العلیم صدیقیؒ

اور

جارج برنارڈ شا

○ — غلام یٰسین منہاس

○ — سیّد طارق علی

مختصر حالاتِ زندگی

شیخ التبلیغ حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ موجودہ صدی کے مبلغِ اسلام اور عظیم مفکر گذرے ہیں۔ جن کی شبانہ روز کاوشوں سے برّاعظم افریقہ یورپ اور مشرقی ایشیا میں شمعِ اسلام روشن ہوئی۔ سب سے پہلے آپ ہی نے دنیائے اسلام میں قادیانیت کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کا سدِّباب کیا۔ جس سے تقریباً ایک لاکھ سے زائد غیر مسلم و مرتدین حلقۂ بگوش اسلام ہوئے۔

آپ ۳ر اپریل ۱۸۹۲ء میں میرٹھ (یوپی) کے معروف عالمِ دین حضرت مولانا شاہ عبدالحکیم کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم عربیہ قومیہ (میرٹھ) میں داخل ہوئے۔ سولہ سال کی عمر میں درسِ نظامی پاس کیا۔ پھر علومِ جدیدہ کے حصول کے لئے اوڈیاوہ ہائی اسکول سے میٹرک کرنے کے بعد ڈویژنل کالج میرٹھ سے ۱۹۱۷ء میں امتیازی حیثیت سے بی اے کیا۔ میرٹھ کالج کی طالب علمی ہی کے زمانہ میں آپ نے "برما مسلم ایجوکیشنل کانفرنس" کی صدارت کی۔ اور اس موقعہ پر آپ نے جو معرکۃ الآراء خطبہ صدارت دیا وہ برما، ملایا، سیلون اور انڈونیشیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچا۔

۱۹۱۹ء میں زیارت حرمین شریفین کے لئے حجاز تشریف لے گئے اور واپسی پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ اعلیٰ حضرت بریلوی کے علاوہ آپنے حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی (لکھنؤ) حضرت شیخ احمد الشمس (مراکش) اور حضرت شیخ السنوسی (لیبیا) سے بھی روحانی فیض حاصل کیا۔ اعلیٰ حضرت بریلوی نے آپ کو چاروں سلاسل میں خرقہ خلافت پہنا کر بیرونی ممالک میں جانے کا حکم دیا۔

آپ نے تقریبًا پینتیس ۳۵ برس تک (۱۹۱۹ء تا ۱۹۵۴ء) یورپ افریقہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور جنوبی ایشیا کے متعدد ملکوں میں تبلیغ اسلام کی ان ممالک میں تعلیمات اسلامیہ کو عام کرنے کے لئے آپنے ہر پہلو پر توجہ دی متعدد مساجد و مدارس تعمیر کرواتے جن میں حنفی جامع مسجد کولمبو سلطان مسجد سنگاپور، مسجد ناگریہ ٹوکیو۔ اسلامی کتب خانہ نائجیریا اور عربک یونیورسٹی ملایا بہت مشہور ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ آپنے کئی ممالک سے مختلف جرائد و رسائل جاری کرواتے۔ جن میں پاکستان نیوز، مسلم ڈائجسٹ ٹرینی ڈاڈ مسلم اینول (لاطینی امریکہ) سٹار آف اسلام (کولمبو) دی جینئن اسلام (سنگاپور) خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

۱۹۲۳ء میں آپ مسلمانانِ سیلون کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے اس وقت وہاں کے مسلمانوں میں بہت زیادہ مذہبی انتشار تھا۔ آپنے وہاں پہنچ کر مسلمانوں کو متحد کیا اور ان کی مختلف متحارب جماعتوں کو توڑ کر ایک جماعت میں متشکل کیا۔ اسی دوران سیلون حکومت کے ایک عیسائی وزیر (مسٹر ایف

سکگن بری) نے اسلام قبول کیا۔

۱۹۲۴ء میں جب تمام اسلامی ممالک سیاسی بحران میں گھرے ہوتے تھے تو ان کے مسائل کو حل کرنے کے لیے جو کانفرنس "مسلم کانگریس یروشلم" کے نام سے منعقد ہوئی اس میں حکومت مکہ کی طرف سے آپ ہی کو نمائندہ بنا کر بھیجا گیا۔

۱۹۲۸ء میں آپ دوبارہ سیلون کے مسلمانوں کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے وہاں پہنچ کر آپنے اسٹار آف اسلام کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ جس کی ادارت اپنے شاگرد مسٹر موشی جے مجید کو سونپی۔

یہاں سے فارغ ہو کر آپنے جنوب مشرقی ایشیائی ممالک کا بہت طویل دورہ کیا۔ ان ممالک میں مسلمان برائے نام مسلمان رہ گئے تھے انہوں نے مرزائیت اور عیسائیت کے اثرات کو بہت حد تک قبول کر لیا تھا۔ ان تمام ممالک سیلون، برما، انڈونیشیا فرانسیسی ہند چینی، ملایا، جاپان اور سنگاپور میں قیام فرما کر عیسائی مشنریوں کے اثرات کو ختم کرنے اور مسلمانوں کو صحیح مسلمان بنانے کے لئے زبردست کوششیں کیں جن کے نتیجہ میں اٹھارہ ہزار سے زیادہ مسلمان جو عیسائی یا قادیانی بن گئے تھے دوبارہ راہِ اسلام پر گامزن ہوتے، اسی طویل دورہ میں آپ نے برما میں "انجمن نوجوانانِ برما" قائم کی۔ سنگاپور کے قیام کے دوران مشہور انگریزی رسالہ "THE ISLAM GENUINE" اپنے شاگرد ڈاکٹر ایچ ایس منشی کے زیر ادارت جاری کیا۔ اور "آل ملایا مشنری سوسائٹی" اپنے ایک اور شاگرد سید ابراہیم الشگوف کے زیر قیادت قائم کی۔

۱۹۳۶ء میں ایک بار پھر جنوب مشرقی ایشیا کا دورہ کیا۔ اس دوران آپ نے فرانسیسی، ہند چینی، یورپین چین (ہانگ کانگ) شنگھائی اور پکنگ میں زیادہ عرصہ قیام کیا، جاپان کے مشہور شہر "کعب" کی جامع مسجد کمیٹی اور اُورنٹیل کلچرل سوسائٹی" کے زیر اہتمام آپ نے مختلف اجتماعات اور مجالس سے خطاب کیا۔ اس کے بعد آپ مصر تشریف لائے اور یہاں اخوان المسلمین کے بانی حسن البناء مرحوم کے ہاں مہمان ٹھہرے اور ان کی معیت میں پورے مصر کا دورہ کیا اور مختلف اجتماعات مجالس اور دینی پروگراموں میں حصہ لیا۔ اس کے بعد آپ شام، عراق، لبنان اور پھر ترکی تشریف لائے۔ اس کے بعد یورپ کا دورہ کیا۔ روم میں قیام کے دوران آپ نے پاپائے روم کو ایک یادداشت بھی پیش کی جس میں انھیں دعوت دی کہ وہ دہریت کے خلاف ان کی (مہم) مہم میں شریک ہوں۔ روم کے قیام کے بعد سپین، جرمنی اور پھر ہالینڈ تشریف لے گئے۔ شکاگو کے قیام کے دوران آٹھ امریکی مسلمان ہوئے، ایک دن نیویارک کے سٹی ہال میں آپ نے اسلام کی حقانیت کے موضوع پر بہت فاضلانہ تقریر کی اور جلسہ برخاست ہوتے ہی ۱۹۲ امریکیوں نے اسلام قبول کیا جس میں مشہور سائنسدان مسٹر جارج اینٹن ہیوف اور ان کی بیگم شامل تھیں واشنگٹن میں مختلف تعلیمی اداروں میں لیکچر دیئے۔ اور ۲۰ انگریز پنیر کو بمعہ ان کے اہل و عیال مسلمان کیا۔ مشی گن یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے مسلمان ہونے کے بعد آپ کی زیر سرپرستی ایک اسلامی میگزین "اسلامی دنیا" ISLAMIC THE WORLD AND U.S.A.

اور امریکہ" کے نام سے جاری کیا، جواب بھی شائع ہوتا ہے۔ کنیڈا میں گیارہ علمی اداروں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں لیکچر دیئے۔ مونٹریال میں بھی کافی عرصہ تک قیام کیا۔ ۱۹۳۵ء میں آپ نے جنوبی افریقہ کا دورہ کیا۔ یہاں آپ نے " WITH WATERS RAND " یونیورسٹی میں متعدد بار خطاب کیا۔ اس کے بعد زنجبار، دارالسلام اور ممباسہ تشریف لے گئے یہیں ۱۷ اپریل ۱۹۳۵ء کو مشہور انگریز مفکر ڈاکٹر جارج برنارڈ شا کے ساتھ اسلام اور عیسائیت کے موضوع پر مکالمہ ہوا۔ جس کے اختتام پر ڈاکٹر برنارڈ شا نے کہا "مجھے افسوس ہے کہ مجھے زیادہ دیر تک آپ سے گفتگو کا موقع نہ ملا"۔ یہیں فرانسیسی گورنر مسٹر مردات نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا اور اسی کے توسط سے آپ نے مراکش کے مشہور لیڈر غازی عبدالکریم سے قید میں ملاقات کی۔ یہاں سے آپ نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا تشریف لے گئے اپنے شاگرد مسٹر عزیز احمد عباسی کو نیوزی لینڈ میں اور ڈاکٹر محمد عالم کو آسٹریلیا میں تبلیغی امور پر مامور کیا۔

جہاں آپ پوری دنیا میں تبلیغ اسلام میں مصروف رہے وہیں آپ برصغیر کی سیاست اور دو قومی نظریئے کی بقاء کی تحاریک سے بھی ہرگز غیر متعلق نہیں رہے۔ تحریکِ پاکستان سے قبل آپ نے بین الاقوامی سطح پر فلسطین، کشمیر و دیگر مظلوم قوموں کی حمایت میں آواز بلند کی۔

۱۹۴۵ء میں ہندوستان میں جو زبردست فسادات ہوئے اس سلسلے میں آپ نے پنڈت نہرو سے ملاقات کی۔ اور ہندوؤں کے رویئے

کے خلاف سخت احتجاج کیا، بمبئی اور مدارس میں تقریریں اور تنظیم کرکے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی۔

۱۹۳۶ء میں بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس میں شرکت فرماکر تحریک پاکستان کی بانگِ دہل حمایت فرمائی۔ ملک کے طول و عرض میں مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔ اسی سال حج کے موقع پر مسلم لیگ کی طرف سے سعودی عرب تحریکِ پاکستان کے سلسلہ میں تشریف لے گئے اور یہیں آپ نے "رابطہ اسلامیہ ہند" کے رئیس وفد اور ملایا، مشرقی و جنوبی افریقہ اور جزائر شرقیہ کے مندوب کی حیثیت سے سعودی حکومت کی طرف سے حجاج پر عائد کردہ ٹیکسوں میں تخفیف کروائی اور حجاج کی مزید سہولتوں کے لئے سلطان عبدالعزیز بن سعود سے مذاکرات کئے۔ ان مذاکرات کی تفصیل "البیان" کے نام سے عربی میں شائع ہوئی تھی۔ جس کا ابتدائیہ اخوان المسلمین کے بانی حسن البنا و (مصر) نے لکھا انھوں نے حضرت شاہ عبدالعلیم کی خدمات کا برملا اعتراف ان الفاظ میں کیا۔

"کما کان من فضل اللہ و توفیقہ ان التقینا منزعامین فی الارض المقدسۃ وعند البیت العتیق لصاحب الفضیلۃ و الداعیۃ الاسلامیۃ الشیخ محمد عبدالعلیم الصدیقی.......... و نحن نسال اللہ تبارک و تعالٰی ان یجزی الاستاذ المفضال

الشیخ محمد عبدالعلیم الصدیقی عن المسلمین عامۃ خیر الجزا۔"

"اللہ تعالٰی کے فضل و کرم سے دو سال ہوئے ہماری ملاقات ارضِ مقدس میں بیت اللہ شریف کے پاس صاحب فضیلت مبلغ اسلام الشیخ محمد عبدالعلیم صدیقی سے ہوئی...... ہم اللہ تبارک تعالٰی سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالٰی صاحب فضیلت استاد شیخ محمد عبدالعلیم صدیقی کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔"

آپ کی انہی خدمات پر مدینہ منورہ کے لوگ آپ کو "الطبیب الھندی" کے نام سے پکارتے تھے۔ قیام پاکستان کے وقت بھی آپ غیر ملکی دورے پر تھے قائدِ اعظم نے حضرت شاہ عبدالعلیم کو پاکستان کی پہلی نمازِ عید الفطر پڑھانے کے لئے قائدِ ملت خان لیاقت علی خاں کو کہا اور آپ نے وطن پہنچ کر پہلی نمازِ عید الفطر کا خطبہ ارشاد فرمایا جس میں نوزائیدہ مملکت میں نفاذِ شریعت پر زور دیا۔

۱۹۳۹ء میں سنگاپور میں تنظیم بین المذاہب کے نام سے آپ نے ایک ادارے کی بنیاد ڈالی اور تمام دنیا کے عیسائی، یہودی، بدھمت اور سکھ مذاہب کے پیشواؤں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرکے لادینیت کا قلع قمع کرنے کی اپیل کی۔ تمام مذاہب کے رہنماؤں کی اس مشترکہ کانفرنس میں آپ کو HIS EXAITED EMINUNCE کا خطاب دیا گیا۔ نیز مصر

میں "تنظیم بین المذاہب الاسلامی کے نام سے مختلف مکاتب فکر کی ایک تنظیم قائم کی۔

پاکستان میں کچھ دیر رہ کر سن ۱۹۵۰ء میں آپ نے پوری دنیا کے ممالک کا تبلیغی دورہ کیا جس میں برما، ملائشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، ویت نام چین، جاپان، فلپائن، سیلون، مارشیس، مڈغاسکر، جنوبی افریقہ، پرتگال مشرقی افریقہ، کینیا، تنزانیہ، یوگنڈا، بلجیم، کانگو، حجاز، مصر، شام فلسطین، عراق، فرانس، برطانیہ، جزائر غرب الھند، گی آنا، امریکہ اور کینیڈا شامل ہیں۔

آپ کی دینی مساعی سے بورنیو کی شہزادی HER HIGHNESS PRINCESS GLADYSPLAMER of SARAWARK STATE BORNE ماریشس (جنوبی افریقہ) کے فرانسیسی گورنر مسٹر مروات GOVERNOR MERWATE TIFEFRNCHSTATES MAN طرینی ڈاڈ (لاطینی امریکہ) کی خاتون وزیر DONAWA FATIMA MURIFS سیلون کے عیسائی وزیر مسٹر الیف کنگن بری نے اسلام قبول کیا۔ ان کے علاوہ بے شمار پروفیسرز، سائنسدان اور مختلف طبقہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے غیر مسلموں نے آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ انڈونیشیا کے بانی و صدر احمد سوئیکارنو۔ شمالی نائیجیریا کے وزیر اعظم احمد دبیلو شہید آپ ہی کے مرید تھے، ان کے علاوہ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح، مراکش کے غازی عبد الکریم، فلسطین کے مفتی اعظم سید امین الحسینی، اخوان المسلمین کے بانی

حسن البناء، سیلون کے آنریبل جسٹس ایم صروانی کولمبو کے آنریبل جسٹس ایم ٹی اکبر سنگاپور کے ایس۔ این۔ دت اور مشہور انگریز ڈرامہ نویس اور فلسفی ڈاکٹر جارج برنارڈ شا آپ کی علمی و روحانی شخصیت کے زبردست مداح تھے۔

۲۲ر اگست ۱۹۵۴ء کو دنیائے اسلام کے یہ عظیم مفکر او مبلغ مدینہ منورہ میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اور جنت البقیع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قدموں میں دفن ہوئے۔

حضرت مولانا شاہ عبد العلیم کی انگریزی، اُردو اور عربی میں تصانیف:۔

1. THE PRINCIPLES OF ISLAM.
2. ELEMENTARY TEACHINGS OF ISLAM.
3. THE STATUS OF WOMAN IN ISLAM.
4. QUEST FOR HAPPINESS.
5. FORGOTTON PATH OF KNOWLEDGE.
6. HOW TO FACE COMMUNINSM.
7. SPIRITUAL CULTURE IN ISLAM.
8. ISLAM ANSWERES TO CHALLENGE OF COMMUNISM.
9. SCIENTIFIC INVENTIONS IN ISLAM.

Scanned by CamScanner

(۱) ذکر حبیب (۲) بہار شباب (۱۲) کتاب التصوف (۱۳) احکام رمضان (۱۴) روحانیت اور حصول علوم ظاہری کے حقوق (۱۵) مج ٹیکس (۱۶) المرآۃ (عربی) یہ کتاب قادیانیت کے رد میں ہے اور اس کا ترجمہ دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں ہو چکا ہے۔ مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل دینی ادارے بھی قائم کئے۔

(۱) انٹرنیشنل اسلامک مشنریز گلڈ (جنوبی افریقہ)
(۲) سرنیام مسلم ایسوسی ایشن (جنوبی امریکہ)
(۳) دی ورلڈ اسلامک مشن بریڈفورڈ (برطانیہ)
(۴) حنفی مسلم سرکل پریسٹن (برطانیہ)
(۵) آل ملایا مسلم مشنری سوسائٹی (ملائشیا)
(۶) حلقہ قادریہ علیمیہ اشاعت اسلام (سیلون)
(۷) ینگ مین مسلم ایسوسی ایشن (گی آنا)
(۸) مسلم ایجوکیشن ٹرسٹ کالج۔ جارج ٹاؤن (امریکہ)
(۹) علیمیہ مشن کالج (مارشیس)
(۱۰) دارالعلوم علیمیہ (مارشیس)
(۱۱) حلقہ قادریہ علیمیہ اشاعت اسلام (مارشیس)
(۱۲) قادریہ اسلامک ورکرز گلڈ (مارشیس)

آج کل ان اداروں کی سرپرستی آپ کے فرزند ارجمند مجاہد ربانی قائد اہلسنت حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی مدظلہ فرما رہے ہیں۔

شیخ التبلیغ

"حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور زمانہ نقاد، فلاسفر اور ڈرامہ نگار ڈاکٹر جارج برنارڈ شا کے ساتھ "اسلام اور عیسائیت" کے موضوع پر کینیا (جنوبی افریقہ) کے شہر ممباسہ میں ہونے والے مکالمے کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے جسے الفاظ میشن سینٹر آف دی انٹرنیشنل اسلامک مشنریز گلڈز نے انگریزی میں۔

A SHAVIAN AND A THEOLOGIAN

کے نام سے شائع کیا تھا۔ اور اس کا ترجمہ جناب سید طارق علی ایم اے نے کیا تھا۔ ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی نے مارچ ۱۹۷۲ء کے شمارے میں اسکو شائع کیا اس کا عکس اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ التبلیغ مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی القادری جب ممباسہ کے دورے پر گئے تو انہوں نے دنیا کے ممتاز عالم برنارڈ شا سے جن کا تعلق آئرلینڈ سے تھا ملاقات کی۔ برنارڈ شا اس وقت تعطیلات کے لئے جنوبی افریقہ جاتے ہوئے ممباسہ سے گزر رہے تھے۔ یونین کیسل لائنز لنتھگو (THGOW INL) نامی بحری جہاز جس سے برنارڈ شا سفر کر رہے تھے تین دن کے لئے جزیرے کے کنارے رکا اور وہ ممباسہ کے ریزیڈنٹ مجسٹریٹ کے مہمان بنے۔ جس سے برنارڈ شا کی دور کی رشتے داری بھی تھی۔

ملاقات کے لئے جب مولانا صاحب ١٧ راپریل ١٩٣٥ء بروز بدھ بوقت صبح مجسٹریٹ کے بنگلے پر پہنچے تو شاہ عبدالعلیم صدیقی کے خیر مقدم کے لئے خود برنارڈ شا باہر آگئے۔ جارج برنارڈ شا درمیانہ قد اور مضبوط جسم والی مؤثر اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ جب وہ باہر آتے تو اُن کے چہرے پر وہ واجبی سی مسکراہٹ نہیں تھی جو محض ہونٹوں کے کناروں تک محدود رہتی ہے۔ بلکہ اُنھوں نے خوشی اور گرمجوشی سے بھرپور خیر مقدمی قہقہے کے ساتھ مولانا کا استقبال کیا۔ سچ پوچھئے تو برنارڈ شا "شیوین" نہیں لگ رہے تھے۔ جیسا کہ ان کے بارے میں مشہور ہے بلکہ انہوں نے شیو تک نہیں کیا تھا اور ان کے چہرے پر لہلہاتی ہوئی داڑھی ان تمام باتوں کی نفی کر رہی تھی جو برنارڈ شا کے بارے میں کہی جاتی ہیں۔ سوائے اپنی داڑھی، سر کے بال اور پلکوں کی رنگت کے جو بڑی عمر کی چغلی کھاتی تھیں برنارڈ شا نوجوان دکھائی دے رہے تھے۔

دوسری جانب مولانا اپنے باوقار عربی لباس میں نسبتاً کم عمر دکھائی دے رہے تھے۔ کیونکہ ان کی عمر ۴۳ سال تھی۔ ذہنی مشقت نے انھیں وقت سے پہلے بڑھاپے کی طرف مائل کر دیا تھا۔ مولانا صاحب اپنی کار سے باہر تشریف لائے، دونوں کے درمیان سلام وغیرہ کا دل خوش کن تبادلہ ہوا جس کے بعد مولانا صاحب بولے کہ انھیں برنارڈ شا سے مل کر بے انتہا خوشی ہوئی ہے۔ جارج برنارڈ شا نے فوراً کہا کہ وہ ان کے تبلیغی دوروں اور اسلام کی ترویج کے بہترین طریقوں کے متعلق بہت کچھ سن چکے ہیں۔ انھیں مولانا سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ اور یہ واقعی بہت ہی حسین اتفاق ہے کہ وہ دونوں ایک مقام پر ایک ہی وقت میں اکٹھے ہوئے ہیں۔

بعد ازاں دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ بڑی دلچسپ تھی۔ جس کی خصوصیت یہ تھی کہ معمول کے خلاف برنارڈ شا نے سوالات کئے اور پھر بڑے ادب اور پوری توجہ سے مولانا کے فکر انگیز، معلوماتی اور اطمینان بخش جوابات سنے۔ ممکن ہے کہ اس بحث کے بالواسطہ ذکر سے اس کی شخصی نوعیت جاتی رہے لہٰذا ہم یہاں دونوں بزرگوں اور عالموں کے سوال و جواب جوں کے توں نقل کرتے ہیں۔

"جارج برنارڈ شا:

مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی گوناگوں مصروفیات کے باعث گذشتہ شب آپ کا لیکچر نہ سن سکا۔ حالانکہ مجھے آپ کو سننے کا خاصہ اشتیاق تھا۔ آپ نے "فلسفہ امن" پر تقریر کی حالانکہ ایک مسلمان کی حیثیت سے آپ

کے لئے زیادہ مناسب یہ تھا کہ آپ "فلسفۂ جنگ" پر روشنی ڈالتے کیونکہ بلاشبہ اسلام تلوار کی نوک سے پھیلا ہے۔

مولانا عبد العلیم صدیقی صاحب:

اسلام کے بارے میں یہ غلط فہمی عام ہے۔ کل رات ہی میں نے اس مسئلے پر روشنی ڈالی تھی اور مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہے۔ یہ داستان جس کا جھوٹ اب بے نقاب ہو چکا ہے آپ جیسے عالم کی زبان پر آئی ہے۔ تاہم مختصراً میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اسلام کے لفظی معنی خود امن کے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کا مصدقہ ریکارڈ اپنی پوری صحت کے ساتھ قرآن و حدیث کی صورت میں موجود ہے جو واضح طور پر اعلان کرتے ہیں کہ اسلام میں تلوار کا استعمال اس صورت میں جائز ہے جب مسلمانوں پر حملہ کیا جائے اور انہیں اپنے دفاع میں تلوار اٹھانی پڑے۔ علاوہ بریں قرآن صاف طور پر کہتا ہے۔

"اسلام میں زبردستی نہیں ہے"

قرآن کی یہ آیت مذہبی معاملات میں کسی قسم کی طاقت یا دباؤ کے استعمال کو ممنوع قرار دیتی ہے، اصولی طور پر میں تو مسیحی عیسائیت کی تعلیمات کے بارے میں بھی یہی رائے رکھتا ہوں کیونکہ ہماری عقل یہی کہتی ہے کہ ایسے انکشافات جو روحانی ذریعے سے پیدا ہوئے ہیں عقائد کے معاملے میں ہر قسم کے تشدد کو منع کریں گے اور ان کو عقلی دلائل کے ذریعے پھیلایا جائے گا۔

اسلام اپنی تبلیغ کا جو راستہ بتلاتا ہے اور جس کی وجہ سے یہ ساری

دنیا میں پھیلا ہے وہ قرآن کی زبان میں کچھ یوں ہے۔

"بڑے پیار و محبت اور سمجھداری سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤ اور بڑے مفاہمانہ طریقے سے اختلاف کرو"

"تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ ۳۲۵ء میں قسطنطنیہ کی بلائی ہوئی کونسل آف نائسس میں "حضرت عیسٰی کو قرار دیا گیا تھا۔ اور حضرت عیسٰی کے بارے میں اس عقیدے کو مسلط کرنے کے لئے نہ صرف یورپ بلکہ بیت المقدس میں ہزاروں بے گناہوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔ جنھوں نے اس نظریئے کو ماننے سے انکار کر دیا تھا مگر ان تمام باتوں کے باوجود جو کچھ ہوا میں اس کا ذمہ دار مسیحی عیسائیت کو نہیں ٹھہراتا۔ تاہم ان باتوں کے ذمہ دار چرچ کے وہ نمائندے ہیں جو اپنی طاقت اور لڑائی کے ذریعے ان کے دل جیتنا چاہتے تھے۔

اسی طرح صلیبی جنگیں بھی چند مفاد پرست لوگوں کی سازش کا نتیجہ تھیں جنھوں نے جان لیا تھا کہ اسلام کی طرف سے ایک خدا کی تبلیغ ان کے وجود کے لئے خطرہ ہے اور اس سے ان کے مذہبی اختیارات پر ضرب پڑتی ہے اسی لئے انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک زبردست مہم شروع کر دی۔ انہوں نے قرونِ وسطیٰ کے ہر بات پر جلدی سے یقین کرنے والے یورپ کو عیسائیوں پر مسلمانوں کے مظالم کی جھوٹی داستانیں سنا کر جنگ پر اُبھارا یورپی عوام کو بتایا گیا کہ مسلمان مذہب پر یقین نہیں رکھتے اور ان کے مذہب اور عقائد کے سخت

دشمن ہیں۔ ظاہر ہے کہ اسلام اور عیسائیت کی تعلیمات کے بجائے چرچ سے وابستہ یہ ممتاز لوگ ظلم سے بھرپور ان بے فائدہ جنگوں کے ذمہ دار تھے۔

مزید برآں اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ کچھ مسلم حکمراں یا قبائل اقتدار کی بھوک میں جارحیت پسند ہو گئے اور اسلام کی آمد کے بہت عرصہ بعد انھوں نے ذاتی مفاد کے لئے جنگیں لڑیں۔ تو ان کے کرتوت کا اسلام کو تو ہرگز ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اور ہم اسلام کی نہیں بلکہ ایسے مفاد پرست لوگوں کی مذمت کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں حال ہی میں اپنی تقریروں میں مجھے اس مسئلے پر روشنی ڈالنے کا اتفاق ہوا تھا۔ جسے میں یہاں دہرانا پسند کروں گا (مولانا صاحب جیب سے کتابچہ نکال کر پڑھتے ہیں)۔

اگر کچھ قوموں نے مذہب کی حقیقی تعلیمات سے روگردانی کر کے اور پاگل پن اور غلط تصورات کا سہارا لے کر مذہب کے نام پر جنگیں لڑیں تو یہ خود ان کا قصور ہے مذہب کا نہیں۔ کیا جنگِ عظیم کے دوران امن انصاف اور کمزور قوموں کے حقوق کے تحفظ کے نام پر عوام موت کی بھینٹ نہیں چڑھائے گئے کیا ہمیں صرف اس لئے ان انسانی اور مقدس خوبیوں پر لعنت بھیجنا چاہئے کہ چند لوگوں نے ذاتی مفاد کی خاطر ان کا نام لیا تھا اور غیر انسانی قتل عام کیا تھا۔

جارج برنارڈ شا: اس بات میں کوئی شک نہیں کہ رومن

چرچ کے مذہبی جنونی ان افسوسناک واقعات کے ذمہ دار تھے جن کا عیسائیت کی حقیقی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ اسلام کے بارے میں بڑی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ اور اُسے غلط طریقے پر پیش کیا جاتا ہے مگر کیا مسلم عوام بھی آپ کی اس تشریح سے اتفاق کرتے ہیں اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام طاقت کے ذریعے نہیں پھیلا تھا۔ اور نہ ہی اُسے طاقت کے ذریعہ پھیلایا جانا چاہئے۔

مولانا صاحب:

ہر مسلمان اس بات کی تائید پہ مجبور ہوگا کیونکہ میں کم و بیش وہی بات کہہ رہا ہوں جو قرآن کہتا ہے۔ میرے ذاتی خیالات کا اس میں قطعی دخل نہیں۔ اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اور سید امیر علی، سر سید احمد خاں، علامہ شبلی اور اسلامی امور پر دیگر ماہر اور قابل ڈاکٹروں نے اپنی کتابوں میں اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

جارج برنارڈ شا:

مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان خاصی باتیں مشترک ہیں۔

مولانا صاحب:

یہ تعلق معمولی اور مصنوعی نہیں کیونکہ خود قرآن اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ جب روحانی مذاہب کا نقطۂ آغاز خدا کے وجود کا اقرار ہے تو ان کے ارشادات میں ہم آہنگی ناگزیر ہے۔ خود اسلام کو ایک نیا مذہب سمجھا

گیا ہے حالانکہ قرآن کے نزدیک اسکی تمام مذہبی تعلیمات کم وبیش وہی ہیں جن کا درس دوسرے سچے پیغمبروں نے دیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سب کو خدا نے اسی لئے دنیا میں بھیجا تھا کہ وہ ایک ہی قسم کی مذہبی تعلیمات کا پرچار کریں۔

دراصل مذاہب کی ان بنیادی تعلیمات کو جنھیں بگاڑ دیا گیا تھا اور ان کی سچائی شک و شبے میں پڑ گئی تھی سدھارنے کے لئے ہی خدا نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا اور اسی مقصد کے لئے خدا کی آخری کتاب نازل ہوئی اس سلسلے میں قرآن کا کہنا ہے کہ :-

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ پر وحی نازل کی ہے کہ جس طرح کہ ہم نے نوح (علیہ السلام) اور ان کے بعد دیگر انبیاء پر وحی نازل کی تھی"۔

جس کے ذریعے ہم نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو یہ کہہ کر ہدایات بھیجیں کہ اس مذہب پر عمل کرو اور تفرقہ مت ڈالو۔

جارج برنارڈ شا :

قرآن کے جو ترجمے میں نے پڑھے ہیں اُن سے یقینی طور پر آپ کی باتوں کی تائید ہوتی ہے۔ میں اس سلسلے میں ایک صاحب کے ترجمے کو ترجیح دیتا ہوں جن کی تشریح کا انداز دوسرے ترجموں سے مختلف ہے۔ مراکش اور الجزائر کے دورے میں یہ ترجمہ ہمیشہ میرے ساتھ رہا۔ اور میں نے کبھی کبھار

اس کے جو حوالے دیئے ہیں انھوں نے ان علاقوں کے مسلمانوں کو خاصا حیران کیا ہے یہ "ہر فرد کی لائبریری (EVERYMANS LIBRRY) کا ایک ایڈیشن ہے اور میں نے کچھ پبلشرز سے سفارش کی ہے کہ اس ایڈیشن کو اور وسیع پیمانے پر پھیلایا جائے۔

مولانا صاحب :

آپ جس ترجمے کی بات کر رہے ہیں وہ مسٹر روڈویل کا ہے۔

جارج برنارڈ شا :

جی ہاں۔

مولانا صاحب :

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ واقعاتی ترتیب کے لحاظ سے قرآن کے مختلف ابواب کا ترجمہ کرنے میں مسٹر روڈویل نے بڑی محنت وجانفشانی کا مظاہرہ کیا ہے مگر چونکہ عربی ادب اور اسلامی تاریخ کے بارے میں مسٹر روڈویل کی معلومات وسیع اور کافی نہیں تھیں لہٰذا اس ترجمے کے کئی حصے اتنے گمراہ کن ہیں اور ان میں اتنی فاش غلطیاں موجود ہیں جو اسلام کے بارے میں غلط تاثرات پیدا کر سکتی ہیں (اس سلسلے میں یہ بات میں نہیں کہتا کہ یہ غلطیاں جان بوجھ کر کی گئی ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ سب کچھ مترجم کی کم علمی کا نتیجہ ہوں)

قرآن کے ترجموں کے جہاں تک تعلق ہے۔ میں آپ سے "قرآن کا مطلب" (MEANING OF THE GLORIOUS QURAN) پڑھنے

کی سفارش کروں گا جس کے مصنف مسٹر مارماڈیوک پکتھال ہیں اور اسی کے مطالعے سے آپ کو قرآن کے موثر اور متاثر کن انداز بیان کی خوب صورتی شان و شوکت اور افضلیت کا اندازہ ہو جائے گا۔ میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ بالکل حقیقی قرآن کا بدل ہے کیونکہ ایک بہترین ادیب ہونے کی حیثیت سے آپ خود یہ بات محسوس کر سکتے ہیں کہ ترجمہ چاہے وہ کتنے ہی اعلیٰ معیار کا کیوں نہ ہو اصلی تحریر کی قوت اور خوب صورتی کو بعینہٖ منتقل نہیں کر سکتا۔

جارج برنارڈ شا:

یہ صحیح ہے کہ اصل تصنیف کی روح اس کے ترجمے میں منتقل نہیں کی جا سکتی یہی بات بائبل کے ترجمے کے بارے میں درست ہے مگر ترجمے کا معیار بڑھتا جا رہا ہے۔

مولانا صاحب:

زبان کے اعتبار سے ممکن ہے کہ بائبل کے ترجموں کا معیار بہت معیاری اور عمدہ ہو مگر کسی صورت میں بھی یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ ان ترجموں میں عیسائیت کا اصلی پیغام موجود ہے کیونکہ جیسا کہ آپ بھی جانتے ہیں کہ حضرت عیسٰی کا اصلی پیغام اپنی پوری صحت کے ساتھ اب موجود نہیں رہا ہے بائبل میں متعدد ترمیمات اور اس کے اصلی مسودے کے غائب ہو جانے سے بڑا انتشار پایا جاتا ہے اور حقیقت کا متلاشی محض بائبل کی نقل سے اپنی پیاس نہیں بجھا سکتا جب کہ اس کے برعکس قرآن میں ایک نقطہ

بھی ادھر سے ادھر نہیں ہوا ہے لہٰذا اگر عیسائیت کی اصلی تعلیمات کی ضرورت ہے تو ہمیں قرآن پڑھنا چاہیئے۔

جارج برنارڈ شا:

کیا واقعی قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے اور یہ اب تک اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے؟ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا جانتے تھے اور کیا ان کی تحریر اب تک موجود ہے؟۔

مولانا صاحب:

قرآن کے ہر باب بلکہ ہر آیت اور ہر لفظ کا باقاعدہ تصدیق شدہ مکمل ریکارڈ موجود ہے۔ جیسے ہی ہمارے پیغمبر پر وحی نازل ہوتی۔ وہ فوراً لکھنے والوں کو طلب کرتے اور ان کو نازل شدہ آیتیں لکھاتے جاتے۔ جب یہ آیتیں تحریر میں منتقل ہو جاتیں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان ساتھیوں سے کہتے کہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ پڑھ کر سنائیں۔ پھر سننے اور تصدیق کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کی وضاحت فرماتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قابل اعتماد ساتھی اور کاتب زید بن ثابت کا تحریر کردہ مسودہ اب تک قسطنطنیہ اور مدینہ کی آثار قدیمہ کی لائبریریوں میں موجود ہے اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے قرآنی نسخے اسی کی نقول ہیں جن میں ایک نقطے کا بھی فرق نہیں ہے۔

جارج برنارڈ شا:

کیا قرآن میں عبارتوں کی علامات بھی ہیں ؟

مولانا صاحب :

انگریزی زبانوں میں عبارتوں کی علامات محض کومہ، کولن، فل اسٹاپ وغیرہ پر مشتمل ہیں جب کہ قرآن کو پڑھنے کے اصول کافی تعداد میں ہیں اور اس میں مختلف قسم کی بہتری علامات استعمال ہوتی ہیں مثلاً قرآن میں بعض مقامات پر وقف لازم ہے جب کہ بعض مقامات پر وقف کو ترک بھی کیا جاسکتا ہے کچھ آیتوں کے اختتام کو اچھی طرح ادا کرنا ہوتا ہے جبکہ دیگر مقامات پر اس قسم کی کوئی قید نہیں ہوتی ۔ قرآن میں الفاظ کی صحیح ادائیگی تلفظ آیتیں وقف وغیرہ اتنی پیچیدہ اور دشوار ہیں کہ قرآن کی تلاوت ایک فن کی شکل اختیار کر گئی ہے اور قرأت کے موضوع پر خاصی تعداد میں کتابیں لکھی جاچکی ہیں ۔

جارج برنارڈ شا :

یہ سب باتیں میرے لئے حیرت انگیز اور نئی ہیں مجھے یہ معلوم کرکے بھی تعجب ہوا تھا کہ آپ نے نیروبی میں اسلام اور سائنس کے موضوع پر تقریر کی ۔ میرے لئے یہ سمجھنا دشوار ہے کہ آپ قرآن کی روشنی میں ایسے لوگوں کے سامنے جنت اور دوزخ کا تصور کیسے پیش کرتے ہیں جو سائنس سے شغف رکھتے ہیں اور ان کے ذہن بغیر دیکھے اور محسوس کئے کسی بات کو قبول نہیں کرتے ۔

میں پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عزت کرتا ہوں اور یہ بات

بھی سمجھ سکتا ہوں کہ ایسی جاہل اور بے بہرہ قوم کو جو گناہوں کے سمندر میں غرق ہو غیر اخلاقی حرکتوں سے آزاد کرنا بھی انھیں حق کی تلاش و جستجو پہ آمادہ کرنا انتہا درجے خوبصورت جنت اور اتنی ہی خوفناک دوزخ کی تصویر دکھائے بغیر ناممکن رہا ہوگا ۔

میں قرآن کے پُراثر اور وزن دار الفاظ کی بھی تعریف کرتا ہوں کتنے خوبصورت اور باوقار انداز میں قرآن کا وہ حصہ لکھا گیا ہے جس میں قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے اور بچوں کے قتل والے حصے کا اختتام کتنے ڈرامائی انداز میں اس جملے پہ ہوتا ہے کہ

"آخر تم کس جرم کے مرتکب ہوئے تھے ہو ؟" اس معصوم بچے سے مخاطب ہو کر جسے مار ڈالا گیا یا زندہ دفن کر دیا گیا !"

میرے خیال میں میں موضوع سے ہٹ رہا ہوں ۔ دراصل میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ جنت و دوزخ کے مسئلے کی سائنسی نقطۂ نظر سے کیسے وضاحت کی جا سکتی ہے ۔

مولانا صاحب :

آپ فن تحریر کے استاد ہیں اور آپ کے ساحرانہ قلم سے نکلی ہوئی خوب صورت اور لاجواب تحریریں قارئین کی ذہنیتوں میں انقلاب پیدا کرتی ہیں مجھے یقین ہے کہ آپ میری اس بات سے اتفاق کریں گے کہ ملتی جلتی شکلوں اور چیزوں کی مدد کے بغیر محض مادّی زبان کے ذریعے روحانی مسائل اور عمل کو نہیں سمجھا سکتا ۔ لہٰذا اس حقیقت کو ہمیشہ پیشِ نظر

رکھنا چاہئے اور قرآن میں جنّت و دوزخ کے بیان میں اظہار کے انداز کو اسی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔ اسی طرح اس قسم کے مناظر سے جو انسان کے ظاہری احساسات و جذبات کیلئے کشش رکھتے ہوں خدائے تعالیٰ کی آخری مراد یہ ہے کہ ہم جنّت کی نعمتوں کی حقیقی نوعیّت جاننے کی زیادہ جستجو نہ کریں۔

"کوئی نہیں جانتا کہ جنت میں ان کے لئے ایسی کیا چیز محفوظ ہے جو ان کی آنکھوں کو تازگی اور ٹھنڈک پہنچاتے گی"!

اور حدیث کے مطابق تو ہمیں کسی صورت میں بھی جنّت کا موازنہ دنیا میں موجود چیزوں سے نہیں کرنا چاہئے۔

"جنّت کی تشکیل کو نہ تو کبھی کسی انسانی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی انسانی کانوں نے وہ الفاظ سنے جو جنت کی حقیقی تصویر پیش کر سکیں یہ واقعی انسانی تصوّر سے ماورا کوئی چیز ہے جس کا خاکہ بھی تیار نہیں کیا جا سکتا"!

ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جنّت کی نعمتیں کسی لحاظ سے بھی دنیا کی ایسی چیزوں سے مماثلت رکھتی ہوں جو ہمارے لئے خوشی کا باعث ہیں۔ اب جیسا کہ قانون ہے کہ ہر چیز آگے بڑھ رہی ہے اور مائل بہ ترقی ہے تو اس ترقی کو بھی لامحالہ کوئی معراج ہونا چاہئے جہاں یہ رک جائے اور مزید ترقی کا امکان ختم ہو جائے آرام و خوشی اور تکلیف و رنج ایسی دو چیزیں ہیں جن کا سابقہ دنیا میں انسان کو برابر پڑتا رہتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ان دونوں حالتوں کا کوئی انتہائی مقام ہو۔ خوشی کی معراج اور تکلیف و اداسی

کی معراج دوزخ کہلاتی ہے۔

جس طرح دنیا میں کچھ مادی ذرائع ایسے ہیں جو یا تو خوشی کا باعث بنتے ہیں یا نقصان پہنچاتے ہیں اسی طرح ایسے ذرائع بھی یقینی ہونے چاہئیں جو دوسری دنیا میں مسرّت اور غم کی کیفیت کو دوبارہ پیدا کر سکیں خوشی پہنچانے والے ذریعے کا نام جنّت اور تکلیفوں کے مسکن کا نام دوزخ رکھ دیا گیا ہے۔ انسان کا وجود جسم و روح، اسکی سرگرمیوں کا ذمّہ دار ہے۔ لہٰذا روح اور جسم مل کر دوسری دنیا میں اپنے کئے کا بدلہ پائیں گے۔

اب صرف مادّے کی تعریف رہ گئی ہے مگر جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ کام سائنسی ترقی کے موجودہ مرحلے پر بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ مادّہ درحقیقت کیا چیز ہے یہ ایک ایسی گتھی ہے جسے بہترین دماغی کوششوں کے باوجود سلجھایا نہیں جا سکا ہے۔ مادے کا کیمیائی تجزیہ تو الگ رہا سائنسدان اس کے وجود کی حقیقی تصویر بھی پیش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ آج تک کی سائنسی تحقیقات کا ماحصل پروٹون اور الیکٹرون کی تھیوری ہے جس کے مطابق ان کی شعاعیں دنیا کی بنیاد ہیں اور ہر جسم اپنی ٹھوس شکل میں ان شعاعوں کا نتیجہ ہے۔ "عجائبات کی دنیا" نامی رسالہ مادے کے بارے میں کہتا ہے کہ مادہ ٹھوس معلوم ہوتا ہے مگر سائنسدان بتاتے ہیں کہ ایٹم کی وہ جگہ جو ہمارے جسم کی تشکیل کرتی ہے ختم کر دی جائے اور ایٹم کا نیوکلیس اور الیکٹرون کو یکجا کر دیا جائے تو ایک انسان کا جسم اتنا مختصر ہو جائے گا کہ اُسے خالی آنکھ نہیں دیکھ سکے گی۔

اس طرح اگر ایک سائنسداں کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے یہ بات تسلیم کرے کہ ایک اوسط الیکٹرون ہر سیکنڈ میں اپنے نیوکلیس کے گرد کروڑوں چکر لگاتا ہے اور اپنی شعاعوں کے ذریعے ٹھوس اجسام کو پار کر جاتا ہے تو اُسے یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری نہیں ہونا چاہئے کہ کس طرح انسان کا جسم و روح دوسری دنیا کی تکلیف و مسرت جھیلنے کیلئے کیا روپ دھاریں گے۔

جارج برنارڈ شا:

یہ واقعی بڑی خوبصورت پر مسرت اور مناسب وضاحت ہے مگر کیا آجکل کے مسلمان اُسے قبول کر لیں گے۔

مولانا صاحب:

یہ وضاحت ہمارے دماغ کی اختراع نہیں ہے بلکہ جیسا کہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ یہ وضاحت قرآن کی روشنی میں کی گئی ہے میں اظہار خیال پر بھی اپنا حق نہیں جتا سکتا کیونکہ مجھ سے کہیں پہلے دنیا میں آنے والے لوگ مثلاً امام فخر الدین رازی، غزالی اور محی الدین ابن عربی نے آپ جیسے ذی علم لوگوں کے سامنے ان باتوں کی وضاحت اسی انداز میں کی تھی۔

اسلام کی تعلیمات بڑی سیدھی سادی اور عقلی ہیں اور اس میں کوئی چیز پُر اسرار نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان تعلیمات کی مناسب طریقے پر وضاحت کی جائے تاکہ ان کا صحیح مطلب پیش ہو سکے۔ کسی ایسے

فن کے ادب کو جس سے ہم آشنا نہیں ہیں، سمجھنا بہت دشوار ہے چنانچہ کسی فن کے اہم نکات کو سمجھنے سے قبل ہمیں اس فن کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنی ہوں گی انہیں معلومات کے ذریعہ ہم مسائل کو اچھی طرح سمجھ کر اس کا حل تلاش کر سکیں گے۔

(اس موقع پر مسٹر شا کی میزبان اندر آئیں جن سے مسٹر برنارڈ شا نے مولانا صاحب کا تعارف کرایا۔ مسٹر شا سے مخاطب ہو کر میزبان بولیں کہ اب مسٹر شاہ کے بندرگاہ جانے کا وقت آ گیا ہے جس پر مسٹر شا مولانا صاحب سے مخاطب ہو کر بولے)

جارج برنارڈ شا:

آپ کی گفتگو اتنی دلچسپ اور معلوماتی ہے کہ میں سالوں تک آپ کے ساتھ رہنا پسند کروں گا مگر بدقسمتی سے میری روانگی کا وقت آن پہنچا ہے۔

مولانا صاحب:

مجھے واقعی آپ جیسے مہذب شائستہ اور پڑھے لکھے اور قابل شخص سے تبادلہ خیال کی آرزو رہی ہے خاص طور پر ایسی صورت میں جب کہ غیر معتبر ذرائع سے ہونیوالی اسلام کی ناکافی واقفیت کے باوجود آپ اسلام کے بارے میں اسی قسم کے خیالات رکھتے ہیں کہ:

تعلیم یافتہ مہذب اور شائستہ لوگوں کا مستقبل کا مذہب اسلام ہے

میں آپ سے اس فلسفے اور نفسیاتی سچائی کے بارے میں بات کرنا پسند

کروں گا جو اسلام پیش کرتا ہے تاکہ آپ کے پاتے کا عالم جو مہذب دنیا کے ذہنی رجحانات سے کما حقہٗ آگاہ ہے اسلامی تعلیمات کو مؤثر اور پسندیدہ انداز میں پیش کر سکے۔

جارج برنارڈ شا:

مجھے واقعی اس بات کا افسوس ہے کہ آپ جیسے بزرگ عالم سے میں صرف اتنی مختصر بات چیت کر سکا۔

مولانا صاحب:

"تاہم میں اسی کرمفرمائی پر آپ کا شکر گزار ہوں اور آپ کو اسی موقع پر اپنی دو تقریروں کی کاپیاں پیش کرنا چاہوں گا جو میں نے "بالترتیب" دنیا کی مذہبی و سائنسی ترقی"، اور "اسلام میں روحانی ثقافت" کے عنوانات پر حال ہی میں دربان میں کی ہیں۔ اس موقع پر میں "اسلام" کے عنوان سے ایک کتابچہ بھی آپ کو دیتا ہوں۔ جو میرے دوست اور عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن کے معاشیات کے پروفیسر مسٹر الیاس برنی ایم اے نے لکھا ہے مسٹر برنی نے مختلف عنوانات سے قرآن کی مختلف آیتوں کی علیحدہ علیحدہ درجہ بندی کی ہے اور ساتھ ہی تشریح بھی کی ہے۔ براہِ مہربانی آپ ان چیزوں کو پڑھیں اور کھل کر ان پر تنقید کریں میں جواب دے کر آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔

جارج برنارڈ شا:

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ بڑے شاندار اور بہترین انداز میں

اسلامی تعلیمات کو پیش کرتے ہیں۔ مگر کیا قدامت پسند مسلمانوں کو آپ سے اتفاق ہے۔

مولانا صاحب:

اتفاق سے خود میرا تعلق اک ایسے قدامت پسند گروہ ہی سے ہے جو اسلامی تعلیمات میں ذرہ برابر تبدیلی برداشت نہیں کر سکتا۔ میرے ذہن میں حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ سارے رہتے ہیں کہ "جو شخص قرآن کی تشریح اپنے ذاتی ذہن کی مدد سے کرتا ہے اسے اپنا ٹھکانا جہنم بنا لینا چاہیئے"۔ بنیادی اصولوں کی بات تو الگ رہی میں معمولی اہمیت کے اقدامات اپنے مذہب کی روشنی میں کرتا ہوں۔

مثلاً میرے ساتھی مسٹر علی محمد جعفر جو مقامی مسلم ایسوسی ایشن کے صدر کی نمائندگی کر رہے ہیں اپنے ساتھ ایک فوٹو گرافر لائے تھے تاکہ میری اور آپ کی ملاقات کی تصویر لے سکیں گے میں نے تصویر کھنچوانے سے صاف انکار کر دیا۔

تصویروں نے بت پرستی کو جنم دیا ہے آج جو تصویریں ایسے ہی لی جا رہی ہیں کل وہ کسی پرستار کے لئے محبت و عقیدت کا سرچشمہ بن سکتی ہیں اور اسے گمراہ کر سکتی ہیں۔ اسی لئے اسلام نے تصویر سازی کی سخت مخالفت کی ہے۔ چنانچہ میں کسی کو اپنی تصویر کھینچنے کی اجازت نہیں دیتا لیکن اگر کوئی شخص میری مرضی کے بغیر تصویر اتار لیتا ہے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہے میں نے یہ باتیں صرف اس لئے کہی ہیں تاکہ آپ اندازہ لگا سکیں

کہ میں کس حد تک قدامت پسند ہوں۔

جارج برنارڈ شا:

مجھے آپ سے واقفیت پیدا کر کے بڑی خوشی ہوئی اور آپ سے میری ملاقات اس دورے کی بہترین یادوں میں شمار ہوگی جو میں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔

(ایک دوسرے کو خدا حافظ کہکر دونوں رخصت ہوتے ہیں مولانا صاحب مسٹر شا کے لئے خوشگوار سفر کی دعا کرتے ہیں۔ دوسری طرف جب تک مولانا کی کار نظر سے اوجھل نہیں ہوجاتی برنارڈ شا اپنے درانڈے میں کھڑے ہاتھ ہلاتے رہتے ہیں)

مطالعہ فرمائیں

①	تفسیر نعیمی	مفتی احمد یار خاں نعیمیؒ
②	تفسیر ضیاء القرآن	پیر محمد کرم شاہ الازہری
③	معاشیات نظام مصطفیٰ	مفتی غلام سرور قادری
④	اسلامی تقریبات	علامہ سید محمود احمد رضوی
⑤	اسلامی زندگی	مفتی احمد یار خاں نعیمیؒ
⑥	فلسفۂ عبادات اسلامی	علامہ عبد الحامد بدایونی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Cultivation Of Science By The Muslims

اردو ترجمہ

سائینس کے فروغ میں مسلمانوں کا حصہ

مقالہ:

شیخ التبلیغ حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمۃ

مترجم رضا فاروقی

پیش لفظ

شیخ التبلیغ علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھیؒ کی شخصیت دینی اور علمی حلقوں میں یوں تو تعارف کی محتاج نہیں لیکن ناچیز نے سنہ ۱۹۸۱ء میں جب اُن کے ایک مضمون "STATUS OF WOMAN IN ISLAM" کو اردو قالب میں ڈھالا تو مجھ پر حضرت کی علمی شخصیت کے نہایت خوشگوار اثرات مرتب ہوتے۔ اور ان کی شخصیت سے کماحقہ تعارف کی دل میں مزید جستجو پیدا ہوئی۔ انہی دنوں ہمارے ایک کرم فرما جناب مرزا ارشاد احمد علیمی (جہلم) نے یہ مضمون سوئے منزل میں پڑھنے کے بعد مجھے حضرت شیخ التبلیغ کی حیات اور کارہائے نمایاں پر اپنی تصنیف ارسال کی۔ اور زیر نظر مقالہ "CULTIVATION OF SCIENCE BY THE MUSLIMS" بھی ترجمہ کے لئے فراہم کیا۔ یہ مقالہ شیخ التبلیغ کی ایک تقریر ہے، جو انہوں نے سنہ [illegible] میں جاپان میں کی تھی۔ اور "دی مینارہ ٹ انٹرنیشنل" نے اسے تین اقساط میں شائع کیا۔

اس مضمون کے مطالعہ کے دوران یوں محسوس ہوتا تھا، جیسے حضرتؒ دنیا بھر کے علوم و فنون پر مکمل دسترس رکھتے ہوں۔ علوم جدیدہ کیمسٹری، فزکس، ریاضی، بیالوجی، فلکیات اور ارضیات جیسے علوم کی اصطلاحات کا آپ نے جس مہارت اور روانی سے استعمال کیا، اس سے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آپ کو ہر مضمون پر مہارت تامہ حاصل ہے۔ اور پھر انگریزی زبان میں ایسی ندرت کہ سننے اور پڑھنے والا محو ہو کے رہ جاتا ہے۔

ترجمہ کرتے وقت اپنی کم مائیگی کا بار بار احساس ہوا۔ مگر میرے دوستوں اور بزرگوں

نے میری بہت زیادہ ہمت افزائی کی۔ اس ضمن میں جناب سیّد ریاض حسین شاہ صاحب، کہنہ مشق صحافی جناب نبی احمد لودھی صاحب، جناب حمید راعی صاحب اور جناب طارق محمود احمد صاحب کا میں خصوصی طور پر ممنون ہوں کہ انہوں نے ہر آڑے وقت میں میری رہنمائی کی۔

ترجمہ کے بعد اس کو سوئے منزل میں چار اقساط میں قارئین کے سامنے پیش کیا گیا، اور بعد میں یکجا کرکے کتابی شکل دینے کا فیصلہ ہوا چنانچہ استادِ محترم جناب پروفیسر رحیم بخش شاہین صاحب نے کمال شفقت سے نظرِ ثانی کرکے اس کو مستند بنا دیا۔ اور پھر جناب ڈاکٹر سید مطلوب حسین صاحب (ایم اے، پی ایچ ڈی) نے اس پر مختصر مگر جامع مقدمہ تحریر کرکے اس مضمون کی افادیت کو چار چاند لگا دیئے۔

میں ان حضرات کا بھی تہہ دل سے شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اپنے قیمتی وقت میں سے چند لمحات اس کام کے لئے وقف کئے۔ اور امید کرتا ہوں، کہ جس جذبہ کے تحت یہ مقالہ لکھا گیا، اور جس جذبہ کے تحت اس کا ترجمہ کیا گیا، قارئین بھی اسی جذبہ کے تحت اس کا مطالعہ کریں گے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

رضا فاروقی

تقریظ

از جناب ڈاکٹر سید مطلوب حسین، ایم اے اسلامیات، ایم اے ہسٹری، پی ایچ ڈی

آج سے ایک صدی قبل زمامِ اقتدار اہلِ یورپ کے ہاتھ میں تھی۔ اور باقی دنیا خاص طور پر عالمِ اسلام، براہِ راست یا بالواسطہ کسی نہ کسی یورپی طاقت کے حلقۂ اثر و نفوذ بلکہ زیرِ نگیں تھا۔ یورپ کو جملہ علوم و فنون پر اُن کی اجارہ داری تھی۔ اپنی سیاسی برتری اور علمی تفوق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مغربی مؤرخین، مصنفین، مفکرین اور دانشوروں نے عام طور پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ تمام عالم، علوم و فنون کے مختلف شعبوں میں اُن کا خوشہ چین ہے۔ اسلام سے چونکہ عیسائیت کی تاریخی دشمنی تھی۔ اس لئے مستشرقین کے ایک طائفہ نے، جن میں ولیم میور، مارگولیتھ، اسپرنگر، جرجی زیدان وغیرہ سرِ فہرست ہیں، نے اپنا زورِ قلم اس بات پر صرف کیا کہ اسلام ایک عسکری مذہب تھا، اور سوائے کشور کشائی اور ملک گیری کے مسلمانوں نے اور کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ اپنی اسلام دشمنی میں وہ اس حد تک تجاوز کر گئے کہ انہوں نے پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تصویر کشی کی کہ اس کی وجہ سے نہ صرف دو الہامی مذاہب کے درمیان مخالفت اور دشمنی کی خلیج مزید وسیع ہوئی بلکہ اقوامِ عالم کے قلوب و اذہان میں بھی اسلام اور داعیٔ اسلام کے خلاف نفرت پیدا ہوئی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اپنے دورِ عروج میں وہ اپنے اس گھناؤنے مشن میں خاصے کامیاب بھی رہے۔ کم و بیش اسی دور میں بعض حقیقت پسند مستشرقین ڈریپر، ایس پی اسکاٹ، کارلائل، ہٹی اور منٹگمری واٹ نے اسلام سے مخالفت کے باوجود اپنے پیش رو اور ہمعصر مغربی

مؤرخین کے نظریات کی نفی بھی کی، اور کہیں کہیں دیکھے لہجے میں مسلمانوں کے تاریخی کارناموں
کو تسلیم بھی کیا، جس کے نتیجہ میں آج مغرب میں اسلامی عقائد و نظریات پر نظر ثانی کی جا رہی
ہے۔ اس تحقیق کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اکثر مغربی مفکرین نے ماضی میں مسلمانوں کی علمی اور
ثقافتی خدمات کو تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن اس کامیابی کا تمام تر سہرا اہل مغرب کے سر نہیں بلکہ اس
میں خاصہ حصہ مسلمانوں کی تحریک احیائے علوم کا بھی ہے، جس کے سرخیل جنوبی ایشیا میں سید
احمد خان اور ان کے رفقائے کار تھے۔ اس ہراول دستے کے رہروان جب رفتہ رفتہ سرائے
فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کرنے لگے، تو کاروان آزادی اور تحریک علمی کو نئے ہمسفر اور
نیا خون و حرارت ملنے میں دیر نہیں لگی۔ نئی نسل میں علمی محاذ پر سب سے زیادہ فعال شخصیت
ہمیں مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی کی نظر آتی ہے۔ جو بیک وقت بہترین خطیب، ادیب، مبلغ
اور معلم تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں یورپ، افریقہ، امریکہ اور ایشیا کے متعدد ممالک
کے تبلیغی دورے کئے۔ اور اُن کے گوشے گوشے میں مساجد، مکتب، کتب خانے، رسائل، ہسپتال
یتیم خانے اور تبلیغی مراکز قائم کئے۔ اور ہزاروں غیر مسلموں کو اسلام کا کلمہ پڑھایا۔

انہوں نے ۱۹۳۵ء میں پوری دنیا کا تبلیغی دورہ کیا۔ اسی زمانہ میں وہ جاپان گئے، جہاں
انہوں نے اورینٹ کلچر سوسائٹی آف ٹوکیو، کے زیر اہتمام انگریزی زبان میں ایک زبردست
مقالہ بعنوان "CULTIVATION OF SCIENCE BY THE MUSLIMS" پیش کیا،
جس میں انہوں نے جامع اور مانع انداز میں مسلمانوں کی علمی کاوشوں اور سائنسی کارناموں کا
تاریخی جائزہ پیش کرکے اسلام کے ناقدین کے رویئے کا خوبصورتی کے ساتھ رد پیش کیا، بلکہ
اُن کے تجاہل عارفانہ کی مثبت طریقہ سے قلعی کھولی۔

اس مشن کے پیچھے غیر مسلم دانشوروں کے تین مقاصد تھے۔ ایک یہ کہ وہ علمی میدان میں اپنی
بالا دستی قائم رکھنا چاہتے تھے، کہ اُن کا علم کسی دوسرے کا مرہون منت نہیں۔ دوسرے وہ
اپنے عوام کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ اسلام نہ کوئی تہذیب ہے، نہ علمی تحریک۔ بلکہ ایک عسکری

مذہب ہے۔ تیسرے مسلم دانشوروں یا کم پڑھے لکھے لوگوں کو ان کے اسلاف کے کارناموں سے
روشناس نہیں کرانا چاہتے تھے۔ بلکہ ایک لحاظ سے انہیں اندھیرے میں رکھ کر اسلام سے
ان کی گہری محبت و عقیدت کو کسی حد تک کم کرنا چاہتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آخری مقصد
میں بھی وہ خاصے کامیاب ہوئے۔ اور انہوں نے ہی مسلمان دانشوروں میں ایک گروہ پیدا کرکے اسلام
کے خلاف وہ کام کیا، جو اُن کے استاد نہ کر سکے۔ آج بھی اسلام کو مسلم مستشرقین کے اس گروہ
سے زیادہ خطرہ ہے۔

اس تناظر میں اگر ہم علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی مرحوم کے اس مقالہ کو دیکھیں تو اس کی
بہت افادیت ہے۔ لیکن ہم مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ ایسے اہم کاموں کی نشر و اشاعت
نہیں ہو پائی۔ جس کی وجہ سے متوقع نتائج حاصل ہونا ممکن نہیں۔ اس لئے ایسی نگارشات کی
زیادہ سے زیادہ تشہیر ہونا چاہئے۔

ہماری نوجوان نسل میں جہاں ایک عنصر اپنے اسلاف کے کارناموں سے بے خبر، دانستہ
یا نادانستہ مغربی افکار و نظریات سے متاثر ہو کر بعض جگہ دھریہ قسم کے مغرب زدہ مسلم مفکرین
کا ساتھ دے رہا ہے۔ تو انہیں میں سے ایک بڑا گروہ اسلامی اور پاکستانی ذہن بھی رکھتا ہے۔
ان کا وجود اس ملک کے لئے ہی نہیں، بلکہ عالم اسلام کے لئے ایک نعمت ہے۔ رضا فاروقی
کا شمار بھی پاکستانی نوجوانوں کی اس دوسری قبیل سے ہے۔ وہ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد سے
فارغ التحصیل ہیں۔ اور سائنسی علوم پر خاصی دسترس رکھتے ہیں۔ انہوں نے علامہ صاحب کا
مضمون اردو ترجمہ کے لئے منتخب کرکے وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔

مجھے اس ترجمہ کو دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ اس سے مترجم کی اعلیٰ صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے،
جس کا اعتراف نہ کرنا بخل ہوگا۔

ترجمہ ایک لحاظ سے تخلیقی کام سے بھی زیادہ مشکل فن ہے۔ اس کے لئے مترجم کو اُس موضوع پر عبور
حاصل ہونا چاہئے۔ پھر یہ کہ اُسے اُس زبان سے بھی کما حقہ واقفیت ہونی چاہئے، جس میں مقالہ لکھا

گیا ہے۔ نیز جس زبان میں ترجمہ کیا جا رہا ہے، اُس میں مہارت کی ضرورت ہے۔ یہ تمام لوازم اگر موجود ہوں تو ترجمہ یقیناً شاندار ہوگا۔

ان شرائط و کوائف پر اگر ہم فاروقی صاحب کی کوشش کا جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اُن میں یہ تمام صلاحیتیں بدرجۂ اتم موجود ہیں، اور یہی اس ترجمہ کے اعلیٰ معیار کی دلیل ہے۔ ایک اور خوبی، جو اس ترجمہ میں دیکھنے میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ مترجم نے نہایت سادہ زبان استعمال کی ہے۔ جملوں میں تسلسل کو قائم رکھا ہے۔ اور مضمون کی روح کو کسی طرح بھی مجروح نہیں ہونے دیا۔ اس پر طرّہ یہ کہ انہوں نے سائنسی اصطلاحات کا ترجمہ زبان مروجہ میں کیا ہے جسے بہ آسانی سے سمجھ سکتے ہے۔ انگریزی داں قارئین کی سہولت کیلئے اصطلاحات کی انگریزی شکل کو بھی باقی رکھا ہے۔ غرضیکہ ترجمہ کو دیکھ کر یہ گمان نہیں ہوتا کہ یہ کسی دوسری زبان سے اردو کے قالب میں منتقل کیا گیا ہے۔ بلکہ بنیادی تحقیق معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے رضا فاروقی صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اگر وہ اپنے ذہن و قلم کی ہم آہنگی سے اسی قسم کے شہ پارے تخلیق و ترتیب دیتے رہے تو اردو ادب میں قابل قدر اضافہ ہوگا۔ اور اُن کے اسلوب نگارش میں نکھار پیدا ہوگا۔

حیاتِ شیخ التبلیغ رحمۃ اللہ علیہ

—— رضا فاروقی

کچھ شخصیات اپنے سنہرے کارناموں کی بدولت زندۂ جاوید ہو جاتی ہیں پھر مخلوق خدا ان کے نقوش پا سے نہ صرف اپنے دل و دماغ کو جلا بخشتی ہے بلکہ ان کی زندگیوں سے اکتساب فیض کرکے مقام عظمت حاصل کرتی ہے۔ الشیخ التبلیغ شاہ عبدالعلیم صدیقی فاروقی میرٹھی کا شمار بھی ایسی ہی عظیم ہستیوں میں ہوتا ہے۔ آپ اسلام کے آفاقی اور ہمہ گیر پیغام کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچانے کے لئے ہمہ تن مصروف عمل رہے۔ تبلیغ اسلام کی عظیم خدمات اور تحریک پاکستان میں اہم کردار نے ان کو مقام بلند عطا کیا ہے اور آج ہم ان کی شب و روز کی مساعی جمیلہ اور انداز فکر کو سامنے رکھ کر اپنے مستقبل کی راہیں متعین کر سکتے ہیں۔

ولادت و ابتدائی تعلیم و تربیت

سفیر اسلام شیخ التبلیغ حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ بمطابق ۳ اپریل ۱۸۹۲ء کو میرٹھ (یوپی) کے ایک مشہور صدیقی خانوادہ میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں ناظرہ قرآن کریم ختم کرنے کے بعد اردو، فارسی، عربی اور دینیات کی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دیا۔ سولہ برس کی عمر میں میرٹھ کے مشہور دینی ادارہ دارالعلوم عربیہ قومیہ سے درس نظامی کے نصاب سے فراغت حاصل کرکے علوم جدیدہ بالخصوص انگریزی علوم کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے۔ اُنا وہ ہائی سکول سے میٹرک اور ۱۹۱۶ء

یما ذویژنل کالج میں گریجوایشن کی اور اوّل پوزیشن حاصل کی۔ ان کی روحانی تربیت ان کے والدِ محترم جناب علامہ شاہ عبدالحکیمؒ، برادرِ حقیقی جناب مولانا احمد مختار صدیقی حضرت سید علی شاہ محدث کچھوچھویؒ اور امام اہلسنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلویؒ نے کی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ کے دستِ حق پرست پر سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ علاوہ ازیں مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ، حضرت شیخ احمد الشمسؒ اور لیبیا کے روحانی بزرگ حضرت شیخ السنوسیؒ سے نہ صرف روحانی فیوض و برکات حاصل کیں بلکہ قرآن، حدیث اور فقہ میں بھی استفادہ کیا۔ ۱۹۱۹ء میں حج بیت اللہ سے واپسی پر اعلیٰ حضرت عظیم البرکاتؒ نے خرقۂ خلافت سے نواز کر بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کیلئے روانہ فرمایا۔

تبلیغی سرگرمیاں

حضرت شیخ التبلیغؒ نے فرمانِ مرشد کی پاسداری اور دینی حمیت کے جذبے سے مغلوب ہو کر صبح و مسا اپنی تبلیغی سرگرمیاں اطراف عالم میں جاری و ساری کر دیں عرب و عجم، امریکہ و یورپ اور افریقہ و ایشیا کے مختلف ممالک کے عوام آج بھی ان کے تبلیغِ دین کے جذبے پر گواہی پیش کرتے ہیں۔ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۵۴ء کے پینتیس ۳۵ سالہ عرصہ میں آپ نے بے شمار ممالک میں اسلام کی روشنی کو بکھیرا اور قولاً و فعلاً تبلیغ کر کے تقریباً ایک لاکھ افراد کو حلقہ بگوشِ اسلام کیا۔ ان میں فلاسفر، ڈاکٹر، وکلاء، سائنسدان اور کئی عہدے بھی شامل ہیں۔

بورنیو کی شہزادی گلیڈی پالمیر، ٹرینی ڈاڈ کی خاتون وزیر مسز رحل ڈونا وا، افریقہ کی ریاست ماریشس کے فرانسیسی گورنر مرویٹ نظرنج اور روسی سائنسدان انٹو توف

خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

آپ نے مختلف ممالک میں مساجد، ہسپتال، ہوسٹل، کتب خانے، تعلیمی شیفری اور رفاہی اداروں اور مختلف تنظیموں کی بنیاد رکھی جس میں حنفی مسجد کوبیو (جاپان) سلطان مسجد سنگاپور، ناگریہ مسجد جاپان، عربی یونیورسٹی ملایا اور اسلامی کتب خانہ نائیجیریا شامل ہیں۔ آپ نے مصر میں "تنظیم بین المذاہب اسلامی" کے نام سے مختلف مکاتیب فکر کے علماء پر مشتمل تنظیم قائم کی۔ سنگاپور میں تنظیم بین المذاہب کا قیام عمل میں لایا گیا جس میں تمام مذاہب کے سکالرز عیسائی، یہودی، بدھ مت، ہندو مت، سکھ اور مسلمان مل کر لادینیت کی بیخ کنی میں مصروف ہوئے۔ اس مشترکہ کانفرنس کی طرف سے آپ کی خدمات کو سراہتے ہوئے تقدس مآب (HIS EXALTED EMINANCE) کا خطاب دیا گیا۔ جو بلاشبہ عالم اسلام میں ایک عالم دین کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔ انڈونیشیا میں آپ نے الجمعیۃ المحمدیہ کے نام سے تنظیم قائم کی۔ اسی طرح انڈونیشیا میں آپ بھی آپ نے مختلف تنظیمیں اور ادارے قائم کر کے دینِ اسلام کی بڑے موثر انداز میں تبلیغ کی۔

تبلیغ اسلام کے لئے لٹریچر

مختلف ممالک میں فروغ اسلام کے لئے لٹریچر کی کمی کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپ نے ماہنامہ اور ہفت روزہ رسائل کا اجراء کیا۔ صرف انگریزی زبان میں آپ نے "منار آف اسلام" کولمبو، مسلم نیوز ڈائجسٹ ٹرینی ڈاڈ، افریقہ اور مسلم اینول جنوبی افریقہ سے ماہانہ رسائل جاری کئے۔ ۱۹۳۱۔۳۳ء میں گرین تحریک شروع کر کے آپ نے سنگاپور سے رئیل اسلام (REAL ISLAM) کے نام سے ایک ماہنامے کا آغاز کیا۔ ۱۹۳۶ء میں سنگاپور سے ہی انگریزی اسلامی ماہنامہ "دی جینوئن اسلام"

(THE GENUINE ISLAM) کی اشاعت شروع کی جس سے موجودہ دور میں پہلی دفعہ اسلام کا پیغام ہند چینی کے عوام تک پہنچا۔

تحریر و تقریر

مبلغ اسلام حضرت شاہ عبد العلیم صدیقی کو تحریر و تقریر پر ملکہ حاصل تھا۔ آپ کے الفاظ دل کی گہرائیوں میں اترتے چلے جاتے اور اس طرح غیر مسلم افراد جوق در جوق حلقہ اسلام میں چلے آتے۔ انڈونیشیا میں صرف ایک ساحتے میں پانچ ہزار مظاہر پرست دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ ایک لیکچر کے دوران مغربی مفکر، مشہور ادیب اور ڈرامہ نویس جارج برنارڈ شا بہت متاثر ہوا۔ اور ۱۹۳۵ء میں ممباسا کے مقام پر آپ سے طویل گفتگو کے بعد اس نے اسلام کی ہمہ گیریت اور حقانیت کا یوں اعتراف کیا کہ "آئندہ سو سال بعد دنیا کا مذہب صرف اسلام ہوگا۔"

حضرت شیخ التبلیغ مسلمانان عالم کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے بھی ہمہ تن کوشش رہتے تھے۔ دوران حج پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے شاہ عبد العزیز بن مسعود کے ساتھ مذاکرات کر کے سعودی عرب سے نہ صرف حجاج پر عائد کردہ ٹیکس معاف کروایا بلکہ بہت سی دیگر مراعات اور سہولتیں بھی حجاج کرام کے لئے منظور کروائیں۔ جس کی تفصیل ایمان میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے دیباچے میں اخوان المسلمین مصر کے بانی حسن البناء نے آپ کی علمی بصیرت اور مذہبی علمیت کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

تحریک پاکستان میں کردار

شیخ التبلیغ کا شمار تحریک پاکستان کے صف اول کے رہنماؤں میں بھی ہوتا ہے۔ آپ نے نہ صرف مسلم لیگ کی مختلف سیٹیوں پر بھرپور حمایت کی بلکہ قائد اعظم کو قومی اور

ملی امور میں بہترین مشوروں سے بھی نوازا۔ پاکستان کی حمایت اور نظریہ پاکستان کے پرچار کے لئے منعقد ہونے والی برصغیر کے علماء و مشائخ کی کانفرنس (بنارس سنی کانفرنس ۱۹۴۶ء) کے اکابرین میں آپ کا نام نمایاں نظر آتا ہے۔ شیخ التبلیغ نے اندرون ملک اور بیرونی ممالک میں ایک علیحدہ اسلامی مملکت کے قیام کی اہمیت کو آشکار کرنے کے لئے شب و روز محنت کی۔ قائد اعظم کی ایماء پر آپ نے مختلف اسلامی ممالک کے دوروں میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ اور عوام اور حکومتوں کا تعاون حاصل کیا۔ اس دوران آپ نے مفتی اعظم فلسطین امین الحسینی مصر کے حسن البناء اور بادشاہ اردن سید عبد اللہ شاہ اور دیگر عرب لیڈروں سے ملاقات کر کے اپنے موقف کو تسلیم کروایا۔ برطانیہ اور مصر میں کانگریس کے خلاف زبردست محاذ بنایا۔ آپ نے ہی پہلی بار پاکستان کو قدرتی پاکستان کے نام سے موسوم کیا۔ ۱۹۴۶ء میں جب آپ بیرونی ملک سے کراچی کی بندرگاہ پہنچے تو عوام الناس نے آپ کا والہانہ استقبال کیا۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے آپ کی خدمات کو سراہتے ہوئے آپ کو "سفیر پاکستان" کا خطاب دیا۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد پہلی نماز عید کراچی میں آپ نے ہی پڑھائی۔ بابائے قوم محمد علی جناح اور دیگر زعمائے ملت نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ آپ نے خطبہ عید میں اسلامی آئین کی ضرورت اور اہمیت پر روشنی ڈالی اور اس کے عملاً نفاذ پر زور دیا۔ علماء اہلسنت کی ایک کمیٹی نے اسلامی دستور کا ایک واضح خاکہ تیار کیا جس کو حضرت شیخ التبلیغ کی سرکردگی میں ایک وفد نے قائد اعظم کے سامنے پیش کی۔ آئین کے مختلف پہلوؤں پر تین گھنٹے کی گفت و شنید کے بعد قائد اعظم نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو یقین دلایا کہ ان شاء اللہ اسمبلی کے منظور کرنے کے بعد یہ آئین نافذ کر دیا جائے گا۔

تصانیف

دنیا بھر میں تبلیغی دوروں کی مصروفیات کے باوجود آپ نے تحریری کام بھی کیا آپ کی انگریزی، اردو اور عربی میں لکھی ہوئی بعض کتب شائع ہو چکی ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف زبانوں میں آپ کے بعض لیکچرز بھی مرتب کرکے شائع کئے جا چکے ہیں۔ عربی زبان میں المراۃ القد وتیہ جیسی بلند پایہ تصنیف موجود ہے اس میں مرزائیت کا پول کھولا گیا ہے جس کی اشاعت سے انڈونیشیا میں مرزائیوں کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم (حصہ اول، دوم) احکام رمضان، مرزائی حقیقت کا اظہار، کتاب تصوف اور بہار شباب جیسی اردو تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ انگریزی میں آپ کی کتب اور لیکچرز تجرشائع ہو چکے ہیں۔ ان میں اسلام کے اصول، سائنس کے فروغ میں مسلمانوں کا حصہ، اسلام کی ابتدائی تعلیمات، اسلام میں عورت کا مقام، حقیقی مسرت کی تلاش، اشتراکیت کا مقابلہ کیسے کیا جائے، اسلام اشتراکیت کے چیلنج کا جواب دیتا ہے، حضرت مولانا صدیقی و جارج برنارڈشا کا مناظرہ اور تصوف اسلام شامل ہیں۔

متاثر ہونے والی اہم شخصیات

قائد اعظم محمد علی جناح (بانی پاکستان) سعید امین الحسنی (مفتی اعظم فلسطین) حسن البنا (بانی اخوان المسلمین) ایم سروا نی (جسٹس آف سیلون) ایم ٹی اکبر (جسٹس سپریم کورٹ آف کولمبو) مولانا محمد علی جوہر، عبدالعزیز بن مسعود (بادشاہ سعودی عرب) سید عبداللہ شاہ (بادشاہ اردن) جارج برنارڈشا۔

وفات

آپ نے بارگاہِ ایزدی میں یوں التجا کی تھی کہ

علیم خستہ جاں تنگ آگیا ہے ، دردِ ہجراں سے

الٰہی کب وہ دن آئے کہ مہمانِ محمد ؐ ہو

پھر وہ وقت بھی آ پہنچا۔ ۲۲۔ ذوالحجہ ۱۳۷۳ھ کو آپ اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے اکثر آپ بیرونی ممالک کے دورہ سے واپسی پر روحانی تسکین کے لئے سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس پر حاضری دیتے تھے اور مدینے سے تو واپسی کو جی ہی نہ چاہتا تھا۔ اور اکثر زبان پر رہتا تھا ؎

مدینے جاؤں پھر نہ آؤں وہیں پہ رہ جاؤں

درِ حبیب پہ قصہ تمام ہو جائے

یہ دیرینہ خواہش پوری ہوئی اور آپ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

ڈاکٹر احمد فلپائن کی رائے

آج ہمیں برصغیر پاک و ہند کے مشہور مبلغ مولانا عبدالعلیم صدیقی کی طرح دین کی تبلیغ و اشاعت کرنا چاہیئے۔ مولانا نے فلپائن کے جزیروں میں اسلام کی تبلیغ کے لئے مدرسے، لائبریریاں اور مساجد بنوائیں اور ماہنامے اور ہفت روزے جریدے جاری کئے۔ ہمیں اسلام کی جو روشنی ملی ہے۔ انہیں سے ملی ہے۔ ان ہی کی مساعی جمیلہ سے ہم مسلمان ہوئے ہیں۔

(علماء سے خطاب برموقع جشن نزول قرآن)

موضوعِ سخن پر گفتگو سے قبل میں اورینٹ کلچر سوسائٹی آف ٹوکیو (ORIENT CULTURE SOCIETY OF TOKYO) کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس نے مجھے ایسے منفرد اجتماع سے خطاب کرنے کا موقع فراہم کیا۔

میری تقریر اسلام کے مبلغ یا مسلم مقاصد کے وکیل ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے۔ بلکہ میں دنیا کی اس با صلاحیت اور مردانہ صفت قوم کی عظیم الشان علمی کاوشوں کا تاریخی جائزہ پیش کروں گا، جسے مسلم قوم کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس لئے موضوعِ سخن پر میری گفتگو بالکل غیر جانبدارانہ ہوگی۔

لیکن سب سے پہلے مجھے دو نکات کی وضاحت کی اجازت دیجئے۔ پہلا یہ کہ مسلمان خالصۃً ایک مذہبی تصور ہے۔ اس کا نسلی، لسانی اور جغرافیائی رشتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ ایمان لانے کے نتیجے میں وجود میں آتا ہے۔ اس کی حیثیت اپنی زندگی اور اپنے مشن میں صرف اور صرف ایک مذہبی فرد کی ہے۔

دوسرا یہ ایک عام تاثر ہے کہ ماضی کے دھندلکوں سے لے کر اب تک مذہب اور سائنس میں تضاد موجود ہے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے غور کریں تو عجیب محسوس ہوگا کہ مسلمان سائنس کے فروغ میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ کئی صدیوں تک سائنس کے

علم رہے ہیں۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف شنگھائی (ROYAL ASIATIC SOCIETY OF SHANGHAI) کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے میں نے واضح کیا تھا کہ سائنس اور مذہب کے باہمی تضاد کا مفروضہ صرف غلط فہمیوں کی بنیاد پر ہے، اور مجھے انتہائی مسرت ہوئی کہ میری اس بات کو غیر معمولی طور پر سراہا گیا۔ بلاشبہ جن لوگوں کے نزدیک مذہب اور سائنس کے مابین تضاد موجود ہے وہ حقیقتاً مذہبی نظریہ کو غلط معانی دیتے ہیں۔ جن تصورات اور نظریات کو وہ مذہب کا نام دیتے ہیں۔ وہ دراصل مذہب نہیں ہے وہ دیومالائی قصے ہیں اور توہمات کے سوا کچھ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب بذاتِ خود ایک سائنس ہے۔ جس کے ذریعے روحانی اور اخلاقی اقدار کے میدان میں تحقیق ہوتی ہے۔ جبکہ طبعی سائنس کا تعلق محض مادی اقدار سے ہے۔ طبعی سائنس اور مذہبی سائنس میں واضح فرق طریقۂ کار میں ہے۔ تاہم استدلال طبعی سائنس کی طرح مذہب کے دائرہ میں بھی کام کرتا ہے

اسلام کو اس کی مقدس کتاب قرآن مجید میں فطرت کے مجموعۂ قوانین کی حیثیت سے واضح کیا گیا ہے، جو کہ انسان کا باقی کائنات سے روحانی اور مادی تعلق اور انسان اور قدرت کے افعال کی تنظیم کا مظہر ہے۔ جیسا کہ طبعی سائنس میں ہر دور میں مختلف افراد نے مادی اجسام اور مظاہرِ فطرت پر تحقیق کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا۔ اسی طرح کچھ افراد ایسے بھی تھے۔ جنہوں نے اپنی زندگی کو مذہبی سائنسی تحقیق کی نذر کیا۔ وہ مذہبی علوم کے دروازے پر دستک دیتے تھے اور پھر حصولِ علم کے بعد دوسروں کو تعلیم دیتے تھے۔ ایسے افراد کو اسلامی اصطلاح میں پیغمبر یا رسول کہتے ہیں۔ پیغمبروں کے دینی علوم کے حصول کے طریق پر اگر میں نے گفتگو شروع کر دی تو موضوع سے بہت دور نکل جاؤں گا۔ اس وقت میں صرف یہی نشان دہی کروں گا کہ پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسے افراد کی صف میں سب سے اہم فرد ہیں۔ جنہوں نے دنیا کو جو فلسفۂ سیات عطا کیا اسے مذہبِ اسلام کا نام دیا گیا ہے۔

اسلام کا بنیادی اصول یا دوسرے لفظوں میں مسلمان کا مطمحِ نظر عرفانِ خالقِ کائنات ہے۔

فلسفیانہ موشگافیاں، حسنِ ترتیب کے اصول اور کائنات کا ڈھانچہ واضح اشارہ کرتا ہے کہ کائنات کا کوئی خالق ہے۔ اور یہ پوری کائنات اسی کی خلق ہے اور اس کے اوصاف کا مظہر ہے۔ اس اعتقاد کی روشنی میں مسلمان ہر مظہرِ فطرت پر غور و خوض کرتا ہے اور اس حقیقت کو پانے کی تگ و دو کرتا ہے تاکہ وہ حقیقت کا مد تک پہنچ سکے۔ اوصافِ خالق کائنات کا مطالعہ اسے ذاتِ خالق تک پہنچانے میں ممد و معاون ہو سکتا ہے۔ اس طرح ایک مسلمان حقیقت کی تلاش میں طبعی سائنس کا گہری نظر سے مطالعہ کرتا ہے اور اس ظاہری صورت پر ہی نہیں ٹھہر جاتا۔

قرآن مجید میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۔ (۶۲ : ۲)

وہی اللہ ہے جس نے مبعوث فرمایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے جو پڑھ کر سناتا ہے انہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان (کے دلوں) کو اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن فروغِ علم کے لئے فضا تیار کرنا ہے۔ اور یہ کہ خدائے بزرگ و برتر نے بنی نوع انسان کے لئے علم کے دروازے کھولنے اور سائنسی تحقیق میں رہنمائی کے لئے نئے اسلوب کی خاطر قرآن مجید نازل کیا۔ قرآن پاک نے صرف عبادات اور مذہبی تقاریب سے متعلق اصول وضع کئے ہیں، بلکہ اس کا وسیع تر مشن اور اہم مقصد زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق قوانین سکھانا ہے اور انسانیت کے لئے ایک کامل رہنما کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔

اب ذرا قرآن سے متعلق غیر مسلم افراد کی آراء اور فیصلے بھی ملاحظہ کریں۔ جنہوں نے اس کی

تعلیمات کا ایک سرسری سا جائزہ لیا ہے۔

جانسن (JOHNSON) لکھتا ہے۔

"یہ شاعری نہیں بلکہ یہ شاعری سے بلند چیز ہے۔ یہ تاریخ کی کتاب نہیں اور نہ ہی کوئی سوانح ہے۔ نہ ہی واعظوں کا مجموعہ ہے۔ نہ یہ منطقی دلائل ہیں جو مہاتما بدھ کے سوتروں میں ملتے ہیں۔ اور نہ ہی یہ حکیم افلاطون کے پند و نصائح ہیں جو کہ اس کی تحریروں میں ملتے ہیں یہ پیغمبرانہ چیز ہے۔ جو خالصتاً عربی ہونے کے باوجود عالمگیر ہے۔ اور وقت کے تقاضوں کو اس طرح پورا کرتی ہے کہ ہر زبان اس کو لبیک کہنے پر مجبور ہے۔ اور اس کی گونج محلات اور صحراؤں میں، شہروں اور سلطنتوں میں، دنیا کے فاتحین اپنے سینوں میں موجزن محسوس کرتے ہیں۔ پھر یہی پیغام ایک تعمیری قوت کے طور پر وجود میں آیا۔ اور عیسائی دنیا میں بطور نور پھیل گیا اور جہالت کی ظلمت کو دور کر گیا۔ جب کہ عیسائیت اندھیرے کے سامنے اپنے آپ کو بے بس پا رہی تھی۔"

ایک اور یورپی مفکر ایمانیل ڈوش (EMMANUEL DEUTSCH) رقمطراز ہے کہ

"یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی مدد سے عربوں نے سکندر اعظم سے کہیں بڑی سلطنتیں فتح کیں۔ بلکہ روم جیسی بڑی سلطنت جس کو فتح کرنے میں صدیاں درکار تھیں۔ وہاں عربوں نے بہت ہی مختصر عرصے میں اسلامی مملکت کی بنیاد ڈالی۔ اسی کتاب کی مدد سے وہ یورپ میں حکمران کی حیثیت سے پہنچے تھے۔ مسلمانوں نے یورپ کو انسانیت سے روشناس کرایا۔ اس وقت جب کہ یورپ میں جہالت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ انہوں نے یورپ کو علم و عقل کی روشنی فراہم کی۔ فلسفہ، طب، موسیقی، اور ستاروں کا علم سکھایا۔ انہوں نے ابتدائی سائنس کی بنیاد رکھی۔"

تفصیلی گفتگو کے لئے خاصا وقت درکار ہے۔ کہ قرآن نے سائنس کے مختلف اہم مسائل

کو کس طرح اپنے منفرد انداز میں واضح کیا ہے۔ اور کس بے مثل طریقہ سے حصولِ علم کی تڑپ اس قوم میں پیدا کی۔ جو جاہل ہونے کے ساتھ تحصیلِ علم کے خلاف تھی۔ بلکہ پڑھنے اور سیکھنے کے فن سے سخت متنفر تھی۔

قرآن مجید میں سائنسی مطالعہ پر زور مذاہبِ عالم میں بالکل منفرد ہے۔ ہمارے اردگرد بکھرے ہوئے گوناگوں مظاہرِ فطرت کی طرف ہماری توجہ بار بار مبذول کرائی جاتی ہے۔ مسلمانوں کو بار بار ترغیب دی جاتی ہے کہ تحصیل علوم سائنس ان کا مذہبی فریضہ ہے۔ جس عظیم سچائی سے قرونِ اولیٰ بے خبر تھیں، اس کا قرآنِ مجید نے تواتر سے تذکرہ کیا کہ کائنات کی ہر چیز خدمتِ انسانی کے لئے ہے۔ اور اس کو اپنے استعمال کے لئے زیر کرنا ضروری ہے۔ ہیئتِ انسانی اور ان کے افعال، حیوانی ڈھانچہ، افعال اور تقسیم حیاتیات، نباتات کی ہیئت، بناوٹ، افعال، درجہ بندی اور تقسیم کا مطالعہ کرنے کی یہ ترغیب دیتا ہے جو کہ دورِ حاضر میں علم حیاتیات (BIOLOGY) کے مسائل ہیں۔

یہ ہمیں مادہ (MATTER) اور توانائی (ENERGY) سے متعلق تمام امور کے مطالعہ کا بھی درس دیتا ہے۔ جو کہ آج کی علم طبیعات (PHYSICS) کا مسئلہ ہے۔ یہ ابتدائی اور مرکب جوہر (SUBSTANCE) کے باہمی اتصال اور ایک دوسرے پر عمل کے اصولوں پر غور و خوض کی دعوت دیتا ہے۔ جو کہ اس دور میں علم کیمیا (CHEMISTRY) کا مسئلہ ہے۔ یہ کرۂ ارضی کی بناوٹ، اس کی معدنی اجزا کی ترکیب، اس کے مختلف طبقات اور ان کے نامیاتی مواد میں ہونے والی مختلف تبدیلیوں وغیرہ کے بارے میں سوچ بچار کا بھی درس دیتا ہے، جو کہ موجودہ زمانے میں علم ارضیات (GEOLOGY) کے مسائل ہیں۔ یہ زمین کی عام کیفیت، اس کی سمندروں، دریاؤں پہاڑوں اور میدانوں وغیرہ کی طبعی اور سیاسی تقسیم کے مطالعہ کی بھی تاکید کرتا ہے، جو کہ اس وقت جغرافیہ (GEOGRAPHY) کے مسائل ہیں۔ یہ اختلاف لیل ونہار، موسمی تغیر و تبدل، سیاروں کی حرکات اور دیگر آسمانی مظاہر کے محرکات پر بھی غور و فکر کی دعوت دیتا ہے، جو کہ دورِ حاضر میں علم ہیئت (ASTRONOMY) کے مسائل ہیں۔ یہ ہواؤں کی گردش، بادلوں کی پیدائش اور بناوٹ، بارش کے نزول اور اس قسم کے دیگر عجائباتِ قدرت کے مطالعہ کی

ترغیب دیتا ہے جو کہ موجودہ زمانہ میں علم حوادث (METEOROLOGY) کے مسائل ہیں۔
اب میں چند آیات قرآنی پیش کرتا ہوں، جن کا تعلق سائنسی علوم سے ہے، اور جو پوری کائنات کو سائنس کے مطالعہ اور تحقیق کا میدان قرار دے کر سائنس کی ہر قابلِ فہم شاخ کے فروغ کے لئے جامع اپیل کرتی ہیں۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَّ تَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ (۲ : ۱۶۴)

اہلِ خرد کے لئے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں رات دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کے لئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے، پھر اس کے ذریعے سے زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کے جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے۔ ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو زمین کے تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، بے شمار نشانیاں ہیں۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ○ (۳ : ۱۹۰)

بے شک ہوشمندوں کے لئے آسمان و زمین کی پیدائش اور رات دن کے باری باری آنے میں نشانیاں ہیں۔

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ○ (۱۰ : ۶)

رات دن کے باری باری آنے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے، اہلِ تقویٰ کے لئے ان میں نشانیاں ہیں۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ ۝ (۵۱: ۲۰)

یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں نشانیاں ہیں۔

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۔ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ، وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۔ (۸۸: ۱۷-۲۰)

کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنایا گیا، اور آسمان کو کیسے بلند کیا گیا اور پہاڑوں کو کیسے قائم کیا گیا۔ اور زمین کیسے بچھائی گئی۔

جہاں تک کائنات میں پائی جانے والی زندگی کی مختلف اشکال اور ان کی ساخت کا تعلق ہے، قرآن کریم واضح طور پر بتدریج نشوونما (EVOLUTION) کے اصول بتاتا ہے۔ اللہ کا پہلا وصف جو قرآن مجید کے پہلے پارے میں دیا گیا ہے، وہ رب العلمین ہے۔ یعنی وہ ذات جس نے کائنات کو ایک متواتر عمل سے پیدا کیا۔ اور یہ عمل ابھی تک مختلف اشکال میں ترقی پذیر ہے۔ اب حیاتِ انسانی کے بارے میں قرآن مجید کے خوبصورت سائنس سے متعلق پیرائے سُنیئے۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۔ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۔ (۷۱: ۱۳-۱۴)

تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم پرواہ نہیں کرتے اللہ کی عظمت و جلال کی۔ حالانکہ اس نے تمہیں کتنے مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ۔ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝ (۲۳: ۱۲-۱۴)

ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے پانی کی ایک بوند کی شکل میں اس کو ایک محفوظ مستقر میں رکھا۔ پھر ہم نے پانی کی بوند کو ایک جنین کی شکل دی۔ پھر جنین کو گوشت کا ایک لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے کے اندر ہڈیاں پیدا کیں۔ پھر ہڈیوں کو گوشت کا جامہ پہنایا۔ پھر اسکو بالکل ہی مختلف مخلوق کی شکل میں منتشکل کر دیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے، اللہ بہترین پیدا کرنے والا۔

يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ (۳۹: ۶)

وہ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے۔

جہاں تک نسلِ انسانی کی طبعی بیماریوں کا تعلق ہے، قرآن مجید قدرتی مصنوعات کو اس کا علاج قرار دیتے ہوئے واشگاف الفاظ میں کہتا ہے۔

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ۝ ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (۱۶: ۶۸-۶۹)

اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر القا کیا کہ تو پہاڑوں، درختوں اور مکانوں کی چھتوں میں اپنے گھر بنا۔ پھر ہر قسم کے پھل سے رس چوس۔ پھر اپنے رب کی ہموار راہوں میں چل۔ اس کے پیٹ سے مشروب نکلتا ہے، جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ بیشک اس کے اندر بڑی نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو غور کرتے ہیں۔

اب مجھے پودے کی زندگی کے سائنس سے مطالعہ سے متعلق چند آیات پیش کرنے دیجئے۔ قرآن پاک کے ان الفاظ میں کس قدر ناقابلِ مزاحمت اپیل موجود ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ

(۶ : ۱۰۰)

اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس سے ہر قسم کی نباتات اگائیں پھر ہم نے اس سے ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کئے۔ پھر ان سے تہ بہ تہ چڑھے ہوئے دانے نکالے۔ اور کھجور کے گابھے سے لٹکتے کھجوروں کے گچھے پیدا کئے۔ اور انگور زیتون اور انار کے باغات لگائے۔ جو ایک دوسرے سے مشابہ بھی ہیں۔ اور ایک دوسرے سے مختلف بھی۔ پھر ہر ایک کے پھل کو دیکھو، جب وہ پھل لاتے اور پکتے۔ بے شک ان چیزوں میں اہل ایمان کے لئے نشانیاں ہیں۔

حیوانات کی دنیا بھی قرآن کے نزدیک کوئی کم اہمیت نہیں رکھتی۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○

(۱۶ : ۶۶)

بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں بھی بڑا سبق ہے۔ ہم ان کے پیٹوں کے اندر کے گوبر اور خون کے درمیان سے تمہیں دودھ پلاتے ہیں۔ جو پینے والوں کیلئے نہایت خوشگوار ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۚ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

(۲۴ : ۴۵)

اور اللہ نے ہر جاندار پانی سے بنایا۔ ان میں سے کوئی اپنے پیٹ کے بل چلتا ہے۔ اور کوئی دو ٹانگوں پر اور کوئی چار ٹانگوں پر۔ اللہ جو کچھ چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قرآن مجید معدنیات، اشجار اور حیوانات کے مطالعہ کی طرف ہماری توجہ مسلسل مبذول کرواتا ہے۔ یہ ایسے بنیادی حقائق کی تعلیم دیتا ہے، جو پہلے پوشیدہ تھے اور دورِ حاضر کے سائنسدان بھی ابھی ان سے روشناس نہیں ہوئے۔ بلکہ انہوں نے ایک سرسری سی جھلک دیکھی ہے۔

نزولِ قرآن سے قبل سائنسی افکار نے دنیا کو چار حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔

۱۔ حیوانِ ناطق :۔ یعنی جنہیں تخصیصِ جنس، عقل، قوت گویائی اور روحانی شعور عطا کیا گیا۔

۲۔ حیوان غیر ناطق :۔ زندگی اور تخصیصِ جنس رکھنے کے باوجود نہ تو انہیں روحانی شعور تھا۔ اور نہ ہی عقل اور قوتِ گویائی کی نعمتوں سے مستفید ہوتے تھے۔

۳۔ نباتات :۔ پودے اگرچہ فنا ہونے کی خاصیت رکھتے تھے۔ مگر عقل و آگاہی قوت گویائی اور زندگی سے محروم تھے۔

۴۔ باقیماندہ غیر ذی روح اشیاء پر مشتمل، جو بے جان، نشوونما اور فنا ہونے کی خاصیت سے محروم، عقل و آگاہی، قوتِ گویائی اور جنسی امتیاز سے نابلد بھی۔

تب قرآن مجید کا نزول ہوا جس نے پورے سائنسی نظریہ میں بھی انقلاب برپا کر دیا۔ اس نے انکشاف کیا۔ کہ چھوٹے سے چھوٹا ذرہ اور نازک ترین پتہ بھی اپنی زندگی کے مخصوص انداز میں شعور رکھتا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ زبان کی نعمت صرف انسان کو ہی ودیعت نہیں کی گئی بلکہ حیوان غیر ناطق، اشجار حتیٰ کہ جنہیں غیر ذی روح اشیاء کا نام دیا جاتا ہے، ان کو بھی اس سے نوازا گیا ہے۔ مزید برآں انہیں یہ نعمت اس لئے عطا ہوئی ہے، کہ وہ اپنے خالق کے گن گائیں۔ جس کے وجود اور اس سے اپنے تعلقات سے وہ بخوبی آگاہ ہیں۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ○ (۲۷:۱۶)

اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے۔ اور اس نے کہا۔ لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔ اور ہمیں ہر طرح کی چیزیں عطا ہوئی ہیں۔ بیشک یہ اللہ کا نمایاں فضل ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ○ (۲۴:۴۱)

کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں، جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ اور پرندے پر پھیلاتے رہتے ہیں۔ ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح سے واقف ہے۔ اور اللہ ان کے کاموں کو جانتا ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ○ (۱۷:۴۴)

اس کی پاکی ساتوں آسمان اور زمین اور وہ ساری چیزیں بیان کر رہی ہیں، جو آسمان و زمین میں ہیں، کوئی چیز ایسی نہیں جو اُسے سراہتی ہوئی پاکی نہ بولے۔ اور تم اس کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ وہ بڑا ہی بردبار اور درگذر کرنے والا ہے۔

قرآنِ مجید نے یہ نظریہ بھی دیا کہ تخصیصِ جنس صرف انسان و حیوان میں ہی نہیں بلکہ یہ نباتات و معدنیات میں بھی موجود ہے۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ (۵۱:۴۹)

اور ہم نے ہر چیز کے دو جوڑے بنائے، کہ تم دھیان کرو۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (۳۶:۳۶)

پاک ہے وہ ذات جس نے سب جوڑے بنائے۔ ان چیزوں سے جنہیں زمین اگاتی ہے۔ اور خود ان سے اور ان چیزوں سے جن کی انہیں خبر نہیں۔

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ (۱۳:۳)

اور زمین میں ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے بنائے اور وہی دن پہ رات طاری کرتا ہے۔ بیشک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

قرآنِ کریم حیوانات کی معاشرتی زندگی کی طرف کتنے شاندار الفاظ میں ہماری توجہ مبذول کرواتا ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰۤئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ○ (۶:۳۸)

اور کوئی جانور نہیں جو زمین پر چلتا ہو، اور کوئی پرندہ نہیں جو ہوا میں اپنے دونوں پروں سے اڑتا ہو۔ یہ سب تمہاری طرح ہی امتیں ہیں۔ ہم نے اپنی کتاب میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پھر یہ سب اپنے پروردگار کی طرف اٹھائے جائیں گے۔

اب علم کیمیا کے بنیادی مسائل، جوہر (SUBSTANCE) کی خاصیتیں اور ان کے باہمی اتصال اور ایک دوسرے پر عمل کے اصولوں کے بارے میں چند آیات پیش کرتا ہوں۔

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ○ (۱۶:۱۳)

اور وہ جو زمین میں تمہارے لئے پیدا کیں رنگ برنگ چیزیں۔ بیشک یاد کرنے والوں کے لئے اس میں بڑی نشانی ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ
وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ○ (۲۵:۵۳)

اور وہی ہے، جس نے دو سمندروں کو ملا رکھا ہے۔ ایک لذیذ و شیریں اور دوسرا تلخ و شور اور دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے، جو انہیں آپس میں ملنے سے روکتا ہے۔

قرآن مجید میں ارضیات (GEOLOGY)، جغرافیہ (GEOGRAPHY) اور علم حوادث (METEROLOGY) سے متعلق خاصی بحث موجود ہے۔ زمین کے اجزائے ترکیبی اور خصوصیت سے طبقات ارضی، شب و روز اور بارش و برفباری کا عمل، زمین کی میدانی اور پہاڑی علاقوں میں تقسیم، مختلف شکل و صورت کے لوگ، مختلف خطوں کے جانور، اور مختلف نباتات، وغیرہ کو سامعین میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کہتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِیْبُ سُوْدٌ ○ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ ○ (۳۵:۲۷-۲۸)

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا۔ تو ہم نے اس سے رنگ برنگ پھل نکالے، اور پہاڑوں میں سفید و سرخ اور گہرے سیاہ رنگ کے راستے ہیں اور اسی طرح انسانوں، جانوروں اور مویشیوں کے رنگ مختلف ہیں۔ اللہ سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی ڈرتے ہیں۔ بیشک اللہ عزت والا اور بخشنے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ ثُمَّ یَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَیُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ ؕ یَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ

یَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ○ یُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ○ (۲۴:۴۳-۴۴)

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بادل کو نرم نرم چلاتا ہے۔ اور پھر انہیں آپس میں ملاتا ہے پھر انہیں ایک کثیف ابر بنا دیتا ہے۔ پھر اس میں سے بارش برستی ہے اور پھر آسمان سے ان پہاڑوں کی بدولت اولے برساتا ہے۔ پھر جس پر چاہے ڈالتا ہے اور جسے چاہے بچاتا ہے۔ اس کی بجلی کی چمک نگاہ کو خیرہ کئے دیتی ہے۔
رات دن کا بدلتے رہنے میں نگاہ والوں کے لئے ایک سبق موجود ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ○ (۳۰:۲۲)

اس کی نشانیوں میں سے ہے، آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف، بیشک اس میں جاننے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ○ (۱۶:۶۵)

اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، تو اس سے زمین کو زندہ کیا اس کے بنجر ہونے کے بعد۔ بیشک اس میں نشانی ہے جو کان رکھتے ہیں۔

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۚ اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ ○ وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ ○ (۳۶:۳۳-۳۴)

اور ان کے لئے ایک نشانی مردہ زمین ہے۔ ہم نے اُسے زندہ کیا ہے۔ اور پھر اس سے اناج نکالا ہے، تو اس میں سے کھاتے ہیں۔ اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ بنائے اور اس میں کچھ چشمے بہائے۔

(تاکہ یہ اس کے پھل کھائیں۔ یہ سب کچھ ان کے اپنے ہاتھوں کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے)

آسمانی مناظرِ قدرت خصوصاً اجرامِ فلکی کی اپنے مدار میں تبدیلیاں اور ان کی پیمائش، گردشِ لیل ونہار وغیرہ کے مطالعہ پر بار بار زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن کا فرمان ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝
(۱۰:۵)

وہی ہے جس نے سورج کو جگمگاتا بنایا اور چاند کو چمک دمک عطا کی۔ اور اس کے لئے منزلیں ٹھہرائیں کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جانو۔ اللہ نے ان سب کو بامقصد بنایا اور نشانیاں کھول کر پیش کیں علم والوں کے لئے۔

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝
(۶:۹۶)

تاریکی چاک کرکے صبح بنانے والا۔ اسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا اور چاند اور سورج کے طلوع وغروب کا حساب مقرر کیا۔ یہ اسی زبردست قدرت اور علم رکھنے والے کے اندازے ہیں۔

اب یہاں روشنی اور حرارت سے متعلق صرف دو خوبصورت قرآنی آیات پیش کئے جاتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ۝ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ۝ (۲۵:۴۵، ۴۶)

اے محبوب! کیا تم نے اپنے رب کی اس قدرت کی طرف نگاہ نہیں کی کہ کس طرح وہ سایہ کو پھیلا دیتا ہے۔ اگر وہ چاہتا، تو اس کو اسی طرح ساکن چھوڑ دیتا۔ پھر ہم سورج کو اس پر ایک دلیل راہ بناتے ہیں۔ پھر ہم اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔

کاؤنٹ رامفورڈ (COUNT RUMFORD) کے مطابق حرارت (HEAT) توانائی (ENERGY) کی صورت میں میکانکی امور (MECHANICAL WORKS) سے پیدا ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید نے بہت پہلے بڑے دلنشیں انداز میں اس کی وضاحت کی ہے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ۝ (۳۶:۸۰)

جس نے سرسبز درخت سے آگ پیدا کی۔ تم اسے سلگاتے ہو۔

قرآن کی ایک اور آیت ہوا کے توازن اور دباؤ کے بارے میں واضح اشارہ کرتی ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ ۚ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ۝
(۶۷:۱۹)

اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندے نہ دیکھے پر پھیلاتے اور سمیٹتے۔ انہیں کوئی نہیں سہارا دیتا سوائے رحمٰن کے۔ بے شک وہ سب کچھ دیکھتا ہے۔

مختصراً یہ کہ نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم نے سائنس کی تعلیم کے حصول کو مسلمانوں کے فرائض میں شامل کرکے سائنس کی عظمت ان کے قلوب میں جاگزیں کردی۔ انہوں نے اس تعلیم کو عبادت سے بھی زیادہ اہمیت دی اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ جوں جوں خالق کی تخلیق کے بارے میں انسان کا علم بڑھتا ہے، اسے عبادت میں اتنا ہی زیادہ شغف حاصل ہوتا ہے۔ یہاں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے متعلق چند احادیث پیش کرتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا۔

"رموزِ کائنات میں ایک گھنٹے کا تفکر و تدبر ستر برس کی عبادت سے بہتر ہے۔"

"حصولِ علم و حکمت پر ایک گھنٹہ صرف کرنا ایک ہزار رات کی عبادت سے زیادہ افضل ہے۔"

"علماء کی گفتگو سننا اور حکمت (سائنس) کی باتیں دلوں میں جاگزیں کرنا مذہبی اشغال میں مبتلا (مصروف) رہنے سے کہیں بہتر ہے۔"

مسلمانوں نے معلمِ انسانیت کی ان ترغیبات سے متاثر ہو کر فلسفہ اور سائنس کے فر

سلم کے عظیم صحابہ کرام کو بھی خطۂ عرب اور اس سے باہر ہر جگہ اسی قسم کے حالات سے نبرد آزما ہونا پڑا۔

یورپ جو کہ اپنی مادی ترقی پر آج اتنا نازاں ہے، اُس وقت توہمات زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ کلیسائی آقاؤں کے تراشیدہ بتوں کے سامنے سربسجود ہونے پر مجبور تھا۔ ان کلیسائی آقاؤں کی تعلیم کا بنیادی اصول ہی بقول ڈاکٹر رابنسن (DR. ROBINSON) :-

"عقلِ انسانی سے ماوراً اور ایک سربستہ راز"

کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لئے دلائل کی کسوٹی پر پرکھنا سعیٔ لاحاصل قرار دیا جاتا تھا۔ اس کو اسلام کی دانشورانہ تحریک نے جھنجوڑ کے رکھ دیا۔ چنانچہ اسلام کی استدلالی قوت سے اِن کی خود ساختہ تعلیمات اور جھوٹے وقار کو زبردست خطرہ لاحق ہو گیا۔ جب اسلام کی استدلالی تحریک اور کلیسا کی من گھڑت تعلیمات میں موافقت نہ ہو سکی، تو پوری دُنیائے عیسائیت متحد ہو کر منطقی ہتھیاروں کی بجائے تیر و تفنگ سے لیس ہو کر اسلامی ثقافت کو نیست و نابود کرنے کے لئے کمربستہ ہو گئی۔ یہی وجہ تھی کہ فروغِ علم مسلم معاشرہ کا بنیادی رکن ہونے کے باوجود اسلام کے پیروکاروں کو ایک پوری صدی مخالف قوتوں کا زور توڑنے پر صرف کرنا پڑی۔ تاکہ علمی کاوشوں کے لئے ایک محفوظ اور بے خطر ماحول میسر آ سکے۔

حجاز کی مقدس سرزمین سے باہر قدم نکالنے کے سب سے پہلے جس اجنبی فکر سے اسلام کو سابقہ پڑا، وہ یونانی فلسفہ و سائنس تھی، جو سرپرستی سے محروم ہونے سے بے اعتنائی کا شکار، اور عیسائی پر اپنی تمام تر توجہ مبذول کر دی۔ اپنے دَور کے غیر مہذب اور جاہل عوام کو علم و حکمت کے زیور سے آراستہ کرنا اور ان کی بداعتقادی اور توہمات کو جڑوں سے پھینکنے کے بعد فہم و فراست کے ہر معیار پر پورا اترنے والا دین پیش کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ چنانچہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کے غیر مہذب بدوؤں کی وحشیانہ مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، جنہیں سالہا سال کی نصیحت اور حکیمانہ جدّ و جہد سے ہی راہِ راست پر لایا جا سکتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ

کلیساؤں کی متشدّدانہ مخالفت کے سبب نیم مردہ تھی۔ جب کہ مسلمانوں کو ان کے عظیم ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ تھی کہ :-

"علم مومن کی گمشدہ میراث ہے۔ جہاں سے بھی ملے اسے لے لینا چاہئے"۔

نامور یورپی مؤرخ ڈریپر (DRAPER) اپنی معرکۃ الآرا کتاب "مذہب اور سائنس کا معرکہ (CONFLICT BETWEEN RELIGION AND SCIENCE) میں مذکورہ حقائق کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وصال (مبارک) سے ایک صدی سے بھی کم عرصہ میں بڑے بڑے یونانی فلسفہ دانوں کی تصنیفات کا ترجمہ عربی میں کر لیا گیا تھا"۔

یہ ایک عظیم الشان تحریک کے سورج کی محض افق تابی تھی۔ جب کہ اسلام کی سائنسی فطرت اس وقت بھرپور طور پر جلوہ فگن ہوئی۔ جب بغداد عباسیوں کے زیرِ نگین آیا، اور ملتِ اسلامیہ جس نے اُس وقت تک صرف میدانِ حرب میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے تھے۔ پوری دلجمعی کے ساتھ علمی تحقیق و تجسس پر کمربستہ نظر آنے لگی۔ دورِ حاضر کے منفرد مسلم تاریخ دان سید امیر علی اپنی محققانہ تصنیف "روحِ اسلام" (THE SPIRIT OF ISLAM) کے صفحہ نمبر ۳۶۰ پر انتہائی خوبصورت انداز میں رقم طراز ہے۔

"دنیا کی ہر بڑی قوم کا ایک سنہری دَور ہوتا ہے۔ رومیوں اور یونانیوں کے عظیم الشان ادوار کے بارے میں تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے۔ اسی طرح عالم اسلام بھی ایک وقت عظمت کی بلندیوں کو چھو رہا تھا۔ متوکل باللہ کے مختصر دورِ حکومت سے قطع نظر ہم انصاف سے کہہ سکتے ہیں کہ منصور کے عہدِ اقتدار سے لے کر معتضد باللہ کے انتقال تک کا دَور اگر ان سے اعلیٰ شان و شوکت اور زیادہ کرّ و فر والا نہیں تو ان کے ہم پلّہ ضرور ہے۔ پہلے چھ عباسی خلفاء خصوصاً مامون کے زیرِ اقتدار مسلمانوں نے اپنی تہذیب و ثقافت

کو خاصی ترقی دی۔ جب یونان اپنے بیش بہا خزانوں سمیت موت کے دروازوں پر سسک رہا تھا، ایک جانب روم اور دوسری سمت ایران اور بہت فاصلے پر ہندوستان اور چین گہری نیند سو رہے تھے۔ ان حالات میں عرب اپنی غیر معمولی ذہانت اور مرکزی حیثیت کے سبب امتیازی حیثیت سے اُبھرے اور پوری انسانیت کے معلم بن گئے۔ ایک دستور اور قومی احساس سے نوازنے والے عظیم پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تربیتی تعلیمات اور اپنی حکومتوں کی سرپرستی کے تحت عربوں نے مشرق و مغرب سے علوم حاصل کئے۔ ان کو اپنے آقا کی تعلیمات کے مطابق ڈھالا۔ اور سپاہیانہ زندگی سے عالمانہ زندگی کی طرف سفر شروع کر دیا۔"

ہمبولٹ (HUMBOLDT) کہتا ہے کہ عربوں نے دریائے فرات سے لے کر اسپین اور وسطی افریقہ تک کی اقوام پر اپنا اثر و رسوخ بڑھایا۔ ان کی بے مثال علمی کاوشوں نے تاریخ عالم میں ایک یادگار دَور کا اضافہ کیا۔"

اگرچہ علم کی کوئی بھی ایسی شاخ نہیں جس میں مسلمانوں نے اپنی کارکردگی کا مظاہرہ نہ کیا ہو، تاہم میں صرف چند اہم علوم کی وضاحت کروں گا۔ اس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں نے نہ صرف سائنس کے میدان میں ترقی کی راہیں کھولی ہیں، بلکہ انہیں بہت سی سائنسی ایجادات کرنے کا بھی فخر حاصل ہے۔

میں نے آغاز میں ہی کہا تھا کہ اسلام کا اصول یہ بھی ہے کہ مکمل تحقیق کے بغیر کسی بات کو تسلیم نہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں دیگر مذاہب میں یہ حجت پیش کی جاتی ہے کہ مذہبی امور میں دلائل کو مداخلت کا حق نہیں۔ وہاں مسلمانوں کو یہ اصول دیا گیا ہے کہ بحث و تمحیص کے بعد دلائل کی روشنی میں اپنے ذہن کو اچھی طرح مطمئن کرو۔ تمہارے یقین میں خود بخود پختگی آجائے گی چنانچہ طبعی امور میں مسلمانوں کے نظریات میں کمزوری کا امکان کیسے ممکن تھا۔ اور تجربات و مشاہدات کے بغیر وہ اپنی آرا کیونکر قائم کر سکتے تھے چنانچہ جب ان کے اذہان اس طرف مائل ہوتے تو نہ صرف انہیں

سائنسی بصیرت ملی، بلکہ وہ سائنس کے میدان میں معلم بھی بن گئے۔ سائنس کی بنیادی ترقی ابتدائی قواعد کا اجرا تھا۔ جن کے متعلق انہیں قرآن مجید میں تعلیم دی گئی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سائنس کبھی بھی اپنی قدیم بنیادوں سے اُبھر کر دورِ حاضر کی کارآمد اور مفید صورت اختیار نہ کرتی۔ ایک مشہور مؤرخ کے مطابق:۔

"نظریات کی جگہ عملی سائنس نے لے لی۔ اور قدیم سائنسدانوں کے خام نظریات نے مثبت سائنس کا روپ دھار لیا۔"

بریفالٹ (BRIFFAULT) اپنی کتاب تعمیر انسانیت (MAKING OF HUMANITY) کے صفحہ ۱۹۰ تا ۲۲۰ پر یوں رقمطراز ہے۔

"آکسفورڈ میں ان کے پیروکاروں کی وجہ سے راجر بیکن نے عربی اور عربی سائنس کی تعلیم حاصل کی۔ نہ راجر بیکن اور نہ ہی اس کے بعد اس کے پیروکاروں کو تجربات پر مبنی قواعد کے اجراء کا اعزاز حاصل ہے، بلکہ راجر بیکن تو صرف مسیحی یورپ کو دکھانے والا مسلم سائنس اور قواعد کا مبلغ تھا۔ اور اس نے ہمیشہ بلاجھجک یہ بات کہی ہے کہ اس کے معاصرین کے حقیقی علوم تک پہنچنے کے لئے عربی اور عربی سائنس کا راستہ ہے۔ تجربات پر موقوف قواعد کے بارے میں بحث و تمحیص دراصل یورپی تہذیب کے وسیع پیمانے پر غلط بیانی کا ایک حصہ ہے۔ بیکن کے زمانہ میں یہ قواعد دور تک پھیل گئے۔ اور ان کو بڑی سرعت کے ساتھ یورپ میں فروغ حاصل ہوا۔"

"سائنس عرب معاشرہ کی طرف سے موجودہ دنیا کے لئے ایک بہترین تحفہ ہے۔ اس کے اثرات بعد میں نمودار ہوئے۔ عربوں نے اپنے عہد اقتدار میں جو عظیم کارنامے انجام دیئے۔ ان کے اثرات اسپین کی ثقافت ختم ہونے کے بعد نمایاں ہوئے۔ یہ صرف سائنس ہی نہ تھی جس نے یورپ کو نئی زندگی عطا کی، بلکہ اسلامی تہذیب کے گوناگوں اثرات نے یورپی زندگی میں روح پھونکنے کا کام کیا۔"

"اگرچہ یورپی ترقی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس سے اسلامی تہذیب کے فیصلہ کن اثرات کا سراغ نہ مل سکے۔ اس سے بڑھ کر اس کی صداقت کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ عظیم قوت جس نے دورِ جدید میں اپنی قوت کا لوہا منوایا، اس کی ترقی میں بھی اس کا عروج کارفرما ہے۔ اور اس کی کامیابی کے سب سے اہم ذرائع ـــ قدرتی سائنس اور سائنسی روح ہے۔"

"سائنس نے جو عربی تہذیب سے گہرے اثرات قبول کیے، وہ صرف انقلابی نظریات کی حیرت انگیز دریافتوں پر مشتمل نہیں بلکہ سائنس مسلم ثقافت کی مرہون منت ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ قدیم دنیا سائنس کی دنیا نہ تھی۔ علم ہیئت اور علم ریاضی بیرونی درآمد ہونے کے سبب یونانی تہذیب میں رچ بس نہ سکے۔ یونانیوں نے قواعد، اصول، کلیات و نتائج اور نظریات مرتب کیے۔ لیکن تحقیق کے مستقل طریق، مثبت علم کا فروغ، اصول سائنس کی باریکیاں، تفصیلی و دیرپا مشاہدات، تجربات پر مبنی تحقیق کا کام یونانی مزاج کے متضاد تھے۔ صرف یونانی علوم اسکندریہ (HELLENSTIC ALEXANDRIA) میں کچھ امور میں پیش رفت ہوئی۔ یہ کام قدیم رواتی دنیا میں وقوع پذیر ہوا۔ لیکن جسے ہم سائنس کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ تحقیق کی نئی روح، تحقیق کے نئے زاویے، تجربات پر موقوف قواعد، مشاہدات، پیمائش و ریاضی کی ترقی کے ایسے طریق و اسلوب جن سے یونانی واقف نہ تھے، یورپ میں رونما ہوئی۔ یہ انداز اور طریق یورپ میں پھیلانے کا سہرا عربوں کے ہی سر ہے۔"

ڈریپر کی رائے بھی اس سلسلہ میں پیش کرنے کے قابل ہے۔ وہ مذہب اور سائنس کا معرکہ (CONFLICT ....) کے صفحہ ۱۱۲ پر رقمطراز ہے۔

"تجربہ اور مشاہدہ عربوں کے طریق کا لازمی وصف ہے۔ علم ہندسہ (GEOMETRY) اور علوم ریاضی (MATHEMATICAL SCIENCES) میں انکی

نظریں دلائل قوت پر مرکوز ہیں۔ اور یہ دلچسپ امر ہے کہ علوم حرکت و سکون (MECHANICS) آبی ٹھہراؤ (HYDROSTATICS)، بصارت (OPTICS) کے بارے میں بے شمار تصانیف میں انہوں نے ہر مسئلے کا حل عملی تجربات کے بعد پیش کیا ہے۔ اور انہیں تجربات اور مشاہدات نے انہیں علم کیمیا (CHEMISTRY) کا بانی بنا دیا جس نے انہیں عملِ کشید (DISTILATION)، عملِ تصعید (SUBLIMATION) پگھلاؤ (FUSION) کا عمل اور عملِ تقطیر (FILITERATION) وغیرہ کے لئے ہر قسم کے آلات کی ایجاد کی طرف رہنمائی کی۔ انہیں علم ہیئت میں زاویہ کی پیمائش، سورج اور ستاروں کی بلندی ناپنے کے آلات (QUADRANTS) اور اصطرلاب (ASTROLABES) وغیرہ کی ایجادات اور علم کیمیا میں ترازو کے استعمال کی ترغیب دی، جس کے نظریہ سے وہ پہلے ہی بخوبی واقف تھے۔ کثافت اضافی (SPECIFIC GRAVITY) اور علم ہیئت کے پیمانوں کی ایجاد میں مدد دی۔ جس کو بغداد، سپین اور سمرقند میں بہت عروج حاصل ہوا۔ علم ہندسہ (GEOMETRY) علم مثلث (TRIGNOMETRY) اور علم جبر و مقابلہ (ALGEBRA) کی ایجاد اور علم حساب (ARITHMETIC) میں ہندوستانی گنتی کو اپنانے میں رہنمائی کی۔ ـــ ان کے نتیجہ خیز عملی طریق کی طرف جھکاؤ سے ایسے نتائج برآمد ہوئے کہ افلاطون کے "خیالی پلاؤ" اپنی موت آپ مرگئے۔"

مظاہر قدرت اور اس میں عمل انگیز قوانین کے مشاہدہ اور مطالعہ کی قرآن کریم کی بار بار تاکید نے مسلمانوں کو علم طبیعیات کی طرف مائل ہونے پر مجبور کیا، انہوں نے قدیم ماہرین طبیعیات کے نظریات سیکھ کر ان میں ضروری تصحیح کی اور پھر اس کی ترقی میں تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ اپنے عروج کے وقت مسلمانوں نے ابن سینا، عبدالرحمن صوفی، البیرونی، عمر ابن خلدون، یعقوب ابن طارق، مسلمہ المغربی، ابن ہشام، ابن رشد، ابن ہیثم (الہیثم) اور ابن یونس جیسے ہزاروں ماہرین طبیعیات پیدا کیے۔ جن میں پنڈولم اور اس کی حرکت سے وقت کے تعین کے موجد بھی شامل ہیں۔ مسلم

علماء طبیعات کی ذہانت کا تصور دینے کے لئے یہاں میں صرف ان میں سے ایک ابن الہیثم کا تذکرہ کروں گا۔
سید امیر علی رقمطراز ہے۔

" ابن الہیثم جو کہ الہیثم کے نام سے عموماً جانا جاتا ہے۔ اور کرۂ فضائی کے انعطاف کی دریافت کے بارے میں مشہور ہے۔ گیارھویں صدی کے آخر میں وہ عروج پر تھا۔ اور ایک منفرد ہیئت دان اور ماہر علم بصارت کی حیثیت سے مانا جاتا تھا۔ وہ اسپین میں پیدا ہوا، مگر زیادہ تر مصر میں رہائش پذیر رہا۔ یورپ میں وہ علم بصارت پر کام کی بناء پر مشہور ہے۔ رزنر (RISNER) نے اس کی ایک کتاب کا ترجمہ لاطینی میں کیا ہے۔ آنکھ کی ساخت کے بارے میں اُس نے یونانی غلط تصور کی تصحیح کی۔ اور پہلی دفعہ نظریہ دیا کہ آنکھ سے روشنی کی شعاعیں خارج ہونے کی بجائے بیرونی اشیاء سے آنکھ کی طرف آتی ہیں۔ اور پھر باہر کی اشیاء سے ٹکراتی ہیں۔ اُس نے آنکھ کے پچھلے پردے کو بینائی کا مقام قرار دیا۔ اور ثابت کیا کہ اس پر مرتب ہونے والے اثرات بصری نسوں سے دماغ تک پہنچتے ہیں۔ اس نے منفرد نگاہی (SINGLE VISION) کے طریق پر بھی روشنی ڈالی۔ دو پہلوؤں کے مناسب حصوں پر نظر آنے والا عکس بنا کر اس نے منفرد نگاہی کے قواعد کی وضاحت کی۔ اس نے دریافت کیا کہ انعطافِ نور میں فضائی کثافت کے سبب رد و بدل ہوتا ہے۔ اور فضائی کثافت میں تغیر و تبدل کا تعلق براہ راست بلندی (HEIGHT) کے ساتھ ہے۔ اس نے وضاحت کی کہ انعطاف کے سبب کس طرح چمکتے ہوئے اور نظروں سے اوجھل ستاروں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اس نے یہ بھی صراحت کی کہ فضائی انعطاف اور روشنی کے رستوں پر ہواؤں کے انعکاس کی وجہ سے شفق وجود میں آتی ہے۔ اپنی کتاب توازنِ عقل (THE BALANCE WISDOM) میں اس نے علم و حرکت کے اصول پر بحث کی۔ جن کو عموماً دورِ حاضر کی سائنس کی اجارہ داری سمجھی جاتی ہے۔ فضائی اوزان اور ان کی کثافت کے تعلق اور لطیف و کثیف فضا میں مادی

اشیاء کے آپس میں فرق کے بارے میں اس نے مکمل تشریح کی۔ اس نے روشنی یا مجاری واسطہ میں تیرتے اجسام اور وہ قوت جس سے وہ سطح کی طرف اٹھتے ہیں، ان پر بھی بحث کی۔ وہ کشش ثقل (GRAVITATION) کے اصولوں کو مکمل طور پر سمجھتا ہے۔ اور اس کو ایک قوت کے طور پر تسلیم کرتا ہے۔ وہ گرتے ہوتے اجسام کی رفتار جگہ اور وقت کے تعلقات کے بارے میں صحیح معلومات رکھتا ہے۔

بحوالہ سپرٹ آف دی اسلام صفحہ ۴۷۶، ۴۷۸

مادے کی ساخت کے مطالعہ کی قرآنی ترغیب مسلمانوں کو علم کیمیا کے فروغ کی جانب لے گئی۔ اور اس طرح انہیں علم کیمیا کے بانی کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ یونانیوں اور ان کے پیروکاروں کا علم کیمیا صرف اور صرف اساسی دھاتوں کو سونے (GOLD) میں تبدیل کرنے تک محدود تھا۔ اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان کا طریقہ بذات خود ایک مثبت سائنس تھا لیکن یہ مسلمان ہی تھے، جنہوں نے علم کیمیا کے بنیادی اصولوں کو ترقی دی۔ جن پر علم کیمیا کی تحقیق آگے بڑھائی جا سکتی ہے۔ انہوں نے طبعی ترازو، تقطیر، کشید، پگھلاؤ اور تصعید وغیرہ کے ہر قسم کے آلات ایجاد کئے۔ کچھ بہت اہم کیمیائی مائعات (REAGENTS) گندھک اور شورے کا تیزاب اور الکحل وغیرہ بھی انہی کی دریافت ہے۔ جابر بن حیان، ابو بکر محمد ابن ذکریا الرازی اور ابن سینا جیسے بے شمار سائنسدانوں کے کارنامے تاریخ میں سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔

کیمیا کے اصل بانی جابر رحمتہ کے بارے میں ابن خلکان کی رائے ہے کہ :-

" اُس نے دو ہزار صفحات پر اپنا کام مرتب کیا۔ جس میں اُس نے اپنے آقا امام جعفر صادق کے پانچ سو مسائل کا جواب تحریر کیا ہے۔ اُس (جابر) کے درج ذیل الفاظ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کیمیا میں تجربہ پر موقوف کام کی اہمیت مسلمان سائنسدانوں پر بالکل عیاں تھی۔ وہ کہتا ہے کہ " سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عملی کام اور تجربات کرنے چاہئیں۔ چونکہ جو عملی کام نہیں کرتا اور نہ ہی تجربات کرتا ہے،

وہ منزلِ مقصود تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔"

اس نے کیمیا پر کام کرنے کے لئے دس اہم اصول مرتب کئے۔

۱۔ کام کرنے والے کو کام کی نوعیت معلوم ہونی چاہئے۔
۲۔ ہدایات کو بخوبی سمجھ لینا چاہئے۔
۳۔ ناممکن اور فضول قسم کے امور سے پہلو تہی کرنی ضروری ہے۔
۴۔ وقت اور موسم کا انتخاب بڑی احتیاط سے کیا جائے۔
۵۔ اگر تجربہ گاہ الگ تھلگ مقام پر ہو، تو بہتر ہے۔
۶۔ کیمیا دان کے پاس کچھ قابلِ اعتماد دوست ہونے چاہئیں۔
۷۔ تجربات کے لئے اس کے پاس کافی وقت ہونا چاہئے۔
۸۔ کام کی لگن اور رازداری۔
۹۔ ثابت قدمی۔
۱۰۔ جلد نتائج حاصل کرنے کی آرزو کے سبب تجربات میں غلطی نہ ہونے دینا۔

ادویات MEDICINES

اسلام نے جسمانی صحت کو برقرار رکھنے کے لئے خصوصی ہدایات دی ہیں۔ اور اس کو مسلمانوں کا مذہبی فریضہ قرار دے کر حفظانِ صحت اور جسمانی نشوونما کے قوانین مرتب کئے ہیں۔ اور غذا کے بارے میں ہدایات دیتے ہوئے قدرتی غذاؤں کو بیماریوں کا علاج قرار دیا ہے۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:۔

"کوئی بیماری ایسی نہیں جس کا علاج موجود نہ ہو"

یہی وجہ ہے کہ ادویہ کی سائنس کی دریافت میں مسلمان پیش پیش رہے۔ تعلیم کے اس میدان میں انسانیت ان کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ فنِ دواسازی کی ابتدا یونانیوں کے ہاتھوں ہوئی اور ادویہ کے

خواص کی ترتیب و تحقیق کا تصور ڈائی سکر (DIOSCORIDES) نے سب سے پہلے دیا۔ لیکن اس فن کو مکمل سائنس بنانے کا سہرا بلاشبہ مسلمانوں کے سر ہے۔ علم تشریح الابدان (ANATOMY) اور علم الافعال (PHYSIOLOGY) کی غیر واضح حالت نے انہی کے ہاتھوں ایک مثبت سائنس کا روپ دھارا۔ کیمیائی دوا سازی بھی ان کی ذہانت پر دلالت کرتی ہے اور ڈسپنسری (شفاخانہ) بھی اسلامی معاشرت کی پیداوار ہے۔ عوامی ہسپتال بھی مسلمان حکمرانوں کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔

مسلم حکومتوں کا اپنی رعایا کی صحت کے بارے میں طرزِ عمل کریمر (KREMER) اور سیڈیلوٹ (SEDILLOT) کی تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان کے مطابق ان حکومتوں نے بہت بڑی مقدار میں شفاخانے قائم کر رکھے تھے۔ اور ان شفاخانوں میں حکومت کی طرف سے عملہ متعین تھا۔۔۔۔ قیمتوں اور ادویہ کے معیار کو مناسب رکھنے کے لئے کڑی نظر رکھی جاتی تھی۔ حکومت طبیبوں اور دوا سازوں کا باقاعدگی سے معائنہ کرتی تھی۔ اور لائسنس صرف کامیاب ادویہ داروں کو جاری کئے جاتے تھے، اور صرف انہیں ہی پیشہ اپنانے کی اجازت تھی۔

اس موقع پر مسلمان طبی ماہرین اور سرجنوں کی تاریخی کامیابیوں پر تفصیلی بحث کرنا ناممکن ہے۔ ہزاروں مسلمان اطباء نے اس میدان میں اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ ان کی ذہانت کو پوری دنیا میں تسلیم کیا گیا۔ ابوبکر ابن زکریا الرازی، علی ابن عباس، ابن سینا، ابوالقاسم زہراوی، ابومروان ابن عبدالمالک، ابن زہر، اسپین کے ابن رشد، عبداللہ ابن احمد بیطار، ابوالحسن، ابوجعفر ابن محمد وغیرہ ان ممتاز اطباء سرجنوں میں سے ہیں، جن کی علمی کاوشوں نے انہیں تاریخ میں لازوال مقام عطا کر دیا ہے۔ الرازی بغداد، جندے شاہ پور اور رئے کے سرکاری ہسپتالوں کے پرنسپل کی حیثیت سے فائز المرام رہے ہیں۔ اس نے "حوائے" نامی کتاب بھی لکھی۔

الرازی نے طب پر دو سو سے زائد کتب تحریر کیں۔ جن میں کچھ ۱۵۱۰ء میں وینس میں شائع ہوئیں۔ علی ابن عباسی، الرازی کے پچاس برس بعد اوجِ کمال کو پہنچا۔ اس نے ادویات کے خواص اور ان کے استعمال پر ایک کتاب لکھی جو بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا ۱۲۲۶ء میں

لاطینی میں ترجمہ ہوا۔ جسے مائیکل کیپلا (MICHEL CAPILLA) نے اسی سال لیونز (LYONS) میں شائع کیا۔

۱۱۔ ابن سینا اپنے زمانہ میں مسلمہ فاضل شخصیت تھا۔ جو فلسفی، ریاضی دان، ہیئت دان، شاعر اور طبیب تھا۔ جس کی تحریر میں جامعیت اور جس کی ذہانت میں ہمہ گیری تھی۔ اس نے دور رس عظموں پر اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔ اگر اُسے مشرق کے ارسطو کا خطاب دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

مشرق و مغرب کی یونیورسٹیوں میں کئی صدیوں تک اس کے فلسفیانہ نظریات کی تعلیم دی جاتی رہی۔ مشرق میں وہ شیخ بوعلی سینا کے لقب سے مشہور ہے۔ اُس نے اپنے سیاسی اور فلسفی کام کا آغاز صرف اٹھارہ سال کی عمر میں بخارا میں طبی تعلیم مکمل کر کے کیا۔ اور اپنی مایہ ناز کتاب "قانون اور عروض" تصنیف کی۔ جو بعد ازیں تمام طبی تعلیم کی بنیاد رہی۔ ابوالقاسم زہراوی ممتاز فزیشن و سرجن تھا۔ اُس نے بہت پیچیدہ قسم کے سرجیکل آپریشن کئے۔ عورتوں کے آپریشن سے متعلق اُسی نے بتایا کہ ان میں بہت زیادہ نفاست و نزاکت کے پیشِ نظر تربیت یافتہ عورتیں ہی خطرہ کم کر سکتی ہیں۔ وہ آپریشن کے لئے اپنے زمانہ میں جو آلات استعمال کرتا رہا، انہی کی مدد سے عربوں میں سرجری نے ترقی کی۔ مثانے کی پتھری کا اپریشن (LITHOTOMY) میں وہ جدید دور کے سرجنوں کے ہم پایہ ہے۔ ابن زہر (IBNE ZOHAR) ایک ممتاز فزیشن تھا۔ وہ افریقہ کے فرمانروا یوسف بن تاشفین کے پاس رہا۔ جو ذہین اطبا کو قدر و منزلت سے نوازتا تھا۔ ابن زہر بھی ابوالقاسم کی طرح ادویات کے استعمال اور جراحت کی طرف راغب تھا۔ اس نے سب سے پہلے گلے اور پھیپھڑوں کی بیماری (BRONCHOTOMY) کی تشخیص کی۔ اس کے علاوہ اُس نے کئی اہم امراض کی نشاندہی کی۔ اور ان کا علاج بھی تجویز کیا۔ اُس کے بیٹے نے بھی باپ کی پیروی کرتے ہوئے یوسف بن تاشفین کی افواج میں چیف فزیشن، سرجن کا مقام حاصل کیا۔ قرآن مجید نے جن جڑی بوٹیوں کو حیوانات کی زندگی کے لئے اہم قرار دیا ہے۔ ابن بیطار نے اُس کی تلاش میں پورے مشرق کا سفر کیا۔ اور ایک جامع مقالہ تحریر کیا۔

سائنس کی دیگر شاخوں کی طرح جدید طب بھی مسلم طب سے ہی ارتقاء پذیر ہوئی ہے۔ ڈریپر کے مطابق اٹلی میں سالرنو (SALARNO) کے مقام پر پہلا میڈیکل کالج بھی مسلمانوں نے ہی قائم کیا

علم حیاتیات (BIOLOGY)

فزیکل سائنس کے سلسلہ میں قرآنی آیات کا حوالہ دیتے ہوئے میں نے اگرچہ پہلے مختصراً ذکر کیا ہے۔ تاہم ان سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو نباتات (BOTANY) کے مطالعہ کی کس قدر تلقین کی گئی ہے۔ اب میں علم نباتات میں مسلمانوں کی ابتدائی کاوشوں کا ذکر کروں گا۔

ایک ممتاز مؤرخ کے الفاظ ہیں:۔

"مسلمانوں نے علم نباتات کی ترقی کے لئے بہت تحقیق کی اور دو ہزار پودوں پر کام کر کے یونانی طب میں شامل کیا۔ بغداد، کارڈوا، قاہرہ اور فیض میں تعلیم کے لئے باقاعدہ باغات تھے۔ جہاں علم نباتات کے ممتاز اساتذہ لیکچر دیتے تھے۔"

علم حیوانات (ZOOLOGY) میں بھی مسلمان سائنسدانوں کی خدمات قابل ذکر ہیں۔ مسلم ماہرین حیوانات میں الامیری بہت ممتاز ہے۔ اس نے حیوانات کی تاریخ لکھی، جو اس کی وجہ شہرت ہے۔

علم طبقات الارض (ارضیات) و جغرافیہ GEOLOGY AND GEOGRAPHY

زمین کی تشکیل اور اس کی بناوٹ سے متعلق مسائل کے حل اور اس پر زندہ رہنے کے لئے ضروری عوامل کے متعلق مسلمانوں کو غور و خوض کی ترغیب دینے کے قرآنی احکام نے مسلمانوں کو ارضیات اور جغرافیہ کے مطالعہ کے لئے سرگرم کیا۔ مسلم سائنسدانوں نے تشریح الارض (ANOTOMY OF EARTH) کے نام سے ارضیات کو ترقی دی اور اس کے لئے نمایاں کام سرانجام دیا۔ جغرافیائی تحقیق میں بھی ان کا حصہ واضح اور شاندار ہے۔ انہوں نے طبعی بناوٹ، موسمی حالات، موسموں کے تغیر و تبدل اور زمین کے اثرات کے متعلق اہم دور رس نتائج اخذ کئے۔ انہوں نے زمین کی شکل بنائی اور اس کی جسامت کی پیمائش کی۔

ڈریپر کے مطابق :۔

"انہوں نے بحیرہ احمر کے ساحل پر سینار کے میدانی علاقے میں ــــ ایک اصطرلاب کی مدد سے ایک ہی خط نصف النہار کے دو مقامات پر جو ایک دوسرے سے صرف ایک درجہ پر تھے۔ پول کی سطح سمندر سے بلندی معلوم کی۔ انہوں نے معلوم کیا کہ دو مقامات کے درمیان دو ہزار (ایک قدیم پیمانہ، آدھ گز) ہیشمائٹ کیوبٹ (NASHEMITE CUBITS) کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اس سے زمین کے محیط کی لمبائی چوبیس ہزار میل کے قریب بنتی ہے، جو اصل محیط کے قریب قریب ہے۔ لیکن چونکہ ایسے آلے کی مدد سے زمین کے محیط کی درست پیمائش ممکن نہ تھی۔ لہذا خلیفہ مامون نے عراق میں کوفہ کے قریب ایک اور تحقیقی مرکز قائم کرنے کا حکم دیا۔ ہیئت دانوں کی دو ٹیمیں سرگرم عمل ہو گئیں۔ انہوں نے ایک مخصوص مقام سے کام کا آغاز کیا، ایک ٹیم نے مشرقی اور دوسری نے مغربی سمت میں ایک درجہ قوس پایا۔ ان کے نتائج کیوبٹس (CUBITS) میں ہیں۔ اگر ان کی کیوبٹس کی پیمائش معلوم ہو، جیسے ایک درجہ کی لمبائی رائل کیوبٹ (ROYAL CUBIT) ایک میل کا ہے۔ ان کی پیمائش سے مامون نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ زمین کی بناوٹ کرّوی ہے۔"

انہوں نے زمین کے نقشے بنائے اور ڈریپر کے الفاظ میں :۔

"البغدادی نے مساحت سے متعلق ایک جامع کتاب چھوڑی ہے جسے اس موضوع پر اقلیدس (EUCLIDES) کے حتمی کام کی نقل قرار دیا گیا ہے۔"

ارضی پیمائش کے متعلق مسلمانوں کے ابتدائی کام کے بارے میں سید امیر علی اپنی کتاب (SPIRIT OF ISLAM) کے صفحہ ۳۸۴ پر یوں رقمطراز ہے۔

"ارضی پیمائش سے متعلق ان کی تحقیق معمولی نہیں۔ ابن ہیکل، مقریزی، البیرونی، ابو شجری سعودی، العقی، الادریسی، قزوینی، ابن لودری ابوالفداء

کے تحقیقی کام سے ظاہر ہوتا ہے، کہ مسلمانوں نے سائنس کے اس شعبہ میں جسے ہم رسم الارض کہتے ہیں۔ کتنا کام کیا ہے۔ اس دور میں جب یورپ میں یہ نظریہ تھا کہ زمین چپٹی ہے۔ اور اس نظریہ کے مخالف فرد کو وہ زندہ جلانے کے لئے تیار ہوتے۔ عربوں نے ایسے وقت میں زمین کے گول ہونے کی تعلیم دی۔"

علم ہیئت (ASTRONOMY)

سورج چاند اور ستاروں سے متعلق قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ یہ کائنات کے خالق ومالک کے مظاہر ہیں۔ قرآن مجید بار بار ستاروں کا ان کے محیط میں گردش اور دن اور رات کے بدل بدل کر آنے کی یاد دلاتا ہے۔ سورج کا طلوع و غروب، چاند کا گھٹنا بڑھنا، اور ستاروں کی حرکت کے متعلق ٹھوس اصولوں کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ بات اطمینان بخش ہے کہ قرآن مجید نے واقعہ معراج پر جو غور و خوض کی دعوت دی، اس کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا گیا۔

ستاروں کے روشنی پیما (PHOTOMETRY) کے متعلق عبدالرحمان کوفی کی اصطلاحات قابل ذکر ہیں۔ شہزادہ جعفر نے اپنے قیمتی مقالہ میں دمدار ستاروں کی حرکات سے متعلق اہم معلومات فراہم کی ہیں۔ الکوہی کی ایجادات صیفی نقطہ انقلاب (۲۱ جون) اور اعتدال خریفی (۲۲ ستمبر) بہت زیادہ قابل قدر اور علم ہیئت سیکھنے والوں کے لئے بہت ممد و معاون ہیں۔ ابوالوفا کا علم ہیئت کی جدول (ASTRONOMICAL TABLE) جسے زیج الشیمل (ZIJ USH SHAMIL) کہتے ہیں۔ جو کہ ایک صنعتی یادگار اور قابل دید ہے۔ اس نے علم مثلث (TRIGNOMETRY) اور علم ہیئت میں خط قاطع (SECANT) اور قدر مماس (TANGENT) سے متعارف کرایا۔ یہی نہیں بلکہ ایم سیڈیلٹ (M. SEDILLOT) کہتا ہے کہ اس نے بطلیموس (POTOLEMY) کی لیونر تھیوری (LUNNAR THEORY) کی نشاندہی کرتے ہوئے قدیم مشاہدات کی تصدیق کی۔ اور وسطی مساوات (EQUATION OF

(CENTRE) اور تیسری غیر یکساں کے اِخراج (EVICTION A THIRD INEQUALITY) کا اصول دریافت کیا۔ جو چھ سو سال بعد کی گئی ٹائیکو براہے (TYCHO BRAHE) کی تحقیق کے عین مطابق ہے۔

پنڈولم کے موجد ابن یونس نے پنڈولم کی جنبش (OSCILLATION) سے وقت کی پیمائش کی اور اِس کام کی بدولت اس نے بہت شہرت حاصل کی۔ اور اپنے استاد محترم زیج لاکبر الحکیمی کا نام روشن کیا۔ اس کی تحقیق نے بطلیموس کے کام پر پانی پھیر دیا۔ ایران میں عظیم ہیئت دان اور شاعر عمر خیام نے ۱۰۷۴ء میں، یونان میں جر یسوکوکیس (CHRYSOCOCCES) نے علم کلام میں، بنگول نسل نصیر الدین طوسی نے اور چین میں ۱۲۶۷ء کو چیو کنگ (CO-CHEW KING) نے علم ہیئت میں اسی کام کو متعارف کرایا۔ چنانچہ چین کی قدیم تہذیب اوصاف مسلم تہذیب کے سنہری اصولوں سے مستعار لیے گئے ہیں۔ عظیم مفکر البیرونی کا علم ہیئت کے مقالات کی کتاب "القانون المسعودی" علم و تحقیق کا عظیم خزانہ ہے۔ تعلیم کے مختلف میدانوں میں اس کے کام نے تمام اقوام کے علماء سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ عمر خیام اور عبدالرحمان الخزینی کی سربراہی میں ممتاز سکالروں کے ایک بورڈ نے جو علم ہیئت سے متعلق ضابطے کئے ان کی مدد سے کیلنڈر کی اصلاح ہوئی۔ جس سے چھ سو سال تک سن گریگورین (GREGORIAN) پر برتری حاصل رہی۔ بلکہ بعض ماہرین کے مطابق کیلنڈر اس سے زیادہ درست تھا۔ جس زمانے میں یہ مشاہدات ہوئے، یہ امام مالک جیسے عظیم عالم کا عہد تھا۔ الغ بیگ ابن شہنشاہ تیمور اعلیٰ پایہ کا ماہر ہیئت دان تھا۔ اس کے مشاہدات نے اس کے نام کو جاوداں کر دیا ہے۔ الغ بیگ کیپلر (KEPLER) سے صرف ڈیڑھ صدی بعد ہوا۔

اسلامی دنیا کے آسمان پر نامور ہیئت دان حضرات کی ایک کہکشاں چمکتی ہے۔ جن کی زمانہ ساز ایجادات نے انہیں تاریخ میں لازوال مقام عطا کیا ہے۔ علم ہیئت میں بڑے بڑے ستاروں کے عربی نام علم ہیئت کے طالب علموں کو مسلم ماہرین علم و فن کی غیر معمولی ذہانت

یاد دلاتے رہیں گے۔ مسلم ہیئت دانوں کی تحقیقات پر تفصیلی روشنی ڈالنا اس وقت ممکن نہیں، صرف مختصر جائزہ ہی ممکن ہے۔

عربوں میں ماشاء اللہ اور احمد النہاوندی علم ہیئت کے بانی متصور ہوتے ہیں۔ اپنے وقت کی مسلّمہ شخصیت ماشاء اللہ کے بارے میں ابوالفرج کی رائے ہے کہ اس نے اصطرلاب (ASTROLAB) کرہ فلک (ARMILLARY SPHERE) اور اجرام فلکی (CELESTIAL BODIES) کی حرکات و سکنات کے بارے میں بے شمار مقالات لکھے۔ ان کی اہمیت کی بنا پر آج تک سائنسدان اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ النہاوندی نے اپنے "المستعمل" نامی علم ہیئت کے جدول (TABLE) میں بہت سے ہندو اور یونانی نظریات کی توضیح کی۔ ابن علی، یحییٰ بن منصور اور خالد بن عبدالملک نے اعتدالِ شب و روز، گرہن، دمدار ستارے اور دیگر نظام فلکی کے بارے میں گرانقدر مشاہدات پیش کئے۔ الخوارزمی نے ہندوستانی علم ہیئت کے جدول کی کتاب "سدھانتا" کا ترجمہ کیا۔ اور اپنے مشاہدات بھی اس میں شامل کئے۔ گوناگوں موضوعات پر دو صد کتب تحریر کرنے والے ماہر مجمع العلوم (ENCYCLOPAEDIST) الکندی نے علم ہیئت پر بے شمار رسائل رقم کئے۔

ابو معشر فلکی (جسے یورپی اقوام نے ابومزار کہا) نے سماوی مظاہر پر خصوصی تحقیق کی، اور اس کا جدول ہمیشہ علم ہیئت کے حصول کا اہم ذریعہ رہا ہے۔ سورج اور دیگر اجرام فلکی کی حرکات و سکنات، مدار شمس کی عدم استقامت، چاند کا گھٹنا و بڑھنا، لیل و نہار میں کمی بیشی اور نظام شمسی کی گردش کے بارے میں محمد، احمد اور حسن تین بھائیوں کی تحقیقات اور ایجادات مسلم سائنسدانوں کی ذہانت پر شاہد ہیں۔ علم ہیئت اور علم مثلث میں کورڈ (CHORD) کی بجائے سائین (SINE) اور کوسائین (COSINE) کو متعارف کرانے والے البسانی کے علم ہیئت کے جدول کا ترجمہ لاطینی زبان میں ہوا۔ اور یہ بیش قیمت مواد کئی صدیوں تک یورپ میں علم ہیئت کی بنیادوں میں شامل رہا۔ علی ابن امجور اور ابوالحسن علی ابن امجور قمری گنتی کی درجے

بہت مشہور ہیں۔ سید امیر علی رقم طراز ہے۔

"یورپ میں پہلی مشاہدہ گاہ عربوں نے تعمیر کی۔ سویلے (SEVILLE) مینار عظیم ریاضی دان جابر ابن حافیہ نے ۱۱۹۰ء میں مشاہدات آسمانی کے لئے تعمیر کیا یہ ایک بیش قیمت مینار تھا۔ اور موروں کی تباہی کے بعد ہسپانویوں نے اس سے کوئی اور کام نہ دیکھتے ہوئے گرجے کا گھنٹہ گھر بنا دیا۔"

ڈریپر بیان کرتا ہے کہ:

"عرب ہیئت دانوں نے اپنے آپ کو علم ہیئت کے آلات کی ساخت اور ترقی کے لئے وقف کر دیا۔ ان میں وقت بتانے کے لئے مختلف قسم کی پن گھڑیاں اور دھوپ گھڑیاں شامل ہیں۔ پنڈولم کا استعمال سب سے پہلے انہوں نے کیا۔"

(conflict, Page.116)

دوربین کی انقلابی ایجاد کا سہرا بھی مسلمانوں کے سر ہے۔ جسکے موجد کا نام ابوالحسن ہے۔ ابوالحسن کے مسلم پیروکاروں نے اس کی مزید اصلاح کی۔ اور قاہرہ کی معائنہ گاہوں میں اسے بڑی کامیابی سے استعمال کیا۔ مجھے امید ہے کہ یہاں استفادی علوم (APPLIED SCIENCES) کا مختصر تذکرہ بے جا نہ ہوگا۔

سائنسی امور کے اثرات کا اندازہ صنعت و حرفت میں ہونے والی ترقی سے لگایا جا سکتا ہے۔ زراعت میں آب پاشی کے بہتر طریقے، کھاد کا ماہرانہ استعمال، مویشیوں کی بہتر نسل کشی، دیہاتی زندگی کے لئے دانشمندانہ اصولوں کی وضاحت چاول کی پنیری (CULTURE) کا تعارف، چینی اور کافی کی دریافت بھی مسلم سائنسدانوں کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔

تجارت میں ریشم، کپاس، اون قرطبہ کے دھاگے، مراکو کا چمڑہ اور کاغذ۔ کان کنی، رنگ سازی بہت سے دھاتی عوامل اور بلیڈ بنانے میں سائنس کی تعلیم نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ بحری جہازوں کے قطب نما کی ایجاد، اور جہازرانی کی راہنمائی کے لئے نقشہ جات بھی اسی سائنس کی روح کے رہین منت ہیں۔ جس نے مسلمانوں کو سمندر کا آقا بنا دیا۔

اسلام کا پیدا کردہ انقلاب ایک عظیم انقلاب تھا۔ حصول علم کا کوئی بھی ایسا شعبہ نہیں جس میں مسلمانوں نے اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو بلند مقام پر فائز نہ کیا ہو۔ اس وقت ہم نے صرف چند علوم پر ہی روشنی ڈالی ہے۔ ورنہ فلسفہ، فن، ادب اور بعض دیگر علوم میں بھی مسلمانوں نے اسی قدر بلکہ بعض میں اس سے بھی بڑھ کر کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔

اختتام سے قبل میں مسلمانوں کی علمی کاوشوں کے کربناک پہلو کا تذکرہ بھی ضرور کروں گا۔ طلوع اسلام کے ساتھ ہی مسلمانوں کو اطراف میں پھیلی ہوئی غیر مہذب اور نیم وحشی اقوام کی سفاکانہ دشمنی سے پالا پڑا۔ یہاں تک کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کئی دفعہ جنگ کرنا پڑی۔ آج تک مسلمان جارحیت کا نشانہ بنے ہوئے اور ماضی میں ایک لمحہ بھی انہیں ذہنی سکون نصیب نہیں ہوا۔ گذشتہ ادوار میں تو مسلم ریاستیں اپنے وجود کو برقرار رکھنے کی خاطر شمال میں عیسائی ممالک، مغرب میں منگول اور تاتاری اور مشرق میں ہندو اقوام سے مسلسل برسر پیکار رہی ہیں۔

چونکہ فروغ علم (سائنس) نے غیر مسلم اقوام کے مذہبی اعتقادات پر ضرب کاری لگائی تھی۔ اور ان کے نظریات دلائل کی روشنی کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ لہٰذا دس صدیوں تک عالم اسلام کے علمی اور مادی ترقی کی شاہراہ پر گامزن رہنے کے بعد باطل قوتیں پوری طرح ان کی راہ میں حائل ہو گئیں اور پھر عالم اسلام پر بدنصیبی کے بادل چھانے شروع ہو گئے۔ یورپی عیسائی اقوام اور منگول لٹیروں نے نہایت سفاکی سے اسلام کے دو عظیم مراکز قرطبہ اور بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ سائنس کی تعلیم کے دشمنوں نے سپین اور بغداد کی مسلم ریاستوں میں مسلم علماء و فضلاء کا خون پانی کی طرح بہا دیا۔ مسلم لائبریریوں، تربیت گاہوں، یونیورسٹیوں اور دیگر ثقافتی مراکز کو نیست و نابود کر دیا۔ بغداد میں منگولوں کے ہاتھوں اسلامی ثقافت کی تباہی کا ایک تصور "سپرٹ آف اسلام" کے مصنف کے الفاظ میں سنئیے۔

"تین دن تک گلیوں میں خون کے دریا بہتے رہے اور دجلہ کا پانی میلوں تک سرخ ہو گیا۔ ظلم و بربریت کے مظاہرے خون مسلم کی ارزانی اور اخلاق سوز حرکات چھ ہفتوں تک جاری رہیں۔"

محلات، مساجد اور خانقاہوں کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ اُن کے گنبدوں کی خاطر انہیں مسمار کیا گیا۔ ہسپتالوں میں مریضوں، کالجوں میں طلباء اور پروفیسروں کو شمشیر زن کیا گیا۔ خانقاہوں میں شیوخ اور متقی امامین تربیت گاہوں میں عظیم علماء و فضلاء کے غیر معمولی تحقیقی مواد کو آگ میں جھونک دیا گیا۔ دریائے دجلہ کے قریب لائبریریوں کے بیش بہا خزانوں کو دریا برد اور دوسری لائبریریوں کو نذرِ آتش کر دیا گیا چنانچہ پانچ صدیوں کے جمع شدہ عظیم خزینے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن ہو گئے اور قوم کا عظیم اثاثہ مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا۔" (صفحہ ۳۰۲)

اسی طرح کے حالات دیگر شہروں میں بھی رونما ہوتے، ظلم و بربریت کی اس کارروائی نے نہ صرف مسلمانوں کی ہمتیں پست کر دیں۔ بلکہ اس سے مسلم تاریخ پر بھی دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ فوجی شکست نے ان کی اخلاقی قوتیں سلب کر لیں۔ اور ان کی علمی کاوشوں پر مکمل جمود طاری ہو گیا۔ بعد میں وہ اطراف سے دشمنوں میں گھرے رہے ہوتے محض اپنے وجود کو برقرار رکھنے کی کوشش میں مصروف رہے۔ تاہم جب بھی موقع میسر آیا، وہ علمی اور سائنسی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے۔

بہرحال ترک شہنشاہوں مسلم سلطان اور مراد کے ادوار اور ہندوستان میں سابق حیدرآباد کے روشن ضمیر فرمانروا سلطان العلوم عزت مآب آصف جاہ میر عثمان علی خان کی فرمانروائی میں اس علمی تحریک کو آگے بڑھایا گیا۔ اس وقت "شہزادے علماء تھے اور علماء شہزادے" کی مثال سامنے آتی ہے۔ والئ حیدرآباد کے دیگر بہت سے کارہائے نمایاں میں عثمانیہ یونیورسٹی اور ادارۂ تراجم کا قیام بھی شامل ہے۔ ہندوستانی زبان میں قدیم و جدید علوم کی درس گاہ عثمانیہ یونیورسٹی ہندوستان کی انگریزی ذریعہ تعلیم والی دیگر یونیورسٹیوں میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ پانچویں صدی میں قائم ہونے والی بغداد کی نظامیہ یونیورسٹی کا اس کو جدید نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ جدید و قدیم علوم پر مشتمل تمام اہم کتب کا ہندوستانی زبان میں ترجمہ کی تمام تر ذمہ داری "ادارۂ تراجم" پر عائد ہوتی ہے۔ اور اس کا موازنہ خلیفہ مامون رشید اور دیگر فرمانرواؤں کے

ادوار میں قائم ہونے والے اسی قسم کے اداروں سے کیا جا سکتا ہے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ سقوطِ بغداد و اسپین کے بعد علماء کی علمی کاوشوں پر جمود کی ذمہ داری قومِ مسلم پر عائد نہیں ہوتی۔ اور اسلام کے بارے میں یہ تصور کہ یہ اصلاح و ترقی کا مخالف ہے سراسر بے بنیاد ہے۔ اس ضمن میں ایم گوبلینو (GOBINEAU) کی تحقیق قابلِ غور ہے۔ وہ رقمطراز ہے۔

"ترکی کی طرح کسی بھی یورپی ملک پر دو سو پچاس برس تک مکمل فوجی اور انتظامی مطلق العنانی کا تصور کیجئے۔ بدیشی غلاموں کے زیرِ تسلط مصر میں انتشار پسند طوائف الملوکی کی طرف نظر دوڑائیے۔ ۱۸۳۰ء کے بعد ایران پر افغانی حملہ، نادر شاہ کی غاصبانہ حکومت اور کاچار شاہی خاندان کو نیست و نابود کرنے والے ظلم و استبداد کی تصویر ذہن میں لائیے..... اور پھر ان تمام حالات کو دیگر متعلقہ وجوہات سے ملائیے، تب آپ کو علم ہو گا کہ یورپی ملک ہونے کے باوجود ان پر کیا بیتی۔ اور اس کے بعد مشرقی ممالک تباہی کی داستان سمجھنے کے لئے مزید وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بہرحال اس سلسلہ میں اسلام کو کسی بھی غیر منصفانہ ذمہ داری کا موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔"

ایک اور ممتاز مصنف پیری لوٹی (PIERRE LOTI) لکھتا ہے کہ:۔

"ہم اہلِ یورپ کا یہ یقین کی حد تک پہنچا ہوا تصور کہ دینِ اسلام اصلاحِ معاشرہ کا بہت بڑا مخالف ہے۔ اور اس نے اقوامِ عالم کی سرگرمیوں پر نہ صرف جمود طاری کیا، بلکہ شاہراہِ ترقی میں بھی روڑے اٹکائے۔ دراصل یہ رویّہ نہ صرف رسولِ عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات سے عدم واقفیت پر دلالت کرتا ہے۔ بلکہ یہ تاریخ کے حقائق کو مسخ کرنے کی بھی کوشش ہے۔ اوائل صدیوں میں اسلام ترقی پسندانہ نظریات لے کر ابھرا۔ اور اس نے بے شمار اقوام کو ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا۔ خلفائے راشدین نے

کے ادوار میں اُس نے بنی نوعِ انسان کو جن ترقی کی منازل سے ہمکنار کیا وہ حقائق متذکرہ بالا مفروضوں پر پانی پھیر دیتے ہیں۔ ــــــ عالم اسلام کے موجودہ تنزل کے ساتھ اس کو منسوب کرنا سب سے بڑی حماقت ہے"۔

اصل میں اسلام مسلم معاشرہ کو ایک علمی معاشرہ بننے کی ترغیب دیتا ہے۔ سائنس کا فروغ اور علمی کاوشیں اس کے بنیادی مقاصد میں شامل ہیں۔ اگر مسلمان اپنے اس مقصدِ عظیم سے ناآشنا ہوتے تو یورپ کے لئے نشاۃِ ثانیہ کا حصول ناممکن تھا۔ اور جدید سائنسی نظام کا سورج کبھی طلوع نہ ہوتا۔ جن اقوام نے یورپ سے علمی استفادہ کیا ہے وہ حقیقتاً بالواسطہ مسلم قوم کی تلمیذ ٹھہرتی ہیں۔ پوری انسانیت اسلام کی ممنونِ احسان ہے جس کا بدلہ وہ کبھی چکا نہیں سکتیں۔ اور نہ ہی ان احساناتِ عظیمہ کو فراموش کیا جا سکتا ہے۔

اختتام سے قبل میں ایک دفعہ پھر عرض کروں گا کہ مسلم معاشرہ اسلام کو اپنانے کے بعد وجود میں آتا ہے۔ صرف ایمان اور اسلام کے اصولوں پر عمل ہی ایک انسان کو مسلمان بنا سکتا ہے۔ اسلام میں مسلمانوں کا یہ مذہبی فریضہ ہے کہ وہ اطراف میں پھیلی ہوئی کائنات کا بہ نظرِ عمیق مطالعہ کریں۔ تاکہ یہ سائنسی مطالعہ خالقِ حقیقی کی جانب رہنمائی کا موجب بنے۔ اسلام میں سائنسی مشاہدات منزل نہیں ہیں بلکہ اپنی حقیقی منزل ــــــ زندگی اور روشنی کا ماخذ ایک صرف " اَللّٰہ " کے رموز کے حصول کے ذرائع ہیں۔ اور یہی وہ اصل انسانیت کی حقیقی منزل ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۝

ہم خدا کیلئے ہیں اور اسی طرف لوٹنے والے ہیں۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

سن لو اللہ کی یاد ہی دلوں کا چین ہے۔

مبلغ اسلام حضرت شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

کی ایک انگریزی تقریر کا اُردو ترجمہ

اِنسانی مسائل کا حل

مترجم

پروفیسر علامہ محمد حسین آسی (ایم۔اے)

فیضان مدینہ پبلیکیشنز کامونکی، گوجرانوالہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

اِنسانی مسائل کا حل

انسان کی بے بسی:

انسان اپنی روزمرہ کی زندگی میں کئی مسائل سے دوچار ہوتا ہے اور ان کا حل دریافت کرنے کیلئے غور وفکر میں کھویا سا رہتا ہے۔ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ انسانی زندگی فطرتاً ہی پیچیدہ سی واقع ہوئی ہے۔ انسان میں جہاں ایک طرف مقصود کی انتہائی بلندیوں کو سر کرنے اور اپنی استعداد کے گوناگوں پہلوؤں میں نقطۂ کمال پر پہنچنے کی ایک غیر مختتم (یعنی ختم نہ ہونے والی) تڑپ موجود ہے' وہیں دوسری طرف اس کا دائرہ اختیار اتنا محدود ہے کہ یقین کی کسی بھی مقدار کے ساتھ اپنی کارکردگی کے آخری نتائج کا تعین نہیں کرسکتا۔

(ہاں مگر اتنا ضرور کہ) انسان عالمگیر اصولوں سے خاص نتائج اور خاص واقعات سے عالمگیر اصول اخذ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ وہ حکیمانہ اقوال اور ضرب الامثال وضع کرسکتا ہے۔ شاعرانہ تصور اور بلند پرواز تخیل سے مجردات کی سیر کرسکتا ہے۔ وہ اگر مادے کے خواص کی تحلیل سے عاجز نہیں تو ذرّے کا سینہ بھی چیر سکتا ہے۔ لیکن ان سب حقائق کے باوجود اُسے اپنے ننھے سے ذہن دماغ کے مقابلے میں دنیا بہت وسیع معلوم ہوتی ہے۔ جوں جوں وہ علم کی تلاش میں آگے بڑھتا جاتا ہے' توں توں اُسے حقیقت کی بے پایاں وسعت کا یقین (زیادہ سے زیادہ) ہوتا جاتا ہے۔ گویا وہ کسی تازہ

دوسرے برّاعظم میں گیا ہوں۔ دنیا کو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک دیکھ چکا ہوں۔ میں نے یونیورسٹیوں اور لائبریریوں میں حقیقت کی تلاش کی ہے۔ میں نے تجربہ گاہوں میں سائنسی جدوجہد سے رابطہ قائم کیا ہے۔ بازار اور صنعتی میدان میں انسانیت کے رُجحانات کا مشاہدہ کیا ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز سے گزرا ہوں۔ اور اس طرح مادی وسائل سے حاصل ہونے والی خوشی اور تسکین سے بے خبر نہیں ہوں۔ لیکن ان تجربات میں اگر کوئی یقینی، صاف اور واضح ہے تو صرف یہ کہ ایسی خوشی ہمیشہ وقتی اور لمحاتی ہوتی ہے۔ جو آخرکار دُکھوں اور پریشانیوں کے طوفان کے پیچھے روپوش ہو جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے بارش اور کڑک والی، سخت اندھیری رات میں گھنگھور سیاہ بادل چاند کا خوبصورت چہرہ چھپا دیتے ہیں اور طویل وقفوں کے سوا اسے اذن ظہور نہیں دیتے۔ میں نے ذہنی سکون اور قلبی تسکین یعنی حقیقی مسرت کی تلاش کی۔ مگر مادی دنیا مہیا نہ کر سکی اور حقیقت میں اسے اس سے واسطہ بھی کیا ہے؟ یہ چیز نہ تو بازار سے ملی اور نہ صنعتی فیکٹری نے اُسے سائنسی تجربہ گاہ میں دیکھا، نہ ان مقامات پر جو مادی دنیا کے معروف اڈے ہیں یہ چیز مذہبیت میں دستیاب ہو سکتی ہے۔ جس سے روحانی اور اخلاقی دنیاؤں کے نئے اُفق سامنے آتے ہیں۔ مذہب ہی میں اس کی جستجو ممکن ہے کیونکہ وہی اس کا مدعی بھی ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ (حقیقی مسرت کا فراہم کرنا) مذہب کا اہم مسئلہ ہے۔

مذہب سے کیا مراد ہے؟

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذہبیت سے ہماری مراد کیا ہے؟ اس کا صحیح ترین مفہوم کیا ہے۔ آج دنیا میں بیسیوں مذاہب، فرقے اور ازم ہیں۔ اگر اس کی

تعریف یوں کی جائے کہ مذہب اس نظریے کا نام ہے جو بنیادی انسانی زندگی سے متعلق ہے اور جو مجموعی طور پر گویا فلسفۂ حیات ہے تو مختلف نظریات کی کثیر تعداد کا یہی دعویٰ ہے موجودہ دور میں کئی سکالر اور مفکر، معلم کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں اور انہوں نے کوئی نہ کوئی ازم پیش کر کے اسی کو مذہب کا درجہ دے دیا ہے۔ مارکسزم، ہٹلرازم اور گاندھی ازم اسی کی چند مثالیں ہیں۔ پرانے ازموں میں سے کنفیوشسزم، شنتوازم نے انسانی زندگی میں اہم کردار کیا ہے۔

جب ہم سنجیدگی سے ان ازموں پر غور کرتے ہیں تو پہلی چیز جو ہمیں کھٹکتی ہے یہ ہے کہ وہ سب انسانی دماغوں کی پیداوار ہیں۔ کتنے ہی ذہنی ارتقا سے آراستہ کیوں نہ ہوں مگر ہیں تو انسانی فکر کا نتیجہ۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ ان ازموں کے بانی اپنے فیصلے میں مخلص اور بے لوث تھے۔ نیز انسانی حدامکان تک بہترین معلومات کے مالک تھے۔ پھر بھی یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ انسان ہونے کی حیثیت سے ان کی اہلیت، علم اور زاویہ نگاہ محدود تھا۔ لہٰذا نہ تو ان کا علم ہی یقینی ہو سکتا ہے اور نہ وہ فیصلے ہی جو انہوں نے صادر کئے۔ چنانچہ اس صورتحال میں ان ازموں اور ان کے معلموں پر ابدی نجات و فلاح اور حقیقی مسرت کے حصول کیلئے کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور نتیجتاً اگر کوئی معقول و خردمند انسان ان کی رہنمائی قبول کرتے ہوئے ان کی اندھا دھند پیروی شروع کر دے تو اس کا طرزِ عمل اگر غیر معقول نہیں تو کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ اوّلین ضرورت ہی جو ان ازموں کو معتبر بنا سکتی تھی، مفقود ہے۔ رہیں وہ غلط سلط چیزیں جو ان کی تعلیم میں بنیادی طور پر شامل ہیں۔ سوانحی تفصیل سے

زیرِ بحث لانے کا یہ موقع نہیں۔ یہی کہنا کافی ہے کہ وہ انسانی ذہنوں کی پیداوار ہیں۔ جو فطری طور پر نہ تو اب بے عیب ہیں اور نہ کبھی تھے۔

دماغ انسانی جیسے علم کے نا تمام آلے کو ایسے معاملات میں جن پر ہماری نجات اُخروی منحصر ہے' یقینی ہدایت کار کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ حتمی جامع اور قابل اعتماد رہنمائی وہی ہو سکتی ہے۔ جس کا سرچشمہ محدود و نا تمام ہونے کی بجائے غیر محدود و کامل ہو' ایک ایسی ہستی جس کا علم ماضی' حال اور مستقبل کو محیط ہو' جس کی نگاہ زمان و مکاں کی قیود سے بالا ہو اور جسے حقائق اشیاء تک کا پورا پورا علم ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا کوئی ایسی ہستی موجود ہے (جس میں مذکورہ بالا صفات ہوں) اور کیا ایسے ذرائع بھی ممکن ہیں جن کی مدد سے اس ذات والا سے علم حاصل کیا جا سکے؟ نیز مخلصانہ پیروی کی صورت میں کیا وہ علم وہدایت کامیاب زندگی اور حقیقی مسرت کا یقین دلا سکتی ہے۔ پھر کیا اس بات کا کچھ بھی کوئی عملی اور مثبت ثبوت ہے کہ جن لوگوں نے اس ہدایت پر عمل کیا وہ لیلائے مقصود سے ہمکنار ہوئے؟ یہ دو سوالات ہیں جن کا ہمیں جواب دینا ہے اور جن پر اہل فکر و نظر کی طرح ہمیں غور کرنا ہے۔ کیونکہ انہی پر ہماری مشکلات و مسائل کا حل مبنی ہے۔

جب ہم اپنے اردگرد (ایک وسیع) کائنات کے ستاروں سے بھرپور آسمان اوپر اور گوناگوں مخلوق نیچے دیکھتے ہیں اور جا بجا ایک (حسین) ترتیب اور (متوازن) نمونے کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہم مجبوراً اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ یقیناً کسی نہ کسی مصور و صانع اور خالق کا ہونا ضروری ہے۔ جسے بجا طور پر کائنات کا موجد عظیم' باعث اوّل کہا

جا سکے۔ عقل اسے کیونکر تسلیم کر سکتی ہے کہ یہ وسیع کائناتی نظام کسی بنانے والے کے بغیر ہی ظہور پذیر ہو گیا ہو۔ (بالفاظ دیگر) مخلوق خود اپنے خالق کی نشاندہی کر رہی ہے۔

(یہ کوئی پیچیدہ بات نہیں) اسے معمولی سی عقل سے بھی سمجھا جا سکتا ہے ہر سچا اور غیر متعصبانہ فلسفہ اور سائنسی نظریہ بھی اس کا مؤید ہے۔ (یہ طے ہو چکا تو) منطقی جرح وقدح کے مطابق یہ بھی ضروری ہے کہ وہ (وجہ اوّل یا باعث ہستی) خلاق اکبر' ہمہ داں اور (اپنے علم و قدرت) سے ہر جگہ موجود ہے۔

حیاتِ انسانی میں اس اعتقاد کو عالمگیر حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس سے فقط اُنہی افراد نے انکار کیا ہے جن کے جذباتی تعصب نے انہیں عقل و خرد سے بے نیاز ہو کر سوچنے پر آمادہ کیا۔ علاوہ ازیں اگر ہم تاریخ کا غائر مطالعہ کریں تو ہمیں ایسے مخصوص انسانوں کا بھی ایک گروہ نظر آئے گا جن کا خاصہ یہ رہا ہے کہ انہوں نے کسی انسان سے فلسفہ یا سائنس نہ پڑھی اور ہمیشہ گندے اور تاریک ماحول میں پرورش پانے کے باوجود روشن ترین عقل اور عظیم ترین اخلاق سے مزین اساتذہ کی حیثیت سے (بنی نوع انسان کی) رہنمائی کرتے رہے۔ وہ (بظاہر بالکل) امی تھے اور انہوں نے اپنی حقیقت یوں بیان فرمائی:

"ہم کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کرتے ہمارا کلام ہمارے اذہان کی پیداوار نہیں۔ ہم بے علم تھے مگر کسی بلند و بالا طاقت نے اپنی مرضی سے ہمیں سکھایا اور (دوسروں کا) ہادی بنایا۔ ہمیں وہی کچھ سکھانے کا حق ہے جس کا ہمیں حکم ملتا ہے' ہمیں اُسی چیز کے اعلان کا حق ہے جس کی ہمیں اجازت ہے"۔

رہنمائی حاصل کرنے کے اس طریق کار کا نام مذہبی اصطلاح میں وحی والہام ہے۔ اس منصب عظیم پر فائز ہونے والے یوں تو سب انسان ہی تھے مگر ایک مخصوص صلاحیت لے کر پیدا ہوئے تھے۔ جسے رب تعالیٰ کی خصوصی عطا کہا جا سکتا ہے اور وہ ہے وحی خداوندی کے وصول کی قوت۔ ہم میں سے وہ لوگ جو وجدان کی حس، جس سے کوئی انسان بھی محروم نہیں، کی کارپردازوں کا تجربہ رکھتے ہیں۔ کسی حد تک تصور کر سکتے ہیں کہ یہ خاص الخاص (مقدس ترین) اشخاص لوگوں تک پیغامات پہنچانے کیلئے انہیں خدا سے کس طرح وصول کرتے ہوں گے۔

خدا سے پیغامات حاصل کرنے اور خلق تک پہنچانے کی بناء پر ہی انہیں مذہبی اصطلاح میں رسول یا نبی کہا جاتا ہے۔ مکتبی بلکہ ہر قسم کی ظاہری تعلیم حاصل نہ کرنے کے باوجود وہ بلند ترین عقل وعلم کی باتیں سکھاتے ہیں۔ انہیں مکارم اخلاق سیکھنے کے مواقع میسر نہ تھے، پھر بھی اقوام میں اخلاقی قسم کا انقلاب برپا کر دیتے تھے۔ ان کے رسول ہونے کا سب سے بڑا ثبوت تو اسی (حقیقت) میں مضمر ہے۔ ان کی صداقت، عظمت اور انسانیت کو سیدھا راستہ دکھانے کی صلاحیت کا مزید ثبوت یہ ہے کہ ان کے پیروکار زندگی میں کامیاب رہے، اپنی استعداد کے مطابق انسانی کمال کی بلندیوں تک پہنچے اور حقیقی مسرت سے بہرہ اندوز ہوئے۔

حضور خاتم الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی ضرورت اور کارنامہ:

یہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہے۔ ہوتا یوں کہ جب بھی کسی نبی کا پیغام فراموش ہو جاتا یا اس میں کوئی تبدیلی کر دی جاتی، دوسرا نبی

مبعوث کر دیا جاتا۔ وہ تحریفات کو واشگاف کر کے، صورت حالات کے مطابق پیغام کی تکمیل فرما دیتے۔ تاریخ میں ہم ان (نفوس قدسیہ) کی ایک مسلسل فہرست دیکھ سکتے ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر مختلف اقوام وقبائل تک پہنچتی ہے اور حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ، داوٗد، سلیمان اور عیسیٰ علیہم السلام جیسی برگزیدہ ہستیوں سے گزرتی ہے ان میں سے ہر ایک بزرگ کو اپنی قوم میں تبلیغ کا کام کرنا اور اُسے صراط مستقیم کی دعوت دینا تھا۔ یہ سب حضرات (باری باری) تشریف لا کر اپنا اپنا کام کرتے گئے حتیٰ کہ ایک ایسا وقت بھی آ گیا جب حیاتِ انسانی ایک عالمگیر تاریکی میں محصور ہو گئی۔ قرآن حکیم اسی کیفیت کو یوں بیان فرماتا ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ

چمکی خرابی خشکی اور تری میں ان برائیوں سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمائیں۔

تمام اقوام خدائی پیغام سے بہت دور ہو چکی تھیں۔ عالمگیر اصلاح کیلئے ایک عالمگیر پیغام کی ضرورت تھی اور جس خدائے واحد و یکتا نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سب رسولوں کو وحی بھیجی تھی۔ حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ والثناء کو بھی وحی بھیجی، وہی جنہوں نے تاریخ انسانیت میں بالکل پہلی بار خدائی حکم کے مطابق یہ دعویٰ کیا:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ (پ۹، ع۱۰)

اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں۔

آپ کا پیغام وہی تھا جو رسولانِ سلف نے اپنے اپنے مخصوص ماحول میں مقامی حالات کو سامنے رکھ کر دیا تھا۔ یہ تو گویا ان تمام پیغامات کا اعادہ تھا جسے پختہ ذہن انسانیت کی ضرورت کے مدنظر زیادہ تکمیل یافتہ شکل میں پیش کیا گیا۔ چنانچہ آپ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مقدس نے صاف اعلان فرمادیا:

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی
صُحُفِ اِبْرَاهِیْمَ وَمُوْسٰی

بے شک یہ اگلے صحیفوں میں ہے
ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس وقت تشریف لائے جب پریس اور پیغام کو ہمیشہ کیلئے محفوظ رکھنے کے دوسرے ذرائع ان سائنسی کوششوں کے نتیجے میں رونما ہونے ہی والے تھے جن کا آغاز خود آپ کے غلاموں نے کیا۔ آپ کا پیغام مستقل اور ابدی ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے خود درج ذیل الفاظ میں اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۹)

بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں

اور اس کے کامل ہونے کا اعلان یوں فرمایا ہے:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ
وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ: ۳)

آج میں نے تمہاری لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

اس الہامی کتاب ہدایت' قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے انسانوں کے غلط نظریات وخیالات کی تصحیح فرمائی اور اس فلسفۂ زندگی اور نظام حیات کی تشریح کی۔ جس کی بنیاد خدا کے مقرر کردہ ابدی اصولوں پر ہے۔ اس فلسفے کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ جس طرح انسان کی طبعی زندگی اور نشوونما چند قوانین کے ماتحت ہے ویسے ہی روحانی و اخلاقی قوانین اس کی روحانی واخلاقی زندگی میں اپنا رول ادا کرتے ہیں اور جس طرح طبعی قوانین کی خلاف ورزی کا نتیجہ جسمانی بیماری اور زوال صحت کے سوا کچھ نہیں ہوتا ویسے ہی روحانی واخلاقی قوانین کی خلاف ورزی روحانی واخلاقی علالت و بدنظمی کا باعث بنتی ہے۔ نتیجتاً سچی مسرت اور حقیقی کامرانی خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ اور برگزیدہ رسولانِ کرام کے لائے ہوئے قوانین کے مطابق زندگی کے جسمانی' اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کی متوازن نشوونما ہی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

ابھی کل کی بات ہے کہ ایک امریکن عورت نے اپنے دائیں ہاتھ کے درد کا ذکر کیا جس کا سبب پیانو بجانے میں پٹھوں کا غلط استعمال تھا۔ اس کو یہ تکلیف کافی دیر تک رہی۔ حتیٰ کہ اس نے خود علم الصحت اور اعصابی نظام کا مطالعہ کر کے مختلف رگوں اور پٹھوں کے عمل میں ربط پیدا کرنے کا طریقہ دریافت کر لیا۔ اس طرح اس کے مرض کا علاج ہو گیا۔ اب ہم کسی مکمل مثال کو بروئے کار لائے بغیر کہہ سکتے ہیں کہ سچی خوشی اسی وقت میسر ہوگی جب اپنی روحانی' اخلاقی اور جسمانی نشوونما کے اصولوں کا اتباع کریں اور یہ اتباع باہمی ربط وتوازن سے محروم نہ ہو ورنہ نتیجہ بالکل برعکس ہوگا۔

اس مختصر سے وقت میں زیر بحث 'ضابطہ حیات' کی بالتفصیل تشریح ممکن نہیں

اس کے سنجیدہ مطالعہ اور عمل پیرائی کی ضرورت ہے۔ آپ میں سے جو حضرات اس کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہئیں۔ وہ علامہ عبداللہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہ قرآن اور (اس کا) حاشیہ دیکھیں جو واشنگٹن ماسک فونڈیشن کمپنی سے مل سکتا ہے۔ میں یہاں صرف چند بنیادی حقائق اور ان سے تعلق رکھنے والے چند اصول بیان کروں گا تا کہ اگر آپ ان پر عمل کریں تو سکون قلب، تسکین روح اور حقیقی مسرت حاصل کر سکیں۔

حقیقی مسرت قرآن کی رُو سے:

میرے دوستو! یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان قوتِ فکر اور قوت تمیز کا مالک ہے اور انہی کے تحت قوتِ ارادی کام کرتی ہے۔ یہی قوت ارادی یعنی فکر و جذبہ سے ملی جلی طاقت ہے جو ہماری زندگی میں اہم ترین کام کرتی ہے۔ قوتِ فکر اگر ایک خاص نقطے پر مرکوز ہو جائے تو اعتقاد کی صورت اختیار کر لیتی ہے جو ہماری ساری سرگرمی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص بخار محسوس کرے حالانکہ اُسے بخار نہ بھی ہو تو اس کی صحت اس خیال کے زیر اثر گرنا شروع ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ اُسے بخار چڑھ کر رہے گا۔ دراصل ہمارے دماغی رویے کا ہماری جسمانی زندگی پر اثر عام مشاہدے کی بات ہے۔ ہم اسے زندگی کے چھوٹے چھوٹے موڑوں پر محسوس کرتے ہیں۔ سو یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ اپنی قسمت اور اردگرد کی کائنات کے متعلق انسان کے بنیادی نظریات ہی اس کی زندگی کی تعمیر و تخریب کے بہت حد تک ذمہ دار ہیں۔

نتیجتاً مکتب اسلام میں جو پہلا سبق سکھایا جاتا ہے۔ وہ یہی ہے کہ اے انسان جب تجھے بنیادی عقیدہ اور عقل دونوں یہ احساس دلاتے ہیں کہ کائنات کا ایک خالق

ہے جو قادرِ مطلق، ہمہ دان اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ تو پھر تجھے اس رسمی اعتقاد پر ہی اکتفا نہیں کر لینا چاہیئے بلکہ اُسے حیات و نور و کمال کا سرچشمہ منعم حقیقی، سب سے قریب، بلند عزائم و خیالات کا نگران اور کارگاہِ ہست و بود کا مالک سمجھتے ہوئے خلوص محبت کے ساتھ عملی طور پر بھی اس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ احساس، اعتقاد و تصور کا یہ ارتکاز تجھے نئی زندگی بخش دے گا اور ایک نئی قوت سے سرفراز فرمائے گا۔ ایک مثال سے اس کی مزید وضاحت کی جاتی ہے۔ روزمرہ زندگی میں اگر آپ کسی ایسے شخص سے اچھی طرح منسلک ہو جائیں جو کسی قسم کی طاقت رکھتا ہو تو آپ اپنے اندر بھی ایک نئی قوت محسوس کریں گے۔ اب اس ذات سے حصول قرب کے اثرات کا اندازہ کیجیے جو زندگی، نور، کمال اور قوت کا حقیقی منبع ہے۔

اب آپ کے ذہن میں یہ سوال آ سکتا ہے کہ قرب خداوندی کے حصول کے کون سے ذرائع ہیں اور پھر قرب کا یقین کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔

میرے دوستو! میں نے ابھی ابھی آپ کو بتایا ہے کہ خدا ایک غیر محدود و لامتناہی حقیقت ہے اور وہ زمان و مکان کی قیود سے بالاتر ہے۔ زمانہ خود حیاتِ طبعی کا ایک پیمانہ ہے اور مکان کی مقداری حیثیت سے سب آگاہ ہیں۔ ہم قرب کا مفہوم زمان و مکان سے وابستہ کرنے کے عادی ہو گئے۔ مگر خدا تعالیٰ کا قرب ان اصطلاحات سے وراء الوریٰ ہے۔ وہ یقیناً ہمارے نزدیک ہے جیسا کہ مذہب فرماتا ہے اور اس قرب کو ہم خود بھی محسوس کرتے ہیں۔ جب اسے اپنی توجہ کا مرکز بنا لیتے ہیں۔ قرآن حکیم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ (البقرہ : ۱۸۶)

اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے۔

لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے ہم میں سے اکثر اس قرب سے بے خبر رہتے ہیں۔ اس کا جواب ایک مثال سے سمجھتا ہوں۔ فرض کرو آپ نے اپنی جیب میں جو دل کے بالکل قریب ہے۔ ایک پیاری چیز رکھی ہوئی ہے مگر دوسری چیزوں میں مشغول ہوتے ہوئے تم اس کا قرب بلکہ اس کا وجود ہی فراموش کر دیتے ہو۔ حالانکہ یہ چیز موجود ہونے کے علاوہ قریب بھی ہے۔ صرف آپ کا خیال ہی حاضر نہیں اور اس طرح آپ میں اور اس چیز میں بُعد اور خلا پیدا ہو گیا ہے۔ بلا تشبیہ جہاں تک تو خدا کا معاملہ ہے وہ ہر وقت ہمارے نزدیک ہے لیکن جہاں تک ہمارا اپنا تعلق ہے ہم یا تو اس قرب کو محسوس کرتے ہیں یا کبھی اپنے خیال میں محو ہو کر اس (قرب) سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ گویا یہ ہمارے تصور کا کام ہے کہ اس کے قرب کو محسوس کریں اور اُسے بار بار یاد کرنے سے اس احساس قرب کو مستقل بنا لیں۔ جس قدر یہ احساس مضبوط ہوگا۔ اسی قدر سکون قلب اور سرور زیادہ ہوگا۔ اسی لئے قرآن پاک کی تعلیم یہ ہے کہ:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ (الرعد : ۲۸)

سن لو اللہ کی یاد ہی دلوں کا چین ہے

حقیقی سرور ذکر خدا ہی سے پیدا ہوتا ہے مگر کیا اس ذکر کو حقیقی معنوں میں موثر

بنانے کا کوئی خاص طریقہ بھی ہے؟ کیا رب قدیر نے جو ہم پر والدین سے زیادہ مہربان ہے اور جس نے اسی بناء پر اپنے رسولان کرام علیہم السلام کے ذریعے ہماری رہنمائی کا بندوبست فرمایا۔ اپنے ذکر کا کوئی بہترین طریقہ بھی سکھایا ہے' کیا عبادت کی معینہ صورتیں یا ایک ہی وقت کی عبادت سود مند یا کافی ہے' یہ وہ سوالات ہیں جو ہمارے دماغ میں اُبھرتے ہیں۔

اور جن کا جواب خود قرآن حکیم نے دیا ہے' ہمیں حکم ہے کہ دن میں پانچ دفعہ تو فرض نمازیں ادا کریں اور ان کے علاوہ زندگی کا لمحہ لمحہ اپنے رب کی یاد سے معمور رکھیں۔ الہامی کلام کے الفاظ میں:

لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ ۝ (آل عمران : ۱۹۰-۱۹۱)

عقل مند (وہ ہیں) جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے۔

اب اس ذکر کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) ہم ہر لمحے کے اختتام پر یاد رکھیں کہ تمام قوت و خوبی اُسی (ذات باری) سے ملتی ہے۔ وہی اصل میں ہر حسن و کمال دینے والا ہے اور ہم تو محض اس کے بھکاری ہیں۔

(۲) کوئی بھی عمل کرتے وقت باخبر رہیں کہ یہ کام خدا کے اُتارے ہوئے اور رسول خدا کے سکھائے ہوئے قوانین کے مطابق ہے کہ نہیں (جل و علا فصلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم)

ایسی جامع اور مستقل یاد روح کو غذا بہم پہنچاتی رہے گی حتیٰ کہ انسانی شخصیت

خود بخود معمولی اور روز افزوں قوت حاصل کرے گی اور اسے وہ مقام بصیرت نصیب ہوگا جہاں تمام نقائص و آلام ختم ہو جاتے ہیں اور دل حقیقی سرور اور پائیدار سکون کا گنج گرانمایہ بن جائے گا۔

میرے دوستو! یہ سبق جس کی وضاحت میں نے کی ہے آپ کے نزدیک ایک (خالی) نظریے سے زیادہ کچھ نہیں۔ مگر جس طرح سائنس کا کوئی نظریہ عملی تجربے سے تائید لئے بغیر مکمل طور پر سمجھ میں نہیں آ سکتا' بالکل اسی طرح آپ اسے بھی عملی طور پر آزمائیں۔ یہ کارروائی خود نظریے کی صداقت کا ثبوت پیش کر دے گی۔ جب آپ اپنے اعمال کی بنیاد ذکر خدا پر رکھیں گے تو جلد ہی اپنی زندگی کو خدائے الٰہی کے مطابق ایک متوازن سانچے میں ڈھلی ہوئی پائیں گے۔ اس کی حلاوت محسوس کریں گے اور یہ کہ آپ اس مملکت میں ہیں جہاں تلخی و ناکامی لگاتار کم ہوتی جا رہی ہو۔ اس مقام پر پہنچ کر آپ اپنے دل کے کانوں سے قرآن کریم کی یہ بشارت سنیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيَآؤُكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِىٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝ (حٰم سجدہ: ۳۲)

بے شک وہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے'

ان پر فرشتے اُترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور خوش ہو اس جنت پر جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا' ہم تمہارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور تمہارے لئے ہے اس میں جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے اس میں جو مانگو' مہمانی بخشنے والے مہربان کی طرف سے۔

اب تک جس پیغام کی میں نے توضیح کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کو یاد رکھیے۔ اسے ہر وقت سمیع و بصیر اور ہمہ داں سمجھئے۔ اس کے پیغام کی قابل اعتماد شکل کو تلاش کر لیجئے اور پھر اس پر عمل پیرا ہو جایئے۔ خدائی قوانین کے مطابق اپنے اخلاق و اطوار ڈھالیئے۔

خبردار! خدا ہی آپ کا مالک حقیقی اور شہنشاہ ازلی ہے۔ اس کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر کے اس کے رسولوں کی اتباع کیجئے۔ جن میں آخری حضرت محمد مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء ہیں۔ اسی راستے پر خود چلئے اور اسی کی دوسروں کو تلقین کیجئے اور اسی پر چل کر فوز و فلاح' ابدی سکون اور دوامی مسرت حاصل کیجئے۔

خدائے رحیم و رحمٰن ہم سب کو اپنا قرب عطا فرمائے۔

بِجَاہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالتَّسْلِیْم

==============

انکشاف سے اس حقیقت کو بھی پا لیتا ہے کہ بے شمار حقائق بھی پردۂ اخفا میں ہیں۔ (جنہیں دریافت کرنا ابھی باقی ہے) اس طرح علم کی پیاس کبھی بجھتی ہی نہیں ہے۔

حصول علم کی اس تمام جدوجہد کے باوجود انسان صرف جزوی طور پر ہی کسی ایسی حقیقت کو پا سکتا ہے جس کا انکشاف حال میں ہو رہا ہے یا ماضی میں ہو چکا ہے۔ مستقبل کے بارے میں وہ بالکل بے خبر ہے۔ وہ استقرائی طریقے سے نتیجہ نکالنا تو چاہتا ہے مگر اس نتیجے پر خود اُسے مکمل یقین نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں علم ہیئت سے بھی مدد لینے کی کوشش کرتا ہے مگر بے سود۔ ماضی، حال اور مستقبل کا جامع اور یقینی علم اُس کے بس سے باہر ہے۔

اپنے قویٰ کے اس طرح محدود ہونے کی بناء پر انسان اپنے مسائل تسلی بخش طریقے سے حل نہیں کر سکتا۔ پھر اگر اس میں اُن کشمکشوں کو بھی جمع کر دیں جو مختلف جذبات اور خصوصاً جذبہ وعقل کے مابین واقع ہوتی ہیں تو اس معمائی صورتحال کا، جس سے انسان کو سابقہ پڑتا ہے، تصور کرنا مشکل نہیں۔

مادی دنیا بھی محدود ہے:

انسانی (ذہنی) سکون اور (قلبی) چین کے حصول کی خاطر لگاتار جدوجہد کرتا تو ہے مگر صرف مادیات میں، اسی لئے ناکام رہتا ہے کسی مادی سمت سے (اپنی جستجو کا) آغاز کر کے تھوڑی بہت کامیابی حاصل کر بھی لیتا ہے مگر جب اسے اپنے انتہائی مقصود کے آئینے میں دیکھتا ہے تو وہ اُسے دور ہی نظر آتا ہے۔ مال و دولت، صحت وتندرستی اور شاندار عائلی زندگی بھی اُسے وہ ذہنی وروحانی سکون مہیا نہیں کر سکتی جس کے ہم سب

دل سے متمنی ہیں۔ یہ چیزیں تو ضمنی عناصر کا کام ہی دے سکتی ہیں اور وہ بھی کب؟ جب مقصود کا صحیح احساس ہو (اور یہ تو گویا بنیادی ضرورت ہے)

سوال یہ ہے کہ وہ بنیادی ضرورت آخر ہے کیا؟

وہ کون سی چیز ہے جسے سب لوگ تلاش تو کرتے ہیں مگر مادیات میں نہیں ملتی؟ کس متاع کو پا کر کہا جا سکتا ہے اب میں واقعی مطمئن ہوں، مجھے تسکین قلب مل گئی ہے یا میں نے حقیقی مسرت حاصل کر لی ہے؟

عوام الناس امراء پر رشک کرتے ہیں۔ اُن کے خیال میں اہل دولت اس (حقیقی مسرت) کے حصول کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کوئی سرمایہ دار آدمی بھی اپنے مال و دولت کی بناء پر تسکین سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کمزور اور چھوٹی قومیں، دولت مند اور سامراجی قوموں سے جو دوسروں پر اپنی مرضی مسلط کر سکتی ہیں اور جو حاکم اور (بظاہر) پرسکون بھی دکھائی دیتی ہیں حسد رکھتی ہیں۔ مگر یہ جوع الارض (یعنی دوسرے ملکوں پر قبضہ جمانے کی خواہش) قدرتی طور پر کچھ ایسی ہے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔ سچ تو یہ ہے کہ کوئی مادی وسیلہ بھی اس نقص سے خالی نہیں کیونکہ ان کی دنیا بلاشبہ حدود وقیود اور عارضی تجربات کی دنیا ہے۔

حقیقی مسرت مذہب ہی دے سکتا ہے:

میرے دوستو! اس وقت ہمارے سامنے انسان کا بنیادی مسئلہ ہے اور وہ ہے حقیقی مسرت کی تلاش۔ بحیثیت ایک فرد کے، میں نے اسے (ذاتی) تجربے سے سمجھنے اور حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے

کمیونزم کو عالمگیر بننے سے کس طرح روکا جائے؟

المعروف بہ

کمیونزم کا توڑ

مصنفہ

فضیلت مآب مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی القادری جسے

فقیر تاج الدین لون قادری نوری ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر نے

انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ خَاتَمَ النَّبِیِّیْن

کمیونزم کیا ہے

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔ کہ تمام انبیاء اور مرسل جو خداوند تعالیٰ سے بذریعہ وحی یا الہام ہدایات حاصل کرتے رہے ہیں۔ یا وہ فلاسفر جو معلم اخلاق ہوئے ہیں۔ ان کی راہنمائی میں جو دستور یا مذاہب رائج ہوئے ان کی غرض وغایت یہی رہی ہے۔ کہ ان اعتقادات کو ماننے والے بہتر زندگی گذار سکیں۔

ہاں تک پیغمبروں اور مرسلین کا تعلق ہے ان کی تعلیم کا بنیادی نظریہ خالق کائنات۔ خداوند عالم یعنی ہستی باری تعالیٰ پر اعتقاد اور انسان کا اس سے روحانی تعلق رہا ہے۔ خدا کی ہستی کا یقین محکم ہی انسان کو اخلاقی حدود کا پابند رکھ سکتا ہے۔ خداوند تعالیٰ ہی ہم پر نزول برکات فرماتا ہے۔ اسی اعتقاد کے باعث انسان اس سے محبت کرتا ہے اور ہمیشہ اس کی خوشنودی کا طالب رہتا ہے۔ یہی قلبی کیفیت خود بخود مخلوق خداوندی کی ہمدردی پیدا کرتی ہے اور صرف اسی کے سبب انسانوں کے درمیان خوشگوار تعلقات مضبوط ہو سکتے ہیں۔

برخلاف اس کے اگر یہ اعتقادات نہ ہوں تو تمام اخلاقی ضابطے اور انسانی رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اور انسان بندۂ حرص و ہوا بن جاتا ہے۔ انسانی تاریخ کی یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اقوام عالم نے اخلاق کا مظاہرہ بھی اسی نسبت سے کیا ہے جس نسبت سے ان کا اعتقاد ہستی باری تعالیٰ میں رہا ہے۔ اس اعتقاد کی مضبوطی نے ہی ہمیشہ معیار اخلاق کو بلند کیا ہے اور انسانی سوسائٹی کی بنیادوں کو مضبوط کیا ہے۔ اور انسانی مساوات، اخوت اور

معاشرتی انصاف کو برپا رکھا ہے۔ اور اسی اعتقاد کی کمزوری نے بصورت دیگر انسانیت کی راہنمائی مخالف سمت میں کی ہے۔

بے شک الہامی مذاہب کے مبلغین اور اخلاقی اقدار کے داعی آج بھی انسانیت کی اصلاح کے لئے مقدور بھر کوشش کرتے رہے ہیں۔ لیکن انسانی اخلاق کو بلند کرنے کی مساعی حسنہ کے باوجود دنیا میں مخالف مذہب اور مخرب اخلاق تحریکیں دن بدن طوفانی رفتار سے اخلاقی تعلیمات اور روحانیت کی جگہ براجمان ہو رہی ہیں۔ اور یہ بات اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ مادہ پرستی اور مذہب دشمنی باقاعدہ ایک نیا مذہب بن گئی ہے اور یہ ایک طاقتور اور منظم تحریک کی شکل میں مذاہب عالم کو مقابلہ کا چیلنج دینے لگی ہے۔ اور شاید انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ تحریک چلائی گئی ہے۔ یہ چیلنج صرف اعتقادی رنگ میں ہی نہیں ہے بلکہ عملی طور پر بھی طاقت کے بل پر مذاہب عالم کو ختم کرنے کا پیش خیمہ ہے۔ کمیونزم آزادی رائے اور اعتقاد مذہبی کو بنوک شمشیر بھی کچلنے کو جائز سمجھتا ہے اور اس نے کروڑوں انسانوں کو جبراً اپنے احکامات منوالئے ہیں اس تحریک کے داعی اپنے خدا دشمن اور مخالف مذہب ارادوں کو سیاسی اور معاشرتی مساوات کے نعروں کے پردے میں چھپائے رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کا نصب العین سرمایہ داری کو تباہ کرنا ہے۔ لیکن برخلاف اس کے وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ جس کی تعلیم مذہب نے انسانوں کو دی ہے۔ خدا اور مذہب کی اعلانیہ مذمت کی جاتی ہے۔ "کہ یہ انسانوں کے لئے افیون ہے۔ بلند اخلاقی قدروں کو فریب اور توہمات کا نام دیا جاتا ہے۔ کمیونسٹوں نے گرجوں۔ مسجدوں اور دوسرے تمام عبادتخانوں کو جبراً بند کر دیا ہے۔ اور لاکھوں انسانوں کو محض اس لئے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اللہ کو ماننے پر ڈٹے رہے۔ اور کون نہیں جانتا کہ کروڑوں انسان وحشیانہ طور پر مجبور کر دیئے گئے ہیں کہ مخالف مذہب واخلاق خیالات کی پیروی کریں۔

مذکورہ حالات ان لوگوں کے ہیں جو علی الاعلان مذہب کے مخالف ہیں۔اب وہ لوگ جو اعتقادی رنگ میں مذہب کو مانتے بھی ہیں۔لیکن عملی طور پر ان کی مذہب پرستی چنداں قابل تعریف نہیں ہے حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں ان ؤعملل یقین خدا پرستوں اور منکرین خدا کے اعمال میں چنداں فرق نظر نہیں آتا۔

خدا کی ذات پر ایمان اور یوم قیامت کا یقین عملی رنگ میں مفقود ہے۔مذہب کے مقدس اصول حقیقی انصاف، مساوات، اخوت، صداقت، سنجیدگی، دیانت وغیرہم جن پر صحت مند انسانیت قائم ہے اور آئندہ ہوسکتی ہے آج کی دنیا کے مسلمات میں تو ہے حقائق میں نہیں ہے۔

معلوم ہوتا ہے۔کہ اس وقت لامذہبیت نہ صرف درپردہ بلکہ علی الاعلان بھی انتہائی عروج پر ہے۔اس کے حملے روز بروز اعلانیہ اور مؤثر ہورہے ہیں۔مذہب اور اخلاقی اصولوں کو انسانی ترقیات کے راستے میں حائل سمجھا جاتا ہے۔اور ماضی میں جو خونریز لڑائیاں ہوئی ہیں ان کی تمام ذمہ داری بھی مذہب کے سر پر ڈالی جاتی ہے۔

یہ الزام کسی خاص مذہب کے ذمہ نہیں لگایا جاتا بلکہ ہر ایک مذہب کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔اور نہ ہی کسی خاص مدرسہ خیال کی اخلاقی قدروں کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔بلکہ فی نفسہ اخلاقیات کو ہی ایک بے معنی جذبہ تصور کیا جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمیں ان الزامات کو تسلیم کر لینا چاہیئے؟ کیا یہ تہمت صحیح ہے؟ کیا دنیا کی موجودہ غیر یقینی حالت کی ذمہ داری مذہب پر ہے یا دہریت پر؟ کیا کسی مذہب نے حامیان مذہب مصلحین نے اپنی ذاتی اغراض کے لئے دوسروں کو مصائب میں مبتلا کرنے یا عداوت پیدا کرنے کی تعلیم دی ہے یا ان کی تعلیمات ان باتوں کے مطلقاً برعکس ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ اتفاق کریں گے جب میں اپنی تحقیقات کی بناء پر یہ کہوں گا کہ مذہب یا مصلحین نے نہیں بلکہ لامذہبی اور آوارگی نے مندرجہ بالا صورت حالات پیدا کردی ہے۔اور یہی باتیں دنیا میں جنگ خونریزی۔ظلم۔استبدادیت۔بے انصافی اور عدم مساوات کی ذمہ دار ہیں۔

لیکن ہمارا یہ جواب موجودہ دور کے ترقی یافتہ انسان کو اس وقت تک مطمئن نہیں کرسکتا جب تک مختلف مذاہب کے نمائندے آپس میں دست و گریبان رہیں اور بہترین رواداری کا مظاہرہ نہ کریں۔

یہ خیال کہ تمام مذاہب اور جملہ مدارس خیال کو متحد کردیا جائے ناممکن العمل ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ماضی میں ایسی تمام کوششیں ناکام ہوچکی ہیں۔اور اس کے نتیجے کے طور پر ہمیشہ ایک نیا مذہب جنم لیتا رہا ہے۔

واحد قابل عمل راستہ یہ ہے کہ مختلف مذاہب اپنا اپنا کام جاری رکھیں لیکن ان کے مقلدین کو چاہیے۔

(۱) کہ وہ ایک دوسرے کا نظریہ۔اعتقادات اور دائرہ عمل کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

(۲) ایک دوسرے پر حملے کرنا۔بدنام کرنا اور ایک دوسرے کو غلط طور پر پیش کرنا چھوڑ دیں۔

(۳) جو باتیں سب میں مشترک ہیں ان کا ایک متحدہ محاذ بنائیں اور ایسے طریقے اختیار کریں جو زیادہ مفید ثابت ہوں۔

مثال کے طور پر وہ باتیں جو سب مذاہب میں مشترک ہیں اگرچہ ان کی تشریح اور مفہوم میں کچھ فرق ہو شامل کیا جائے۔مثلاً اللہ خالق کائنات نیکی بدی پر جزا یا سزا دینے والا۔یہ دونوں اعتقادات تمام الہامی مذاہب میں پائے جاتے ہیں۔

اسی طرح دیانت ،صداقت ،انکساری ،ہمدردی اور ہمسایہ پروری وغیرہ خوبیاں ہیں اور جھوٹ استبدادیت تکبر اور آوارہ گردی برائیاں ہیں۔ مذکورۃ الصدر مذہبی اور اخلاقی باتیں دنیا کے تمام مذاہب کے مسلمات میں سے ہیں۔ان تمام باتوں کی اشاعت وتبلیغ اور ترویج کے لئے ایک متحدہ محاذ بنا کر بنی نوع انسان کو نیکی کی تعلیم دی جائے اور برائیوں سے منع کیا جائے۔

کیا یہ ویسا ہی نازک مرحلہ نہیں ہے۔ جس کے لئے سیاستدان یو۔این۔او (مجلس اقوام متحدہ) کی راہنمائی میں دنیا کے تمام سیاسی مسائل سلجھانے میں لگے ہوئے ہیں۔اس تمام مذاہب کے راہنما اور مصلحین اپنی ذمہ داریاں محسوس کریں اور انسانیت کو اخلاقی تباہی سے بچانے کی انتہائی کوشش کریں۔

میں اس سلسلہ میں دنیا کے تمام راہنمایاں مذاہب کے سامنے حسب ذیل پروگرام پیش کرتا ہوں اور اسے اختیار کرنے کی اپیل کرتا ہوں۔

(۱) راہنمایان مذاہب عالم رواداری اور فراخدلی کا ایک نمونہ بن جائیں تاکہ مختلف مذاہب کے ماننے والے بھی ایک دوسرے کے ساتھ خوش خلقی سے اور شرافت سے پیش آئیں۔

(۲) وہ دنیا سے تمیز رنگ وخون اور متعصبانہ نسلی امتیاز دور کرنے میں شانہ بہ شانہ مل کر کام کریں اور مختلف اقوام کی اقتصادی لوٹ کھسوٹ کو روک کر ایک صحت مند معاشرہ وجود میں لائیں۔

(۳) ان کو چاہیئے کہ وہ دنیا کے سیاستدانوں کے اشتراک عمل سے تمام دنیا کی یونیورسٹیوں میں مسلمہ اخلاق حسنہ کی تعلیم جاری کروائیں اور تمام مخرب اخلاق برائیوں کے بند کرنے میں ان کا تعاون حاصل کریں۔

میری رائے میں اب تک مختلف مذاہب کے نمائندے جو کچھ علیحدہ علیحدہ کرتے رہے ہیں۔اسے پیش از پیش جوش سے ایسے ہی جاری رکھیں اور اب اجتماعی مساعی اور سمجھوتے کے ذریعے مؤثر طور پر کامیابی کے ساتھ اس مشترکہ خطرہ کا مقابلہ کریں۔

تنظیم بین المذاہب کے نام سے ایک تحریک جنوری ۱۹۴۹ء کو اس اصول کی پیروی کرتے ہوئے سنگاپور میں منظم کی گئی تھی بعد ازاں اسے انڈونیشیا تک پھیلایا گیا تھا۔ میں نے اپنے اس عالمگیر دورے میں دیگر ممالک میں بھی اس تحریک کو قریب قریب انہی مقاصد کے ساتھ بروئے کار دیکھا۔اب جس بات کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ان تمام جداگانہ کوششوں کو ایک حقیقی مخلصانہ اور مؤثر عالمی تنظیم میں مجتمع کر دیا جائے اور ساری دنیا کے مذہبی راہنما انہی مقاصد کے پیش نظر شانہ بہ شانہ کام میں لگ جائیں۔

مختلف ممالک میں اکثر ذمہ دار لوگ اس تجویز سے متفق ہیں اور مذہبی راہنماؤں نے بھی اسے استحسان کی نظر سے دیکھا ہے۔میں نے یہی نقطہ نظر پاپائے روم کے سامنے بھی پیش کیا جو کہ اس پر غور کر رہے ہیں۔برطانیہ کے آرچ بشپ آف کنٹربری نے بھی اسے قبول کر لیا ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ یہی تجویز موجودہ زمانے کے لئے ضروری ہے۔اور تمام صحیح الفہم حضرات کے دل اس طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔مجھے امید ہے کہ جونہی اضلاع متحدہ امریکہ کے سیاستدان اقوام متحدہ کی تنظیم کو ایک حقیقت بنالیں گے۔اس ملک کے مذہبی راہنما اس متحدہ مذہبی محاذ کو سہارا دے کر اس طاقتور دشمن اخلاق ومذہب تنظیم کا مقابلہ کریں گے۔خدا کرے کہ صداقت ربانی کا نور ہمیشہ دنیا پر چمکتا رہے۔

کمیونزم کا مقابلہ کیسے کیا جائے

(یہ تقریر ۸ راپریل ۱۹۵۲ء کو زنجبار ریڈیو اسٹیشن سے نشر کی گئی)

میرے پیارے بھائی بہنوں!

میں بروز جمعرات دس بجے صبح دارالسلام پہنچنا چاہتا ہوں۔ وہاں میرا انتظار کیا جا رہا ہے۔ میں یہ تقریر زنجبار ریڈیو اسٹیشن سے نشر کر رہا ہوں جہاں میں صرف کل آیا تھا۔ یہ تقریر میرے دورۂ مشرقی افریقہ کے سلسلے میں ہے۔ میرا خیال ہے کہ میری آج کی تقریر کا عنوان قبل ازیں اعلان کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ "کیموزم کا مقابلہ کیسے کی جائے"۔

سامعین یقیناً یہ خیال کرتے ہوں گے میں جوشیلے سیاستدانوں کی طرح بین الاقوامی سیاسیات پر تقریر کرنے لگا ہوں یا بعض سست خیالی پلاؤ پکانے والوں کی طرح خیالات کا اظہار کروں گا۔ لیکن میرے پیارے بھائی بہنوں یہ دونوں باتیں ہی نہیں ہیں۔ کیونکہ میں ایک سادہ سا امن پسند آدمی ہوں اور دور حاضرہ کی عملی سیاسیات میں دخل نہیں دیتا۔ میرے پاس سوائے امن اور محبت کے اور کوئی پیغام نہیں ہے۔

آج کل امن اور جنگ مسئلہ عام طور پر ایک ضروری سیاسی مسئلہ خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن معزز حاضرین! میں اس سے متفق نہیں ہوں کیونکہ میں خیال کرتا ہوں کہ نہ صرف امن اور جنگ کا مسئلہ بلکہ انسانیت کے تمام مسائل بنیادی طور پر سیاسی مسائل نہیں ہیں۔ مذہبی اور اخلاقی تقاضے ہیں۔ ان تمام لوگوں کے لئے جو امن چاہتے ہیں۔ اور سمجھتے نہیں کہ انسانیت کی فلاح کا انحصار اس پر ہے۔

دنیا کی موجودہ حالت بالکل غیر تسلی بخش ہے۔ بیسویں صدی میں جو دو عالمگیر جنگیں لڑی گئی ہیں۔ انسانیت کے چہرہ کو زخمی کر گئی ہیں وہ زخم ابھی تک مندمل بھی نہیں ہوئے اور ایک تیسری جنگ عظیم دنیا کی امن پسند اقوام کے سامنے آ رہی ہے۔ کوریا کا جھگڑا پاکستان اور بھارت کے درمیان مسئلہ کشمیر آپ کے سامنے ہیں۔ خیر اندیش لوگ اپنی انتہائی کوشش کر رہے ہیں کہ صورت حالات پر امن ہو جائے اور ہماری یہ دلی دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ ان کی راہنمائی کرے اور انہیں ایک دیرپا امن عالم بحال کرنے میں مدد دے۔

میری پیاری بہنوں اور بھائیو!

جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ کہ گذشتہ دو عالمگیر جنگیں نشہ طاقت سے مخمور ہو کر بعض اقوام نے شروع کی تھیں جن کا قدرتی نتیجہ اقوام الم کے مالیاتی ڈھانچہ کی تباہی تھی جس سے دنیا میں اقتصادی مصیبت نازل ہو گئی۔

دو بڑی عالمگیر جنگوں کے باعث دنیا میں ایک مذہب دشمن گروپ کے ہاتھوں میں بے پناہ طاقت آ گئی ہے۔ اور وہ یورپ اور ایشیا کے وسیع علاقوں پر قبضہ جمائے ہوئے ہے۔ اور اب وہ انسانیت کو ایک تیسری عالمگیر جنگ کی طرف لئے جا رہا ہے۔ میں اس بین الاقوامی تنازعہ پر زور دینا چاہتا ہوں جو کہ دن بدن زیادہ سے زیادہ ابھر رہا ہے اور وہ تنازعہ قوموں کے درمیان نہیں اصولوں کے درمیان ہے۔ دنیائے انسانیت دو گروہوں میں بٹ گئی ہے۔ ایک گروہ ہستی باری تعالیٰ کو ماننے والا اور دوسرا خدا کا منکر۔ اس لئے میرے پیارے بھائی اور بہنوں...... موجودہ کشمکش مذہب اور لامذہبی۔ اخلاق اور بداخلاقی کے درمیان ہے ہمارے سامنے ایک طرف خدا پرستی ہے اور دوسری طرف دہریت۔ کہا جاتا ہے کہ کروڑوں بھوکے لوگوں کو سرمایہ داری کی لعنتوں پر آمادہ کر دیا ہے۔ یعنی دولت مندوں کی لوٹ کھسوٹ نے غربا کو تصادم پر آمادہ کر دیا ہے۔ اور ان کے نزدیک انصاف حاصل کرنے کا واحد ذریعہ جنگ ہی رہ گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دولتمندوں کی تجارتی لوٹ کھسوٹ اور نسل انسانی کی استبدادیت کو روک دینا چاہئے اور عام آدمی کی خوشحالی اور فارغ البالی کی حفاظت ہونا چاہئے۔ لیکن میرے پیارے بھائیو اور بہنو ان لوگوں سے محتاط رہنا چاہیئے جو معاشرتی انصاف کو اپنے مخصوص مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر مارکس کے مقلدین یا کیمونسٹ بعض ملکوں میں مفلسی کو ہی استبدادیت کے لئے ایک بہانہ بنا لیتے ہیں۔ وہ لوگوں کے سامنے مساوات انسانی کی اپیل کرتے ہیں اور ان

سے کہتے ہیں کہ وہ طبقاتی جنگ شروع کر دیں۔ لیکن مقلدین مارکس یعنی کمیونسٹوں کے عقائد یا افعال اس امر کا زندہ ثبوت ہیں کہ جن مصائب کے دور کرنے کا وہ وعدہ کرتے ہیں۔ لوگوں کو انہی مصائب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ جو لوگ کمیونزم کو عملی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں وہ چین میں جائیں اور دیکھیں کہ لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک ہو رہا ہے اور وہ لوگ جو کمیونزم کا تجربہ ہی کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں جنوبی روسی علاقوں میں جا کر لوگوں کی بدحالی کو ملاحظہ کرنا چاہیے۔ تو وہ ایک کتاب ''کمیونسٹ چیلنج ٹو اسلام'' کا مطالعہ کرے جو کہ اسلامک ریسرچ اکاڈیمی ان پاکستان میں میری ہدایات کے مطابق ''کمی پبلیکیشنز نے شائع کی ہے۔ وہاں آپ کو مارکسیوں اور کمیونسٹوں کے ان ہتھکنڈوں کا پتہ چل جائے گا کہ بالشویکوں کے ماتحت ملکوں میں لوگوں پر کیا بیت رہی ہے میرے پیارے بھائی اور بہنو۔ مارکس ازم کی کامیابی کا مطلب ہے دہریت کا عروج۔ اور ایک انسان کے بنائے ہوئے چند مخصوص اعتقادات کو تسلیم کرنا۔ جو کہ آخر کار ایک انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔ وہ لوگ جو آزادی رائے پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک مارکس ازم غلامی بھی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مارکس ازم کا یہ بھی مطلب ہے۔ کہ خدا پرستی کی وسیع پیانہ پر مخالفت کی جائے اور لوگوں کے دلوں سے یہ اعتقاد نکال دیا جائے۔ کس نے کارل مارکس کے وہ الفاظ نہیں سنے کہ خدا پر اعتقاد رکھنا ایک فریب ہے اور مذہب لوگوں کیلئے افیون کا سا اثر رکھتا ہے۔ مارکس ازم مذہب۔ اخوت اور اتحاد انسانی کو ہرگز ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مذہب کی بنیاد ذات باری تعالیٰ پر اعتقاد اور وحدانیت پر یقین رکھنا ہے۔ جس کسی نے مارکس کی کتابیں پڑھی ہیں وہ مکمل طور پر میرے ساتھ متفق ہوگا۔

اس کے علاوہ میرے پیارے بھائی بہنو!...... مارکس ازم کی کامیابی کا مطلب ان تمام بلند اخلاقی قدروں کی تباہی ہے۔ جو اب تک انسانیت کے قابل قدر خزانے خیال

کئے جاتے رہے ہیں جو کہ صرف خداوند تعالیٰ پر ہی اعتقاد رکھنے سے قائم رہ سکتے ہیں۔ مارکس کے نزدیک اخلاقی اقدار وغیرہ کوئی چیز نہیں۔ طبقاتی تقسیم کے علاوہ نہ کوئی برادری ہے نہ اخلاق صرف تصور جماعت ہی ایک اخلاق ہے اور صحیح عقیدہ۔ وہ کہتا ہے کہ وہ چیز جو مارکس ازم کی حمایت کرتی ہے اچھی ہے۔ اور جو اس کی مخالفت کرتی ہے بری ہے۔ نیکی بدی کی تعریف کیا خوب ہے۔ کہ جو چیز مارکس ازم کی ترقی کو روکتی ہے۔ بدی ہے۔ اور جو چیز اس کے نصب العین کے حاصل کرنے میں مدد دیتی ہے نیکی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مارکس ازم کو پھیلانے میں اگر جھوٹ بولنا پڑے یا لوگوں کو دھوکا دینے کی ضرورت پیش آئے تو جائز ہے۔ مارکس ازم کو پھیلانے کے لئے جھوٹ اور دھوکا بہت اچھے ہتھیار ہیں۔ مارکس ازم میں اخلاقیات گھٹتے گھٹتے صرف وقتی مصلحت ہی رہ گئے ہیں۔ اس لئے میں ہر ذی روح انسان سے اپیل کروں گا کہ وہ اپنی عقل اور فہم کو جو خدا نے اس میں ودیعت فرمائی ہے۔ کام میں لا کر نیکی۔ بدی ثواب اور گناہ میں تمیز کرے اور مارکس ازم کے شریرانہ پروپاگنڈے سے بچے یہ مارکس ازم آخر کار اعلیٰ انسانی قدروں کو لوٹ کرلے جاتا ہے۔

ان تمام لوگوں کی خدمت میں جو ایک خدائے واحد پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ خواہ وہ ہندو ہوں یا بدھ، پارسی ہوں یا یہودی۔ عیسائی ہوں یا مسلمان خواہ وہ کسی ذات کے مذہب کے ہوں میری نصیحت ہے۔ کہ ہمیں اپنے اپنے تعصبات کو ایک طرف رکھ کر لامذہبی اور بداخلاقی کے خلاف متحد ہو کر ڈٹ جانا چاہیے۔ موجودہ زمانہ کے تمام مذہبی لیڈروں سے میری یہی اپیل ہے کہ وہ میدان میں آئیں۔

حرص و ہوا کے باعث جو آپادھاپی اور لوٹ کھسوٹ مچی رہتی ہے۔ اس کا حل بالکل اخلاقی معیار پر ہونا چاہیئے۔ دولت مند سن لیں کہ ان کے عیاشانہ طور طریقے طبقاتی کش مکش کو ہوا دیتے ہیں۔ امیر لوگ غربا کی مصیبتوں سے جو آنکھیں بند رکھتے ہیں۔ تو غربا

کے دلوں میں ان کے خلاف ایک نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ طبقہ وار تقسیم سے بچنے کے لئے میری پیاری بہنوں اور بھائیو! دولت مندوں کو نہایت سادہ زندگی اختیار کرنی چاہیئے۔ دولت کو صرف امانت خداوندی سمجھنا چاہیئے۔ غربا اور پسماندہ طبقات کی بہتری کے لئے جو کام کئے جائیں۔ ان میں فراخدلی سے چندہ دینا چاہیئے۔ صرف یہی بات طبقاتی جنگ کے زہر کا تریاق ہو سکتی ہے ذاتی میل جول کے میدان میں امراء کو عام آدمی کے ساتھ نہایت خوش خلقی سے پیش آنا چاہیئے۔ یہ میرا اعتقاد ہے اور آپ کے لئے نصیحت ہے۔ جب سے میں اپنے دورے پر ہوں اسی بات پر زور دیتا ہوں۔ اضلاع متحدہ امریکہ (U.S.A) میں دورہ کرتے ہوئے میں نے امراء سے یہی کہا ہے۔ کہ جب تک وہ اپنی زندگی کا معاشرتی انداز نہ بدلیں کمیونزم کا قضیہ حل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عوام ہمیشہ امیروں کو ہی دیکھتے ہیں اور اس لئے ان کا یہ اولین فرض ہے کہ سادگی اختیار کریں۔

کسی کا دل ایٹم بموں سے جیتا نہیں جا سکتا لیکن مجھے یقین ہے کہ احساس ہمدردی سے ایسا ہو سکتا ہے۔ جب تک انسانیت کی اخلاقی بنیادیں پھر قائم نہیں کی جاتیں۔ حقیقی امن دور رہے گا۔

بھائیو! اگر آپ آج لوگوں کی قلبی گہرائیوں میں اتر کر دیکھیں مجھے یقین ہے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں تمام متنازعہ امور کی جڑیں احساس برتری میں ہیں۔ یہ احساس انسان کو مغرور کر دیتا ہے۔ تکبر نے گھمنڈ اور گھمنڈ نے نابردباری جس کا نتیجہ لڑائیاں اور فسادات ہوتے ہیں۔ انسان کا دل جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے۔ ایٹم بموں سے جیتا نہیں جا سکتا۔ یہ صرف اس وقت موم ہو جاتا ہے۔ جب کہ دوسرے انسانوں کو اپنا بھائی یا بہن سمجھا جائے۔ اس مختصر وقت میں میرے لئے مشکل ہے کہ میں آپ کو کمیونزم کی بنیادی وجوہات ترقی بتا سکوں اور وہ طریقے سمجھاؤں کہ کس طرح اس کو

مٹایا جا سکتا ہے۔ میں چند لفظوں میں پھر وہی کچھ دہراتا ہوں جو کچھ میں نے اب تک کہا ہے تاکہ آپ یاد رکھ سکیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے ہی بہت سے لوگوں کو کہا ہے کہ میرے پاس کمیونزم کے مقابلہ کے لئے تین تجاویز ہیں۔

(۱) پہلے دنیا میں تمام مذاہب کے لیڈر اور علما اپنی قوتوں کو متحد کریں تاکہ انسانی قدروں کو اعلیٰ وارفع کیا جا سکے اور خلاق عالم کے مشترکہ اعتقادی ورثہ اور اخلاقی اقدار کو زندہ رکھا جا سکے۔

میں بحیثیت اسلامی نمائندہ اور مبلغ اسلام ہونے کے وہی کہوں گا جو حضرت محمد الرسول ﷺ نے تیرہ سو سال پہلے کہا تھا۔

يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ. (پ۳ آل عمران آیت نمبر ۶۴)

ترجمہ: اے صاحب کتاب عیسائیو اور یہودیو آؤ ایک مشترک بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ خدا کے بغیر کسی اور چیز کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی کسی کو خدا کا شریک ٹھہرائیں۔ اور نہ ہی دوسرے انسانوں کو خدا کے بغیر اپنا پروردگار اور کارساز سمجھیں اور اگر منہ پھیر لیں پس کہہ دیجئے کہ گواہ رہو کہ میں فرمانبردار ہوں۔

میں تمام الہامی مذاہب کے راہنماؤں سے درخواست کروں گا کہ وہ آئیں اور ایک قدر مشترک کے لئے مسلمانوں سے ملکر دہریت اور کمیونزم کا مقابلہ کریں اور ایک دفعہ اللہ کی توحید کا سبق دنیا والوں کو سکھا دیں۔

(۲) دوسری تجویز یہ ہے کہ تمام وہ حکومتیں جو لامذہب نہیں ہیں اپنی رعایا کی تمام

تقریبات اخلاقی بنیادوں پر قائم کریں۔ اور مذہبی تعلیم کو درسی نصاب تعلیم سے خارج نہ کریں اور اخلاقی تعلیم بھی اپنے مدارس میں جاری کر دیں۔

بدقسمتی سے مشرقی افریقہ میں میں نے دیکھا ہے کہ دنیا کے کئی اور ملکوں کی طرح یہاں بھی طلباء کو لادینی کی تعلیم دی جاتی ہے اور اخلاقی تعلیم کی طرف کوئی توجہ مبذول نہیں کی جاتی۔

(۳) میری تیسری تجویز یہ ہے۔ کہ جو لوگ نسل انسانی میں اتفاق و اتحاد قائم کرنا چاہتے ہیں وہ علیحدہ علیحدہ ذات پات کی تمیز اور نسل امتیاز ترک کر دیں یہاں ایک عربی ہے اور ایک سواحلی۔ ایک بھارتی ہے اور ایک پاکستانی۔ ایک یوروپین ہے اور ایک ایشیائی۔

تمام انسان سب اللہ تعالیٰ خالق کائنات کی مخلوق ہیں مجھے پختہ یقین ہے کہ اگر ہم سب آپس میں اپنے آپ کو بھائی بہن تصور کریں تو بے شک یقینی طور پر ہم امن حاصل کر لیں گے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اگر ہم آدھی قوت بھی اتحاد اور یکجہتی قائم کرنے کے لئے خرچ کریں جتنی کہ ہم جارحانہ قوم پرستی کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ امن کے بہت قریب ہو جائیں۔ میرا یہی ایمان ہے اور میں خداوند تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اے رب العالمین کہ ہمیں طوفانوں سے بچا کر امن و امان کے ساحل پر لگا دے جہاں دائمی امن ہو آمین۔ وَاللّٰہُ یَدْعُوْا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْم: (پ ۱۱ سورہ یونس آیت نمبر ۲۵) ترجمہ: اللہ سلامتی کی طرف پکارتا ہے۔ اور جسے چاہے سیدھے راستے پر چلا دیتا ہے۔ آمین

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

دعوت نظارہ

میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

کمیونزم یعنی تاریخ انسانیت کی بدترین۔ ملحدانہ اور اخلاقیات سے عاری تحریک جس نے صرف چالیس سال کے عرصہ میں کرہ ارض پر بسنے والی ایک تہائی آبادی کو متاثر کیا ہے۔ کیمونسٹ پروپیگنڈا کے زہریلے اثرات کو زائل کرنے کے لئے فقیر تاج الدین لون کشمیری ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر جوگی محلہ اندرون بھاٹی گیٹ لاہور نے حسب ذیل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کا مطالعہ آپ کو دور حاضر کی مہلک ترین معاشرتی بیماری سے محفوظ رکھے گا۔

فہرست کتب ملاحظہ ہو:

(۱) مکالمات اشتراکیت (۲) مکتوبات اشتراکیت

(۳) اسلام بمقابلہ اشتراکیت (۴) کمیونزم توڑ

(۵) حل مشکلات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پہلا رسالہ

دیوبندی مولویوں کا ایمان

دیوبندی وغیرہم علمائے وہابیہ نے اسمٰعیل دہلوی
مصنف تقویۃ الایمان پر کفر کا فتویٰ دیدیا

دوسرا رسالہ

فرت من قسورۃ

پیر تھانوی کا دعویٰ رسالت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

دیو بندی مولویوں کا ایمان

دیو بندی وغیر ہم علمائے وہابیہ نے اسمٰعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان پر کفر کا فتویٰ دیدیا

اسمٰعیل دہلوی اپنی کتاب ایضاح الحق مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۵ھ صفحہ ۳۵۔۳۶ میں لکھتا ہے۔ ''تنزیہ او تعالیٰ از زمان و مکان و جہت و اثبات رویت بلا جہت و محاذات (الیٰ قولہ) ہمہ از قبیل بدعات حقیقیہ است اگر صاحب آں اعتقادات مذکورہ از جنس عقائد دینیہ می شمارد۔ اھ ملخصا۔

اس میں صاف تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کو زمان و جہت سے پاک جاننے اور اس کا دیدار بلا کیف ماننے کا عقیدہ بدعت و ضلالت ہے اس میں اس نے تمام ائمہ کرام و پیشوایان اسلام کو معاذ اللہ بدعتی گمراہ بتا دیا۔ مولوی شہود الحق وہابی نے بھی اپنے رسالہ صیانۃ الایمان میں اسمٰعیل کے اس قول کی تائید کی۔ صیانۃ الایمان ص ۲ میں ہے۔

ایضاح الحق میں خدائے تعالیٰ کو زمان و مکان و ترکیب عقلی سے منزہ اور پاک جاننا عموماً بدعت حقیقیہ نہیں ٹھہرایا گیا۔ بلکہ بدعت حقیقیہ اس کو جب کہا گیا ہے کہ صاحب اس کا اس اعتقاد کو جنس عقائد دینیہ سے شمار کرتا ہو''۔

ظاہر ہے کہ تمام ائمہ کرام اسے عقیدہ دینیہ جانتے ہیں تو سب گمراہ ہوئے۔

مولوی بشیر الدین قنوجی وہابی نے ایز دگشت صفحہ ۲۸ میں یوں بات بنائی کہ اس

میں اثباتاً و نفیاً سکوت و توقف چاہیے۔ پس تکلم اس میں بدعت ہے یہ بھی وہی مطلب ہوا کہ جو اس پر عقیدہ رکھے گمراہ ہے حالانکہ تمام اہلسنت کا عقیدہ یہی ہے۔ غرض بنانا چاہتے ہیں اور بنتی ایک نہیں ہے بات وہی رہتی ہے کہ تمام ائمہ اہلسنت گمراہ ہیں۔

مسلمانو! دیکھا یہ ہے وہابیہ کا امام اور اللہ عزوجل پر اس کے بیہودہ کلام اور پھر وہابیہ اس کے مقابل اللہ عزوجل کا پاس نہیں کرتے بلکہ اسی کی ناپاک بات پر سر منڈائے بیٹھے ہیں۔ اگرچہ شان الوہیت کو کتنا ہی بٹا لگے۔ للہ انصاف اگر وہابیہ کی نگاہ میں اللہ کی قدر اسمٰعیل دہلوی سے کچھ زیادہ ہوتی تو وہ اللہ کے مقابل اسمٰعیل کا ساتھ نہ دیتے۔ کھلے مشرکوں میں تو یُحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ تھا کہ اللہ کے مثل انہیں دوست رکھتے ہیں ان ڈھکے مشرکوں زبانی موحدوں میں ان سے بھی بڑھ کر ہے کہ اللہ سے زیادہ اسمٰعیل کو دوست رکھتے ہیں جب تو اللہ کے مقابل اسمٰعیل کی حمایت کرتے ہیں۔

اب یہ بات کہ اس نے شان خدا کو بٹہ لگا دیا خود وہابی مولویوں سے پوچھ دیکھیے مگر یوں کہ اسمٰعیل کا نام نہ لیجئے۔ زید عمرو بکر کہہ کر سوال کیجئے اگر اس وقت انہیں یاد نہ ہوگا کہ ان کے طائفہ کے پیر جی ایضاح الحق میں ایسا بک گئے ہیں تو دیکھیے کیسے دل کھول کھول کے کڑے احکام لگائیں گے حتیٰ کہ کفر تک نوبت پہنچائیں گے اور جب ان کو دکھایئے کہ ان ناپاک اقوال کا قائل تمہارا امام الطائفہ یا تمہارا فلاں پیشوا ہے فوراً مکر جائیں گے اب وہ کفر خالص اسلام ہو جائے گا۔ یہ ہے وہابی ایمان کا بھاؤ۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**

اس کی آزمائش ملاحظہ ہو۔ ہم نے عبارت مذکورہ کے متعلق بلا تصریح نام کتاب علمائے وہابیہ سے سوال کیا انہوں نے بے دھڑک کفر کے فتوی دیدیے۔ یہ اصل فتوی ان علماء کے مہری و دستخطی ہمارے پاس موجود ہیں جو صاحب چاہیں دیکھ سکتے ہیں۔ فتوؤں کی نقل تو یہ ہے مگر اب انہیں مفتیوں سے کہیے کہ جناب وہ آپ کا کافر یہ اسمٰعیل دہلوی ہے ابھی

ابھی دیکھیے الٹے پاؤں پلٹ جائیں گے یہ ہے ان لوگوں کا ادعائے ایمان۔ تو تم پہچان لو اور ایسوں سے دور رہو جن کو اسمٰعیل اللہ واحد قہار سے زیادہ عزیز ہے۔

اسمٰعیل دہلوی کے کفر علمائے دیوبند وغیرہم وہابیہ کے فتوے

سوال: کیا ارشاد ہے علمائے دین کا اس شخص کے بارے میں جو یہ کہے کہ جناب باری تعالیٰ اسمہ کو زمان و مکان اور ترکیب عقلی سے پاک کہنا اور اس کا دیدار بے جہت و بے محاذات حق جاننا بدعت ہے اور یہ قول کیسا ہے بینوا توجروا دیکھیے یہ وہی قول ہے جو اسمٰعیل دہلوی نے لکھا مگر ہم نے ایک شخص کہا اس کا نام نہ لکھا تھا لہٰذا وہابی علماء کے گرمجوشی فتوے ملاحظہ ہوں۔

(۱) الجواب: یہ شخص عقائد اہلسنت و جماعت سے جاہل اور بے بہرہ ہے اور یہ اعتقاد اور مقولہ جو درج سوال ہے کفر ہے نعوذ باللہ منہ۔ حضرات سلف صالحین اور ائمہ دین کا یہی مذہب ہے اور یہی احادیث صحیحہ و کلام اللہ شریف کی آیات صریحہ سے ثابت ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ زمان اور مکان و جہت سے پاک ہے اور دیدار اس کا بہشت میں مسلمانوں کو نصیب ہوگا چنانچہ کتب عقائد اس سے مشحون ہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم (بندہ رشید احمد گنگوہی)

(۲) الجواب صحیح اشرف علی عفی عنہ

(۳) اگر حق تعالیٰ کو زمان و مکان اور ترکیب سے پاک نہ مانا جاویگا تو حق تعالیٰ کا محتاج ہونا اور صفات حادث کے ساتھ متصف ہونا لازم آئے گا حالانکہ حق تبارک و تعالیٰ احتیاج سے منزہ صمدیت ازلیہ کے ساتھ متصف ہے لم یزل لایزل اس کی صفت ہے زمان و مکان حادث و مخلوق ہیں۔

كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ قَالَ تَعَالٰى كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ وَقَالَ تَعَالٰى لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ

الغرض حق تعالیٰ کو زمان اور مکان سے اور ترکیب عقلی سے منزہ جاننا عقیدہ اہل حق اور اہل ایمان کا ہے اس کا انکار الحاد اور زندقہ ہے اور دیدار حق تعالیٰ جو آخرت میں ہو گا۔ مومنین کو وہ بے کیف اور بے جہت ہوگا مخالف اس عقیدہ کا بددین و ملحد ہے اس کی صحبت سے اہل اسلام کو احتراز لازم ہے قال فی شرح العقائد النسفیہ وَلَا يَتَمَكَّنُ فِي مَكَانٍ وَّلَا يَجْرِيْ عَلَيْهِ زَمَانٌ وَلَا يُشْبِهُهُ شَيْءٌ إِلٰى أَنْ قَالَ فَيُرٰى لَا فِيْ مَكَانٍ وَّلَا عَلٰى جِهَةٍ مِنْ مُقَابَلَةٍ وَاتِّصَالُ شُعَاعٍ أَوْ ثُبُوْتِ مَسَافَةٍ بَيْنَ الرَّائِيْ وَبَيْنَ اللّٰهِ تعالى الخ فقط والله تعالى اعلم کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ و توکل عزیز الرحمٰن مفتی مدرسہ دیوبند

(۴) الجواب صحیح محمود حسن عفی عنہ

(۵) الجواب صحیح بندہ محمود علی عفی عنہ مدرس اول مدرسہ دیوبند

(۶) غلام رسول عفی عنہ

(۷) زمان و مکان اور ترکیب یہ سب علامات حدوث و خواص امکان ہیں واجب تعالیٰ سبحانہ ان سب سے بری ہے چنانچہ شرح عقائد نسفی میں جو ایک متداول کتاب ہے لکھا ہے۔

قَالَ الْمَاتِنُ وَلَا مُتَبَعِّضٍ وَلَا مُتَجَزٍّ وَلَا مُتَرَكِّبٍ مِنْهَا قَالَ الشَّارِحُ تحت قوله هذا الان فِيْ كُلِّ ذٰلِكَ وَمِنَ الْاِحْتِيَاجِ الْمُنَافِيْ لِلْوُجُوْبِ فَمَالَه أَجْزَاء يسمى باعتبار تالفه منها متركبا وباعتبار انحلاله اليها متبعضا ومتجز يا وقال تحت قوله وَلَا يُتَمَكَّنُ فِيْ مَكَانٍ لِاَنَّ التَّمَكُّنَ عِبَارَةٌ عَنْ نُفُوْذِ بُعْدٍ فِيْ بُعْدٍ آخر مُتَوَهَّمٍ اَوْ مُتَحَقِّقٍ يسمونه المكان والبعد عبارة عن امتداد قائم بالجسم او بنفسه عند القائلين بوجود الخلاء والله تعالىٰ منزه عن الامتداد والمقدار لا ستلزامه التجزى وقال تحت قوله ولا يجرى عليه زمان لان الزمان عندنا عبارة عن متجدد يقدر به متجدد اخر وعند الفلا سفة عن

مقدار الحرکة واللہ تعالیٰ منزہ عن ذلک

اللہ جل شانہ کا دیدار بے جہت و بے محاذ عقلاً ونقلاً دونوں طرح ثابت ہے چنانچہ شرح عقائد میں موجود ہے۔

ورویة اللہ تعالیٰ بالبصر جائزة فی العقل واجبة بالنقل وقد ورد الدلیل السمع بایجاب رویة المومنین اللہ تعالیٰ فی دارالاخرة فیری لافی مکان ولاجهة من مقابلة او اتصال شعاع او ثبوت مسافة بین الرائی و بین اللہ تعالیٰ

پس معلوم ہو گیا کہ جو شخص دیدار الٰہی کا منکر اور اس کے لیے ترکیب عقلی ثابت کرنے والا ہے وہ ہرگز اہلسنت میں سے نہیں ہے اس کو اختیار ہے کہ دوسروں کو بدعتی بناوے اور یہ بدعت کہہ دینا اس کا ایسے موقع پر غالباً اپنی مخترعات کی اشاعت کے لیے ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ المسکین محمد عبدالحق عفی عنہ

(۸) الجواب صواب محمود حسن مدرس دوم مدرسہ شاہی مراد آباد

(۹) ایسے عقیدہ کو بدعت کہنے والا دین سے ناواقف ہے۔ ابوالوفا ثناء اللہ کفاہ اللہ

ان مفتی صاحبوں کی خدمت میں دینی سوالات

واذا خذ اللہ میثاق اللذین اوتوا الکتب لتبیننه للناس ولاتکتمونه

اے کتاب والو اے مولوی مفتی کے خطاب والو۔ کیا تم سے تمہارے رب نے عہد نہ لیا کہ شرعی حکم ضرور ضرور لوگوں سے بیان کرنا اور ہرگز نہ چھپانا ہاں اسی عہد کو یاد کر کے اپنے منہ کھولو اور ان شرعی سوالوں کے سوال بولو۔

سوال اول: عالیجناب مولوی گنگوہی صاحب آنجہانی اب تو جناب کو بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ سماع موتی یقیناً حق ہے ان سوالوں کو سنیے اور اپنے کسی جانشین جناباں انبیٹھی و تھانوی و

محمود حسن دیوبندی صاحبان پر اس کا جواب القا کیجئے کیونکہ قرآن عظیم فرماتا ہے یوحی بعضهم الی بعض بلکہ ان تینوں میں پہلا ہی اختیار کیجئے کہ وہ دونوں اپنی مہر میں ماخوذ ہیں جناب مولوی اشرفعلی تھانوی صاحب وآنجہانی ہوئے تو آپ تو ابھی ایں جہانی ہیں دونوں ملکر اور وہ نہ بولیں تو آپ ہی اپنے لب کھولیں۔ فرمائیے تو جناب امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی صاحب عقائد اہلسنت و جماعت سے جاہل و بے بہرہ ہیں یا نہیں۔ نہیں تو کیوں حالانکہ آپ ہی خود ہی حکم لگا چکے ہیں اور ہاں تو صاف لکھ دیجئے

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

سوال دوم: آپ کہتے ہیں "حضرات سلف صالحین وائمہ دین کا یہی مذہب ہے" اسمٰعیل دہلوی صاحب فرماتے ہیں کہ جو ان کو عقائد دینیہ سے سمجھے حقیقی بدعتی ہے فرمائیے اس نے تمام ائمہ دین وسلف صالحین کو بدعتی بددین بتایا یا نہیں۔

سوال سوم: ایسا بتا کر وہ خود بدعتی بددین ہوا یا نہیں۔

سوال چہارم: آپ کہ اس بدعتی بددین کو امام دین جانتے ہیں بدعتی بددین ہوئے یا نہیں الحق

اذا کان الغراب دلیل قوم　　سیهدیهم طریق الهالکینا

کیا اسی دن کے لیے کو احلال کیا تھا۔

سوال پنجم: آپ فرماتے ہیں یہی احادیث صحیحہ وکلام اللہ شریف کی آیات صریحہ سے ثابت ہے۔ فرمائیے اسمٰعیل دہلوی آپ ہی کے منہ سے قرآن عظیم کی صریح آیتوں کا منکر ہوا یا نہیں۔

سوال ششم: آپ جو اس منکر قرآن کو امام جان رہے ہیں آپ کون ہوئے۔

سوال ہفتم: دے دے ستم ستم آپ تو ان کی بول رہے ہیں کہ مقولہ جو درج سوال ہے کفر

ہے آنکھ تو کھولیے یہ مقولہ کس کا ہے طائفہ بھر کے امام جی کا ہے کیسے امام جی پر بھی شریعت مطہرہ کا حکم جاری ہے یا وہ الٰہی قانون سے مستثنیٰ محمدی شریعت سے باہر ہیں ان کو پروانہ مل گیا ہے کہ تم کفر بکو تمہاری امامت کو دھکا نہ لگے گا۔

سوال ہشتم: آپ کہ اس کفر بکنے والے کو اپنا امام مان رہے ہیں آپ کون ٹھہرے بیٹوا وتو جروا۔

سوال نہم: ہاں مولوی محمود حسن دیوبندی صاحب و مولوی عزیز الرحمٰن دیوبندی صاحب آپ کے امام اسمٰعیل دہلوی صاحب نے آپ ہی کہ منہ پر حق تعالیٰ کو محتاج مانا یا نہیں۔

سوال دہم: مانا تو وہ کون ہوئے اور اسے مان کر آپ کون ہوئے۔

سوال یازدہم: آپ کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ اہل حق اور اہل ایمان کا ہے وہ کہتا ہے جو اسے عقیدہ سمجھے حقیقی بدعتی ہے۔ اب آپ حقیقی بدعتی یا وہ حق کا دشمن ایمان کا مخالف اور ہے یہ کہ دونوں دونوں ہو۔ وہ حسب تصریح کتب عقائد ایمان و حق کا عدو ہے اور تم امام مان کر اسی جیسے۔

سوال دوازدہم: اف اف آپ حضرات اپنے امام الطائفہ پر بالکل نکھر بیٹھے کہ اس کا انکار الحاد و زندقہ ہے مخالف اس عقیدہ کا بددین و ملحد ہے۔ کہیے آپ ہی کے منہ اسمٰعیل دہلوی ملحد و بددین زندیق بے دین ہوا یا نہیں۔ کہو ہوا اور ضرور ہوا۔

سوال سیزدہم: پھر آپ کون ہوئے ملحد بے دین کے پیرو۔ کیا ملحد بے دین نہ ہونگے۔

سوال چہاردہم: مراد آباد کے مدرسو تم بھی بولو۔

سوال پانزدہم: ڈیر ثناء اللہ امرتسری تم اگرچہ بہت جلکے بھکے کہ دین سے ناواقف ہے۔ دین سے ناواقف جاہل بھی ہے اور بددین گمراہ بھی اور کافر مرتد بھی تم نے ڈھائی گھڑی

رات اپنے امام کے لیے لگی رکھی مگر آنکھ میچ کر دانت بھینچ کر کہیں اتنا بھی لفظ اپنے امام کی نسبت نام لیکر لکھ تو بھاگو کہ اسمٰعیل دہلوی دین سے ناواقف تھا۔ کبھی نہ لکھو گے لکھو کیسے جب خدا کا اور کسی اور کا مقابلہ ہو تو تم خدا کے بندے اور جب خدا اور اسمٰعیل کا مقابلہ ہو تو تم اسمٰعیل کے بندے **والذین کفروا اشد حبا لا سمعیل من اللہ لاحول و لاقوۃ الا باللہ العلی العظیم** مسلمانوں ان مفتی بننے والوں کا ایمان جانچ لو۔ جب تک خبر نہ تھی اصل احکام شریعت بول گئے اب تو کہلوالو کہ اسمٰعیل دہلوی ملحد بے دین زندیق تھا اس کا مقولہ کفر ہے۔ وہ صریح آیات قرآن کا منکر یا اتنا ہی کہ عقائد اہلسنت و جماعت سے جاہل و بے بہرہ تھا یا وہ سب سے ہلکی مسٹر ثناء اللہ والی کہ دین سے واقف تھا ادھر کا آفتاب ادھر سے نکلے جب بھی ان میں ایک کہی وہ اپنی ہی کہی ہوئی اب نہ کہے گا وہ تو شریعت اپنے گھر کی ہے جب جیسی چاہی بنائی اور ہے بھی یہ کہ بیچاروں کی جان کو دوہری مصیبت ہے (نہ) کہیں تو کیونکر کہیں کہ ہاں لکھ کر مہر دے چکے (ہاں) کہیں تو کیونکر کہیں کہ امام جی اسلام سے گئے

دوگونہ رنج و عذاب ست جان لیلے را — بلائے صحبت مجنوں و فرقت مجنوں

کذلک العذاب ولعذاب الاخرۃ اکبر لو کانوا یعملون۔ آگے چلیے۔

جناب مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب اپنے قول سے خود کافر

اب دیکھیے کہ ان گنگوہی تھانوی دیوبندی مراد آبادی امرتسری وغیرہم کے نزدیک مولوی اسمٰعیل کافر ملحد زندیق بے دین ہے اور مولوی رشید احمد کے قول سے تو اسمٰعیل بھی کافر اور وہ خود بھی کافر کیونکہ یہاں تو وہ اسمٰعیل کو کافر کہہ رہے ہیں اور فتاوی رشیدیہ میں اسمٰعیل کو کافر بتانیوالے کو کافر کہہ رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو فتاوی رشیدیہ ص ۵۷ جلد نمبر ۳ سطر پندرہ" افسوس قسمت کا کفر کہاں جائے۔

اور سنیئے علماء دیوبند و گنگوہ سہارنپور کے اقوال سے مولوی قاسم نانوتوی صاحب تحذیر الناس ص ۲ پر لکھتے ہیں۔

"عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے"

ص ۳ بلکہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہوجاتا ہے۔

ص ۴ اسی طور پر رسول اللہ ﷺ کی خاتمیت کا تصور فرمایئے۔ آپ موصوف بوصف نبوت بالذات اور نبی موصوف بالعرض۔

ص ۱۶ ہاں بایں معنی جو میں نے عرض کیا خاتم ہونا انبیائے گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔

ص ۳۴ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین یا اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے اھ ملتقطا"

مسلمانو دیکھو اس ملعون ناپاک شیطانی قول نے ختم نبوت کی کیسی جڑ کاٹ دی خاتمیت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوۃ والتحیہ کی وہ تاویل گڑھی کہ خاتمیت خود ہی ختم کردی صاف لکھ دیا کہ اگر حضور خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلاۃ والثناء کے زمانہ میں بھی بلکہ حضور کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو تو ختم نبوت کے کچھ منافی نہیں۔

اب یہ ملاحظہ فرمایئے کہ مولوی قاسم نانوتوی منکر ختم نبوت ہے اور منکرین ختم نبوت ...ن میں مولوی رشید احمد و مولوی خلیل احمد وغیرہم وہابیہ نے کفر کا فتوے دیے۔ ملاحظہ ہو۔

فتویٰ

قرآن شریف میں حق تعالیٰ فرماتا ہے ماکان محمد اباحدمن رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور ایک حدیث میں جس کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے آیا ہے وختم بی الرسل دوسری مسلم کی حدیث میں ہے وختم بی النبیون اور ایک روایت میں آیا ہے وانا العاقب والعاقب الذی لیس بعدہ نبی پس ایسا عقیدہ رکھنے والا یقینا کافر ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی، رشید احمد (ملخص از جزاء اللہ عدوہ) خلیل احمد مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔ خلیل الرحمن خلف مولانا محدث سہارنپوری صحیح الجواب صدیق احمد عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح عنایت اللہ عفا عنہ۔ صحیح ثابت علی عفی عنہ۔ الجواب صحیح والمجیب نجیح محمد رحم الٰہی عفی عنہ۔ الجواب صحیح بندہ محمود علی عفی عنہ مدرس اول مدرسہ دیوبند۔ عزیز الرحمن مفتی مدرسہ دیوبند۔ وتوکل علی العزیز الرحمن محمد منفعت علی مدرس مدرسہ عربی دیوبند ۱۳۱۵ المشتہر محمد عبد الغنی رامپوری۔ ۱۸ رصفر مظفر ۱۳۲۹ھ

پیر تھانوی کا دعویٰ رسالت

مبسملا وحامدا محمدا (جل وعلیٰ)

ومصلیا ومسلما محمداً (سلم اللہ علیہ وصلی)

فرت من قسورة

مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی اور ان کے ہم عقیدہ اصحاب ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ اور رسول عربی علیہ الصلاۃ والسلام کی شان میں بے ادبی وگستاخی کرنے کے مشاق ہیں اسی لیے عاشقان مصطفوی ﷺ پر جب کبھی اور جو کچھ دریدہ دہنی کرتے رہے اس کا جواب اذا خاطبہم ...... سلما سے دیا گیا اور سوچا کہ جن کی شان وزبان سے خدا جل جلالہ ورسول خدا ﷺ نہ بچے وہاں ہم کس شمار میں ہیں بقول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔ شعر:

مانجی اللہ والرسول معا من لسان الوریٰ فکیف انا

اصول قدرت ہے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنہ پاکاں برد

آخر ان کی پردہ دری اس طرح ہوئی کہ خانہ خدا جل جلالہ اور دربار مصطفیٰ ﷺ کے تیتیس ۳۳ علمائے کرام ومفتیان عظام کی جانب سے ان پر کفر کا مدلل فتویٰ آیا جو حسام الحرمین کے نام سے اکناف ہند میں شائع ہوا تاہم پراندگان حکیم الامت کا خطاب دیگران کی ہمت افزائی کرتے رہے جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ اسی راہ میں ترقی کرکے رسول امت ہونے کا دعویٰ کیا جائے چنانچہ رسالہ الامداد تھانہ بھون بابتہ ماہ صفر ۱۳۳۶ھ کے صفحہ ۳۵ پر اس کا اعلان اس شان سے کیا جاتا ہے کہ ایک مرید لا الٰہ الا اللہ اشرفعلی رسول اللہ اور اللھم صل علی سیدنا ونبینا ومولانا اشرفعلی (نعوذ باللہ منہ) پڑھتا ہے

اور پیر تھانوی اس کے جواب میں صرف ان کلمات پر اقتصار فرماتے ہیں۔ ''اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے''۔

برادران اسلام اس قیامت آفرین طرز تکلم پر غور کرنا کہ بجائے شرک فی الرسالۃ کو روکنے کے اتباع سنت کا اظہار کرتے ہوئے تقریبا ثابت کر رہے ہیں کہ اب رسول عربی کی رسالت تھانہ بھون کی طرف منتقل ہو گئی واللہ یہ تو شیعان علی کرم اللہ وجہہ سے بھی بڑھ گئے وہ تو کلمہ طیبہ میں لفظ علی وصی رسول اللہ کا اضافہ ہی کرتے تھے مگر انہوں نے رسالت ہی پر قبضہ کیا۔ ابھی کیا ہے آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔ انشاء اللہ اب کے نمبر میں ''دعویٰ الوہیت لیجئے'' غلہ چوں ارزاں شود امسال سیدی شود۔

احقاق حق سرزمین میرٹھ کی بدقسمتی کہ آجکل یہ مدعی رسالت یہاں وارد ہیں غلامان مولائے مدینہ (ﷺ) اپنے آقا کا حکم پاچکے ہے کہ بلغوا عنی ولو بحرف اگر تم میرا ایک حرف بھی پاؤ تو پہونچاؤ۔ آسمانی آواز آتی ہے کہ ومن یکتمھا فانہ اثم قلبہ اور جو کوئی اس کو چھپائے اس کا دل گنہگار ہے لہٰذا لانبی بعدی کا اعلان پہونچانا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کو نبوت نہ دیجائیگی اور ان کی رسالت حقہ کی تبلیغ کرنا ہر مومن صادق کا فرض اولین ہے اسی غرض سے ۳ / رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ کو بعد نماز جمعہ مسجد جامع شہر میرٹھ میں اعلان کیا گیا کہ مولوی اشرفعلی صاحب اپنی رسالت کی دلیل رکھتے ہوں تو پیش فرمائیں ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو تمیں گھنٹے کی مہلت دی گئی مگر صدائے برنخاست آخر بعض پراندگان خوش اعتقاد نے دعویٰ رسالت سے رجوع فرمانے یا الفاظ منجر الی الدعویٰ کی تاویل بیان کرنے کی غرض سے صبح یکشنبہ ۵ / رجمادی الاول ۱۳۳۶ھ کو مسجد جامع صدر بازار کیمپ میرٹھ میں وعظ کہنے پر مولوی صاحب مذکور کو مجبور کیا مگر پیر تھانوی صاحب نے نہ تو اس ادعائے باطل کا بطلان ہی فرمایا اور نہ کلمات کفریہ سے رجوع کیا۔

اخلاق رسول تھانوی

مجبوراً بعد اختتام وعظ ایک مطبوعہ کھلی چھٹی کے ذریعہ سے ان کی خدمت میں جلسہ عید میلاد النبی ﷺ مسئلہ علم غیب رسول اللہ ﷺ نیز دیگر مسائل مخترعہ دجاجلہ کا دیہ بالخصوص اس دعویٰ رسالت پر احقاق حق کی دعوت پیش کی گئی نامہ بر اور حاضرین کا بیان ہے کہ اس جلسہ عام میں کھلی چٹھی کو دیکھ کر رسول تھانوی فرماتے ہیں کہ "میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں" اور مع حوارین کے فوراً تشریف لے گئے فرت من قسورة بل يريد كل امرئ منهم ان يوتى صحف منشرة كلا وہ سب بھاگ گئے غل کرنے سے بلکہ ان میں کا ہر ایک چاہتا ہے کہ کھلے ہوئے صحیفے اس کو دیدیے جائیں ہرگز نہیں

اتمام حجت: بعدازاں تین مقتدر اصحاب ان کے قیامگاہ پر پہونچے جن کو پانچ گھنٹے انتظار کے بعد باریابی کا موقع ملا اور آخر انہوں نے اس دعوی باطل کی تردید نیز اس پر گفتگو کرنے سے قطعاً انکار کر دیا فاذالم یاتو ابالشهدآء فاولئک وعندالله هم الکاذبون پس جب ثبوت نہ لاسکیں تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔

(یہ ہے پیر تھانوی صاحب کا مناظرہ سے سولہواں فرار) الحذر۔ الحذر۔

افشائے راز: ليس البران تولوا وجوهكم الايه پورب پچھم کی طرف منہ کرنا اصل نیکی نہیں ہے۔ اصل نیکی تو یہ ہے کہ آدمی ایمان لائے۔ اللہ، قیامت، فرشتوں، کتاب اور نبیوں پر (ان حضرات نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف کذب اور خلف وعید کی نسبت کی) ومن اظلم ممن افترى على الله الكذب وهو يدعى الى الاسلام والله لايهدى القوم الظالمين اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ اس کو اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

نمبر ۲۸ پھر نبی برحق کی غیب دانی سے انکار کیا جس غیب میں قیامت اور فرشتے بھی داخل ہیں۔ کتاب (قرآن مجید) میں من گھڑت تاویلات کرنے لگے اور نبی امی (فداہ ابی و امی) ﷺ پر تو وہ حملے کیے کہ العیاذ باللہ حضور کے علم کو شیطان کے علم سے کمتر بتایا۔ حضور کے ذکر مبارک کو کنہیا کے جنم سے تشبیہ دی اور حرام ٹھہرایا حضور کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ جانا بھی ممنوع قرار دیا۔ حضور کی غیب دانی کو بھی وجنوں اور حیوانات مطلقہ کے مثل بیان کیا۔ حضور کے میلاد مبارک کی خوشی منانے کو ضلالت و گمراہی تحریر کیا وھکذا من المزخرفات الوهية الباطله مقطع کا بندیہ تھا کہ حضور خاتم النبین ﷺ کے نظیر و مثل اور رسول بھی تھے نیز آئندہ ہو سکتے ہیں۔ یہ سب تمہید تھی تا کہ لوگ مبتداؤ منتہائے رسالت ﷺ سے بد عقیدہ و روگردان ہو کر پیر تھانوی کو رسول تسلیم کرلیں يريدون ليطفؤا نور الله بافواههم والله متم نوره ولو كره الكافرون وہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اپنا نور پورا کرنے والا اگرچہ کافر برا مانیں۔

فتویٰ

(۱) رسول کے سامنے اس درجہ بے ادبی کرنے سے نماز اور روزہ حج و زکوٰۃ سب اکارت ہو جاتا ہے تفصیل مطلوب ہو تو سورۂ حجرات کی ابتدائی آیات ملاحظہ کیجئے۔

(۲) حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں ايما رجل مسلم سب رسول الله ﷺ او كذبه او عابه او تنقصه فقد كفر بالله تعالى وبانت منه امراته جو شخص مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کو برا کہے یا حضور کی طرف جھوٹ کی نسبت کرے یا کسی طرح کا عیب لگائے یا کسی وجہ سے حضور کی شان گھٹائے وہ یقیناً خدا کا منکر ہو گیا اس کی جورو اس کے نکاح سے نکل گئی۔

(۳) درمختار میں ہے الکافر بسبب نبی من الانبیاء لاتقبل توبته مطلقا ومن شک فی عذاب وکفرہ کفر جو کسی نبی کی شان میں گستاخی کے سبب کافر ہوا اس کی توبہ کسی طرح قبول نہیں اور جو اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔

(۴) شرح فقہ اکبر میں بحوالہ مواقف ہے کہ ''اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جائے گا'' مگر جبکہ ضروریات دین یا اجماعی باتوں سے کسی بات کا انکار کریں''۔ اے بادۂ عشق مصطفیٰ ﷺ کے متوالو! اب سمجھ لیجئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کہنا اور ماننا ضروریات دین سے ہے یا نہیں؟ پس جو شخص کہ باوصف معتقدات فاسدۂ مذکورۂ بالا ''اشرفعلی رسول اللہ'' کہنے کو اتباع سنت کے غرور میں تسلی بخش کلمات کہے وہ محتقر ومنکر رسالت محمد رسول اللہ ﷺ اور خود مشرک فی الرسالۃ ہوا یا نہیں؟

حکم اخیر

قرآن کا حکم ہے کہ اس کی کوئی عبادت مقبول نہیں سب اعمال اکارت ہو چکے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور اس کی بیوی پر طلاق بائنہ پڑ گئی۔ صاحب درمختار کہتے ہیں اس کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی بلکہ جو اس کے کفر میں شک کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ صاحب مواقف کا فرمان ہے کہ س کا روبقبلہ کھڑا ہونا اس کو کفر اور فتاویٰ کفر سے نہ بچائے گا۔

تحذیر

اے مشتاقان جمال احدی جل جلالہ والے شیفتگان کمال احمدی ﷺ اگر آپ دیدار سید ابرار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواستگار ہیں اور جام کوثر کے طلبگار۔ اگر شفاعت کبریٰ کے متمنی ہیں اور رویت پروردگار کے آرزومند تو پیران راہزن سے بچتے رہیے فھل

انتم منتهون؟ پھر اب تم باز آؤ گے؟ گزشتہ سے توبہ کیجئے اور کسی سچے عاشق محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنا مرشد اور پیر طریقت بنایئے۔

وما علینا الا البلاغ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

وما توفیقی الا باللہ وھوولی التوفیق

محمد عبدالعلیم الصدیقی القادری انجینی

نمبر ۲۳۶ محلہ مشالخان میرٹھ شہر ۱۰ جمادی

الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

اَلحَقُّ یَعلُو وَلَا یُعلٰی

مرزائی حقیقت کا اظہار

(۱) (۲) (۳)

از محمد عبد العلیم الصدیقی القادری

متوطن محلہ مشائخ شہر میرٹھ ہندوستان

بجواب

اشتہار "حقیقت کا اظہار"

از حافظ جمال احمد مرزائی مقیم روز ہل مارشس

بہ دوران سفر جزائر ۱۹۳۹ء

فیضان مدینہ پبلیکیشنز کاموکی، گوجرانوالہ

مُبَسْمِلاً وَحَامِدًا وَمُحَمِّدًا جَلَّ وَعَلَا
وَمُصَلِّيًا وَمُسَلِّمًا مُحَمَّدًا صلى اللهُ عَلَيْهِ وسلم

مرزائی حقیقت کا اظہار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَهٗ

اَمَّا بَعْد:

ایک اشتہار بعنوان ''حقیقت کا اظہار'' نظر سے گزرا۔ اگرچہ ایسی بے سروپا عامیانہ تحریر کے جواب کی نہ مجھے فرصت نہ حقیقتاً اس کی کوئی اشد ضرورت مگر محض بدیں نیت کہ مبادا کوئی سادہ لوح اس تحریر کے سبب غلط فہمی کا شکار ہو جائے امر واقعہ کے اظہار کی ضرورت ہوئی۔ مشتہر صاحب وہی بزرگ ہیں جنہوں نے روز ہل سینما کے مرزائی جلسہ میں یہ بیان فرمایا تھا کہ انہوں نے میرے نام کوئی خط لکھا ہے جس میں مجھ کو مناظرہ کا چیلنج دیا ہے۔

میں بعض ثقہ حضرات کی اس روایت کی بناء پر منتظر تھا کہ وہ خط میرے پاس آئے تو چیلنج دینے والے صاحب پر ان کی خواہش کے مطابق بذریعہ مناظرہ بھی اتمام حجت کر دوں مگر آج تک ان کے اس خط کے انتظار ہی انتظار میں رہا اور اب اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ بھی لوگوں کو دھوکہ دینے اور اپنی بڑائی جتانے کیلئے ایک لغو حرکت تھی جب ان کے مقتداء جناب مرزا صاحب حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کو دعوت مناظرہ دینے اور ان کو مباہلہ پر مجبور کرنے کے باوجود لاہور نہ پہنچے اور بہانہ بازیاں کیں؛

مولوی ثناء اللہ کو پیش گوئیوں کی پڑتال کے لئے قادیان بلایا اور منہ نہ دکھایا تو چیلے کے لئے اتنا جھوٹ بولنا کیا دشوار تھا۔ میں نے مارشس میں آتے ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص جس دینی مسئلہ کو سمجھنا چاہے میرے پاس جامع مسجد پورٹ لوئس میں ۱۰ بجے سے ۴ بجے سہ پہر تک کسی وقت آئے اور سمجھ جائے چنانچہ بمنہ تعالیٰ اس عرصہ میں روزانہ آنے والوں اور مسائل سمجھنے والوں کا اس قدر ہجوم رہا کہ مجھ کو خواب و خور کی بھی فرصت بدقت ملتی تھی۔ اسی سلسلہ میں بہت سے مرزائی بھی آئے اور الحمد للہ کہ جو آئے میرے پاس سے نہ صرف لاجواب ہو کر بلکہ اطمینان پا کر ہی گئے ان میں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی وہ الحمد للہ تائب ہو کر جماعت مسلمین میں شامل ہو گئے۔

روشن بھنو نامی ایک شخص نے یہ پیام بھیجا کہ وہ مع اپنے قریبی رشتہ دار چھ سات آدمیوں کے مجھ سے مل کر بعض مسائل کو سمجھنا چاہتا ہے اور اگر اس کا اطمینان خاطر ہو جائے تو مرزائیت سے تائب ہونے کیلئے تیار ہے۔ اپنی بعض مصالح کے سبب جامع مسجد میں آنا نہیں چاہتا بلکہ ترو دو دوس میں جناب حاجی وزیر علی صاحب کے مکان پر آ سکتا ہے۔ میں نے باوجود مشاغل کثیرہ یہ زحمت بھی گوارا کی اور تقریباً ۴۰ میل کا سفر کر کے وہاں بھی پہنچا۔ روشن بھنو وہاں بجائے چھ سات کے پچاس ساٹھ آدمیوں کے ساتھ موجود تھا۔ میں نے اس سے کہا بسم اللہ تمہیں جو دریافت کرنا ہے پوچھو؟ اس نے کہا کہ میں خود کچھ نہیں دریافت کرتا بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ آپ ہمارے حافظ صاحب (انہی مشتہر صاحب) سے مناظرہ کریں اور ہم سنیں اور فیصلہ کریں۔ میں نے جواب دیا کہ یہ آپ کی خواہش ہے مگر وہ آپ کے حافظ صاحب بھی مناظرہ

کیلئے تیار ہیں یا نہیں؟ اس لئے کہ میں تو عرصہ سے ان کے خط کے انتظار میں ہوں جس کا انہوں نے جلسہ روز ال سینما میں اعلان فرمایا تھا۔ میں آپ کی خواہش کے مطابق ان سے مناظرہ کیلئے بھی تیار ہوں بشرطیکہ وہ اپنا دستخطی اقراری خط میرے پاس بھیجیں جس میں یہ لکھیں کہ کن مسائل پر کن شراط کے ساتھ کس وقت اور کہاں مناظرہ فرمانا چاہتے ہیں۔ ان کا خط آنے کے بعد میں ان شرائط پر غور کروں گا اور جب میری اوران کی باہم رضامندی سے شرائط مناظرہ تحریری طور سے طے ہو جائیں گے تو ان شرطوں کے مطابق مناظرہ کرلوں گا تا کہ ایک فیصل کن صورت آپ کے سامنے آجائے اس کے جواب میں بھنو نے کہا کہ بہت اچھا آپ اپنی اس بات پر پکے رہیں میں انہیں کی دستخطی اقراری چٹھی جس میں سب شرطیں وغیرہ لکھی ہوں گی آپ کو خود پہنچاؤں گا۔ غالباً بھنو نے اس بات پر قسم بھی کھائی اور اس وقت رخصت ہوا لیکن کئی ماہ گزر گئے آج تک وہ تحریر نہ آنی تھی نہ آئی۔ اس دوران میں کسی شخص عبدالرحیم اور بھنو نے مجھے لکھا کہ آپ فلاں جگہ فلاں وقت ہمارے حافظ صاحب سے مناظرہ کیلئے آیئے۔ میں نے اس کے اس وعدہ کے بعد ایسے لغو خط کو ردی سمجھ کر پھینک دیا تھا مگر میرے بعض احباب نے مناسب سمجھا کہ اس کو اس کا وعدہ یاد دلائیں شاید کہ وہ بھول گیا ہو چنانچہ انہوں نے دوبارہ بذریعہ رجسٹرڈ خطوط اس کو اس کے وعدہ کے الفاظ یاد دلائے اور یہ بھی جتا دیا کہ اگر تم اپنے حافظ صاحب کی تحریر نہ بھیجو گے تو یہ سمجھا جائے گا کہ (مدعی سست گواہ چست) تمہارے حافظ صاحب مناظرہ سے گریز کرتے ہیں مگر ان احباب کی ان تحریروں کا بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

بالآخر برادر دینی و یقینی شیخ عبدالرحیم صاحب کے مکان پر (جو اس سلسلہ میں مع اپنے بڑے قبیلہ کے مرزائیت سے تائب ہوئے ہیں) میں نے اپنے دوران وعظ میں اس کل مضمون و رقعہ کا اظہار کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ اب میں عنقریب اس جزیرہ سے روانہ ہونے والا ہوں۔ مزید اتمام حجت کیلئے تمام مرزائیوں کو یہ سنا دینا چاہتا ہوں کہ اگر ان کے حافظ صاحب اپنے اعلان کے مطابق مجھ سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں تو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر وہ موجودہ خط میرے پاس بھیجیں اور مناظرہ کرلیں۔ ورنہ ان کے اس جھوٹ کا سب پر اظہار اور ان کا مناظرہ سے فرار عالم آشکار ہو جائے گا۔ میں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ مرزائی احاطہ کی دیوار کے پیچھے سے کسی پردہ نشین نے یہ بانگ بے ہنگام بلند کی کہ آپ جو کہہ رہے ہیں لکھ کر ہمارے پاس بھیج دیں تب ہم شرائط مناظرہ وغیرہ سب لکھ بھیجیں گے۔ میں نے اس کے جواب میں فوراً للکار کر کہا کہ یہ پردہ کے پیچھے کون بولتا ہے جس کو بولنا ہو سامنے آئے اور تمیز کے ساتھ جو بات کہنی ہو کہے۔

میری اس للکار کے بعد وہ آواز بند ہوگئی۔ بعض تجربہ کار احباب نے بعد جلسہ بتایا کہ وہ آواز حافظ صاحب موصوف ہی کی تھی۔ پھر میں نے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں محبت کے ساتھ دین حق کی تبلیغ کر رہا ہوں مجھے ضرورت نہیں کہ کسی کو مناظرہ کا چیلنج دوں ہاں اگر کوئی مجھ سے مناظرہ کرنا چاہے تو میں بسر و چشم اس کیلئے تیار ہوں۔ اگر مرزائیوں کو تحریری چیلنج دوں تو مجھے چاہیئے عیسائی۔ بدھسٹ۔ سناتنی۔ آریہ۔ سب کو ایسی ہی تحریر بھیجوں ورنہ ان کو باتیں بنانے کا موقع ملے گا۔

اس کے بعد میں چوبیس گھنٹے تک مرزائی حافظ صاحب کی تحریر کا منتظر رہا لیکن چوبیس گھنٹے کجا آج تک نہ وہ خط ہے نہ اس کی کوئی خبر۔

مناظرہ سے مرزائی حافظ صاحب کا فرار اظہر من الشمس ہو گیا اور شاید خود ان کے فرقہ کے لوگوں نے ان کو ان کے جھوٹے وعدے اور جھوٹے اعلان پر پھر میری تقریر کے دوران میں بولنے اور میرے بلانے کے باوجود سامنے نہ آنے پر شرمندہ کیا ہوگا اور ان کو یہ فکر دامنگیر ہوئی ہوگی کہ کہیں لگی لگائی روزی ہاتھ سے نہ جاتی رہے اس لئے کہ اب قادیانی فنڈ کی آمدنی بھی برادرم شیخ عبدالرحیم کے تائب ہونے کے بعد کم ہو گئی تو مجبور ہو کر جناب حافظ صاحب نے اشک شوئی کیلئے وہی اشتہار بازی کا طریقہ اختیار کیا جو ہمیشہ مرزا صاحب اور ان کے پیروؤں کا شعار رہا ہے۔ تا کہ ادھر اشتہار کی سرخی میں میرا نام ہونے کے سبب ان کا اشتہار فروخت ہو' آمدنی کی صورت نکلے ادھر مرزائیوں کو تسلی دینے کا بھی موقع ملے کہ ہم نے اور کچھ نہیں تو بے سروپا اشتہار ہی دے دیا۔ ان کو یہ یقین ہے کہ مسلمانان مارشس کے پاس کوئی اُردو کا پریس نہیں کاتب نہیں پتھر نہیں پھر جواب چھاپیں گے تو کیونکر۔ پھر میرے متعلق بھی یہ یقین ہو گیا کہ پابرکاب ہوں اور عدیم الفرصت لہذا اس موقع کو غنیمت جان کر اشہار چھاپا کہ اسی بہانہ سے مرزائیوں پر رعب جم جائے اور یہ کہنے کا موقع ملے کہ دیکھو ہمارے اشتہار کا کسی نے جواب نہ دیا۔

مگر انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ الحمدللہ خدام دین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم آلہ وصحبہ اجمعین وسلم ہر خدمت دین کیلئے ہمیشہ مستعد رہتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تحریر کا

جواب بھی حاضر ہے۔ وھو ھذا

میں یقیناً اسی اصول حکمت سے کام لے کر جس کی ہدایت قرآن حکیم نے فرمائی بہت محبت کے ساتھ بے دینوں کو اسلام کی طرف بلاتا ہوں اور بمنہ تعالیٰ کامیاب ہوتا ہوں۔ نہ کسی پر حملہ کرتا ہوں نہ کسی کا دل دکھاتا ہوں' جس کا عملی ثبوت اسی سے مل سکتا ہے کہ جزیرہ بھر کے ہر اُس پبلک جلسہ میں جہاں میں نے تقریر کی ہمیشہ کثرت کے ساتھ غیر مسلم حضرات شرکت فرماتے رہے اور ہر فرقہ کے افراد میرے طرز کلام کی داد دیتے ہوئے ہی رخصت ہوئے حتیٰ کہ واکوئے کے ایک جلسہ میں تو ایک پادری صاحب نے بے ساختہ ایسی بے نظیر مختصر تقریر فرمائی جو ان کے اسلام سے قریب تر ہونے پر دلالت کر رہی تھی۔ دوسرے ایک انگریز رئیس نے بہت مناسب الفاظ میں طرز تقریر کی داد دیتے ہوئے اس کی تائید کی۔ نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ انہی تقریروں سے متاثر ہو کر اس وقت تک تقریباً پچاس آدمی مشرف باسلام ہو چکے ہیں۔ ہاں چونکہ کفر مرزائیت سے تائب ہونے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ یہی حافظ صاحب پر شاق' تو اس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں' میں نے ہرگز ہرگز کبھی کسی پر حملہ نہیں کیا ہاں جب مرزائیوں کی طرف سے مناظرہ کی چٹھی کی جھوٹی خبر گرما گرمی کے ساتھ مشہور کی گئی تو مجبور ہوا کہ کھلے طور پر لوگوں کو مرزائیت کی حقیقت سے آگاہ کر دوں۔ اس سلسلہ میں بھی جو الفاظ حافظ صاحب کو گراں گزر سکتے ہیں وہ میرے نہیں بلکہ خود مرزا صاحب ہی کے کلمات ہیں میں صرف ان کا دہرانے والا ہوں چنانچہ ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) محمدی بیگم سے نکاح اور اس کے شوہر کے انتقال کی پیش گوئی کے متعلق جناب مرزا صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔

(ا) اس پیش گوئی کی دوسری جزو پوری نہ ہوئی تو میں ہر ایک بد سے بدتر ٹھہروں گا۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵۴)

(ب) یہ تمام امور جو انسانی طاقت سے بالاتر ہیں ایک صادق یا کاذب کی شناخت کے لئے کافی ہیں۔ (شہادۃ القرآن صفحہ ۷۵)

(ج) اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہ ہوگی اور میری موت آجائے گی۔ (حاشیہ انجام آتھم صفحہ ۳۱)

(د) برائے صدق خود یا کذب خود معیاری گردانم (انجام آتھم صفحہ ۲۲۳)

یہ ظاہر ہے دنیا کو معلوم ہے کہ یہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔ اس نکاح کی حسرت اور اپنی مطلوبہ کا داغ مفارقت مرزا صاحب دل ہی میں لے کر مر گئے۔

پس اب مرزائی صاحبان ہی فیصلہ فرمائیں کہ مرزا صاحب اپنے قول کے مطابق بد سے بدتر کاذب اور جھوٹے بنے یا نہیں؟

(۲) پھر ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب نے جب مرزائیت سے توبہ کرنے کے بعد یہ پیش گوئی فرمائی کہ صادق کے سامنے شریر فنا ہو جائے گا۔ یعنی تین سال کے اندر میرے سامنے مرزا صاحب مر جائیں گے۔ (اعلان الحق ۱۲ جولائی ۱۹۰۶ء)

اس کے جواب میں جناب مرزا صاحب نے اپنے اشتہار مجریہ ۱۶ اگست ۱۹۰۶ء میں تحریر فرمایا "خدا صادق اور کاذب میں فرق کر کے دکھائے گا۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ شریر

اور مفتری کے سامنے صادق اور مصلح فنا ہو جائے۔ یہ کبھی نہیں ہوگا کہ میں ایسی ذلت اور لعنت کی موت سے مروں کہ عبدالحکیم خان کی پیش گوئی کی معیاد میں ہلاک ہو جاؤں"۔

دنیا کو معلوم ہے کہ مرزا صاحب اسی پیش گوئی کی معیاد یعنی ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہیضہ کی اسی وبائی بیماری میں جو بقول مرزا صاحب ان کے مخالفوں کیلئے بصورت عذاب آئی تھی خود مبتلا ہوئے۔ (لاہور میں مرے اور قادیان میں دفن کئے گئے)

اب فیصلہ حافظ صاحب اُن کے رفقا ہی فرمائیں کہ مرزا صاحب بقول خود معیاد پیش گوئی کے اندر ذلت اور لعنت کی موت سے مرے اور ان کے مرنے سے صادق اور کاذب کا فرق ظاہر ہوا یا نہیں۔ میں نے اپنی طرف سے کبھی ان کی شان میں کوئی سخت کلمہ نہ استعمال کیا اور نہ یہ میری عادت۔ اگر مرزا صاحب کے ان جملوں میں ان پر سخت سے سخت حملے ہیں تو ان کے ذمہ دار خود مرزا صاحب ہیں نہ کہ میں۔ اگر کوئی مرزائی ان سے کسی طرح جواب طلب کر سکتا ہے تو ضرور کر لے۔ میرے حقیقی اعتراض یا بقول حافظ صاحب سخت سے سخت حملے اگر تھے تو یہی مگر میں نے حافظ صاحب کی نمبر اوّل یک رخی ۲ دو ورقی اور نمبر دو دو رخی دو ورقی کو اوّل سے آخر تک پڑھا ان اعتراضوں کا جواب کہیں بھی نظر نہ آیا۔ ہاں میری تقریر کے بعض حصص پر اپنی کج فہمی کے سبب قطع و برید کرتے ہوئے اپنے خیال ناقص کا اظہار فرمایا ہے اور جو سوالات اس میں کئے اور جو توجیہیں بیان کیں ان میں صرف اپنے مرزائی سرغناؤں کی نقالی کی ہے جس کے جواب علمائے اسلام کی طرف سے بار ہا دیئے جا چکے اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکے۔ تاہم شاید مارشس کے لوگوں کی

نظر سے کمتر گزرے ہوں لہذا یہ دیکھتے ہوئے کہ حافظ صاحب کی تحریر طویل میں بار
بار ایک ہی بات کا تکرار ہے مختلف عنوانوں کے ماتحت مختصراً عرض کئے دیتا ہوں۔
شاید کہ اس سے بھی کوئی ہدایت پا جائے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْب

جماعت

میں نے ابتدائے کلام ہی میں یہ کہہ دیا تھا کہ جماعت حقہ اسلام میں کوئی
تفرقہ نہیں۔ **ما انا علیہ و اصحابی** ایک ہی راہ ہے۔ حنفی شافعی، مالکی حنبلی فرقے
نہیں سب اسی ایک راہ پر چلنے والے ہیں اور یہی وہ سواد اعظم جس کے لئے ارشاد کہ

اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار ۔ (رواہ ابوداؤد)

تم سواد اعظم کی پیروی کرو کیونکہ اس سے علیحدہ ہوا جہنم میں گیا۔

اسی سواد اعظم کو حضور علیہ السلام نے جماعت فرمایا اور **ان اللہ لا یجمع
امتی (او قال) امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی ضلالة وید اللہ
علی الجماعة و من شذ شذ فی النار**

فرمایا (یقیناً میری اُمت کو (یا یوں فرمایا) کہ اُمت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو
گمراہی پر جمع نہ کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو علیحدہ ہوا جہنم میں گیا۔

اب اگر مرزائی اجماع اُمت کے خلاف نئے نئے عقیدہ تراش کر اس
سواد اعظم و جماعت مسلمین سے الگ ہوں تو وہ اپنا مقام دیکھ لیں حدیث میں بتا دیا

گیا ہے۔ معمولی عقل والا انسان بھی اتنی سی بات کو سمجھ سکتا ہے کہ جماعت کا لفظ میں
کروڑ انسانوں کے گروہ پر صادق آسکتا ہے یا گنے چنے چند مرزائی افراد پر۔

حدیث **العلماء ورثة الانبیاء** میں بھی اسی سواد اعظم کے علماء کی شان
کا اظہار ہاں وہ بے علم مدعیان علم جو اس سواد اعظم سے الگ ہوئے اور ذاتی اغراض
کیلئے شرارتیں پھیلاتے ہوئے اپنی اپنی ٹکڑیاں بناتے ہیں۔ **شر من تحت ادیم
السمآء** کہلائے۔ اس حدیث کے مصداق صحیح حافظ صاحب کو تلاش کرنے کی
ضرورت نہیں مرزائی فرقہ میں بآسانی وہ ان سے ملاقات فرما سکتے ہیں۔

میں نہ کوئی نئی راہ بتاتا ہوں نہ نیا دین سکھاتا ہوں، نہ اپنا کوئی نیا فرقہ بناتا ہوں
صرف اسی **ما انا علیہ و اصحابی** والی راہ کی طرف بلاتا ہوں اور یہی سکھاتا ہوں
کہ قرآن کریم وحدیث شریف کے معانی میں مدعیان الہام کے خود تراشیدہ الہام کو
دخل نہ دیا جائے بلکہ ان کے وہی معنی سمجھے جائیں جو حضور خاتم النبیین ﷺ نے سمجھے،
اپنے صحابہ کو سمجھائے اور انہوں نے بتسلسل ہم تک پہنچائے۔ حافظ صاحب لکھتے ہیں کہ:

انبیاء کے وارث علماء کوئی خاص لوگ ہیں اور پھر اس کی تشریح فرماتے ہیں
کہ ملہم آدمی خدا سے علم پا کر بولتا ہے اور اس کی مزید توضیح کہ العلماء سے مراد مجددین
ملہمین ہیں نہ کہ عام مولوی۔ یہ حافظ صاحب کی خود رائی ہے نہ کہیں قرآن کریم میں
اس کا ذکر نہ حدیث شریف میں اس کا بیان۔ الف لام کے متعلق یہ تو تحریر فرمایا کہ اسی
بات کو ظاہر کرتا ہے مگر یہ نہ لکھا کہ کیوں؟ اگر صرف ونحو پڑھی ہوتی اقسام الف لام کا علم
ہوتا تو لکھتے کہ الف لام کیسا ہے۔ اگر عربی نہیں پڑھی تو اب تو اردو زبان میں بھی عربی

صرف ونحو کی کتابیں چھپ گئی ہیں۔ انہیں میں دیکھ لیا ہوتا[1] پھر کہیں کتاب وسنت کا یہ حوالہ بھی دیا ہوتا کہ بعد خاتم النبیین ﷺ کسی مدعی الہام کا الہام حجت شرعی بھی ہے۔

مجددین اور الہام

مجدد کی حدیث حافظ صاحب نے تحریر تو فرمائی اس کے الفاظ کی ترتیب میں ایسا بے ہودہ تصرف بھی کیا اور لکھا کہ راس مائۃ کل سنۃ جس کی غلطی ایک ادنیٰ متعلم عربی بھی بتادے مگر معنی میں کچھ تصرف کر کے بھی یہ نہ دکھایا کہ وہ مجدد ملہم ہونگے اور ان کا علم شرعی حجت بھی ہوگا۔

پھر تعجب کہ اس دو ورقی کی چند سطروں ہی میں اتنا تناقص۔

اوّل لکھتے ہیں کہ العلماء سے وہ لوگ مراد ہیں جو معرفت الٰہی کا کامل علم رکھتے ہیں۔

(۲) کامل معرفت صرف الہام سے ہوتی ہے ان کا نتیجہ یہ نکلا کہ العلماء سے وہ لوگ مراد ہیں جن کو الہام ہوتا ہے۔ یعنی جنہیں الہام نہیں ہوتا وہ العلماء میں داخل

---

[1] آپ الف لام عہد ذہنی ہی کا مراد لے سکتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کا معہود علماء دین مصطفےٰ ہیں۔ (ﷺ) کیونکہ وہ بین لمتکلم والسامع متعین ومعروف ہیں اور وہی وارث ہو بھی سکتے ہیں کیونکہ وارث اس کو کہتے ہیں جو اپنے مورث کا ترکہ پائے اور حضور کا ترکہ علم دین ہے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے تو یقیناً وارث کے مصداق علماء دین ہوئے اس کا انکار حدیث زیر بحث کی تحریف اور حدیث لانورث دینارا ولا درہما کا انکار ہے۔ اور ملہمین تو کسی طرح مراد ہو بھی نہیں سکتے کیونکہ وہ مسبوق الذکر نہیں جو معہود خارجی قرار دیئے جاسکیں نہ صانع ومتکلم کے درمیان معروف ومعہود کہ بطریق عہد ذہنی مراد ہو سکتے یہ کہاں کی صدائے بے ہنگام اور تحریف باطل ہے اور ملہمین وارث کا مصداق بھی نہیں ہو سکتے کہ نئے الہامات نبوت کا ترکہ کب ہیں حضور کا ترکہ تو کتاب وسنت ہے جیسا کہ خود حدیث شریف میں وارد ہوا۔

نہیں اور انبیاء کے صحیح وارث نہیں۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ جو مولوی ان الہام پانے والے مجددین کے ساتھ شامل ہونگے وہ بھی ان مجددین کے طفیل علم کے وارث ہونگے۔ یعنی بغیر الہام کے صرف مجددوں کے طفیل میں بھی صحیح علم کے وارث ہو جائیں گے۔

ذرا اپنے ان جملوں پر نظر ڈالیے کہ ایک دوسرے کا اُلٹا ہے یا نہیں؟

پھر تعجب اور سخت تعجب ہے کہ مجددین کے ساتھ شامل ہونے اور مجددین کے طفیل سے تو صحیح علم کے وارث ہو جائیں اور سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی صراط مستقیم پر چلنے میں ان کے ساتھ شامل ہونے اور ان صاحب وحی و کتاب کے طفیل ان سے صحیح علم بہ تسلسل روایت لینے کے بعد بھی صحیح علم کے وارث نہ بنیں اور العلماء میں داخل نہ ہو سکیں اور خطرہ میں رہیں۔

ع...... بریں عقل و دانش بباید گریست

آیت قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (پ ۱۳، سورۃ یوسف آیت نمبر ۱۰۸) کو پیش کرتے ہوئے اس کا من گھڑت ترجمہ کرنا اور من اتبعنی کو صرف صحابہ تک محدود کرتے ہوئے بارہ سو برس کیلئے تبلیغ کے دروازہ کو بند سمجھنا اس لئے کہ اس عرصہ دراز میں کسی مجدد نے یہ دعویٰ نہ کیا کہ میرا الہام حجت شرعی ہے۔ اس کو مانو اور جو اس کو نہ مانے گا وہ کافر ہوگا۔ بقول حافظ صاحب اس لئے کوئی عالم بھی صحیح علم کا وارث نہ بنا اور حق پر نہ رہا تو ان کے تبلیغ دین کرنے سے جو مسلمان ہوئے بقول حافظ صاحب وہ بھی حق پر نہ ہوئے۔ غرض اس طرح صرف

مرزائی جماعت کے حق پر ثابت کرنے کیلئے حافظ صاحب کا ۱۲ سو برس کے تمام مسلمانوں کو معاذ اللہ حق پر نہ ہونے کا حکم لگا دینا اور صرف مرزائی مبلغین کو اس کا مصداق بنانا ویسی ہی خود رائی ہے جس کے لئے سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی اس کو چاہیئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے مرزائی صاحبان آریوں اور عیسائیوں کو تو کیا مسلمان بنائیں گے مرزا صاحب کے زمانہ اور اس کے بعد کے مسلمانوں پر خود مرزا صاحب اور ان کے بلند اقبال صاحبزادہ نے کفر کا حکم لگایا تھا۔ صاحبزادہ کے شاگرد حافظ صاحب اُستاد سے بھی آگے بڑھے اور انہوں نے پہلوں پر بھی ہاتھ صاف کیا۔ حافظ صاحب نے اشتہار بازی کی جرأت تو کی مگر جہالت کا یہ عالم مذکر و مونث کی تمیز نہیں، طائفہ کیلئے لایزال لکھ رہے ہیں پھر حدیث میں خیانت اور بد دیانتی اس درجہ دجل وفریب کا یہ عالم کہ صرف ایک جملہ اپنے مزعومہ مطلب کو خواہ مخواہ ثابت کرنے کیلئے نقل کر دیا۔ بعض کو ماننے اور بعض کے ساتھ کفر کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اوّل و آخر کو لکھا ہی نہیں اس لئے کہ ان جملوں کو لکھتے تو مرزائیت کا سارا پول کھل جاتا اور مدعی نبوت کا کذاب ہونا حدیث نبوی سے ظاہر ہو جاتا کیونکہ حضرت فرماتے ہیں سیکون فی امتی کذابون ثلثون کلهم یزعم انه نبی الله وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی ولا زال طائفة من امتی علی الحق ظاهرین لا یضرهم من خالفهم حتیٰ یاتی امر الله۔ (مسلم، ترمذی، ابوداؤد)

میری اُمت میں تیس جھوٹے پیدا ہونے والے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک

یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں، میری اُمت میں ہمیشہ ایک گروہ حق پر رہے گا اور غالب رہے گا اس کے مخالف اسے ضرر نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ خدا کا حکم یعنی قیامت آ جائے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ؀ (پ۱۹ سورۃ الشعراء آیت ۲۲۷)

اس حدیث نے صاف بتا دیا اور پہلے جملہ کے معنی نے بالکل کھول دیا کہ یہی گروہ علماء و مجددین وحی والہام خاتم النبیین پر قائم رہیں گے۔ اپنے الہام کو شرعی حجت نہ بنائیں گے۔ مرزا صاحب کی طرح نبوت کا دعویٰ کرنا اور اپنے مفروضہ الہام کو وہی درجہ دینا جو قرآن کریم کا ہے جھوٹوں کا شیوہ ہے۔

اب مرزا صاحب کو آپ اسی کسوٹی پر پرکھ لیجئے کہ:

(ا) انہوں نے نبوت و رسالت کا کھلا ہوا دعویٰ کیا ہے کہ (ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں)

(ب) سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں نبی بھیجا۔ آپ انہیں غیر تشریعی اور ناقص نبی سمجھتے ہیں تو ان کے نزدیک بھی بے ایمان ہیں اس لئے کہ وہ تو صاف لکھتے ہیں۔

(ا) جس نے اپنی وحی کے ذریعہ چند امر اور نہی بیان کئے اور اپنی اُمت کیلئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعت ہو گیا۔

پھر اپنی وحی میں امر و نہی کی مثال دے کر آگے لکھا کہ:

(ب) اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی۔ (اربعین ص ۶ حاشیہ)

کہیے اب بھی تشریعی نبوت کے دعوے میں کیا کچھ کسر رہ گئی۔

پھر ابھی اور آگے بڑھے اپنی وحی کو قرآن کریم کے جیسا بتایا

؎ انچہ من بشنوم زوحی خدا بخدا پاک دانش زخطا
ہچو قرآن منزہ اش دانم از خطاہا ہمین است ایمانم

(نزول المسیح ،صفحہ ۹۹)

پھر اپنے آپ کو سب تشریعی وغیر تشریعی نبیوں کے برابر ٹھہرایا۔

؎ انبیاء گرچہ بودہ اند بسے من بعرفاں نہ کمترم زکسے
کم نیم زاں ہمہ بروئے یقیں ہر کہ گوید دروغ است ولعیں

بلکہ اپنے آپ کو صاحب شریعت اولوالعزم رسول حضرت عیسیٰ بن مریم سے تو صاف طور پر بہتر بتایا۔ان کا مشہور شعر ہے:

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

کیا اس تیرہ سو برس کے کسی مجدد نے کسی سچے عالم نے ایسا دعویٰ کیا اپنے الہام کو ایسی حجت بتایا؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔

پس مرزا صاحب کے تو دعوے ہی ان کی تکذیب کی بڑی دلیل ہیں۔آپ کہیں ان کی مجددیت کا راگ الاپتے ہیں کہیں امامت کا ذکر کرتے ہیں۔آگے چل کر نبوت و رسالت غیر تشریعی کا حکم لگاتے پھر ان کو فی الجملہ تشریعی بھی مانتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے نہ ماننے والوں کو کافر اور باطل پر ٹھہراتے ہیں۔

ایک عالم فیصلہ کر چکا اور مارشس کے مرزائی بھی عنقریب کر لیں گے۔مرزا صاحب تو اپنے قول سے خود کفر کے دام میں پھنس چکے اب وہ کہاں نکل کر جاتے ہیں مجددیت و امامت و نبوت کا ذکر تو بعد میں کیا جائے پہلے ان کے ہوا خواہ ان کو کفر کے گڑھے سے تو نکالیں اگر نکال سکتے ہیں۔(مولوی محمد عبدالعلیم صدیقی قادری)

================

عَلا جَلَّ مُحَمِّدًا وَ حَامِدًا وَ مُبَسْمِلاً
وَصل عَلَيْهِ اللّٰهُ سَلم مُحَمَّدًا مُسَلِّمًا وَ مُصَلِّيًا وَ

مرزائی حقیقت کا اظہار

نمبر ۲

مرزا غلام احمد قادیانی اپنے کفر کا فتویٰ خود دے چکے
علماء اسلام جناب مرزا صاحب سے ان کے اسلام کا ثبوت کیوں
نہ طلب کریں جبکہ مرزا صاحب اپنے کافر و کاذب و لعنتی ہونے کا
فتویٰ خود اپنے قلم سے دے رہے ہیں۔

نوٹ: قادیانی مبلغ حافظ صاحب نے اپنے فرقہ کو حق پر ثابت کرنے کیلئے یہ آیت لکھی ہے۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (پ۱۳،سورۃ یوسف آیت ۱۰۸) اور اس آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے۔اے محمد ﷺ تو اعلان کر دے کہ میرا اور میرے صحابہ کا طریقہ یہ ہے کہ ہم سب علی بصیرت تبلیغ کا کام کرتے ہیں۔قادیانی نے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کیلئے آیت کے معنی میں تحریف کی اور من اتبعنی کا ترجمہ (میرے صحابہ) کیا باوجود یکہ اس کے صاف معنی یہ تھے کہ جس نے میرا اتباع کیا اس میں صحابہ کرام بھی داخل تھی تابعین بھی تبع تابعین بھی قیامت تک (باقی اگلے صفحے پر)

اس سے قبل ناظرین نے مرزا صاحب کے نبوت تشریعی بلکہ دوسرے انبیاء سے برابری بلکہ اُن سے بہتری کے دعوے تو ملاحظہ کیے اب ایسے دعوے کرنے والے کے متعلق علمائے اسلام کے سامنے لاجواب ہو کر جناب مرزا صاحب نے جو فتوے دیئے وہ بھی دیکھئے اور فیصلہ کیجئے کہ ان دعوؤں کے بعد اپنے ان فتوؤں کے مطابق وہ کیا بنے؟

(۱) بجواب حضرت مولانا غلام دستگیر صاحب قصوری رحمۃ اللہ علیہ جناب مرزا صاحب علیہ ما علیہ اپنے اشتہار مورخہ ۲۰ شعبان ۱۳۱۴ھ میں شائع فرماتے ہیں:

ان پر واضح رہے کہ ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں۔

(۲) اشتہار مجریہ ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ھ میں علمائے دہلی کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں (میں) سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت و رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔

ایک طرف مرزا صاحب خود اپنے ہی ان فتوؤں کی رو سے کافر کاذب اور ملعون بنے اس لئے کہ نبوت کا دعویٰ اظہر من الشمس، دوسری طرف انہوں نے تمام ان مسلمانوں پر جو مرزا صاحب کو نبی و مسیح و مہدی و مجدد وغیرہ نہ مانیں کفر کا فتویٰ دیا

(بقیہ ص ۵۹۷) آنے والے تمام مسلمان فرمانبرداران رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی، مگر قادیانی مبلغ نے دیکھا کہ صحیح ترجمہ کیا جائے تو آیت سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ حق پر صرف اہلسنت و جماعت ہیں جن کا دین اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور وہ حدیث قرآن چھوڑ کر کسی مدعی الہام کے اُمتی بننا گوارا نہیں کرتے لیکن تماشا یہ ہے کہ اس تحریف سے بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ یہ نتیجہ نکلا کہ مرزائی بھی گروہ حق سے خارج ہیں کیونکہ وہ صحابی نہیں اور قادیانی صاحب کے نزدیک آیت میں من اٰتبعنی سے صرف صحابہ مراد ہیں تو جب مرزا اہل حق سے خارج ہے تو اس کے متبعین کس طرح اہل حق بن گئے۔ (باقی ص ۶۰۰ پر)

اور انہیں کافر کہا۔ چونکہ قرآن و حدیث میں کہیں بھی مرزا صاحب پر ایمان لانے کا حکم نہیں دیا گیا اس لئے اس فتوے کی رو سے کوئی مسلمان تو کافر نہ ہوا۔ ہاں بحکم حدیث وہ کفر بھی کروڑوں نہیں بلکہ ان گنت مسلمانوں کی طرف سے خود مرزا صاحب ہی پر لوٹا تو اب مرزا صاحب جس جماعت کے بھی [1] امام بنیں اس کا شمار کفار ہی میں ہو سکتا ہے مسلمانوں کی جماعت سوادِ اعظم سے تو وہ پہلے ہی اپنے آپ کو الگ کر چکے۔ چنانچہ اسی کفر کا اظہار مختلف صورتوں میں مرزا صاحب کے چیلوں کی طرف سے ہوتا رہتا ہے۔

خاتم النبیین

پرستاران مرزا صاحب نے حدیث **لا نبی بعدی** (میرے بعد کوئی نبی نہیں) کے معنی میں تحریف کرنے کیلئے طرح طرح کے حیلے نکالے مگر یہ جرأت آج تک کسی کو نہیں ہوئی تھی کہ لا الہ الا اللہ کے معنی کو بھی بدلے اور مندروں اور گرجاؤں کے بتوں کو بھی معبود قرار دے مگر چونکہ مارشس کے مرزائی حافظ جی کو علم سے کوئی علاقہ ہی نہیں اس لئے لے دے کر پورے اشتہار میں اپنی طرف سے اگر کوئی بات نکالی تو وہ بھی ایسی نرالی جو مرزا صاحب کے حمایتی تو کجا خود مرزا صاحب کو بھی کبھی نہ سوجھی تھی جناب حافظ صاحب مرزا جی کی نبوت ثابت کرنے میں اس درجہ حد سے گزرے کہ لا الہ الا اللہ میں بھی لا کو صرف کمال کی نفی کرنے والا قرار دے کر یہ مان بیٹھے کہ اللہ کے سوا

[1] مرزائی مبلغ نے اپنے فرقہ کے حق پر ہونے کی دلیل بیان کی کہ وہ ایک شخص کو امام علم مانتے ہیں یہ کس قدر قابل مضحکہ بات ہے کسی قوم کے وہمیات یا اعتقادات اس کے حق پر ہونے کی دلیل ہو سکتے ہوں تو دنیا میں کوئی فرقہ باطل نہ ہو۔ رافضی خارجی بہائی مرزائیوں کے نزدیک حق پر ہوئے۔

بت خانوں اور گرجاؤں میں دوسرے (معبود بھی) موجود ہیں۔ اگر چہ وہ ایسے کامل نہ ہی جیسا اللہ مگر بقول حافظ صاحب معبود تو ضرور ہیں۔ (معاذ اللہ من ذالک)

مشرکین مکہ بھی تو اپنے بتوں کو اللہ کے برابر یا اللہ کے جیسا کامل معبود نہ مانتے تھے بلکہ اللہ سے کم درجہ کا ہی معبود گردانتے تھے اور اسی جرم کے سبب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کو مشرک کہا۔

موجودہ زمانہ کے بُت پرست بھی یہی تو کہتے ہیں کہ معبود حقیقی تو وہی خدا ہے مگر اس سے کم درجہ کے معبود یہ بُت بھی ہیں۔

پس اب سوچئے کہ جناب مرزائی حافظ صاحب اور دوسرے بت پرست مشرکین میں کیا فرق رہا؟ حد سے گزرنے کی یہی سزا ہے کہ اوّل کافر بنے پھر مشرکین کے گروہ میں شامل ہوئے۔ جب کسی کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے تو اس کا یہی حال ہوتا ہے۔

اسلام نے جو کلمہ سکھایا اس میں سب سے پہلے ہر مسلم کو یہی بتایا کہ حقیقی، مجازی، کامل، ناقص کسی صورت کسی قسم کا کوئی وجود "الہ" "معبود" کہے جانے کا مستحق سوائے اللہ کے ہے ہی نہیں۔

(بقیہ ص ۵۹۹) آیت کے معنی میں تحریف کر کے بھی مرزائی گروہ باطل ہی میں ہے۔ علاوہ بریں مرزائی مبلغ نے اہل حق صرف ملہمین کو مانا ہے قطع نظر اس کے کہ یہ خیال تراشیدہ طبع اور زائیدہ فکر مرزائیت ہے اور قرآن و حدیث میں اس کا کہیں ثبوت نہیں بلکہ کثیر آیات و احادیث کے خلاف ہے۔ یہ تعجب خیز ہے کہ مرزائیوں کے حق پر ہونے کی دلیل مرزا ہی کا دعویٰ الہام قرار دیا جائے اور یہ دلیل ان کے سامنے پیش کی جائے جو مرزا کو مومن و مسلم بھی نہیں مانتے تو وہ ملہم من اللہ کیسے تسلیم کریں گے۔ یہ کہاں کی منطق ہے کہ مخالف کے سامنے اپنے اعتقادات کو دلیل بنا کر پیش کر دیا جائے۔ زیادہ تعجب یہ ہے کہ مرزا صاحب (باقی ص ۶۰۱ پر)

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

میں لا جنس الہ غیر اللہ کی نفی کرتا ہے اور اس کلمہ کا ترجمہ یوں ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود ہے ہی نہیں۔

سچے مسلمانوں کا تو یہی عقیدہ ہے کہ جس طرح خدا کے سوا وہ تمام بُت یا دوسری چیزیں جن کی پوجا کی جاتی ہے جھوٹے اور کسی طرح معبود کہے جانے کے مستحق نہیں۔ اسی طرح بمضمون حدیث **لا نبی بعدی** حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص بھی نبوت و رسالت پانے اور نبی بننے کا دعویٰ کرے وہ ایسا ہی جھوٹا نبی اور جھوٹا رسول ہے جیسے وہ بُت جھوٹے۔

آنے والے عیسیٰ مسیح بن مریم جن کی خبر قرآن عظیم و احادیث میں دی گئی

وہ مسیح بن مریم علیہ السلام جن کے تشریف لانے کی خبر قرآن عظیم و احادیث شریفہ میں دی گئی نہ حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعد نبی بنیں گے نہ یہ دعویٰ فرمائیں گے کہ مجھے اب نبوت و رسالت ملی بلکہ یہ وہی مسیح بن مریم علیہ السلام ہونگے جو حضور ﷺ سے پہلے نبی بن چکے اور نبوت و رسالت پا چکے وہی بذات خود دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور حضور خاتم النبیین ﷺ کی خدمت خلافت بجا لائیں گے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

(بقیہ ۶۰۰) کے الہام نسبت محمدی بیگم وغیرہ کے دیکھنے کے بعد بھی مرزائیوں کی غیرت مرزا کے الہام کا نام لینا گوارا کرتی ہے۔ شرم شرم شرم۔ اگر محض دعویٰ الہام کسی کو حق پر ثابت کر سکتا ہو تو بہائی بابی وغیرہ صدہا گراہ فرقے الہام کے مدعی ہیں مرزائی ان سب کو حق مانیں۔

حدیث نبوی" عن ابی هريرة ان النبی صلی الله عليه وسلم قال الانبياء اخوان العلات امهاتهم شتی و دينهم واحد وانی اولی الناس بعيسیٰ بن مريم لا نه لم يكن بينی و بينه نبی وانه خليفتی علی امتی وانه نازل فاذا رايتموه فاعرفوه رجل مربوع الی الحمرة والبياض عليه ثوبان ممصران كان راسه يقطر وان لم يصبه بلل فيدق الصليب ويقتل الخنزير ويضع الجزية ويدعوا الناس الی الاسلام ويهلك الله فی زمانه الملل كلها الا الاسلام (الی ان قال) فيمكث اربعين سنة ثم يتوفی ويصلی عليه المسلمون ويدفنونه ۔(اخرجہ ابن ابی شیبہ واحمد ابوداؤد وابن جریر وابن حبان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

مرزائی دلائل کے خرمن پر یہ حدیث بجلی کا کام کر رہی ہے اس لئے کہ اس میں حضور اکرم ﷺ نے صاف لفظوں میں بتادیا کہ تشریف لانے والے نازل ہونے والے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام وہی نبی ہیں جو مجھ سے پہلے نبی بن کر آ چکے اور میرے اور ان کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہوا ۔ وہی میری اُمت پر میرے خلیفہ بن کر تشریف لائیں گے ان کا حلیہ بھی بتادیا کام بھی سنادیا۔

صحیح مسلم کی وہ حدیث جس کا حوالہ حافظ جی نے دیا وہ انہی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے متعلق ہے نہ غلام احمد بن گھسیٹی کی بابت۔

ان پرانے نبی اللہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے آنے سے نہ لا نبی بعدی کی حدیث میں تاویل کی ضرورت نہ کسی دوسری حدیث سے تطبیق کی حاجت اس لئے

کہ حضرت عیسیٰ کا ظہور بہ شان خلافت خاتم نبوت ہوگا نہ برائے اعلائے اظہار نبوت و رسالت ۔ کتمان حق مرزائیوں کی عادت اہلسنّت کو اس حرکت سے سخت نفرت ۔ قرآن کریم کی کسی آیت میں رب عزت نے ہرگز ہرگز یہ خبر دی ہی نہیں کہ کسی نبی کی غلامی سے نعمت نبوت ودیعت کی جاتی ہے ۔ حافظ جی کا قرآن عظیم پر کھلا افترا ہے جس کی سزا انشاء ربی روز جزا مل جائے گا۔

حافظ جی کا لا فتیٰ الاعلی کے قول اور اذا هلک کسریٰ فلا کسریٰ بعده الخ ۔ کی حدیث میں جو لا ہے اُس کو لا الہ الا اللہ اور لا نبی بعدی کے لا پر قیاس کرنا ایسی کھلی ہوئی جہالت ہے جس کو کوئی اہل علم تو کجا ایک معمولی صرف ونحو جاننے والا بچہ سننے کا بھی روادار نہیں ہو سکتا ۔ اس لئے کہ اس کو خبر ہوگی کہ لا کتنی قسم کا ہوتا ہے اور ہر قسم کی پہچان کے لئے کیا کیا قواعد ہیں ۔ پھر یہ تو ایک معمولی اُردو زبان میں تاریخ پڑھنے والا بھی جانتا ہوگا کہ اگر لا کسریٰ اور لا قیصر کے کلمات میں بھی لا کے معنی وہی لئے جائیں تو بھی واقعات کے خلاف نہیں ہو سکتا ۔ اس لئے کہ یقیناً مخبر صادق کے ارشاد کے مطابق کسریٰ کے کسرویت کا خاتمہ ہو ہی گیا ۔ قیصر بھی ... شام سے بھاگا اور اقلیم شام اس کے نام سے پاک ہوئی ۔ اب نہ وہ کسرویت رہی نہ قیصریت ۔ بادشاہ ہونا دوسری چیز ہے اور کسریٰ وقیصر کے القاب مخصوص دوسری چیز ۔ حافظ جی کو عربی زبان سمجھنے کا سلیقہ تو کہاں سے ہوگا کسی جاننے والے سے فتح الباری شرح بخاری میں اس کی تفصیل کا ترجمہ سن لیں تو ان کو کسریٰ وقیصر کے خاتمہ کا حال معلوم ہو جائے گا۔

حضور خاتم النبیین ﷺ کے اخبار بالغیب کے مطابق اس اُمت میں جھوٹے مدعین نبوت ہمیشہ آتے رہے ہیں اور آتے رہیں گے۔ چونکہ حدیث لا نبی بعدی ان سب مدعیوں کے دعوؤں کا رد کرنے کیلئے سدِ سکندری کا کام دیتی ہے۔ اس لئے اس حدیث کے معنی میں تحریف پر ہر مدعی نبوت نے توجہ کی ایک شخص نے اپنا نام ہی لا رکھ لیا جب کسی نے اسی حدیث سے اس کا رد کیا تو کہنے لگا کہ یہ حدیث ٹھیک ہے مگر تمہیں پڑھنی نہیں آتی اس کو اس طرح پڑھو:۔

لا نبی بعدی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ لا نام کا ایک شخص میرے بعد نبی ہوگا۔ اسی طرح ایک عورت کو بھی جنون ہوا۔ اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا جب اس حدیث کو اس کے سامنے پیش کیا گیا تو کہنے لگی کہ ہاں! یہ صحیح ہے مگر اس میں تو مرد نبی کی نفی کی گئی ہے عورت کے نبی ہونے کی نفی کہاں ہے لا نبیة بعدی ہوتا تو تمہارا دعویٰ صحیح تھا۔

اگر غور کیا جائے تو ان کی یہ تحریف مرزائی تحریف سے بڑھیا معلوم ہوتی ہے مگر اس زمانہ مین سمجھدار لوگ بکثرت موجود تھے ان کے جھوٹے دعوے نہ چل سکے۔ آج بدقسمتی سے ہمارے زمانہ کا جھوٹا مدعی نبوت بھی ہوا تو ایسا کہ جس کو تحریف کرنی بھی نہ آئی۔ اس کے ہواخواہ بھی ہوئے تو ایسے جن کو اتنا سلیقہ بھی نہیں کہ نبوت منوانے چلے اور شرک تسلیم کر بیٹھے۔ اسی طرح ان کے جال میں پھنس جانے والے بھی ایسے سیدھے سادے کہ دین اسلام کے احکام کو تو کیا پہچانتے اتنی تمیز بھی نہیں رکھتے کہ خود غرض، مکار، فریبی، جھوٹے، دجال اور بے غرض، راست باز، سچے خدا پرست کے درمیان ہی فرق کر سکیں۔

وہ حافظ جی جن کو اتنی لیاقت بھی نہیں کہ مبتدا و خبر، فاعل و مفعول، مضارع واسم ظرف بلکہ مذکر و مؤنث کو بھی پہچان سکیں۔ قرآن کریم پر ہاتھ صاف کرنے کی جرأت فرماتے ہیں اور مارشس کے بھولے بھالے لوگوں کو جس طرح چاہتے ہیں بہکاتے ہیں حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: **من قال فی القرآن برأیه فاصاب فقد اخطاء** (مشکوٰۃ ص ۳۵)

جس نے قرآن کریم کی تفسیر اپنی رائے سے کی اور اتفاقاً صحیح تفسیر بھی کر دی تب بھی اُس نے غلطی کی۔

پھر فرماتے ہیں:

من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوا مقعده من النار

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ص ۳۵)

جس شخص نے بغیر علم کے (اپنی رائے سے) قرآن کی تفسیر کی اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں سمجھ لے۔ آیت کریمہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (پ۶ سورہ المائدہ آیت نمبر ۳) کی تلاوت کرتے ہوئے میں نے بتایا تھا کہ اس آیہ کریمہ میں خاتم النبیین کی تفسیر بھی موجود ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ انبیاء دین الٰہی کی تبلیغ کیلئے آتے ہیں اب چونکہ دین الٰہی کامل ہو چکا پھر آیہ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ میں رب العالمین نے اس مکمل قانون دین الٰہی کی حفاظت کا ذمہ بھی لے لیا۔ لہٰذا اب کسی نبی کی ضرورت بھی نہیں رہی۔ مگر اس شخص کی عقل میں یہ معنی کیونکر آئیں جس کی آنکھوں کو پہلے ہی سے مرزا جی کی محبت نے نابینا اور کانوں کو بہرا بنا دیا ہو

خبک الشی یعمی ویصم۔

نعمت کا حصر نبوت کیلئے کرنا اور پھر اس کو جاری ماننا حافظ کی کی خودرائی ہے نہ قرآن کریم میں کوئی اس کی دلیل نہ حدیث میں کہیں اشارہ۔

وَیُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکَ وَ عَلٰٓی اٰلِ یَعْقُوْبَ (پ۱۲سورۃ یوسف آیت ۶) اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المائدہ آیت ۳) اور وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ (پ۲ سورۃ البقرہ آیت ۱۵۰) وغیرہ آیات کے معانی میں جس قدر تحریف بھی کی گئی وہ مرزائیوں کی ایجاد ہے نہ ان کے یہ معانی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھے نہ کسی صحابی نے جانے' نہ تیرہ سو برس کے کسی مسلمان کی سمجھ میں آئے۔ کلمہ صریح خاتم النبیین کے ہوتے ہوئے جوایسی خودرائی کو کام میں لائے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔ رب العالمین نے تو قرآن کریم میں کھلے کھلے لفظوں میں فرمادیا ہے کہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (پ۲۲، سورۃ الاحزاب آیت ۴۰)

سرکار دو عالم ﷺ نے بار بار بتکرار مختلف طریقوں پر مختلف کلمات میں یہی فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں' میں آخری نبی ہوں' خاتم النبیین کے معنی خود حضور ﷺ نے صاف صاف بتادیئے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں' کہیں فرمایا کہ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی کبھی ارشاد ہوا انا العاقب والعاقب الذی لیس بعدہ نبی (مشکوٰۃ شریف باب اسماء النبی ﷺ۔ متفق علیہ) میں عاقب (سب سے پیچھے آنے والا) ہوں اور عاقب اسے کہتے ہیں جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ بلکہ اس سے بھی زائد وضاحت سے فرمایا تا کہ تشریعی غیر تشریعی بروزی ظلی وغیرہ وغیرہ سب قسم کے دعووں

کی تکذیب ہو سکے کہ ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی ۔ یقیناً رسالت و نبوت بالکل منقطع ہوگئی۔ پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا نہ نبی ۔ پس کوئی شخص بھی کسی قسم کی بھی نبوت کیوں نہ تراش لے اس تیغ براں سے وہ پاش پاش ہی ہو جائے گا۔ ایک حدیث میں گویا اس امر پر اس قدر تاکید کی وجہ بھی خود ہی زبان مبارک سے بیان فرمادی کہ جھوٹے نبی آنے والے ہیں۔ فرمایا:

سیکون فی امتی کذابون ثلثون کلهم یزعم انه نبی و انا خاتم النبیین لا نبی بعدی (مسلم)

میری اُمت میں تیس بڑے جھوٹے پیدا ہونگے جن میں سے ہر ایک یہی دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

کذابون کے صیغہ مبالغہ نے یہ بھی بتادیا کہ چھوٹے چھوٹے جھوٹوں کا ذکر نہیں بڑے بڑے جھوٹے تیس ہوں گے۔

نمبر۳: دوورقی میں حافظ جی نے علامہ قاضی عیاض کا قول نقل کر کے اپنی ایک تازہ جہالت کا ثبوت بہم پہنچا دیا اس لئے کہ تیس کی تعداد کے متعلق ان کی عبارت بتا رہی ہے کہ اگرچہ ایسے جھوٹے مدعی نبوت تو بہت گزرے مگر ان تیس میں خاص طور سے وہی داخل جن کا دعویٰ نبوت خوب مشہور ہوا۔ پس جس کے دعوے نے زیادہ شہرت پائی وہی تیس نمبری متنبیوں میں داخل ہوا، اگر مرزا صاحب کی تشہیر دنیا میں بہ نسبت اُن سے پہلے جھوٹے مدعیان نبوت کے زیادہ ہوئی اور ہو رہی ہے۔ (جیسا کہ مرزائیوں کا دعویٰ ہے) تو یقیناً نہ صرف یہ کہ وہ اُن تیس میں داخل ہونگے بلکہ اُن سے اس مقابلہ

میں نمبر لیتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ممکن ہے کہ جہنم کی طرف اس دوڑ میں چودھویں صدی میں ہونے کے باوجود پہلی صدی کے مسیلمہ سے بھی آگے بڑھ جائیں اور سب جھوٹے مدعیان نبوت میں نمبر اوّل مرزا جی ہی کا رہے۔

بہرصورت حضور اکرم ﷺ کے بعد جو کوئی بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا' قرآن میں حضور کے بعد نہ کسی احمد کے آنے کا اشارہ' نہ کسی حدیث میں کسی نئے نبی کا استثناء' صحابہ نے یہی سمجھا تیرا سو برس کے مسلمانوں نے بھی مانا۔ آج اگر حافظ جی اور ان کے مقتدا خدا اور رسول وصحابہ اُمت مسلمہ سب سے جدا ہو کر آیات قرآنی کے معنی بگاڑتے اور اپنی مطلب برآری کیلئے خدا اور رسول سے مقابلہ کی ٹھانتے ہیں تو اس کے عذاب کیلئے تیار رہیں۔ دنیا میں تو اکثر کافروں کی رسی ڈھیلی چھوڑی جاتی ہے۔ فَمَهِّلِ الْكَافِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا (پ۳۰، سورۃ الطارق، آیت ۱۷) لیکن آخر رب قہار کی پکڑ بہت سخت ہے۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (پ۳۰ سورۃ البروج آیت ۱۲) حق کا جویا آنکھوں والا دیکھے کہ کہاں قرآن کریم کا کھلا ارشاد جس کا لفظی ترجمہ مسلمانوں کے ہر مترجم قرآن میں لکھا ہوا اور کہاں مرزائی لچھے دار فقرہ اور پیچ دار دعوے۔ عقل والا تو فوراً فیصلہ کر لیتا ہے کہ ان آیات واحادیث کے ہوتے ہوئے حضور ﷺ کے بعد نبوت کا ثبوت قرآن کریم سے نکالنا ایسا ہی ہے جیسے کسی عقل کے اندھے بے دین نے اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ کے جملہ میں کسی بڑھیا کے بلے کا ذکر دکھایا اور دین کی توہین کر کے اپنا پیٹ انگاروں سے بھرا وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ (پ۱۹، سورۃ شعراء، آیت ۲۲۷)

مرزا صاحب کا دعویٰ ابنیت خدا
بلکہ اس سے بھی سوا

مرزا صاحب نے دعویٰ کیا کہ (معاذ اللہ) انہیں خدا کی طرف سے الہام ہوا۔

(۱) انت منی بمنزلة اولادی (تو مجھ سے ہے بطور میری اولاد کے)
(دافع البلا مصنفہ مرزا ص۶، ۷)

انت منی وانا منک (تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے)۔ دافع البلاء صفحہ ۶، ۷

(۲) انت منی بمنزلة ولدی (تو مجھ سے ہے بطور میرے بیٹے کے)
(حقیقۃ الوحی ص۸۴)

(۳) اسمع ولدی! (اے میرے بیٹے سن) البشریٰ جلد اوّل ص۴۹)

(۴) انت من مائنا وھم من فشل (تو ہمارے پانی (نطفہ) سے ہے اور وہ لوگ خشکی سے۔ (اربعین نمبر ۳، ص۳۴)

میں نے اپنی تقریر میں مرزا صاحب کے انہی کلمات کا حوالہ دیا اور یہ بتایا کہ خدائے قدوس کی شان کا آیہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ میں بیان اس کا فرمان کہ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا۔ مگر جناب مرزا صاحب نے کھلے لفظوں میں ابنیت خدا کا دعویٰ کیا۔ مرزا جی کے حمایتی جناب حافظ جی اپنی دو ورقی میں اس کے متعلق جو مزخرفات تحریر فرماتے ہیں وہ بالکل ایسے ہی ہیں جیسے مسیحوں اور یہودیوں کی طرف سے حضرت مسیح وحضرت عزیر کی ابنیت خدا (معاذ اللہ) ثابت کرنے کیلئے پیش کئے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ

وہ بھی کہہ دیں گے کہ ہم ان کو ایسا حقیقی بیٹا تو نہیں کہتے جیسے کسی انسان کا بیٹا دوسرا انسان ہوتا ہے۔ بلکہ ایسا ہی بیٹا کہتے ہیں جیسا مرزا صاحب نے اپنے آپ کو بنایا اور اسی جرم میں قرآن کریم نے ان کے حق میں یہ حکم نافذ فرمایا کہ:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ (پ۶ سورۃ المائدہ آیت ۱۷،۷۳) یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا۔

پس جو جواب اس موقعہ پر نصاریٰ و یہود کیلئے ہے وہی جواب مرزائیوں کیلئے ہے۔ اسلامی علم مناظرہ کی کتابیں ایسے جوابوں سے بھری ہیں جس کا دل چاہے دیکھ لے[1] آیہ

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ (پ۲، سورہ البقرہ آیت ۲۰۰) سے حافظ جی کا استدلال کرنا اور اپنے مقتدا کی اس دریدہ دہنی پر پردہ ڈالنا ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ (پ۱۸، سورہ نور آیت ۴۰) کا مصداق۔ آیہ کا مطلب نہایت سیدھا سادہ باپ کو ہر وقت دل و زبان سے یاد کرتے رہتے ہو اور اشد ذکرا سے اس پر مزید تاکید

[1] اور حقیقت میں مرزائیوں کا یہ عذر یہود و نصاریٰ سے بہت کمزور ہے کیونکہ مرزا کے لفظ اس معنی کا تحمل نہیں رکھتے کیونکہ اگر ابن اور ولد کے معنی مطیع، مخلص، مستحق رحمت و شفقت فرض کئے جائیں تو پھر بمنزلہ کا کیا کام انت ولدی کیوں نا کافی یا یہ مطلب ہے کہ تو مطیع و مخلص تو نہیں عفو و کرم سے بمنزلہ مطیع کے قرار دیا جاتا ہے جیسے کسی سے کہیئے کہ تو بمنزلہ شریف کے ہے تو یہ اس کی توہین ہوگی اگر یہ معنی ہوں اور مرزا مطیعین و مخلصین میں حقیقتاً داخل نہ ہو تو پھر امام و مجدد اور صاحب الہام کیسے ہو سکتا ہے تو لامحالہ بہت ہیر پھیر کرنے کے بعد بھی یہ کہنا پڑے گا کہ مطلب یہ ہے کہ مرزا حقیقی و صلبی بیٹا تو نہیں مگر معاذ اللہ خدا کے صلبی بیٹے کے برابر اس کو پیارا یا اس کا مطیع ہے تو اگرچہ مرزانہ سہی خدا کیلئے صلبی بیٹا تو مانا کوئی جواب مرزائی یہ بتائیں وہ صلبی بیٹا کون سا ہے جس کے بمنزلہ ہونے مرزا کو دعویٰ ہے۔ مرزائیوں نے جو معنی تراشے وہ نصرانیوں کے مقولے المسیح ابن اللہ یا یہودیوں کے قول عزیر ابن اللہ میں چلتے تو چلتے مگر مرزا کی عبارت میں کسی طرح چل ہی نہیں سکتے۔

صاف کہ خدا کو اسی طرح ہر وقت یاد کرتے رہو۔ جس طرح تم اپنے محسن اگر معاذ اللہ معاذ اللہ اس آیت سے حافظ جی خدا کا باپ ہونا ثابت کر رہے ہیں تو کچھ تعجب نہیں کہ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۔ (پ۲، سورۃ البقرہ، آیت ۱۴۶)

(وہ لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو) کی آیت سے توبہ توبہ عیاذ باللہ) سرکار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو...... اپنا کہہ بیٹھیں گے۔ حدیث کا پڑھنا اور سمجھنا اہل علم کا کام کہاں حافظ جی اور کہاں اس اہم کام کا سرانجام انہیں جب عیال اور اولاد کے الفاظ کا لغوی فرق بھی نہیں معلوم مثنوی مولانا روم کے شعر سے استدلال تو کیا کرتے اسے موزوں لکھ بھی نہ سکے اس جہالت کے باوجود خدا ہی جانے جواب کی جرأت کس صورت سے ہوئی؟ سچ ہے۔

اذ فاتک الحیا فافعل ما شئت بےحیا باش وہرچہ خواہی کن۔

اس دھوکے میں جاہل نہیں شاید کوئی اجہل آجائے تو آجائے معمولی عقل والا بھی جان لے گا کہ اگر مرزا صاحب کی مراد وہی معمولی رشتہ تھا جو خالق و مخلوق میں ہوتا ہے تو اُن کی ذات کی تخصیص کیا معنی رکھتی ہے۔

پھر مرزا جی نے تو پردہ ہی اُٹھا دیا نمبر ۳ میں تو من مائنا (ہمارے پانی نطفہ سے) تک کہہ ڈالا۔ بلکہ اس سے بھی اور آگے بڑھے انا منک کہہ کر معاذ اللہ اس مطلب کو بھی بڑھا دیا جس کے مضمون سے ایک ایماندار لرزہ میں آجائے۔

....

فہم قرآن

بمصداق آیت لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ (پ۲۷، سورۃ القمر آیت ۱۷) یہ بالکل صحیح ہے کہ قرآن کریم کے مضامین اس درجہ آسان ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بتانے اور اس ارشاد کے مطابق اُن کے صحابہ تابعین وعلمائے اُمت کے سمجھانے سے بہت جلد سمجھ میں آجاتے ہیں لکن اس کے معنی یہ لینا کہ ہر بے علم جس کو عربی پڑھنی بھی نہ آتی ہو اپنی رائے اور اپنی سمجھ کے مطابق جو معنی چاہے کرے، جو مطلب چاہے نکال لے، وہی جہل مرکب ہے جس کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی دی ہے کہ **فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا** (متفق علیہ، مشکوٰۃ شریف ص۳۳) بغیر علم کے فتوے دیں گے خود بھی گمراہ ہونگے دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

حافظ جی نے اس بیان میں کوئی نیا کمال نہیں دکھایا وہی کہا جو ہمیشہ جہلا کا شیوہ رہا۔ اس بات کو ایک عامی بھی سمجھ سکتا ہے کہ جب تک کوئی شخص ایک زبان ہی کو نہ جانے تو اس زبان کی آسان سے آسان کتاب کو بھی کیسے سمجھ سکتا ہے کسی زبان کے جاننے کیلئے اس زبان کے قواعد کا جاننا ضروری ورنہ فاعل ومفعول ومبتدا وخبر ماضی و مستقبل وحال وامر میں کیسے تمیز کرے گا اسی کو صرف ونحو کہتے ہیں۔

اردو یا فرینچ کے جاؤ بے جا ترجموں کو پڑھ لینے کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ اس نے معانی قرآن کریم کو پالیا شانِ نزول آیات وتفسیر نبوی کے مطالعہ کے بغیر یہ نتیجہ نکال لینا کہ صحیح طور سے مطالب قرآن پر عبور ہو گیا۔ ایک جاہلانہ وہم نہیں تو کیا ہے؟

شانِ نزول آیات ہی سے یہ پتہ چلے گا کہ کون سا حکم مقدم ہے اور کون سا مؤخر۔ حافظ جی کو ابھی نسخ اور اختلاف کے لغوی فرق کی بھی خبر نہیں تو وہ میرے جملوں کا مطلب کیا سمجھتے۔ اگر سمجھنا چاہتے ہیں تو میں تیار ہوں۔ شاگردوں کی صورت میں آئیں میرے تلامذہ کے زمرہ میں شریک ہو جائیں۔ طالب علموں کی طرح پہلے صرف ونحو پڑیں۔ ادب سیکھیں۔ جب تفسیر پڑھانے کا وقت آئے گا میں ان کو بتا دوں گا کہ ناسخ کسے کہتے ہیں اور منسوخ کسے؟ کتنے احکام ناسخ ہیں اور کتنے منسوخ۔ نیز یہ بھی سمجھا دوں گا کہ نسخ حکم دوسری چیز ہے اور اختلاف واقعات دوسری چیز۔

وحی الٰہی قرآن کریم یقیناً اختلاف سے قطعاً پاک نہ اس کے الفاظ میں اختلاف نہ معانی میں تخالف۔ نسخ احکام حکمت ربانی پر دلیل۔ نسخ کو اختلاف کہنا کسی جاہل نہیں اجہل ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

خدا کے کلام میں تو نہ اختلاف ہے نہ ہو سکتا ہے ہاں جھوٹے الہام کی یہی پہچان کہ اس میں اختلاف ہو گا چنانچہ اگر حافظ صاحب کو عجلت ہے تو ذیل کی مثال سے دیکھ لیں۔

اختلاف واقعات گذشتہ

(۱) مرزا جی اپنی کتاب براہین احمدیہ میں (جس کے متعلق یہ دعویٰ ہے کہ الہام الٰہی لکھی گئی) فرماتے ہیں ص ۴۹۸
”جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو انکے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق واقطار میں پھیل جائے گا“
ادھر انہی مسیح علیہ السلام کا دوبارہ آنا معتبر اوران کی حیات کی خبر۔

(۱) مرزا جی اپنی کتاب ازالۂ اوہام ص ۶۱ میں فرماتے ہیں۔
اور ”میرے پر اپنے خاص الہام سے ظاہر کیا کہ مسیح بن مریم فوت ہو چکا ہے اور اسکے رنگ میں ہو کر وعدہ کے مطابق تو آیا ہے“
ادہر اپنے مسیح ہونے پر اصرار اوران کی حیات سے انکار۔

فاعتبر وایا اولی الابصار

اختلاف واقعات آئندہ

مرزا جی کا دعویٰ ہے کہ انہیں الہام ہوا کہ (محمدی بیگم) انجام کار تمہارے نکاح میں آئے گی ...... آخر کار ایسا ہی ہوگا۔ خواہ باکرہ ہونے کی حالت میں یا ...... بیوہ کر کے...... یہ بات میرے رب کی

مرزا جی کو فی الجملہ تسلیم ہے کہ پیش گوئی پوری نہیں ہوئی ملاحظہ ہو۔ پیشگوئیاں کچھ ایک دو نہیں بلکہ اس قسم کی سو سے زائد پیشگوئیاں ہیں...... پھر ان سب کا ذکر نہ کرنا اور بار بار احمد بیگ کے

طرف سے سچ ہے تو کیوں شک کرتا ہے ...... تزوج سے مراد خاص تزوج ہے جو بطور نشان ہوگا...... اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیشگوئی پوری نہ ہوگی۔ (کتب مختلفہ مرزا)

نوٹ: ادھر اصرار پر اصرار ہے بلکہ قسم کے ساتھ اقرار بلکہ اس کا پورا ہونا ان کے صدق کا معیار۔

داماد اور آتھم کا ذکر کرنا کس قدر مخلوق کو دھوکا دینا ہے۔ (تحفہ گولڑویہ۔ ص ۳۹)

نوٹ: ادھر فی الجملہ تسلیم ہے کہ ہاں خیر محمدی بیگم سے نکاح اور آتھم کی موت کی پیش گوئیاں پوری نہیں ہوئیں پھر ان پر مجھے کھسیانا کیوں بناتے ہو جو پوری ہو گئیں انہیں کیوں نہیں ذکر کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ہی نے لکھا تھا کہ یہ میرے سچے یا جھوٹے ہونے کی کسوٹی ہیں

واقعات حال باعتبار مرزا صاحب

مرزا صاحب فرماتے ہیں آسمانی فیصلہ ص ۷ ”میں نبوت کا مدعی نہیں بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں“۔

یہاں نبوت سے انکار

اے لوگو دشمن قرآن مت بنو اور خاتم النبیین

مرزا صاحب فرماتے ہیں اخبار بدر ۱۹۰۰ء ”ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم نبی ورسول ہیں“۔

یہاں نبوت پر اصرار

میں اس کی قسم کھا کر کہتا ...... ہوں اُس

کے بعد وحی نبوت کا نیا سلسلہ جاری نہ کرو	نے مجھے بھی اپنے مکالمہ ومخاطبہ کا شرف بخشا اور میں اس پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ خدا کی کتاب پر"۔
یہاں بعد خاتم النبیین دروازہ وحی نبوت کو بند مانا	یہاں اپنے الہام کو قرآن کے جیسا الہام جانا

ہمیں اُمید ہے کہ ان مثالوں کو دیکھ کر شاید حافظ جی کی سمجھ میں یہ تو آ جائے کہ اختلاف اسے کہتے ہیں خدا کے کلام خدا کے الہام میں اس اختلاف کی مثال مل ہی نہیں سکتی۔ہاں نسخ کی مثال اگر سمجھنا چاہیں تو اس عجالہ میں ہم اشارتاً انہیں انہی کی تحریر یاد دلائیں گے کہ تحویل قبلہ کا حکم ناسخ ہے اپنے ماقبل کے لئے۔باقی جس میں عقل ہو وہ سمجھ لے۔

بیٹے کی پیش گوئی

حافظ جی ہمیں الزام دیتے ہیں کہ ہم نے مرزا صاحب کے مزعومہ الہام میں تحریف سے کام لیا اور عبارت کے پہلے فقرہ کو چھوڑ دیا یعنی **انا نبشرک بغلام مظھر الحق والعلا کان اللہ نزل من السماء** کہ ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں کہ جس کے ذریعہ خدا کی ذات اور اس کی عظمت کا ایسے رنگ میں اظہار ہوگا کہ گویا خدا آسمان سے اُتر آیا۔

ہم اس عبارت پر تنقید نہیں کرتے اس لئے کہ کوئی اہل علم مخاطب ہوتا تو علمی

غلطیاں بتاتے۔ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ حافظ جی کو اتنی بھی خبر نہیں کہ مظہر اسم ہے یا فعل ہم یہ بھی نہیں جتاتے کہ عربی عبارت کے ترجمہ میں حافظ جی نے کس قدر تحریف کی جس کے ذریعہ اور ایسے رنگ میں ان دونوں کلموں کیلئے عربی عبارت میں کوئی لفظ نہیں۔ ہم اصطلاحات نحو کی رو سے عربی عبارت کی ترکیب کرتے ہوئے یہ بھی نہیں ظاہر کرتے کہ مشبہ کون ہے۔مشبہ بہ کون اور وجہ شبہ کیا؟ ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ صفت کیا ہے اور موصوف کون؟ ہم اس مضمون کو بھی اس وقت سامنے نہیں لاتے کہ حضرت مسیح کے آسمان پر خدا کے پاس جانے کا عقیدہ رکھنے کے سبب تو مرزائی لوگ مسلمانوں پر شرک کا الزام لگاتے اور یہ کہتے ہیں کہ خدا کو آسمان پر مان لیا مگر یہاں اللہ کے آسمان سے اُترنے کا خود اظہار کیا۔(معاذ اللہ)

ہمیں تو اس وقت صرف اس قدر بتانا ہے کہ ہم نے جو اعتراض کیا وہ صحیح تھا یعنی مرزا صاحب نے پیش گوئی کی کہ ان کے ایک بیٹا ہوگا اور اس بیٹے کی صفت بیان فرمائی کہ گویا خدا آسمان سے اُتر آیا۔ادنیٰ عقل والا بھی سمجھ جائے گا کہ "مظھر الحق والعلاء" اور کان اللہ نزل من السماء دونوں فقرے اس غلام (لڑکے) کی صفت کا اظہار کر رہے ہیں۔پس اس غلام کو اللہ سے تشبیہ دی جانی ظاہر اور اعتراض ثابت۔

دوسرے یہ امر کہ اس پیش گوئی کے مصداق مرزا بشیر محمود صاحب ہیں یا کون؟ اس کا فیصلہ خود مرزا صاحب کی تحریروں سے بآسانی ہوسکتا ہے۔اس پیش گوئی کی خبر ٢٠ فروری ١٨٨٦ء کو دی گئی مگر قدرت خدا اس جھوٹ کا اظہار اللہ کو منظور تھا۔ اس وقت کے حمل سے لڑکی پیدا ہوئی کہ لڑکا۔جب اہل حق نے مرزا جی کو شرمایا اور

پیش گوئی کا غلط ہونا بتایا تو جھٹ سے اشتہار دے ڈالا کہ اس حمل کی شرط نہ تھی وہ مولود بیٹا اس کے قریب دوسرے حمل سے ہوگا۔ آخر ۷ اگست ۱۸۸۷ء کو ایک اشتہار دیا جس میں اعلان کر دیا کہ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ ۷ اگست ۱۸۸۷ء میں ۱۲ بجے رات کے بعد وہ موعود لڑکا پیدا ہو گیا۔

تب قدرت خدا نے یہ تماشا دکھایا کہ چند ہی روز بعد وہ لڑکا مر گیا۔

اب ناظرین فیصلہ کریں کہ مرزا جی نے تو وہ ساری خوبیاں ۷ اگست ۱۸۸۷ء کو پیدا ہونے والے لڑکے میں بتائی تھیں۔ حافظ جی کہتے ہیں کہ نہیں ان کے مصداق جناب بشیر محمود صاحب ہیں۔ مرزا جی کے الہام کا اختلاف تو ظاہری تھا یہاں گرو اور چیلے میں بھی اختلاف ہو گیا۔ وہ مرنے والے کو سب کچھ ٹھہرائیں۔ یہ جینے والے کو چنیں و چناں بتائیں۔ پھر اور آگے بڑھیئے حافظ جی کے ممدوح جناب مرزا بشیر محمود صاحب کے اوصاف خود مرزا جی کے ان زبردست ممتاز حواری کی تحریر میں دیکھئے جن کو مرزا صاحب نے معاذ اللہ ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کی جگہ دی جن کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے حضرت مسیح علیہ السلام اُترنے والے ہیں یعنی جناب مولوی محمد احسن صاحب امروہی۔ وہ تحریر فرماتے ہیں "صاحبزادہ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب بوجہ اپنے عقائد فاسدہ پر مصر ہونے کے میرے نزدیک اس بات کے اہل نہیں کہ وہ مرزا صاحب کی جماعت کے خلیفہ یا امیر ہوں اس لئے میں اس خلافت سے جو ارادی ہے سیاسی نہیں ان کا عزل کر کر عند اللہ و عند الناس اس ذمہ داری سے بری ہوتا ہوں...... میں یہ بھی اطلاع دیتا ہوں کہ ان عقائد کے باطل

ہونے پر حضرت مسیح موعود (مرزا جی) کے مقرر کردہ معتمدین کی بھی کثرت رائے ہے اب جو بارہ ممبر حضرت کے مقرر کردہ زندہ ہیں ان میں سے سات ممبر علی الاعلان ان عقائد سے بیزاری کا اظہار کر چکے اور باقی پانچ میں بھی اغلب ہے کہ ایک صاحب بھی ان عقائد میں صاحبزادہ صاحب کے شامل نہیں۔ مرزا جی خود حافظ جی کے محبوب جناب صاحبزادہ بشیر محمود صاحب کو موعود نہ بتائیں ان کے معتمد دست راست ان کے بعد ان کو عاصی و بدعقیدہ ٹھہرائیں اور امامت سے معزول بنائیں۔ مگر حافظ جی ہیں کہ اپنے پیٹ کی خاطر ان کی تعریف کے ترانے گائیں اور مارشس کے سادہ لوحوں کو بہکائیں۔ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ۔ (پارہ ۲۳، سورہ ص، آیت ۵)

خدائی سرخی کی چھینٹیں

حافظ جی میں جب اتنا بھی علم نہیں کہ معمولی لفظوں کے معنی ہی سمجھ لیں تو الٰہیات کے اس مسئلہ کو کیا سمجھ سکتے ہیں کہ جسم سے پاک رب العالمین کے لئے دستخط کے واسطے ایسی سرخی کی احتیاج تجویز کرنے سے جس کی چھینٹیں کپڑوں پر نمودار ہوں کیسا شرک لازم آتا ہے اس کے جواب میں ہم سردست یہی کہیں گے کہ

ع ...... سخن[1] شناس نئی دلبرا خطا ایں جاست

---

[1] افسوس حافظ صاحب کو مرزا صاحب کے اس قابل مضحکہ لغویت پر شرم نہ آئی اور باطل کی محبت میں انہوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ خدا نے دستخط کیلئے قلم ہاتھ میں لیا اور سرخی کا ڈوبہ لیا سرخی زیادہ آ گئی تو اس کو چھڑکا اس سے چھینٹیں مرزا کے کپڑوں پر آ گئیں۔ حافظ صاحب کی عقل کیا ہوئی اور مرزا کی محبت نے اس دیوان کے دماغ کو خراب کیا کہ انہیں شان الٰہی میں ایسی باطل بات بھی گوارا ہو گئی جس کو زبان پر لانے کی کوئی (باقی اگلے صفحہ پر)

مقابلہ ومناظرہ ومباہلہ اور آخری فیصلہ

مرزا صاحب مناظرہ میں کسی عالم ربانی کے مقابلہ کی کبھی تاب ہی نہ لائے مباہلہ کیلئے خود ہی بلایا پھر پیر مہر علی شاہ صاحب مدظلہ مع اپنے فرزندوں کے تشریف لائے مگر مرزا جی نے منہ نہ دکھایا۔

ہماری تقریر میں مرزا جی کے دعاوی کے ذیل میں جب ان کے مذکر سے مونث بننے کا دعویٰ سامنے آیا تو حافظ جی کو بہت ناگوار ہوا۔ ان کا جھنجھلاہٹ اشتہار کی اس عبارت سے ظاہر۔

کاش اُس وقت جب ہم نے بلایا تھا سامنے آتے تو ہم مرزا جی کا سارا کچا چٹھا انہی کی کتابوں میں دکھاتے۔

شرم کے مارے اس وقت تو پردہ ہی میں رہے اب ...... کی طرح ہمیں بددعائیں دیتے ہیں دیا کریں۔ ہم الحمدللہ اعلائے کلمہ حق کرچکے اور کرتے رہیں گے

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنَ

(بقیہ ص ۶۱۹) کافر بھی جرأت نہ کرے گا۔ یہ خدا کی شان تو کیا ہو سکتی ہے۔ تمیز دار انسان بھی ایسا نہیں کرتا کہ قلم کو اس بے تمیزی سے چھڑکے کہ دوسرے کے کپڑوں پر چھینٹ آئے۔ یہ خدا کے ساتھ تمسخر ہے جس خدا کی شان یہ ہے اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (پ ۲۳ سورۃ یٰسین، آیت ۸۲) جو سارے جہان کو کن کے امر سے موجود فرمادے وہ ایک دستخط کیلئے قلم سیاہی کاغذ کا محتاج ہو تو الوہیت اور شان واجب کے منافی ہے۔ واللہ غنی عن العالمین۔ اس کیلئے ایسا امر ثابت کرنا جس سے احتیاج لازم آئے اس کی خدائی کا انکار اور کفر ہے پھر قلم کے ہاتھ میں لینے کیلئے ایک (باقی اگلے صفحہ پر)

نوٹ: اس عجالہ میں اسی قدر کافی نمبر ۳ دو ورقی کا جواب انشاء اللہ جہاز میں بیٹھ کر لکھیں گے۔ اب وقت بالکل نہیں۔ امید کہ اس عجلت کے سبب اگر کچھ سہو ہو۔ ناظرین اسے معاف فرمائیں۔

محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی

(بقیہ حاشیہ ۶۲۰) ہاتھ اور جسمانیت بھی ماننا پڑے گی کہ مادیات کے ساتھ اقتران وتلبس تجرد بحت کے منافی ہے یہ دوسرا کفر ہوا۔ تیسرا کفر علم قدرت کا انکار ہے کہ اس کو خبر نہیں ایک دستخط کیلئے کتنی سیاہی درکار ہے اور یا اختیار نہیں کہ جتنی درکار ہے قلم میں اتنی ہی آئے۔ بے اختیاری وبے علمی سے قلم دوات میں ڈالا اور اندھا دھند سیاہی بھر لی بعد کو معلوم ہوا کہ یہ تو زیادہ ہے تو یہ قدرت نہ تھی کہ قلم میں زکی رہتی اور حسب ضرورت کاغذ پر لگتی اپنی اس مجبوری وبے اختیاری کی وجہ سے زیادہ سیاہی قلم سے نکالنا پڑی مگر نکالنے کیلئے اتنی تمیز نہ تھی کہ دوات میں واپس کردی جاتی نہ یہ سلیقہ تھا کہ دوات میں جھٹکا دیا جاتا یا کسی اور طرف جھٹکا بھی دیا تو ایسا کہ چھینٹیں مرزا جی کے کپڑوں پر گریں' شان الٰہی کے ساتھ تمسخر ہے اور کفریات سے لبریز۔ افسوس مرزائیوں کی لوح قلب اسقدر مکدر ہوگئی ہے کہ وہ ایسے بے ہودہ کفریات کو تسلیم کرتے ہیں اور حافظ صاحب کا یہ قول کہ مادی سیاہی پر کیا اعتراض ہے۔ خدا نے اتنا بڑا جہان مادی پیدا کردیا اور زیادہ افسوس ناک جہالت ہے کیا خدا نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس سب کا استعمال بھی اس کیلئے ثابت کرنا جائز ہے۔ یہ اعتقاد ہے تو غذا کھانا پانی پینا بیاہ شادی کرنا بی بی بچہ والا ہونا سب اس کیلئے ثابت کردو گے۔ تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا مادیات کا پیدا کرنا کہاں اور کہاں ان کا استعمال کرنے لگنا اس عقل پر ہزار تف۔

مُبَسْمِلاً وَّحَامِدًا وَّ مُحَمِّدًا جَلَّ وَعَلَا
وَمُصَلِّيًا وَّ مُسَلِّمًا مُحَمَّدًا سَلم اللّٰہُ عَلَیْہِ وَصَلّٰی

مرزائی حقیقت کا اظہار

(۳)

جناب مرزا صاحب قادیانی کا ایمان باللہ اور اُس کی حقیقت

کسی مدعی مہدویت و مسیحیت میں علامات مہدی و مسیح دیکھنے کی ضرورت اس وقت ہو جبکہ پہلے اس کا راست باز اور مسلمان ہونا ثابت ہو جائے۔ زبان سے 'اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ الخ۔ پڑھنا لوگوں کے دکھانے کیلئے نمازیں پڑھنا' روزہ رکھنا یا لو فرضنا حج بدل کے ذریعہ حج کرنا یا زکوٰۃ دینا اسلامی عدالت میں کیونکر قبول ہو سکتا ہے؟ جبکہ ان کے کلمات سے صراحۃً کفر و الحاد کا اظہار ہو رہا ہو۔

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (پ۲ سورۃ البقرہ، آیت ۱۷۷)۔ مرزا صاحب کا لاکھ بار اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کہنا بھی انہیں مومن نہیں بنا سکتا جبکہ اس خدائے حی و قیوم ملک و قدوس کی شان میں اُن کے حسب ذیل کلمات موجود ہیں۔ (توضیح المرام ص ۳۳)

ایمان باللہ: ''یہ مجموعہ عالم خدائے تعالیٰ کیلئے بطور ایک اندام واقع ہے۔ قیوم العالمین (یعنی خدا) ایک ایسا وجود اعظم ہے جس کے بے شمار ہاتھ بے شمار پیر اور ہر

ایک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لاانتہا عرض و طول رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں''۔ (معاذ اللہ من ذالک)

یہ ہے ایمان باللہ۔ یہ خدا کی صفات ہیں اس پر مرزا کو مومن باللہ بتایا جاتا ہے جس سے انحس [۱] کفر بھی شرما جائے۔ شرم۔

ایمان بالرسل: اللہ کے رسولوں پر ایمان کیسے ظاہر ہو جبکہ انبیاء کی شان میں کھل کھل کر گستاخیاں کرتے اور خود اپنے آپ کو اولوالعزم صاحب شریعت پیغمبروں سے بھی افضل بتاتے ہیں۔ ان کا مشہور شعر ہے:

؎ عیسیٰ کجاست تا بہ نہد پا بہ منبرم
اینک منم کہ حسب بشارات آمدم

(اور بعض نمونہ پہلے بیان ہوئے بعض آئندہ آتے ہیں) پھر غیر انبیاء کو نبی مانتے اور پیغمبر بتاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس کوئی سند نہیں۔

ایمان بالملٰئکۃ: ملائکہ پر ایمان کا حال ان اقوال سے ظاہر (توضیح المرام ص ۳۰) ''ملائکہ ستاروں کی ارواح ہیں۔ وہ ستاروں کیلئے جان کا حکم رکھتے ہیں لہٰذا وہ کبھی ستاروں سے جدا نہیں ہو سکتے۔ جبریل جس کا سورج سے تعلق ہے'' ۔الخ۔

ایمان بالکتب: کتاب الٰہی قرآن کریم کے متعلق ان کا یہ خیال

(ازالہ الاوہام ص ۷۲۱ تا ۷۲۵)

---

[۱] انحس سب سے زیادہ منحوس

"قرآن دنیا سے اُٹھ گیا تھا۔ میں اس کو دوبارہ آسمان سے لایا ہوں" پھر جو قرآن لائے اور جس طرح اس کو پیش کیا اس کی کیفیت کچھ ذکر ہوئی کچھ آئندہ آئے گی کہ الفاظ کا بدلنا تو محال تھا معنی پر ہاتھ صاف کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ جو معنی ان کے نفس نے بتائے وہ کئے نہ ان معنی سے غرض رکھی جو صاحب وحی و کتاب (ﷺ) نے بتائے نہ اس تفسیر سے مطلب جو صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے فرمائی۔

ایمان بالیوم الآخر: یوم الآخر کا ڈر اور خوف۔ قیامت پر ایمان کی دلیل بنتا مگر ان کی پرائیوٹ زندگی ان کی دلیری پر دلالت کرنے والی جس کی طرف سر دست اشارہ ہی کافی۔ جب اٰمَنۡتُ بِاللّٰہِ الخ۔ کے ایک ایک شعبہ میں ان کا یہ حال ہے تو اب نماز روزہ وزکوٰۃ وحج کو دیکھنا فضول خیال۔

اگر بالفرض والتقدیر جناب مرزا صاحب خود ہی حج فرما لیتے تو بھی ان کلمات کفریہ کے ہوتے ہوئے وہ مسلمان ہی کیسے کہلاتے۔ مسیح یا مہدی ہونا تو دوسری چیز۔ مسیح بن مریم علی نبینا وعلیہما السلام تو جو ہیں وہ ہیں ان کے حج کی شان کا حدیث شریف میں اس طرح بیان نہ اس میں خواب کا تذکرہ نہ تعبیر کی ضرورت۔ (مسند امام احمد)

عَنۡ اَبِیۡ هُرَیۡرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ لَیُهِلَّنَّ عِیۡسٰی بۡنُ مَرۡیَمَ بِفَجِّ الرَّوۡحَاءِ بِالۡحَجِّ وَالۡعُمۡرَةِ اَوۡ بَیۡنَهُمَا جَمِیۡعاً۔

مرزا جی نے تو اپنے مزعومہ الہام سے پیش گوئی بھی فرمائی کہ (میگزین ۱۴ جنوری ۱۹۰۶ء) "ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں" مگر مرنا تو کجا جانا بھی نصیب نہ ہوا

احمد نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نام نامی و اسم گرامی احمد ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم نے صاف لفظوں میں فرمایا وَاِذۡ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡکُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۔ (پ ۲۸، سورہ الصف آیت ۶) جب عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف خدا کا رسول ہوں تورات جو میرے آگے ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک (بڑے عظیم الشان) رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد ہی تشریف لائیں گے جن کا نام نامی احمد ہے۔ (ﷺ) پس جب وہ (احمد نامی رسول) دلیلوں کے ساتھ ان کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

(۱) قرآن کریم نے فَلَمَّا جَآءَهُمۡ (پس جب وہ ان کے پاس تشریف لائے) کہہ کر یہ جتا دیا کہ قرآن کریم اُترنے کے وقت وہ احمد (ﷺ) آ چکے تھے۔

(۲) مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ (ایک بڑے عظیم الشان رسول کی بشارت دینے والا ہوں) کی تفسیر خود نبی اکرم ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے فرمائی۔ (الشرح السنہ)

عَنۡ عِرۡبَاضِ بۡنِ سَارِیَةَ عَنۡ رَّسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اِنِّیۡ عِنۡدَ اللّٰهِ مَکۡتُوۡبٌ خَاتَمُ النَّبِیِّیۡنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنۡجَدِلٌ فِیۡ طِیۡنَتِهٖ وَ

سَاُخْبِرُكُمْ بِاَوَّلِ اَمْرِیْ دَعْوَةُ اِبْرَاهِیْمَ وَ بَشَارَةُ عِیْسٰی (الحدیث)

(مشکوۃ ص ۵۱۳)

عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اسی وقت سے اللہ کے نزدیک نبیوں کا ختم کرنے والا لکھا ہوا ہوں جبکہ یقیناً آدم علیہ السلام اپنی گندھی ہوئی مٹی ہی کی حالت میں تھے۔ میں تمہیں اپنا پہلا امر بتاؤں کہ میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت۔

؎ بشارت عیسیٰ مریم نے دی تھی جن کے آنے کی
وہی ختم الرسل بعد ان کے احمد مجتبیٰ آئے

(۳) من بعدی (میرے بعد ہی) کی تفسیر بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی معلوم کیجئے وہی حدیث شریف جو آپ سے پہلے بھی پڑھ چکے اب پھر ملاحظہ فرمالیجئے اِنِّیْ اَوْلَی النَّاسِ بِعِیْسٰی ابْنِ مَرْیَمَ الخ۔ میں عیسیٰ بن مریم کے لئے سب سے اولیٰ ہوں اس لئے کہ میرے اور اُن کے درمیان کوئی نبی نہیں اور یقیناً وہی قیامت سے پہلے تمہاری طرف اترنے والے ہیں۔ پس دعائے ابراہیم علیہ السلامؑ بشارت عیسیٰ علیہ السلام احمد مجتبیٰ وہی محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں۔ سلم اللہ علیہ وصلی جو انا احمد کہہ کر اپنا نام نامی بتا رہے ہیں ان کے سوا نہ قرآن کریم نے کسی اور احمد کے آنے کی خبر دی نہ یہ بتایا کہ انہیں لوگ اسلام کی طرف بلائیں گے۔

یہ قرآن کریم پر افترا اور کھلا جھوٹ ہے۔ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۔(پ۳، سورۃ آل عمران آیت ۶۱) حضرت عیسیٰ بن مریم اور حضرت مہدی آخر

الزمان سلام اللہ علیہما دونوں حضرات کی تشریف آوری کی کھلی کھلی علامتیں احادیث طیبہ میں بیان فرما دی گئیں۔ نہ وہ سچے اسلام سے دور ہونگے نہ کوئی سچا عالم ان سے اسلام کا ثبوت مانگے گا نہ ان پر کوئی سچا عالم کفر کا فتویٰ دے گا۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔

ہمارے ناظرین جن کو مرزائی حقیقت کی ابھی پوری طرح خبر نہیں شاید حیران ہونگے کہ کیا قصہ ہے پہلے پرچہ میں تو حافظ جی صاحب جناب مرزا جی کی مجددیت و امامت کی تبلیغ فرما رہے تھے۔ پھر مسیحیت کی طرف متوجہ ہوئے۔ اب نمبر ۳ میں اول انہیں احمد نبی کہا جا رہا ہے اور پھر مہدی بھی بتایا جا رہا ہے۔ آگے چل کر انہیں کرشن جی بھی تسلیم کیا گیا۔ آخر یہ معما کیا ہے؟ مرزا جی ہیں یا ایک معجون مرکب؟ حافظ جی کوئی خواب دیکھ رہے ہیں یا ان کے قوائے دماغی کسی علت کے سبب خیالات پریشان پیش کر رہے ہیں؟

ہم انہیں بتائے دیتے ہیں کہ اس میں بے چارہ حافظ جی کا قصور نہیں:

؎ درپس آئینہ طوطی صفتش داشتہ اند
انچہ اُستاد و بگفت است ہماں می گوید

طوطے کو جیسا سبق پڑھا دیا جاتا ہے وہ اسی کو دہرایا کرتا ہے۔

حافظ جی تو ہمارے سامنے آتے تب ہی انہیں دکھاتے مگر اب ناظرین دیکھیں ہم انہیں بتائے دیتے ہیں مرزا جی کا حال ہی یہ ہے کہ وہ اپنے مزعومہ الہاموں میں کبھی [1] خدا بنتے ہیں کبھی [2] خدا کے بیٹے کبھی [3] تثلیث کے ایک رکن۔ کبھی

---

[1] کتاب البریہ ص ۸۷ و آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶۴

[2] دافع البلاء ص ۶، ۷،   [3] ملاحظہ ہو توضیح المرام ص ۲۰۱

رسول ۴ صاحب شریعت، کبھی ۵ نبی غیر صاحب شریعت، کبھی مسیح ۶، کبھی مہدی کبھی مجدد اور پھر کبھی کرشن بلکہ اسی پر بس نہیں کبھی مرد کبھی عورت۔ اگرچہ ہماری تہذیب ہمیں یہ طرفہ تماشا پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتی مگر حافظ جی ہمیں جھوٹ کا الزام دے رہے ہیں۔ لہذا اہم حوالہ نقل کرنے کیلئے مجبور۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ انہیں الہام ہوا۔

(۱) ''بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے مگر وہ حیض بچہ بن گیا ہے اور ایسا بچہ جو بمنزلہ اطفال اللہ ہے''۔ (ناظرین سوچ لیں کہ حیض کس کو آیا کرتا ہے)

نیز فرماتے ہیں:

(۲) خدا نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصہ میں تیرا نام مریم رکھا۔ پھر جیسا کہ براہین احمدیہ سے یہ ظاہر ہے۔ ۲ برس صفت مریمیت میں میں نے پرورش پائی اور پردہ میں پرورش پاتا رہا۔ پھر جب اس پر دو برس گزر گئے تو جیسا کچھ براہین احمدیہ کے حصہ چہارم میں درج ہے مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینے کے بعد دس مہینے سے زیادہ نہیں بذریعہ الہام مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا (پھر اسی صفحہ کے آخر میں فرماتے ہیں) پھر مریم کو جو مراد اس عاجز سے ہے دردزہ تنہ کھجور کی طرف لے آئی۔ الخ۔

(ص ۴۶، ۴۷) کاغذی کشتی نوح مصنفہ مرزا

عبارات بالا میں ناظرین کو ایک الجھن رہ گئی ہوگی کہ (مرزا صاحب کو) حاملہ

۴: اربعین نمبر ۲ ص ۶ ۵: حقیقۃ النبوۃ صفحات مختلفہ ۶: حقیقۃ الوحی ص ۱۴۸

ٹھہرایا گیا، حمل ٹھہرانے کی تفصیلی صورت ذکر نہیں فرمائی گئی۔ اس لئے بقول کسے

ع..... اگر پدر نتواند پسر تمام کند

اس کی تفصیل مرزا صاحب کے ایک فرزند روحانی نے فرما دی ملاحظہ کیجئے۔

ٹریکٹ اسلامی قربانی ص ۳۴ مولفہ یار محمد مرزائی مطبوعہ ریاض ہند پریس۔

''کشف کی حالت آپ (مرزا صاحب) پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت (مردانگی) کی طاقت کا اظہار فرمایا تھا۔ سمجھنے والے کیلئے اشارہ کافی ہے''۔ (معاذ اللہ اب بھی اشارہ ہی رہا لاحول ولا قوۃ الا باللہ) یہ عبارتیں اگر کسی ایسے شخص کے مقابلہ میں پیش کی جاتیں جس میں غیرت اور شرم کا خفیف سا نقطہ بھی باقی ہوتا تو غالباً وہ اس کے بعد پبلک کو عمر بھر منہ نہ دکھاتا۔ جناب حافظ جی صاحب شاید ہی غور فرمائیں کہ نمبر ۲ دو ورقی کے ص ۴ کالم ۲ سطر ۱۹ کی لعنت کس پر پڑی اور ابد الآباد تک کس پر پڑتی رہے گی۔

ناظرین نے مرزا جی کے مریم و عیسیٰ بننے کا حال تو معائنہ فرمایا اسی پر ان کے آدم و نوح وغیرہ بننے کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ حافظ جی کو یہ لکھتے ہوئے اس امر کا ذرا بھی خیال نہ آیا کہ ان کی تحریر کسی اہل علم کے سامنے بھی جائے گی۔

آئینہ کی مثال دے کر بروز و ظہور کے مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے بڑے خوش ہوگئے کہ ہم نے سادہ لوح افراد کی دھوکہ دہی کیلئے کافی سامان بہم پہنچا دیا۔ لیکن آنکھوں والے دیکھتے ہیں کہ وہ جو حسب فرمان مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم شان انبیاء

کے آئینہ صفت مظہر بنے جن کیلئے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:

مَنْ اَرَادَ اَنْ یَنْظُرَ اِلٰی اٰدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَصَفْوَتِہٖ وَاِلٰی یُوْسُفَ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَحُسْنِہٖ وَاِلٰی مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ وَصَلَابَتِہٖ وَاِلٰی عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ وَزُھْدِہٖ وَاِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَخُلُقِہٖ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ۔ (سیر الاقطاب ص ۵)

جو کوئی یہ چاہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی صفوت اور حضرت یوسف اور ان کا حسن حضرت موسیٰ اور ان کی صلابت حضرت عیسیٰ اور آپ کا زہد حضرت محمد اور ان کا خلق (صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین) معائنہ کرے پس اُسے چاہیئے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھے۔ باوجود اس شان مظہریت کے دیکھئے کہ کس صفائی کے ساتھ وہی شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرمار ہے ہیں۔

اَلَا وَاِنِّیْ لَسْتُ نَبِیًّا وَّلَا یُوْحٰی اِلَیَّ

خبردار رہنا میں نبی نہیں ہوں نہ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

تعجب اس پر ہے جس کا مظہر ہونا تو کجا مسلمان ہونے پر بھی کوئی دلیل شرعی نہ قائم ہوتی ہو اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ:

''میں نبی ہوں' میں رسول ہوں' سب نبیوں سے افضل ہوں'' (العیاذ باللہ)

پھر اجتماع ضدین سونے پر سہاگہ کہ ایک طرف نبی ' رسول ہونے کا دعویٰ دوسری طرف کرشن جی کا اوتار لینے کا ادعا۔

ع ...... ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا

سری کرشن جی اور اُن کے روپ

اہل نظر پر مخفی نہیں کہ سری کرشن جی صاحب ہندو جاتی کے ایک بہت بڑے رہبر مانے جاتے ہیں۔ کسی قدیم تاریخی آدمی کے حالات معلوم کرنے کے لئے سمجھدار متفیشن علوم ہمیشہ پرانے اصلی نسخوں کی تلاش کیا کرتے ہیں چنانچہ سری کرشن جی کے حالات معلوم کرنے کیلئے بھی بجائے زمان حال کے مصنفین کی کتابوں کے ہم اُسی کتاب کے مقالات کی طرف توجہ کرتے ہیں جو خود کرشن جی کی ذاتی کتاب کہی جاتی ہے۔ یعنی بھگوت گیتا۔

اس میں کرشن جی نے اپنے آپ کو جس روپ میں پیش کیا ہے اس کا خلاصہ ان چند حوالوں کے ملاحظہ سے سامنے آجائے گا۔

سری کرشن جی کا ایک روپ یا تصویر کا ایک رُخ

بھگوت گیتا میں کرشن جی فرماتے ہیں:

(۱) اس دنیا کا ماں باپ سہارا اور بابا میں ہوں...... سب کا پالنے والا مالک گواہ۔ جائے قرار۔ جائے پناہ۔ دوست۔ باعث پیدائش۔ باعث خاتمہ۔ باعث قیام خزانہ اور پیدائش کا لازوال بیج میں ہی ہوں۔ اے ارجن میں گرمی دیتا ہوں۔ میں پانی کو روکتا ہوں۔ میں برساتا ہوں۔ میں امرت ہوں۔ گیتا۔ ۹: ۱۷۔ ۱۹

(۲) سب دیوتاؤں اور مہرشیوں کی ابتداء بہرحال مجھ ہی سے ہے جو شخص یہ جانتا ہے کہ میں پرتھوی وغیرہ سب لوگوں کا بڑا ایشور ہوں اور میرا جنم یعنی آغاز نہیں ہے۔

وہی انسانوں میں موہ سے آزاد ہو کر سب پاپوں سے چھوٹ جاتا ہے۔ (گیتا ۱۰:۲،۳)

(۳) میں سب جانداروں کا مالک ہوں اور پیدائش سے بالاتر ہوں اگرچہ میرے آتم سروپ میں کبھی تغیر نہیں ہوتا مگر میں اپنی پرکرتی (خاصیت) میں قائم رہ کر اپنے مایا سے جنم لیا کرتا ہوں۔ (۶:۴۔۸۔گیتا)

ناظرین نے اس پہلے روپ یا تصویر کے ایک رُخ میں دیکھ لیا کہ سری کرشن جی خدائی کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

روپ لینے کی حقیقت پر بھی آپ نے غور کر لیا کہ خدا کے اس جسم محدود میں آ جانے کا نام روپ لینا یا اوتار بننا بتا رہے ہیں۔

ہم تہ دل سے جناب مرزا صاحب کی اس بات کی تصدیق کیلئے تیار ہیں کہ یقیناً ان کے اور کرشن جی کے دعوے یکساں ہیں اور ان دعوؤں کے اعتبار سے وہ یقیناً کرشن جی کہے جا سکتے ہیں' بطور تمثیل مرزا جی کا دعویٰ ملاحظہ ہوا اور پھر دونوں کے دعوؤں کا مقابلہ کر لیا جائے۔ مرزا جی کتاب البریہ ص ۷۹ پر فرماتے ہیں۔ "کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں اسی حالت میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو میں نے آسمان و زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا...... پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا اور کہا **انا زینا السمآء الدنیا بمصابیح** پھر میں نے کہا کہ اب ہم انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کریں۔ الخ۔

وغیرہ ذالک من الخرافات

سری کرشن جی کا دوسرا روپ یا تصویر کا دوسرا رُخ

بھاگوت پران میں انہی کرشن جی کی دوسری تصویر اس طرح نظر آتی ہے کہ:

دریا میں کرشن جی اشنان فرما رہے ہیں اور گوپھیاں (خوبصورت عورتیں) بھی نہا رہی ہیں۔ کرشن جی گوپھیوں کے کپڑے چھپا دیتے ہیں سب کی سب دریا سے برہنہ نکلتی ہیں۔ اپنے کپڑوں کی تلاش کرتی ہیں سری کرشن جی گوپھیوں سے لذت اندوز ہونے کیلئے اپنے بہت سے جسم پیدا کر لیتے ہیں۔ وغیرہ وگیرہ۔ (ملخصاً)

سوک رشی سے راجہ پرکشت پوچھتا ہے کہ خدا تو اوتار کے روپ میں اس لئے ظاہر ہوا کرتا ہے کہ سچا دہرم پھیلائے۔ یہ کیسا خدا ہے کہ دہرم کے تمام اصولوں کے خلاف دوسروں کی عورتوں سے............؟

رشی جی کرشن جی کے عمل کی تاویل اس طرح فرماتے ہیں کہ "خود دیوتا بھی بعض اوقات نیکی کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں مگر اُن کے گناہ ان کی ذات پر اسی طرح اثر نہیں کرتے جس طرح آگ تمام چیزوں کو جلانے کے باوجود مورد الزام نہیں ہو سکتی"

ان دونوں تصویروں کو دیکھتے ہوئے زیادہ بریں نیست کہ حسن خیال کی بناء پر ہم یہ کہہ دیں کہ یہ دونوں غلط ہیں (وہ محض ایک انسان تھے اور ایسی شرمناک باتیں ہرگز نہ کرتے ہوں گے مگر یہاں تو غور طلب یہ امر ہے کہ تاریخی نقطہ نظر سے بھی دو تصویریں ہمارے سامنے ہیں پس جو حکم بھی دیا جائے گا وہ اسی معلومات کی بناء پر اور اُس کے بلکہ صرف اس کے ہوتے ہوئے کون صاحب عقل ان کو نبی بتا سکتا ہے؟ اور اس خدائی

خطاب کو ان پر چسپاں کرسکتا ہے۔ درآنحالیکہ خدائی کتاب میں اس کا اعلان ان کی شخصیت پر نہ کیا گیا ہو۔ تصویر کے دوسرے رُخ یا کرشن کے دوسرے روپ کے پہلے حصہ کا تعلق مرزا صاحب سے کیا ہے۔ اس کے متعلق لب کشائی سردست مناسب نہیں معلوم ہوتی لیکن دوسرے روپ کے باب میں سوک رشی جی نے جو کچھ فرمایا اُسے دیکھتے ہوئے ہم اس کی تصدیق کرنے میں ذرا تامل نہ کریں گے کہ بے شک کرشن قادیانی جی کے چیلے تھے ان کی بات کو بنانے اور تاویل فرمانے میں ایسے ہی مشاق ہیں جیسے رشی جی تھے گویا مرزا جی اگر کرشن جی کے اوتار ہیں تو وہ سوک رشی جی کے۔ اس لئے کہ کوئی ضرورت تو ہوگی جس کے لئے مرزا صاحب نے اپنا یہ مزعومہ الہام بیان فرمایا کہ:

(۱) **اعمل ما شئت قد غفرت لک**

"جو چاہے تو کئے جا ہم نے تجھے بخش دیا"

(۲) اور حافظ جی جیسے چیلے آسمانی نکاح والی کے متعلق واقعات میں ایسی ہی عجیب وغریب تاویل فرماتے اور پھر حوالہ لکھتے ہیں کہ:

"لڑکی ۹/۸ برس کی تھی اس پر نفسانی افترا............حماقت ہے"

شاید انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ دنیا میں کوئی سمجھدار باقی ہی نہیں رہا جو یہ جانتا ہو کہ اگر بالفرض ۹/۸ برس ہی کی عمر مان لی جائے تو ہندوستان اور بالخصوص پنجاب میں اتنی عمر کی اچھے کھاتے پیتے گھرانوں کی بچیاں کیسی ہوتی ہیں؟

بہرنوع ہم یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ اوتار کہیئے بروز کہیئے یا ظہور سے تعبیر کیجئے

یا آئینہ کی تصویر کو تمثیل بنایئے۔ مرزا جی اپنے دعاوی کے اعتبار سے جو کچھ بھی ہیں کرشن جی کے ہیں۔ اس لئے کہ:

(۱) کرشن جی نے اوتار یا حلول کا مسئلہ سکھایا۔

مرزا جی نے بھی **انت منی وانا منک** تو مجھ سے ہے میں تجھ سے ہوں" کا مفروضہ الہام سنایا۔ پھر خدا کو معاذ اللہ تیندوے سے تشبیہ دی اور ہاتھ پیر والا بھی بتایا

(۲) کرشن جی نے تناسخ آواگون کا مسئلہ سکھایا۔ مرزا جی نے بھی سب کا بروز مثیل ظہور ہونے کا دعویٰ ایسی ہی شکل میں پیش فرمایا جس کا ترجمہ آسانی کے ساتھ آواگون ہی سے کیا جاسکتا ہے۔

لہذا ان کا کرشن ہونا تو درست مگر کرشن ہوتے ہوئے مجدد و مہدی و عیسیٰ بن مریم علیہم السلام بلکہ بقول حافظ جی احمد نبی علیہ السلام بننا دشوار اور ان موحدین کی نورانی قبا کا اس صورت پر جو کرشن نما (یعنی بقول حافظ جی کالی) ہو پھبنا خود اس قبا کے لئے عار

ہمیں افسوس ہے کہ کرشن جی کی کوئی تیسری تصویر ہمیں کہیں سے دستیاب نہیں ہوئی نہ کہیں قرآن کریم میں ان کا ذکر نہ کسی اور آسمانی کتاب میں ان کا بیان نہ کسی حدیث میں خبر۔ نہ کسی مستند تاریخ میں کوئی اثر۔ یہ مانا کہ ہندوستان میں بھی ہادی اور رہبر بلکہ انبیاء و رسول آئے ہوں مگر اس کی کیا دلیل کہ فلاں شخص نبی تھا؟

حافظ جی کو جب قرآن۔ حدیث۔ تفسیر۔ تاریخ کہیں بھی پتہ نہ ملا تو عجب بے تکی اُڑائی کہ فلاں فلاں نے لکھا کہ "ہندوستان میں ایک کالے رنگ والا نبی تھا جس کا نام کاہن تھا چونکہ اس کا رنگ کالا بتایا گیا اور کرشن کے معنی بھی کالا لہذا کرشن نبی تھا۔

اس بیان پر غالباً ایک معمولی سمجھ رکھنے والا بچہ بھی ہنس پڑے گا اور حافظ جی کی ہنسیں نہیں۔ مرزا صاحب کی قابلیت کی داد دے گا۔ ہمیں افسوس ہے کہ محض بدیں خیال کہ کہیں مارشس کے سادہ لوح اس افسوں میں نہ آ جائیں ایسی تحریر پر تنقید کی ضرورت لاحق ہو رہی ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسی لغو تحریر پر تبصرہ کرنا بھی شان علمی کے خلاف۔ اس لئے کہ سب سے پہلے تو یہی بات قابل لحاظ کہ اس خبر ہی کا کیا اعتبار پھر اگر بالفرض کسی تاریخ سے اس کا پتہ بھی مل جائے تو اس کا کیا ثبوت کہ یہ کرشن جی ہی کے متعلق ہے اس لئے کہ نام تو کاہن بتایا گیا نہ کرشن۔ پھر اگر اس کا علم نہ مانا جائے بلکہ اسم صفت ہی مانیں تو حافظ جی کرشن جی کو کالا بتائیں۔ ساری ہندو جاتی تو آج بھی متھرا میں گنگا کے کنارے بہت ہی خدا کی بندیاں اسی اُمید پر کہ کسی موہنی روپ میں ان کے درشن ہو جائیں سب کچھ تجنے کیلئے تیار رہتی ہیں۔

ممکن ہے کہ یہ کاہن وہی یوز آسف ہو جو ہندوستان کے صوبہ سولابت میں راجہ جنسر کے گھر پیدا ہوا شاہزادہ نبی کہلایا۔ کشمیر گیا وہیں مرا وہیں دفن کیا گیا۔ آج تک اس کی قبر شہزادہ نبی کی قبر کہلاتی اور اسی نام سے پہچانی جاتی ہے۔ بعض روایتیں اُس کے متعلق ایسی بیان بھی کی جاتی ہیں جو اس کی کہانت پر دلالت کر سکتی ہیں۔[1] مرزا جی نے اسی کی قبر کو حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر تصنیف کر ڈالا۔ پھر اور آگے بڑھیے مرزا جی تو نہ کرشن کی نبوت بتاتے ہیں نہ اس کی نبوت کا ظہور وہ تو صاف فرماتے ہیں کہ:

[1] تفصیل حال کے لئے کتاب یوز آسف اور بلوہر مترجمہ مولوی سید عبدالغنی مطبوعہ مطبع ہاشمی دہلی ص ۳۵۸ کو دیکھا جا سکتا ہے۔

''میں راجہ کرشن کے رنگ میں بھی ہوں جو ہندو مذہب کے تمام اوتاروں میں بڑا اوتار تھا''۔ پھر آگے چل کر گیتا کو فی الجملہ الہامی کتاب مانتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اُن (مرزا جی) پر الہام ہوا[1] ہے۔ کرشن رودھر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے''۔ (لیکچر مرزا صاحب ۲ ادسمبر ۱۹۰۲ء سیالکوٹ)

مرزا صاحب نے گیتا کا حوالہ دے کر خود واضح کر دیا کہ ان کی مراد کیا ہے۔ گیتا میں اوتار یا روپ کے معنی آپ نے ابھی ابھی کرشن جی کے بتائے ہوئے دیکھے کہ خدا کے انسانی جسم میں حلول کرنے کو اوتار لینا یا روپ لینا کہا گیا۔ پس مجرد ان کلمات کے استعمال ہی نے انہیں دائرہ توحید سے جدا شرک کے مرض میں مبتلا کر دیا اب ان سے اور اسلام سے کیا علاقہ رہا؟

توہین انبیاء

جناب حافظ جی صاحب کو اس تحریر کے وقت شاید یہ خیال نہ رہا ہوگا کہ جس کے جواب میں وہ اپنی دو ورقی پیش کر رہے ہیں۔ وہ اگرچہ مارشس سے جا رہا ہے مگر اس کا قلم الحمدللہ ہزاروں کوس کی مسافت سے بھی ان کی پردہ دری کرنے کیلئے تیار رہے گا۔ اسی لئے بے خوف و خطر فرماتے ہیں کہ:

''مرزا صاحب نے نبیوں کو گالیاں دی ہیں یہ بھی صریح جھوٹ ہے''

[1] یا للعجب ہم وید میں توحید کا جلوہ دکھائیں تو ہم پر اعتراض یہ گیتا کو الہام مانیں تو بھی کچھ نہیں۔
ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام   وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں کرتے

ناظرین! ذرا سطور ذیل کو بغور پڑھیں اور خود ہی فیصلہ کرلیں کہ مرزا جی نے اگر اپنے ان کلمات میں گالیاں نہیں دیں تو کیا کیا؟

(۱) جنگ مقدس ص ۷ "مسیح کا بے باپ پیدا ہونا میری نگاہ میں کوئی عجوبہ بات نہیں۔ اب برسات قریب آئی ہے باہر جا کر دیکھئے کتنے کیڑے مکوڑے بغیر ماں باپ کے پیدا ہو جاتے ہیں"۔ (معاذ اللہ)

(۲) اخبار بدر مورخہ ۹ مئی ۱۹۰۷ء میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں (نہ کہ عیسائیوں کو):۔

"ایک دفعہ حضرت مسیح زمین پر آئے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ کئی کروڑ مشرک دنیا میں ہو گئے۔ دوبارہ آکر وہ کیا بنائیں گے کہ لوگ (مسلمان) ان کے آنے کے خواہش مند ہیں"۔ (معاذ اللہ)

(۳) "حق بات یہ ہے کہ آپ (حضرت مسیح علیہ السلام) سے کوئی معجزہ نہیں ہوا" (معاذ اللہ یہاں حق بات کہہ کر قرآن میں ذکر کئے ہوئے معجزات کا بھی انکار ہے)

(حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۶)

(۴) "آپ (حضرت مسیح علیہ السلام) کے ہاتھ میں مکر و فریب کے سوا اور کچھ نہیں تھا"۔ (معاذ اللہ)

(۵) آپ (حضرت مسیح علیہ السلام) کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں"۔ (معاذ اللہ)

(حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۷)

علمائے اسلام نے جب مرزا جی کے ان کلمات پر گرفت کی تو خود مرزا جی ہی کی زبان سے سنئے کہ اُن علماء کو (حافظ جی نے تو ہمیں جھوٹا کہا مرزا جی) مفسد و مفتری بتا کر کس انداز سے اپنی بریت کا اظہار فرماتے ہوئے حضرت مسیح کے بھائی' بہن بتا کر مکرر گستاخی کر رہے ہیں۔

'مفسد و مفتری وہ شخص ہے جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا ...... مسیح تو مسیح میں تو اس کے چاروں بھائیوں کی بھی عزت کرتا ہوں کیونکہ پانچوں ایک ہی ماں کے بیٹے ہیں۔ یسوع کے چار بھائی اور بہنیں تھیں۔ یہ سب یسوع کے حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں تھیں یعنی سب یوسف اور مریم کی اولاد تھے۔

(کاغذی کشتی نوح ص ۱۶)

ہم نہیں جانتے کہ مرزا جی کا اعتقاد وہ ہے جو حافظ جی لکھتے ہیں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ پیدا ہوئے یا یہ جس میں ان کی دادیاں' نانیاں اور حقیقی بھائی بہن بتائے گئے اگر پہلا ہے تو اس کا مرقعہ حوالہ نمبرا سے ظاہر کہ حضرت مسیح کو برساتی کیڑوں سے تشبیہ دی گئی اور اگر دوسرے ہے تو اس کی شان ناظرین نے دیکھ ہی لی کہ دادیاں اور نانیاں بھی بنیں اور انہیں شنیع گالیاں بھی دی گئیں۔

حافظ جی کہتے ہیں کہ ان کا عقیدہ بدلتا رہتا تھا۔ پہلے حیات مسیح کے قائل تھے پھر وفات مسیح کا عقیدہ تصنیف کیا۔ ممکن ہے کہ اس عقیدہ میں بھی ایسا ہی پیچ ہو۔ بہر صورت دونوں طرح گالیاں دیں گستاخیوں کیں پھر ان سے توبہ بھی نہ کی لہذا جرم ثابت۔

یہ داؤ پیچ عقلا کے سامنے نہ چل سکا ہے نہ چل سکے گا کہ مسیحیوں کو ملزم بنانے

کیلئے جواب میں تھیں اس لئے کہ اخبار بدر اور کشتی نوح ص ۱۶ کے حوالہ نے تو صاف ظاہر کر دیا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں بھی یہی کہا گیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

نکاح آسمانی

محمدی بیگم سے مرزا جی کے مفروضہ نکاح کے باب میں حافظ جی نے ہمارا اعتراض اس طرح نقل کیا ہے کہ "نکاح والی پیش گوئی پوری نہ ہوئی"۔ اس کا جواب سیدھا سادھا تو یہ تھا کہ "پوری ہوگئی" مگر چونکہ یہ جواب امر واقعہ کے خلاف ہے لہذا حافظ جی صاحب نے سوک رشی جی کے بروز کی حیثیت سے عجیب و غریب تاویل فرمائی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) نکاح کی پیش گوئی صرف اس غرض سے تھی کہ محمدی بیگم کے خاندان کے لوگ جو بے دین تھے اُن کو نکاح کا نشان دکھا کر دیندار بنائیں۔

(۲) احمد بیگ (پدر محمدی بیگم) نے توبہ نہ کی وہ ہلاک ہوگیا۔

(۳) پیش گوئی میں توبہ کی شرط تھی توبی توبی الخ۔ توبہ سے یہ سب باتیں ٹل گئیں۔ تقریباً سارا خاندان مرزائی بن گیا۔

لہذا:۔ **توبہ سے نکاح ٹل گیا**

تحریر اگرچہ طویل ہو جائے مگر ہم مجبور ہیں چونکہ مرزائی پورا حوالہ دیکھ لینے کے بعد بھی باتیں بنانے کی عادت رکھتے ہیں اور کسی وجہ سے اگر مختصراً حوالہ کا ذکر کردو تو فوراً جھوٹ کا الزام دیتے ہیں۔ لہذا اس باب میں بھی ہم تفصیل کے ساتھ حوالہ پیش کر کے فیصلہ اہل نظر پر چھوڑتے ہیں۔

جواب اور اس کا ثبوت

محمدی بیگم کے خاندان کے لوگ بے دین نہ تھے اس کا ولی یعنی باپ ایسا دیندار کہ اس کے ساتھ مرزا جی محبت کا اظہار کرتے اور اس کے اسلام کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ وہی ہیں جن کو حافظ جی کہتے ہیں کہ توبہ نہ کی ہلاک ہوگیا"۔ نامہ مرزا صاحب بنام مرزا احمد بیگ صاحب پدر محمدی بیگم مورخہ ۱۷ جولائی ۱۸۹۲ء۔

"مشفقی مکرمی اخویم مرزا احمد بیگ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ .... آپ کے دل میں اس عاجز کی نسبت کچھ غبار ہو لیکن خداوند علیم جانتا ہے کہ اس عاجز کا دل آپ کی طرف سے بالکل صاف ہے۔ قادر مطلق سے آپ کیلئے دعائے خیر و برکت چاہتا ہوں .... کس طریق اور کن لفظوں میں بیان کروں تا کہ میرے دل کی محبت اور خلوص اور ہمدردی جو آپ کی نسبت مجھ کو ہے آپ پر ظاہر ہو جائے ..... ہمیں خدائے قادر مطلق کی قسم ہے کہ میں اس بات میں بالکل سچا ہوں کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ آپ کی دختر کلاں کا رشتہ اس عاجز سے ہوگا اگر دوسری جگہ ہوا تو خدا کی تنبیہیں وارد ہوں گی اور آخر اسی جگہ ہوگا ..... ہزاروں پادری شرارت نہیں حماقت سے منتظر ہیں کہ یہ پیش گوئی جھوٹی نکلے لیکن خدائے تعالیٰ ان کو رسوا کرے گا ..... جو امر آسمان پر ٹھہر چکا ہے زمین پر ہرگز بدل نہیں سکتا۔ خدائے تعالیٰ آپ کے دل میں وہ بات ڈالے جس کا اُس نے آسمان پر سے مجھے الہام کیا ہے۔ (غلام احمد) اور ملاحظہ کیجئے:۔

نامہ مرزا بنام مرزا علی شیر بیگ (محمدی بیگم کے پھوپھا۔ مرزا کے لڑکے فضل احمد کے خسر) مورخہ ۴ مئی ۱۸۹۱ء۔

مشفقی مرزا علی شیر بیگ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

...... میں آپ کو غریب طبع نیک خیال آدمی اور اسلام پر قائم سمجھتا ہوں..... آپ کو ایک خبر سناتا ہوں آپ کو اس سے بہت رنج گزرے گا...... میں نے سنا ہے کہ عید کی دوسری تاریخ اس لڑکی کا نکاح ہونے والا ہے.......... میری نسبت ان لوگوں نے پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ اس کو خوار کیا جائے' ذلیل کیا جائے وسیاہ کیا جائے اب مجھ کو بچالینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ (اللہ نے نہ بچایا لہذا آپ کیا بنے؟) اگر میں اس کا ہوں گا تو ضرور بچالے گا (اُس نے نہ بچایا ثابت ہوا کہ اس کے نہ تھے' آگے چل کر ایک طویل عبارت میں لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ آپ اپنی بیوی سے کہیئے کہ وہ اپنے بھائی کو مجبور کریں' ان کو چھوڑ دینے کی تنبیہ کریں تا کہ وہ بہن کے دباؤ سے مجبور ہو کر محمدی بیگم کا نکاح مرزا صاحب سے کردیں اور اگر آپ کی بیوی ایسا نہ کریں گی تو میں اپنے بیٹے فضل احمد سے کہوں گا کہ اپنی بیوی آپ کی لڑکی کو طلاق دے اگر اُس نے میرا کہنا نہ مانا تو میں اُسے عاق کردوں گا، وراثت سے محروم کردوں گا۔

(ناظرین انصاف کریں کیا مجدد ومسیح ونبی کی یہی شان ہوتی ہے؟)

ان ہر دو خطوط کے اقتباس نے اگر چہ بہت سی باتوں کو واضح کردیا مگر ہم سر دست ان امور ہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(۱) مرزا احمد بیگ مسلمان تھے اچھے آدمی تھے۔ مرزا جی کا دل ان کی طرف سے

صاف تھا بلکہ ان سے بے حد محبت تھی لہذا ان کی موت کسی جرم کے سبب نہیں ہوئی۔ وہ مسلمان تھے اسلام پر مرے ہاں جرم صرف اس قدر تھا کہ جوان بیٹی بوڑھے بے دین مرزا جی کو کیوں نہ دی۔

(۲) نکاح کی تحریک صرف الہام کے سبب کی گئی ہے نکاح ضرور ہوگا۔ اس لئے کہ پادریوں اور ہندوؤں کے لئے نشان ہے۔ اگر دوسری جگہ ہوگا تو تنبیہیں ہوں گی اور آخر مرزا جی ہی سے ہوگا۔

(۳) اگر نکاح نہ ہوگا تو مرزا جی خوار ذلیل روسیاہ ہو جائیں گے۔

بقول مرزا جی نکاح نشان مسیح آخر الزمان ہے اور وہ ظاہر نہ ہوا

اور آگے چلئے اور دیکھئے مرزا جی اس نکاح کو مسیح موعود کا نشان بتاتے ہیں۔

محمدی بیگم کے خاندان والوں کی اصلاح سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کا ذکر کرتے ہوئے کہ مسیح بن مریم دنیا میں اُتریں گے شادی کریں گے۔ الخ۔ جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں "تزوج سے مراد خاص تزوج ہے جو بطور نشان ہوگا...... جس کی نسبت اس عاجز کی پیش گوئی موجود ہے گویا اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سیاہ دل منکروں کو ان کے شبہات کا جواب دے رہے اور فرما رہے ہیں کہ یہ باتیں ضرور پوری ہوں گی"۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۳)

پھر صفحہ ۵۴ پر فرماتے ہیں کہ:۔

براہین احمدیہ میں بھی اس پیشگوئی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے............

تیسری زوجہ جس کا انتظار ہے.......... یہ ایک چھپی ہوئی پیشگوئی ہے جس کا سر اس وقت کھولا گیا"۔

اب بھی کیا اس کے ثبوت میں کوئی کسر رہ گئی کہ اس نکاح کو مرزا جی مسیح موعود کا نشان بتا رہے ہیں پس بقول مرزا صاحب اگر یہ نشان ظاہر نہ ہو نکاح نہ ہو تو وہ مسیح موعود نہیں۔ بقول مرزا جی نکاح تقدیر الٰہی ہے جو ٹل نہیں سکتی۔ وہ ٹل گئی لہذا تقدیر نہ تھی۔ جناب مرزا صاحب نے متعدد مقامات پر اس مضمون کو ظاہر فرمایا کہ یہ نکاح ہونا خدا کا ایسا وعدہ ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ ان خطوط میں بھی اس کا ذکر یہاں مزید ایک اور حوالہ دیکھ لیجئے:۔

اشتہار نصرت دین مورخہ ۲۰ مئی ۱۸۹۱ء میں فرماتے ہیں۔

"خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہی مقدار اور قرار پا چکا ہے کہ وہ لڑکی اس عاجز کے نکاح میں آئے گی خواہ پہلے باکرہ ہونے کی حالت میں آ جائے یا خدائے تعالیٰ اس کو بیوہ کر کے میری طرف لائے"۔

توبی توبی کی شرط اور اس کا پورا نہ ہونا

اب جناب حافظ جی صاحب کی ان دونوں رکیک تاویلوں پر نظر ڈالئے کہ توبہ سے نکاح ٹل گیا۔ احمد بیگ نے توبہ نہ کی وہ ہلاک ہو گیا۔

حافظ جی کو یا تو خبر ہی نہیں یا دیدہ دلیری ہے یا طوطی کی صدا جہاں کہیں بھی اس نکاح کو قسم کے ساتھ موکد کرتے ہوئے وعدۂ ربانی بتایا گیا اس کا آسمان پر منعقد

ہونا ظاہر کیا گیا۔ وہاں کہیں توبہ کا ذکر تک نہیں آیا اور اگر بالفرض توبہ کو شرط بھی قرار دیا جائے تو عذاب اور بلا کیلئے نہ کہ نکاح کیلئے۔ پھر توبی توبی کے صیغوں پر نظر ڈالیے کہ یہ مونث کے صیغے ہیں۔ چنانچہ خود مرزا جی ان کا ترجمہ اور مطلب بیان فرماتے ہیں۔

حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۸۷...... "اے عورت توبہ کر توبہ کر کیونکہ تیری لڑکی اور تیری لڑکی کی نانی پر ایک بلا آنے والی ہے"۔

(۱) مرزا جی نے خود واضح کر دیا کہ اس کی مخاطبہ محمدی بیگم کی والدہ ہیں۔ ان کے توبہ کرنے سے ان کی والدہ اور محمدی بیگم کی بلائیں ٹلیں گی۔

محمدی بیگم کی نانی پر کیا بلا آنے والی تھی جو ٹلی؟ خبر نہیں محمدی بیگم پر جو بلا آنے والی تھی وہ بقول حافظ جی ٹل گئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ محمدی بیگم کی والدہ نے توبہ کی۔

اب سوال فقط اسی قدر باقی رہ گیا کہ جب مرزائی توبہ سے مراد مرزائی بننا لے رہے ہیں تو کیا محمدی بیگم کی والدہ نے مرزائیت کو قبول کیا؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ جب نہیں تو وہ بلا بھی کیوں ٹلی؟ پھر یہ کہنا کہ قریباً سارا خاندان مرزائی بن گیا کھلا جھوٹ۔ مرزا احمد بیگ کا اسلام پر مرنا ظاہر۔ حافظ جی کو تسلیم کہ مرزائی نہیں ہوا ان کا داماد محمدی بیگم کا شوہر مرزائی نہیں ہوا۔

محمدی بیگم الحمد للہ مسلمہ ہے بلکہ اس کی اولاد بھی ماشاء اللہ مسلمان وہ اور اس کے قریبی اعزا و اقربا سب کے سب بمنہ تعالیٰ اسلام پر قائم اور مرزائیت سے بیزار بلکہ ان علمائے حقانی کے اعوان و انصار جو مرزائیوں سے برسر پیکار۔ پھر بلا ٹلی تو کیوں ٹلی؟

(۲) نکاح۔ بلا ہے؟ عذاب ہے؟ یا کیا؟

مرزا جی فرماتے ہیں:۔آئینہ کمالات اسلام ص ۲۸۱،۲۸۸

”یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور رحمت کا نشان ہوگا۔ اُن تمام برکتوں اور رحمتوں سے حصہ پاؤ گے جو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۸ء میں مندرج ہیں“۔

توبی توبی کے کلمات کو اگر شرط مان بھی لیا جائے تو اس سے بلا ٹلنی چاہیئے نہ کہ رحمت و برکت۔پس یا تو یوں کہا جائے کہ نکاح نہ تھا بلا تھا (محمدی بیگم کیلئے نہ سہی مرزا جی کیلئے سہی) یا یہ کہیئے کہ توبہ کا علاقہ نکاح سے نہ تھا۔دونوں شکلوں میں ہمارا دعویٰ ثابت۔ہمارا بیان صرف نفس نکاح کے متعلق تھا کہ:

(۱) اس کو مقدر بتایا گیا۔

(۲) خدا کا نہ ٹلنے والا وعدہ کہا گیا۔وہ ٹل گیا۔لہذا خدا کا وعدہ نہ تھا مقدر نہ تھا اور مرزا جی کا یہ دعویٰ جھوٹا' الہام جھوٹا۔

(۳) مرزا جی نے کہا کہ اگر یہ نکاح نہ ہوا تو:۔

(ا) مرزا جی ہر بد سے بدتر ٹھہریں گے مفتری ہونگے کذاب ہونگے۔

(ب) ان کے تمام دعوے جھوٹے ہونگے۔

(ج) مرزا جی ذلیل ہونگے روسیاہ ہوں گے ناک کٹ جائے گی۔کسی نے توبہ کی یا نہ کی۔عذاب ٹلا یا نہ ٹلا۔ہمیں سردست اس سے کچھ غرض نہیں۔مرزا جی کے دعوے اور یہ امر واقعہ سامنے ہے کہ نکاح نہ ہوا۔فیصلہ ہم نہیں کرتے خدا نے کیا اور جو ہونا تھا ہو گیا۔مرزا جی کو جو بننا تھا بن گئے۔

اگر سادہ لوح افراد کی آنکھیں اب بھی نہ کھلیں تو وہ جانیں۔

طاعون اور قادیان

جناب حافظ صاحب کی دیدہ دلیری ملاحظہ کیجئے کہ کس جرأت کے ساتھ ہم پر غلط بیانی کا الزام لگاتے اور دنیا کی آنکھوں میں کس طرح خاک ڈالنا چاہتے ہیں۔ حافظ جی لکھتے ہیں کہ ”مرزا جی نے لکھا ہے کہ قادیان میں طاعون نہ آئے گی یہ مولوی صاحب کی بالکل غلط بیانی ہے“۔

ناظرین فیصلہ کریں کہ ہم نے جو کچھ کہا تھا اس کی تفصیل یہ ہے یا نہیں؟

(ا) مرزا صاحب نے مواہب الرحمٰن میں فرمایا ”لنا من الطاعون امان ہم لوگوں کیلئے طاعون سے امان ہے“۔”لنا“ کے مصداق چونکہ دنیا بھر کے مرزائی تھے جب مختلف مقامات سے مرزائیوں کے مرنے کی خبریں آنے لگیں اور معترضین نے اعتراض کیا ہوگا تو فرمایا۔(دافع البلا صفحہ ۸)

”خدا نے سبقت کر کے قادیان کا نام لے دیا ہے کہ قادیان کو اس (طاعون) کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے اور یہ تمام امتوں کیلئے نشان ہے؟

قادیان چھوٹا سا قصبہ اس کی مختصر سی آبادی مگر جب اُس میں بھی یہ حالت ہوئی کہ پیسہ اخبار لاہور مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۰۴ء رقمطراز ہے:۔

”قادیان آج کل پنجاب میں اوّل نمبر طاعون میں مبتلا ہے۔بیس موتوں کا اوسط ہے۔قصبہ میں ہلچل مچی ہوئی ہے“۔(ناظرین مرزا صاحب کے مزعومہ الہامی

الفاظ خوفناک تباہی کا اس عبارت پیسہ اخبار میں خاص لحاظ رکھیں ۔ نیز حافظ جی کے الفاظ بھی یاد رہیں کہ ''جو لوگوں کو بدحواس کر دے'' اس لئے کہ اس کی تفصیل بلچل کے لفظ میں موجود ہے ۔ پھر جب قادیان میں اس قدر طاعون پھیلا کہ ۳۱۳ اموات کی رپورٹ عام اخباروں میں شائع ہوئی تو مرزا جی کو خود تسلیم کرنا پڑا ۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

الحکم قادیان ۱۰ اپریل ۱۹۰۷ء آج کل طاعون بہت بڑھتا جاتا ہے چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہے ۔ (اس آگ لگنے پر خاص توجہ رہے بدحواسی شاید کسی اور چیز کا نام ہوگا) میں اپنی جماعت کیلئے خدا سے بہت دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کو بچائے رکھے) مگر دعا قبول نہیں ہوتی ۔

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

مگر قرآن شریف سے ثابت ہے کہ جب قہر الٰہی نازل ہوتا ہے تو بدوں کے ساتھ نیک بھی لپیٹے جاتے ہیں''

سامعین کو یاد ہوگا کہ اس کے بعد ہم نے تذکرۂ یہ بھی بتایا تھا کہ مرزا جی نے اپنے گھر کو وسیع کرنے اور بڑا بنانے کیلئے چندہ مانگنے کا حیلہ بناتے ہوئے بھی لکھا تھا کہ ہمارا گھر طاعون سے محفوظ رہے گا ۔ لہذا اس میں بہت سے آدمیوں کے رہنے کی جگہ کرنے کیلئے بڑا بنانے کی ضرورت اور اس کیلئے روپیہ کی حاجت ۔ پس لاؤ چندہ!!!

گھر تو اس بہانہ سے بن گیا چندہ بھی خاطر خواہ مل گیا اب حافظ جی تو لکھتے ہیں کہ آج تک اس گھر کا چوہا بھی طاعون سے نہ مرا مگر مرزا جی حقیقۃ الوحی کے صفحہ

۳۲۹ پر اعتراف فرماتے ہیں کہ:

''جب دوسرے دن کی صبح ہوئی تو میر صاحب کے بیٹے اسحاق کو تیز تپ ہوا اور سخت گھبراہٹ شروع ہوگئی اور دونوں طرف ران میں گلٹیاں نکل آئیں'' ۔

حافظ جی شاید اس کی بھی تاویل فرمادیں کہ گھر سے مراد ہے وہ خاص کمرہ جس میں مرزا جی سوتے تھے بلکہ کمرہ سے مراد بھی وہ چارپائی جس پر وہ آرام فرماتے تھے بلکہ چارپائی سے بھی ان کا جسم یعنی جو مرزا جی کے جسم میں حلول کر گیا وہ طاعون سے نہ مرا ۔ یہ سوک رشی کی تاویلات کا نمونہ ہے وہ فرمائے جائیں ۔

پیرا ندتہ و عبدالکریم کی روحیں اب دنیا میں آ کر بتائیں گی کہ وہ خود مرزا جی کے گھر ہی میں طاعون سے مرے تھے ۔

محمد افضل و برہان الدین و محمد شریف و نواز احمد وغیرہ خاص خاص مرزائی اب بول ہی نہیں سکتے کہ وہ کس درجہ کے فدائی تھے اور قادیان ہی میں مرزا جی کی دیکھتی آنکھوں طاعون ہی سے ہلاک ہوئے ۔ (دیکھو ذکر الحکیم صفحہ ۹۱)

مولوی فاضل ثناء اللہ صاحب امرتسری سے مرزا جی کا آخری فیصلہ

ہم حیران ہیں کہ حافظ جی کے جھوٹ کہاں تک جتائے جائیں ۔ ہم نے ہر گز اپنی تقریر میں مباہلہ کا ذکر ہی نہیں کیا بلکہ اُسی آخری فیصلہ اور دعا کو یاد دلایا جس کی تصدیق میں مرزا جی نے اس عالم کو چھوڑا ۔

مرزا صاحب نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے باب میں اشتہار دیا جس کا

عنوان ہی یہ بتادے گا کہ یہ فیصلہ تھا۔ نہ کہ مباہلہ۔عنوان یہ ہے۔

"مولوی ثناءاللہ کے ساتھ آخری فیصلہ"

سارا اشتہار پڑھ جایئے لیکن ایک جگہ بھی اگر مباہلہ کا لفظ مل جائے یا کہیں یہ بھی لکھا ہوا نظر آئے کہ اس دعا کے مقابلہ میں مولوی صاحب موصوف بھی یہی دعا فرمائیں جیسا کہ ڈوئی اور دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں مرزا صاحب نے لکھا۔ تو ہم ذمہ دار پھر مزید ثبوت کیلئے جناب مرزا جی کے حکم سے ان کے سر رشتہ دار نے جو حکم نامہ جناب مولوی صاحب موصوف کے نام جاری کیا اس کی عبارت ملاحظہ فرمایئے جو اس مضمون کو بالکل ہی واضح کر دیتی ہے۔

مولوی ثناءاللہ صاحب نے حقیقۃ الوحی کی اس دعوت عام کو دیکھ کر جو تمام علمائے اسلام کو مرزا صاحب کی طرف سے دی گئی تھی مرزا جی کو لکھا کہ "کتاب حقیقۃ الوحی بھیجئے تا کہ میں مباہلہ کی تیاری کروں"۔ اس کے جواب میں انہیں بحکم مرزا صاحب لکھا جاتا ہے کہ:

"آپ کا خط حضرت مسیح موعود کی خدمت میں پہنچا جس کے جواب میں آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ کی طرف حقیقۃ الوحی بھیجنے کا ارادہ اس وقت ظاہر کیا گیا تھا جس وقت مباہلہ کے واسطے لکھا گیا تھا تا کہ مباہلہ سے پہلے پڑھ لیتے مگر چونکہ آپ نے اپنے واسطے تعیین عذاب کی خواہش ظاہر کی اور بغیر اس کے مباہلہ سے انکار کر کے اپنے لئے فرار کی راہ نکالی۔ اس واسطے مشیت ایزدی نے آپ کو اور راہ سے پکڑا اور

حضرت حجۃ اللہ مرزا صاحب کے قلب میں آپ کے واسطے ایک دعا کی تحریک کی اور دوسرا طریق اختیار کیا"۔ اس عبارت سے ناظرین نے بخوبی اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہ دوسرا طریق مباہلہ نہیں بلکہ تعیین عذاب بصورت دعا ہے اور مشیت ایزدی کے مطابق بھی آخری فیصلہ ہے۔ اس دعا کا اثر فیصلہ کر دے گا کہ اس باب میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا؟

مرزا جی کی دعا

"اے میرے آقا! اے میرے بھیجنے والے!...... میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں التجا ہوں کہ مجھ میں اور ثناءاللہ میں سچا فیصلہ فرما اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں دنیا سے اٹھا لے"۔

ہم نے اسی دعا کے اثر کا ذکر کیا جو دنیا نے دیکھ لیا مگر اس سے زیادہ شرمناک جھوٹ اور کیا ہوگا کہ حافظ جی اب تک اس کو مباہلہ کہے جاتے ہیں حالانکہ مرزا صاحب کے انتقال کے بعد جب تمام ہندوستان میں اس دعا کی صداقت کا تذکرہ ہوا اور تمام اہل بصیرت نے حقیقت کو جان لیا تو تمام مرزائی ٹولی نے پورا زور لگایا آخر تین سو روپیہ کا انعام مقرر کیا اور یہی چیلنج دیا کہ "یہ فیصلہ نہ تھا مباہلہ تھا" مرزائی خلیفہ نمبرا کے وکیل منشی قاسم علی صاحب میدان مقابلہ میں آئے۔

سردار بچن سنگھ بی اے پلیڈر فریقین کی طرف سے مسلمہ حکم مقرر کئے گئے۔ منشی قاسم علی صاحب اور مولوی ثناءاللہ صاحب میں مباحثہ ومناظرہ ہوا۔ آخر انجام

مبلغ تین سو روپیہ جناب مولوی ثناء اللہ صاحب نے بحکم حکم مرزائیوں سے وصول کیا اور غیر جانبدار حکم نے یہ فیصلہ دیا۔

تحریر میں گو قدرے طوالت ہو جائے مگر ہم اس کے بعض کلمات بجنسہٖ لکھے دیتے ہیں۔ ''میں صاف اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب کے اس جہان فانی سے بحیات مولوی ثناء اللہ صاحب رحلت فرمانے سے مرزا صاحب کی دعا مندرجہ اشتہار خدائے تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اس قبولیت کا اظہار خود مرزا صاحب نے اپنی زبان مبارک سے کیا۔

۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء والا اشتہار بحکم خداوندی مرزا صاحب نے دیا تھا۔

خدا نے الہامی طور پر جواب دیا تھا کہ میں نے تمہاری یہ دعا قبول کر لی۔ (بلفظہٖ)

دستخط سردار بچن سنگھ بی اے پلیڈر۔ ۳۱ اپریل ۱۹۱۲ء)

سردار بچن سنگھ کے فیصلہ کے مطابق ہی نہیں ایسے خدائی فیصلہ کی رو سے جس کو سارے عالم نے دیکھ لیا ہم بھی اس کی بڑے زور سے تائید کرتے ہیں کہ مرزا جی کی اور دُعائیں مقبول ہوئیں یا نہ ہوئیں؟ مگر یقیناً خدا نے مرزا جی کی یہ دعا ضرور قبول کی اور دنیا کو دکھا دیا کہ اس مقابلہ میں حق پر کون تھا اور باطل پر کون؟ دنیا نے دیکھ لیا کہ مرزا جی ہیضہ میں مبتلا ہوئے۔ لاہور میں مر گئے قادیان میں دفن ہوئے اور مولوی ثناء اللہ قلعہ مرزائیت پر گولہ باری کیلئے اب تک موجود۔

ڈاکٹر عبدالحکیم اور مرزا جی

حافظ جی ہماری شکایت کرتے ہیں کہ ''ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیشگوئی کی طرف اشارہ کیا اور حقیقت کو بے نقاب نہیں کیا۔

ہمیں افسوس ہے کہ وہ ہمارے بلانے کے باوجود بھی دیوار کے پیچھے ہی رہے اگر سامنے آ جاتے تو ہم ''بے نقاب'' بھی کر دیتے۔

ناظرین نے حافظ جی کی نمبر ۳ دو ورقی میں دیکھا کہ جتنے دعوے بھی انہوں نے کئے ثبوت کسی ایک کا بھی نہیں دیا۔

(۱) کیا مرزا جی کے وہ الفاظ وصیت نامہ لکھے جن میں انہوں نے یہ تحریر فرمایا کہ وہ فلاں تاریخ سے تین برس کے اندر مر جائیں گے؟

(۲) یہ حوالہ دیا کہ ڈاکٹر صاحب نے کب اور کن الفاظ میں اپنی سابقہ پیشگوئی میں ترمیم کی؟ اب حافظ جی کی یہ تمنا ہے کہ ہم ہی ان کا نقاب اُٹھائیں تو یہ لیجئے ناظرین ملاحظہ کریں کہ نقاب کے اندر کیا ہے؟

پہلے یہ معلوم کیجئے کہ مرزا جی اپنی عمر کے متعلق خود ہی کیا ارشاد فرماتے ہیں:

(تریاق القلوب ص ۶۸)

''میری عمر کے چالیس برس پورے ہونے پر صدی کا سر بھی آ پہنچا (یعنی ۱۳۰۰ھ میں مرزا جی کی عمر چالیس برس کی ہوئی)

حاشیہ تریاق القلوب ص ۵۳ پر فرماتے ہیں کہ خدا نے ان پر الہام کیا۔

’’میں (خدا) تجھے (مرزا کو) اسی برس یا چند سال زیادہ یا اس سے کچھ کم عمر دوں گا‘‘۔

(یہ مزعومہ الہام بھی ایک لطیفہ ہے مرزا جی کا الہام کرنے والا ایسی ہی تخمینی انکل کی باتیں کہا کرتا ہے) اس جگہ تخمینہ تھا تصریح کے ساتھ اور ملاحظہ کیجئے:

حقیقۃ الوحی ص ۲۰۰ آخری زمانہ اس مسیح موعود (مرزا صاحب) کا دانیال نبی نے ۱۳۳۵ برس لکھا ہے جو خدائے تعالیٰ کے اس الہام سے مشابہ ہے جو میری عمر کی نسبت بیان فرمایا ہے‘‘۔

پس ان دونوں مزعومہ الہاموں کی رو سے مرزا جی کو ۱۳۳۵ میں یہ عمر ۴۰ + ۳۵ = ۷۵ سال مرنا چاہیئے تھا۔

یہی ان کا اعلان یہی بقول ان کے خدا کا الہام اور دانیال نبی کی دی ہوئی خبر۔ ان اقوال کے دیکھنے کے بعد اب فیصلہ بہت ہی آسان ہو گیا اس لئے کہ اس میں تو غالباً کسی کو مجال انکار ہی نہیں کہ مرزا جی ۱۳۲۶ میں مرے یعنی اپنی میعاد مقررہ سے

(۱۳۳۵ـ۱۳۲۶)=۹

پورے نو برس پہلے۔ اس کا سبب مرزا جی اور حافظ جی بتائیں یا نہ بتائیں ہم بتائے دیتے ہیں کہ:

ڈاکٹر عبدالحکیم نے اعلان الحق ص ۴، ۵ پر جولائی ۱۹۰۶ء کو یہ اعلان کیا کہ:

’’صادق کے سامنے شریر فنا ہو جائے گا یعنی تین سال کے اندر میرے سامنے مرزا صاحب مر جائیں گے‘‘۔

اس کے جواب میں مرزا جی اپنے اشتہار مجریہ ۱۶ اگست ۱۹۰۶ء میں فرماتے ہیں:

’’میں سلامتی کا شہزادہ ہوں کوئی مجھ پر غالب نہیں آ سکتا بلکہ خود عبدالحکیم خاں میرے سامنے آسمانی عذاب سے ہلاک ہوگا‘‘۔

(بقیہ عبارت مرزائی حقیقت کا اظہار نمبر ا پر ملاحظہ کیجئے)

اس میں مرزا جی نے ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب کے مرنے کی پیش گوئی کس صفائی کے ساتھ کی۔ اس لئے ڈاکٹر عبدالحکیم نے غضب میں آ کر اس وقت سے چودہ مہینے کی میعاد بتائی جس کے جواب میں مرزا صاحب فیصلہ فرماتے ہیں اور اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ الہام ہوا۔

اشتہار تبصرہ ۵ نومبر ۱۹۰۷ء: ’’اپنے دشمن ڈاکٹر عبدالحکیم سے کہہ دے کہ خدا تجھ سے مواخذہ کرے گا۔ میں تیری عمر بڑھا دوں گا یعنی دشمن جو کہتا ہے کہ جولائی ۱۹۰۷ء سے چودہ مہینے تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں یا ایسا ہی جو دوسرے دشمن پیش گوئی کرتے ہیں ان سب کو جھوٹا کر دوں گا اور تیری عمر بڑھا دوں گا۔ دشمن جو تیری موت چاہتا ہے وہ خود تیری آنکھوں کے روبرو اصحاب فیل کی طرح نابود اور تباہ ہوگا۔ تجھ سے لڑنے والے اور تیرے پر حملہ کرنے والے سلامت نہیں رہیں گے۔ تیرے مخالفوں کا اخزا و فنا تیرے ہی ہاتھ سے مقدر تھا‘‘۔ اور آگے بڑھیے اور ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء کا بدر دیکھئے کہ انتقال سے دو دن پہلے بھی جناب مرزا صاحب اسی مزعومہ الہام کو اپنی صداقت کا معیار بنا رہے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس الہام میں دو خاص وعدہ ہیں اور ان کا خدا

کی طرف سے ہونا بتا کید بیان کیا جا رہا ہے

(۱) (مرزا جی) کی عمر بڑھا دوں گا۔

(۲) (مرزا جی کا دشمن ڈاکٹر عبدالحکیم) اصحاب فیل کی طرح نابود ہوگا۔ ان کا مرنا و فنا (مرزا جی کے) ہاتھ میں مقدر تھا۔

پس کیا مرزا جی کی عمر بڑھی؟ نہیں بلکہ ۹ برس پہلے مرے

کیا ڈاکٹر عبدالحکیم خاں مرزا جی کے سامنے مرے اس لئے کہ ان کا مرنا اور فنا ہونا مرزا جی کے ہاتھ سے مقدر تھا۔	نہیں بلکہ وہ اب تک زندہ ہیں۔ اور مرزائیت کے انہدام میں مصروف

لہٰذا یہ الہام جھوٹا ہوا اور سچے جھوٹے کا فرق ظاہر۔

تھوڑی دیر کیلئے اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی پیش گوئی میں کوئی مزید ترمیم کی ہو نیز اگر برائے چندے یہ بھی مان لیں کہ مرزا جی نے اپنے تمام سابقہ مزعومہ الہاموں کے خلاف اپنے مرنے کی میعاد تین سال بھی بیان کر دی ہو تب بھی یہ الہام جھوٹے ' ان کی عمر نہ بڑھی ' ڈاکٹر عبدالحکیم ان کے سامنے نہ مرے بلکہ مرزا جی ان کو اچھا بھلا چھوڑ کر چل دیئے۔

پس وہ مفتری۔ کاذب اور شریر ثابت ہوئے۔

حافظ جی کی اور دلیری دیکھئے۔ ع...... چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

ہم سے پوچھتے ہیں (آخری صفحہ کے حاشیہ کی سطر کو ذرا غور سے پڑھئے)

''اس میں یہ کہاں لکھا ہے کہ مرزا صاحب کی زندگی میں ڈاکٹر مرے گا؟

ہم جواب دیں یا ناظرین خود جواب دے لیں گے ہمیں ضرورت نہیں کہ ہاں ہاں اسی میں لکھا ہے کہ:

''عبدالحکیم خان میرے سامنے آسمانی عذاب سے ہلاک ہوگا''۔ اسی میں لکھا ہے کہ:

''وہ خود تیری آنکھوں کے سامنے اصحاب فیل کی طرح نابود اور تباہ ہوگا''

ہمیں یقین ہے کہ اب ہمارے ناظرین ہی ان سے کہہ دیں گے کہ آنکھیں ہوں تو دیکھو دندان شکن جواب اس کو کہتے ہیں۔

حافظ جی کے متعلق تو ہمیں اُمید نہیں ہاں ہمارے وہ بھولے بھالے افراد جو ان کے بہکائے میں آ کر مرزائیت کا شکار ہو گئے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس ہدایت تامہ ہی کے ذریعہ بحول اللہ وقوتہ ہدایت پا جائیں تو اچھا ہو۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

التحقیق الصحیح فی حیات المسیح

امام بخاری پر اعتراض کی تہمت

حافظ جی کو ان کے مزعومہ مجدد کی وراثت میں اور کچھ ملا یا نہ ملا مگر اس کا ہم نے ضرور اندازہ لگا لیا کہ جھوٹ کا ورثہ ان کو کافی مقدار میں نصیب ہوا۔ اسی لئے وہ ایسے بیان کے متعلق بھی جھوٹ بولتے ہوئے ذرا نہیں شرماتے۔ جس کے سننے والے اُن کے پڑوس ہی میں بہت سے موجود ہیں۔

ہم نے ''متوفیک'' کے معنوں (حافظ جی نے اسی طرح لکھا ہے) کے

متعلق بخاری پر اعتراض" ہرگز نہیں کیا بلکہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ اللہ الباری کی ذمہ داری کے متعلق یہ بیان کیا کہ وہ اپنی صحیح میں جہاں سند صحیح کے ساتھ احادیث کو ذکر فرماتے ہیں وہاں تعلیقات کو بھی ذکر کرتے ہیں (حافظ جی تو شاید تعلیق کی اصطلاح کو بھی نہ جانتے ہونگے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ قول جو امام بخاری نے نقل کیا اور مرزائی اس کو بڑی شدومد سے دلیل میں لاتے ہیں اس کو امام صاحب نے مستند احادیث میں داخل نہیں فرمایا بلکہ تعلیقات ہی کے ضمن میں ذکر کیا اور امام بخاری کی تعلیقات و آثار موقوفہ علی الصحابہ کے متعلق علامہ سخاوی فتح المغیث میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

صحیح بخاری کی روایات میں صحت کی ذمہ داری لے کر امام بخاری جس چیز کو نقل فرماتے ہیں وہ صرف وہی احادیث ہیں جن کی سند انہوں نے بیان فرمائی "دُوْنَ التَّعَالِيْقِ وَالْاٰثَارِ الْمَوْقُوْفَةِ عَلَى الصَّحَابَةِ نہ کہ تعلیقات اور وہ آثار جو صحابہ پر موقوف ہیں"۔ بقول سخاوی امام بخاری ان کی ذمہ داری ہی نہیں لیتے۔

ہمارے اس کہنے کو "امام بخاری پر اعتراض" سے تعبیر کرنا ایک کھلا افترا ہے امام بخاری روایت میں بے حد محتاط جانتے تھے کہ اس اثر ابن عباس کے راوی ایسے مستند نہیں ہیں جیسے اوران احادیث کے جو انہوں نے ذکر فرمائیں۔ اسی لئے انہوں نے اس کو بسند ذکر ہی نہیں فرمایا کہ ان پر ذمہ داری رہے۔

اب وہ جرح ملاحظہ کیجئے جو اس اثر کے راوی پر علمائے رجال نے فرمائی۔ ہم نے اپنی طرف سے بے ثبوت نہ کچھ کہا نہ کہیں احادیث و آثار کی جانچ پڑتال کتب

اسمائے رجال سے ہوتی ہے اور اس کا یہ طریق۔

قسطلانی نے اس اثر کے اسناد کو اس طرح ذکر فرمایا:

"وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِيْمَا رَوَاهُ ابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ مِنْ طَرِيْقِ عَلِيِ بْنِ طَلْحَةَ عَنْهُ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى يَا عِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ مَعْنَاهُ مُمِيْتُكَ" یعنی اس اثر کو حضرت ابن عباس سے علی ابن طلحہ روایت کرتے ہیں۔ لہذا قواعد فن رجال کے مطابق علی ابن طلحہ کو دیکھا جائے گا کہ ان کی کیفیت کیا ہے۔

(۱) میزان میں موجود کہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں "اشیاء منکرات" وحیم کہتے ہیں کہ علی بن طلحہ نے ابن عباس سے تفسیر سنی ہی نہیں۔

(۲) خلاصہ میں کہا گیا: قسوی فرماتے ہیں کہ علی بن طلحہ ضعیف ہے۔

(۳) تقریب میں ہے علی بن طلحہ سالم مولی بنی عباس سکن حمص ارسل عن ابن عباس ولم یرہ من السادسہ۔

پس جو چھوٹی عمر میں ابن عباس سے جدا ہوئے ان سے تفسیر کو سنا ہی نہیں۔ منکرات کے روای اور پھر ضعیف۔ ایسے راوی کی روایت سے استناد اور صاف صاف صریح آیات قرآن کریم اور امام بخاری ہی کی روایت کردہ اصح احادیث کے معنی کو بدلنا مرزائی فریب اور دھوکا نہیں تو کیا ہے۔ پھر اگر ابن عباس کے ہی قول سے استناد ہے تو اُن کے بتائے ہوئے پورے معنی کو نہ ماننا صرف ایک لفظ کو لینا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ. (پ ۵ سورہ النساء آیت ۴۳) (نماز کے قریب ہی نہ جاؤ) کو ماننا اور وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (درآنحالیکہ تم نشہ میں ہو) کو چھوڑ نا اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ

وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (پ ا، سورہ البقرہ، آیت ۸۵) نہیں تو کیا ہے؟ ابن عباس ہی کی بات مانتے ہیں تو دل ماشاد آنکھیں کھولیں اور دیکھیں کہ انہوں نے متوفیک کے معنی ممیتک کس مطلب سے کیے اور وہ اس وعدہ ممیتک کے پورا ہونے کا وقت کب بتا رہے ہیں۔ (درمنثور جلد ۲، صفحہ ۳۶)

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَوْلَہٗ عَزَّوَجَلَّ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ " قَالَ اِنِّیْ رَافِعُکَ ثُمَّ مُتَوَفِّیْکَ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ۔

ابن عباس سے مروی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ کے متعلق فرمایا "میں تمہیں اٹھانے والا ہوں اور پھر آخر زمانہ میں تمہاری توفی کرنے والا ہوں"۔

یعنی چونکہ واؤ ترتیب کیلئے نہیں ہوتا لہذا ابن عباس اس امر کے قائل ہیں کہ پہلے رفع ہو گیا اور توفی آخر زمانہ میں ہوگی اور زیادہ تفصیل دیکھئے طبقات کبریٰ مطبوعہ یورپ جلد اول ص ۲۶ پر موجود ہے۔ اَخْبَرَنَا ھِشَامُ بْنُ السَّائِبِ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ (اس سند کے بعد ایک طویل اثر کو ذکر فرمایا جس میں حضرت عیسیٰ کے اٹھائے جانے کا مفصل حال ہے اس کا آخری جملہ یہ ہے) اِنَّ اللّٰہَ رفعه (اے عیسیٰ بن مریم علیہا السلام) بجسده وانه حی الان و سیرجع الی الدنیا فیکون فیها ملکا ثم یموت کما یموت الناس ۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کو ان کے جسم کے ساتھ اٹھا لیا۔ یقیناً وہ اب زندہ ہیں اور عنقریب دنیا کی طرف لوٹیں گے اس میں بادشاہ بنیں

گے پھر جس طرح اور آدمی مرتے ہیں اُسی طرح مریں گے۔

ناظرین نے دیکھ لیا کہ ابن عباس کس صراحت کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں۔

ع...... جو اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو اُس بُت کو خدا سمجھے

حافظ جی کا پانچ سو روپیہ انعام

تین مہینے خواب غفلت میں پڑے رہنے کے بعد لوگوں کے جھڑ جھڑانے سے ذرا آنکھ کھلی تو نیند کی اونگھ میں حافظ جی کو وہی گرو جی کی پرانی چال یاد آئی۔ جس میں سادہ لوح بہت جلد پھنس جاتے ہیں۔ حافظ جی میں اگر ہمت و جرأت تھی تو ہمارے بلانے ہی پر کبھی سامنے آتے۔ ہم کیا ہیں کہ ہماری علمیت وہ دیکھتے۔ ہاں اللہ جل وعلا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ رضی اللہ عنہم وائمہ نے جو کہا ہے وہ انہیں سناتے اور دکھاتے۔ اُس وقت اُن کی انعام بازی کی ساری قلعی کھل جاتی۔ روپیہ کے لالچی تو حافظ جی ہی ہو نگے کہ ماہانہ سو روپیہ کیلئے باوصف بے علمی اشتہار بازی پر مجبور ہوئے ہم یقیناً پہلے روز ہی کے مسلمان بچوں کی تعلیم کیلئے' جو مرزائیوں کے ہاتھوں برباد ہو رہی ہے' اُن سے کہتے کہ پانچ سو روپیہ کسی معتمد کے پاس جمع کیجئے اور نفس جواب لیجئے۔ اب کہ ہم اپنے بھولے بھالے بھائیوں کو سمجھانے کیلئے یہ سطور لکھ رہے ہیں حسبۃً لِلّٰہ انہیں مرزائی چال کا پول کھول کر دکھائے دیتے ہیں۔

حافظ جی لکھتے ہیں اور اپنی طرف سے نہیں اپنے گرو جی کی عمر بھر کی علمی پونجی کا خلاصہ سامنے لاتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ایک بھی ایسی مثال قرآن سے حدیث سے لغت عرب سے پیش کر دیں کہ فعل توفی باب تفعل سے ہو اور اس کا فاعل اللہ ہو اور مفعول کوئی انسان ہو اور پھر اس کے معنی قبض روح کے سوا قبض جسم وغیرہ کے ہوں“۔...... یہ تو ایک علیحدہ بات ہے کہ چونکہ شاید اونگھ کی حالت میں حافظ جی لکھ رہے ہیں لہذا مرزا جی کی پوری تحریر یا تو سمجھ ہی میں نہ آئی یا لکھتے وقت پھر جھونکا آ گیا لہذا اُن کے دعوے کو پوری طرح نہ لکھ سکے بہرنوع ہمیں تنقیح دعویٰ کیلئے اوّل یہ دکھانا ہے کہ:

(۱) قبض روح سے مرزا جی کی کیا مراد ہے؟ اور ان کے نزدیک اس کے کیا معنی؟۔(ازالۃ الاوہام ص۸۲۶)

(ا) تمام مقامات میں توفی کے معنی موت اور قبض روح کئے گئے۔

(ب) ازلۃ الاوہام ص۸۸صرف ایک ہی معنی قبض روح اور موت کیلئے مستعمل تھا

(ج) ازالۃ الاوہام ص۳۳۵،اوّل سے آخر تک قرآنی محاورہ یہی ثابت کرتا ہے کہ ہر جگہ درحقیقت توفی کے لفظ سے موت ہی مراد ہے۔

ان تینوں حوالوں نے بتا دیا کہ مرزا جی کے نزدیک قبض روح اور موت دونوں ایک ہی چیز ہیں۔قبض روح کے معنی موت اور موت کے معنی قبض روح۔

اب اسی آیت کو لیجئے جو حافظ جی نے خود لکھی فقط ہم ہی نہیں کہتے بلکہ خود مرزا جی اور ان کی ذریت بھی یہی کہنے پر مجبور ہوگی۔ ہر ترجمہ قرآن کریم یہی بتائے گا اور معمولی علم والا بھی جان جائے گا کہ اس آیت میں توفی کے معنی موت کے نہیں۔

هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ (پ۷،سورہ انعام آیت ۶۰)

(وہی ہے جو تم کو رات کے وقت لے لیتا ہے اور جانتا ہے کہ تم نے دن میں کیا کیا)

کیا بقول مرزا جی کوئی عقل والا یہاں یہ معنی کر سکتا ہے کہ وہی ہے جو تم کو رات کے وقت مار ڈالتا ہے؟ اور کیا ہر آدمی رات کے وقت مر جاتا ہے۔

غور سے دیکھ لیجئے کہ توفی باب تفعل سے ہے، فاعل اللہ ہے مفعول انسان ہے اور معنی موت کے نہیں بلکہ نیند کے ہیں۔

اگر مرزائی یہ کہیں کہ نیند بھی تو مجازی موت ہے جیسا کہ مرزا جی نے فرمایا ازالۃ الاوہام ص۳۳۲، ”اس جگہ توفی سے مراد حقیقی موت نہیں بلکہ مجازی موت مراد ہے جو نیند ہے“۔تو اس مجازی کا جواب خود مرزا جی کے کلمات ازالۃ الاوہام ص۳۳۵ میں کلمہ درحقیقت سے لیجئے یا تو یہ کہیئے کہ نیند درحقیقت موت ہے اور یا یوں کہیئے کہ توفی کے معنی درحقیقت موت نہیں۔ نیند کو حقیقی موت تو کوئی احمق ہی بتائے گا لہذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ توفی کے معنی درحقیقت موت نہیں۔

پس جب توفی کے معنی موت کے کرتے ہوئے بھی مرزا جی کے نزدیک اس سے مجازی موت یعنی نیند مراد لی جا سکتی ہے تو انہیں سوائے اپنے دعوے مسیحیت کے بطلان کے خوف کے اور کون سی دشواری حائل ہے کہ وہ انسی متوفیک میں بھی ایسی ہی مجازی موت یعنی نیند مراد لے لیں جبکہ اثر امام حسن بصری رضی اللہ عنہ بھی اس کی تائید میں موجود اور بعض مفسرین اہل حق نے اس مراد کو ذکر بھی فرمایا۔

پس یہ تو اچھی طرح واضح ہو گیا کہ توفی کے معنی درحقیقت موت نہیں، تو دیکھنا یہ ہے کہ درحقیقت اس کے کیا معنی ہیں؟

کتب لغت میں تصریح کے ساتھ موجود کہ اَلتَّوَفِّیْ اَخْذُ الشئی وَافِیاً۔ توفی کے (حقیقی) معنی ہیں کسی چیز کو پورا پورا لے لینا۔ موت کے معنی کیونکر ہو سکتے ہیں؟ اس کو علامہ زمخشری جن کی امامت لغت عرب کو مرزا جی بھی تسلیم کرتے ہیں صاف بتا رہے ہیں کہ: "مِنَ الْمَجَازِ تَوَفِّیْ وَ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ اَدْرَکَتْہُ الْوَفَاۃُ"۔ یعنی توفی کے معنی موت کے مجازی ہیں حقیقی نہیں۔ مجازی معنی موت یا نیند وغیرہ میں اُسی وقت لیا جائے گا جبکہ کوئی قرینہ موجود ہو ورنہ اپنے اصلی و حقیقی ظاہری معنی میں رہے گا۔

قرآن حدیث سمجھنے کیلئے اصول کا متفق علیہ مسئلہ کہ:

(۱) اَلنُّصُوصُ یُحْمَلُ عَلٰی ظَوَاھِرِ ھَاوَصَرْفُ النُّصُوْصِ عَنْ ظَوَاھِرِ ھَا اِلْحَاد ۔نصوص کو ان کے ظاہری معنی پر حمل کیا جائے گا نصوص کو ظاہری معنی سے پھیرنا الحاد ہے۔

(۲) اَللَّفْظُ یُحْمَلُ عَلَی الْحَقِیْقَۃِ مَالَمْ یُصْرِفُ عَنْھَا صَارِفٌ لفظ اپنے حقیقی معنی پر حمل کیا جائے گا۔ جب تک کہ اس کو کوئی پھیرنے والا (قرینہ) (ظاہری معنی سے) نہ پھیر لے۔ ان لغت و اصول کی باتوں کو سیدھے سادھے لفظوں میں یوں سمجھ لیجئے کہ توفی کے اصلی معنی ہیں پورا پورا لینا۔ پس جہاں کہیں بھی یہ لفظ استعمال کیا جائے گا۔ اس کے اول یا بعد کے الفاظ قرینہ بن کر بتا دیں گے کہ کس چیز کا پورا پورا لینا مراد ہے۔ اگر آگے پیچھے کا کوئی لفظ یا جملہ یہ ظاہر کرے گا کہ موت مراد ہے تو مجازی معنی موت کے ہو جائیں گے۔ نیند کا قرینہ ہوگا تو نیند کے جزا و سزا کا ذکر ہوگا تو اس کے 'حق لینے کا بیان ہوگا تو اس کے 'غرض جیسا قرینہ ہوگا ویسے معنی مثلاً دوسری آیت لیجئے۔

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰکُمْ وَ مِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ۔

(پ۱۴، سورہ النحل، آیت ۷۰)

اس میں یرد الی ارذل العمر کا قرینہ معنی موت پر دلالت کرنے والا۔ اسی طرح مرزا جی نے موت کے معنی ظاہر کرنے کیلئے ازالۃ الاوہام میں ص ۳۳۰، ۳۳۲ پر بہت سی آیتیں لکھیں مگر ان سب میں آگے پیچھے کے لفظ موت کا قرینہ ہیں۔ اسی لئے موت کے معنی۔ اور دیکھئے اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَ یُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی ط۔ (پارہ ۲۴، سورہ زمر، آیت ۴۲) یہاں ایک ہی آیت میں توفی کی دو شانیں موجود، ایک موت کی کیفیت' دوسری نیند کی حالت ۔ دیکھنا یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں کون سی صورت ذکر کی گئی۔ جیسا کہ ہم نے ابھی بتایا کہ قرینہ توفی کی مراد کو واضح کرے گا وہاں بھی ہمیں قرینہ ہی دیکھنا ہوگا۔

حافظ جی نے تو غالباً ذوق کے سبب عجب بے تکا سوال کیا ہے کہ:

"توفی کے معنی قبض روح کے سوا قبض جسم وغیرہ کے ہوں"۔

پہلے تو انہیں یہ غور کرنا چاہیئے کہ یہ دعویٰ کس نے کیا کب کیا کہاں کیا؟

"کہ کلمہ توفی ہی کے حقیقی معنی صرف قبض جسم ہیں"۔

مسلمانوں کا دعویٰ تو لغت کی رو سے صرف اس قدر ہے کہ "توفی کے حقیقی معنی پورا پورا لینے کے ہیں"۔ اگر کسی میں حوصلہ ہو تو یہ دکھائے کہ توفی کے معنی پورا لینے کے نہیں بلکہ صرف موت ہی کے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ" لینے کے ساتھ جو قرینہ ہوگا

اسی قرینہ کے مطابق "لینے" کا مطلب ہوگا۔ اب دیکھئے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق جہاں وعدۂ متوفیک فرمایا گیا ہے وہاں کیا قرینہ ذکر میں آیا۔ آیہ کریمہ ہے:

یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ ۔ الآیہ (اس آیت کا ترجمہ ہم مزید اتمام حجت کیلئے وہی کئے دیتے ہیں جو جناب مرزا جی کے خلیفہ اوّل صاحب نے کیا ہے)

اے عیسیٰ میں لینے والا ہوں تجھ کو اور بلند کرنے والا ہوں تجھ کو اپنی طرف۔

قرائن (۱) حق تعالیٰ خطاب کرتا ہے عیسیٰ علیہ السلام سے۔ یہ ایک نام ہے کس کا؟ روح اور جسم دونوں کے مجموعہ کا۔

(۲) توفی (پورا لینے) کا اطلاق کس پر ہوگا؟ عیسیٰ علیہ السلام کے وجود یعنی روح وجسم دونوں پر۔

(۳) رفع (اُٹھانا) کس چیز کا ہوگا؟ روح اور جسم دونوں کا۔

(۴) توفی (پورا پورا لینا) رفع (روح وجسم کا اُٹھانا) کس کی طرف ہوگا؟ اللہ کی طرف پس ان قرائن نے صاف کر دیا کہ یہ توفی ایک علیحدہ قسم کی توفی ہے جس میں نہ نیند کی کیفیت نہ موت کی صورت بلکہ شکل ہی سب سے جدا یعنی توفی مع الرفع اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اسی طرح خاص جیسے بغیر باپ کے پیدا ہونا انہی کے لئے مخصوص۔ اس توفی کا نمونہ کسی آیت یا حدیث میں کسی دوسرے شخص کیلئے طلب کرنا سراسر بے ہودگی بلکہ فریب اور دھوکہ دہی۔ اس شان کی توفی کا وعدہ کسی کے ساتھ کیا ہی نہیں گیا اور نہ کسی کی توفی اس طرح ہوئی بلکہ جس طرح ان کے پیدا ہونے کے انداز میں اعجاز اسی طرح ان کی توفی بھی اعجازی۔ نظر بریں ہمیں خیال آتا

ہے کہ ہندوستان میں ایک صاحب نے حیات مسیح علیہ السلام کو بدلائل ساطعہ ثابت کرتے ہوئے مرزائی چیلنج کا جواب دیتے ہوئے تمام مرزائی پارٹی کو

ایک ہزار روپیہ انعام کا چیلنج

دیا کہ اگر فعل توفی رفع کے ساتھ مستعمل ہے اور فاعل دونوں کا اللہ ہو اور مفعول ذی روح ذات واحد ہو تو وہاں توفی کے معنی **اخذ مع الرفع** ہی کے ہوں گے نہ کوئی اور معنی۔ اگر کوئی مرزائی سارے قرآن کریم میں ایک مقام پر بھی اس کے خلاف دکھا دے تو اُسے مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام ملے گا۔

اس چیلنج کو دیئے ہوئے بھی برسوں گزر گئے مگر آج تک کسی مرزائی کو جواب کی جرأت نہ ہوئی۔ اس امر پر تمام مسلمانوں کا یقین وایمان کہ یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ سلام الرحمٰن بھی انسان اللہ کے بندے اور رسول عظیم الشان۔ بے شک حسب فرمان واخبار عالم ما یکون وکان سید انس وجان علیہ سلام الملک المنان اس دنیا میں مکرر تشریف لائیں گے نکاح کریں گے۔ دجال کو قتل فرمائیں گے پھر مدینہ منورہ ہی میں انتقال فرمائیں گے اور وہیں مقبرۂ مبارکہ میں دفن کئے جائیں گے۔ حافظ جی نے آیہ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (پ۴، سورہ آل عمران، آیت ۱۸۵) لکھی۔ مرزا جی نے ساری اس قسم کی آیتوں کو جمع کر کے اپنی انتہائی قوت صرف کر دی مگر سب بیکار گئی۔ اس لئے کہ ان کو تو اس وقت پیش کیا جائے جبکہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام پر کبھی موت ہی نہ آئے گی۔ بے شک بے شک وہ رجوع الی اللہ جس کے بعد

پھر دنیا کی طرف نہ لوٹیں، ہوگا اور ضرور ہوگا ابھی رفع الی اللہ ہوا ہے۔

یہ کہنا کہ ''اگر کسی نبی کو آئندہ کیلئے زندہ رکھنا خدا کی سنت ہوتی تو حضرت رحمۃ للعالمین (فداہ ابی وامی) کو رکھتا''۔ کتاب سنت سے جہالت پر مبنی۔ ممکن ہے کل کو کوئی یہ بھی کہے کہ اگر کسی نبی کو بغیر باپ کے پیدا کرنا خدا کی سنت ہوتی تو حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح بے باپ کے پیدا کرتا۔ اسی طرح دیگر معجزات انبیاء علیہ السلام کا ذکر بھی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن دنیا جانتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ نرالی توفی اور دوبارہ تشریف آوری کمالات محمدی (ﷺ) ہی کے اظہار کے لئے ہوئی کہ بنی اسرائیل کے نبی اولوالعزم بھی دنیا میں تشریف لائیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب وخلیفہ بن کر خدمات اسلام بجالائیں تا کہ بنی اسرائیل کے وہ لوگ جو مرض امتیاز نسلی میں مبتلا ہو کر یہ کہتے ہیں کہ ہم بنی اسماعیل میں پیدا ہونے والے نبی کو نہیں مانتے۔ ان کی گردنیں ٹوٹ جائیں اور وہ اسرائیلی نبی حضرت مسیح ناصری کو رحمۃ للعالمین سید المرسلین (ﷺ) کی اطاعت وخلافت کرتے ہوئے دیکھ کر سب کے سب اسلام لائیں اور سمجھ جائیں یہ نبی سارے عالم کے نبی ان کی اُمت میں نہ گورے کالے کا فرق نہ حسب ونسب کا امتیاز سب مساوات کے ساتھ ان کے دین میں داخل اور ساری دنیا ان کی امت میں شامل۔

حضور نے فرمایا **بعثت الی الاسود و الاحمر** میں تو کالے اور سرخ سب کیلئے مبعوث کیا گیا۔ رنگ ونسل کے امتیاز کو حضور نے مٹایا آج اگر مرزائی متنبی کو اصلی وحقیقی مسیح ناصری (سلام اللہ علیہ) کے مقابلہ میں نقلی وجعلی مسیح بننے کی غرض سے

ان کے ساتھ عناد و دشمنی ہے تو ہوا کرے اور ان کے چیلے اگر اسی عداوت کا اظہار بدیں الفاظ کرتے ہیں کہ ہمیں بنی اسرائیل کے نبی کی حاجت نہیں'' تو کیا کریں سارے عالم کے نبی فداہ ابی وامی اس ہرزہ سرائی کا جواب پہلے ہی فرماگئے کہ **انـــا اولـی الـنـاس بعیسیٰ بن مریم** ۔الخ۔ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار شان ہی کے لئے رب عزت نے یہ حکمت رکھی کہ ظہور حضرت امام مہدی علیہ السلام کے وقت حضرت مسیح ناصری علیہ السلام نزول فرمائیں تا کہ دنیا پر ظاہر ہوجائے کہ فاطمی النسل محمد بن عبداللہ مہدی علیہ السلام امامت کررہے ہیں اور بنی اسرائیل کے نبی ان کے مقتدی۔ اگر کوئی جدید صاحب شریعت نبی آپ کے بعد آتے تو:۔

(۱) وعدۂ ختم نبوت کے خلاف ہوتا۔

(۲) ان کی شریعت کی ضرورت وعدۂ تکمیل دین کے خلاف ہوتی۔

اگر غیر صاحب شریعت جدید نبی آتے تو:۔

(۱) وعدۂ خاتم النبیین کے خلاف ہوتا۔

(۲) ایسے نبی تو اور انبیاء کے بعد بھی آئے اس میں شان تخصیص نہ رہتی۔

سید المرسلین نبی الانبیاء جن کی نبوت کا میثاق سب رسل وانبیاء سے لیا گیا (ﷺ) ان کی خاص شان کا اسی طرح اظہار کہ نبی اولوالعزم صاحب شریعت (جن کی شریعت نافذ ہوئی مگر شرع مصطفوی سے منسوخ ہوچکی) تشریف لائیں مگر تابع شرع مصطفوی بن کر اور مصداق **یکون خلیفتی علی امتی** ہو کر۔ اسی لئے اس دلفریب منظر کو اس شادمانی وخوشی کے وقت کو حضور انور ﷺ اس طرح پیش فرماتے ہیں۔ (بیہقی ص ۳۰۱)

Scanned by CamScanner

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللّٰه عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ مِنَ السماء فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ ۔تم اس وقت کیسے (خوش) ہو گے جب عیسیٰ بن مریم آسمان سے تم میں نزول فرما ہونگے اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا۔

اَللّٰهُمَّ اٰمنا و صدقنا بما اخبرنا نبینا صلی اللّٰه علیه وسلم۔

ان عیسیٰ علیه السّلام لَمْ یَمُتْ و انه راجع الیکم قبل یوم القیٰمه ان عیسیٰ (علیه السّلام) یاتی علیه الفنا

مذکورۂ بالا احادیث کے متعلق حافظ جی نے ناحق یہ کہنے کی بھی تکلیف گوارا فرمائی کہ ’’یہ کوئی معتبر روایتیں نہیں نہ صحاح ستہ میں ان کا وجود پھر قرآن ان کو رد کررہا ہے۔صحیح حدیثیں ان کو رد کررہی ہیں‘‘۔

یہاں انہوں نے یقیناً حق شاگردی مرزا ادا نہیں کیا انہیں وہی کہنا چاہیئے تھا جو ایسے مواقع پر مرزا جی نے کہا جب کبھی علما نے کلام الٰہی کی تفسیر میں احادیث کو پیش کیا اور مرزا جی کا دم بند ہوا تو مرزا جی نے جھٹ کہہ دیا کہ:

(۱) ’’جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اُسے اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کرے‘‘۔(حاشیہ تحفہ گولڑویہ ص ۱۰)

(۲) ’’اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں‘‘۔(اعجاز احمدی ص ۳۰)

مسلمان تو یقیناً قرآن کریم کو اُسی طرح سمجھتے ہیں جس طرح حضور صاحب وحی و کتاب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں سمجھایا۔مرزا جی نے جب قرآن ہی کے متعلق یہ فرما دیا کہ ’’زمین سے اُٹھ گیا تھا میں آسمان سے لایا ہوں‘‘ تو حدیثوں کا انکار کر دینا ان کے لئے کیا بڑی بات تھی۔

حافظ جی کو تو خبر نہیں مگر ہاں دین سے معمولی حصہ پانے والا بھی جانتا ہے کہ یہ کہنے سے کہ ’’کوئی معتبر روایتیں نہیں نہ صحاح ستہ میں ان کا وجود‘‘۔الخ۔کوئی حدیث غیر معتبر نہیں ہوسکتی۔کیا صحاح ستہ کی حدیثوں کے سوا تمام احادیث غیر معتبر ہیں؟ اور کیا صحاح ستہ کی کسی حدیث میں کسی قسم کا ضعف ہے ہی نہیں؟ (اللہ اس جہالت سے پناہ میں رکھے)

پہلی حدیث علامہ ابن کثیر و ابن جریر نے اپنی اپنی تفاسیر میں باسناد صحیحہ نقل فرمائی۔ایک سند ہم نقل کئے دیتے ہیں:

قَالَ ابن ابی حاتم حدثنا ابی حدثنا احمد بن عبدالرحمٰن حدثنا عبد اللّٰه بن ابی جعفر عن ابیه حدثنا الربیع بن انس عن الحسن قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم للیهود ان عیسیٰ لم یمت و انه راجع الیکم قبل یوم القیمة ۔رسول ﷺ نے یہود سے فرمایا کہ یقیناً عیسیٰ (علی نبینا و علیہ السلام) نہیں مرے اور وہ یقیناً تمہاری طرف قیامت کے دن سے پہلے لوٹ کر آنے والے ہیں۔

(۲) وفد نصارے بنی نجران کے دربار رسالت میں حاضری کا واقعہ سیرت کی

کتابوں میں اس قدر شہرت کے ساتھ ذکر کیا گیا کہ تاریخ اسلام سے ادنیٰ مناسبت رکھنے والے کو بھی اس کی خبر ہو گی۔ ابن ہشام نے تفصیل لکھی جس کا دل چاہے دیکھ لے ہم نے اس واقعہ کے صرف اس قدر حصہ کو نقل کیا جس کا ہمارے مضمون سے تعلق تھا۔ اب اس کی سند بیان کئے دیتے ہیں۔

اَخْرَجَ ابْنُ جَرِيْرٍ وَ ابْنُ اَبِىْ حَاتِمٍ عَنِ الرَّبِيْعِ قَالَ اِنَّ النَّصَارٰى اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَاصَمُوْا فِىْ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ (عَلَيْهِمَا السَّلَامُ) وَ قَالُوْا لَهٗ مَنْ اَبُوْهُ وَ قَالُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ الْبُهْتَانَ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ لَا يَكُوْنُ وَلَدٌ اِلَّا وَهُوَ يُشْبِهُ اَبَاهُ قَالُوْا بَلٰى قَالَ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَبَّنَا حَىٌّ لَا يَمُوْتُ وَ اَنَّ عِيْسٰى يَاْتِىْ عَلَيْهِ الْفَنَا قَالُوْا بَلٰى ۔ نصاریٰ حضور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے باب میں مخاصمہ کرنے لگے اور کہا کہ (اچھا بتاؤ) ان کا باپ کون ہے؟ پھر خدا پر جھوٹ بہتان باندھنے لگے (یعنی ان کو خدا کا بیٹا بتایا) حضور ﷺ نے فرمایا تم نہیں جانتے بیٹا ہمیشہ باپ سے مشابہ ہوا کرتا ہے انہوں نے کہا ہاں حضور نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب تو ایسا زندہ ہے کہ کبھی مرے ہی گا نہیں اور یقیناً عیسیٰ علیہ السلام پر فنا آئے گی وہ بولے بیشک۔ یا للعجب کہ اصلی مسیحی تو حضور کے سامنے "بلیٰ" کہیں مگر جعلی و نقلی مسیح کے پیرو "لا" ہی کہے جائیں۔

حضور اکرم ﷺ فرمائیں کہ وہ ابھی نہیں مرے بلکہ مریں گے یہ کہے جائیں کہ نہیں وہ تو مر گئے۔ حافظ جی کا یہ کہنا کہ "قرآن ان کو رد کر رہا ہے، صحیح

حدیثیں ان کو رد کر رہی ہیں"۔ یہ صرف کہنا ہی کہنا ہے اگر حوصلہ تھا تو کسی ایک آیت ہی میں دکھایا ہوتا کہ "ان عیسیٰ مات" "عیسیٰ مر گئے"۔ قرآن کریم میں تو کسی جگہ حضرت عیسیٰ کے لئے "موت" کا لفظ استعمال ہی نہ کیا گیا مگر وہیں جہاں اُن کے دوبارہ آنے کے بعد تمام اہل کتب کے ایمان لانے کا واقعہ بیان ہوا یعنی ان من اهل الكتب الا ليومنن به قبل موته (پ۶، سورہ النساء آیت ۱۵۹) (اس کا ترجمہ بھی ہم وہی لکھ دیں جو مرزا جی کے خلیفہ نمبر ا نے لکھا شاید مرزائی اس کو دیکھ کر ہی ہدایت پائیں)

(فصل الخطاب جلد ۲ صفحہ ۸۰)

"ترجمہ" نہیں کوئی اہل کتاب سے مگر البتہ ایمان لائے گا ساتھ اس کے (عیسیٰ علیہ السلام کے) پہلے موت اس کی (عیسیٰ علیہ السلام کی) کے"۔

رہی توفی اس کی کیفیت ہم ظاہر کر ہی چکے۔

حافظ جی نے صحیح احادیث کا نام تو لیا مگر کوئی ایک حدیث ہی نقل کی ہوتی جس میں یہ موجود ہوتا کہ "عیسیٰ بن مریم مر گئے"۔ علمائے اسلام برسوں سے مرزائیوں کو للکار رہے ہیں کہ کوئی ایک حدیث ایسی ہی سہی جیسی ہم پیش کر رہے ہیں دکھاؤ جس میں موجود ہو کہ "عیسیٰ بن مریم مر گئے"۔ مگر آج تک نہ کوئی دکھا سکا نہ دکھا سکے۔ ہاں اپنی خود رائی سے قرآن کریم کے معنی بدلے۔ احادیث کے معنی بدلے۔ اصح احادیث میں بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ بن مریم آسمان سے منارہ شرقی دمشق پر دو فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اُتریں گے۔ باب لد پر دجال کو قتل کریں گے۔ ۴۰، ۴۵ برس زندہ رہیں گے۔ سرکار دو عالم کی قبر انور پر حاضر ہو کر سلام عرض

کریں گے ۔ پھر مدینہ منورہ ہی میں انتقال فرمائیں گے ۔ وہیں حضور انور کے مقبرہ میں اس طرح دفن ہوں گے کہ ان کی قبر چوتھی ہو"۔ (ملخصاً)

اس سے زیادہ دجل وفریب اور کیا ہوگا کہ مرزا جی لغت کو بدلیں' صرف ونحو کو بدلیں' ناموں کو بدلیں ۔ اپنی ڈکشنری نئی بنائیں ۔ تعجب ان پر ہے جو ایسے کھلے کھلے امور کو دیکھتے ہوئے بھی ان کے فریب میں آئیں اور سمجھانے پر بھی راہِ راست نہ پائیں ۔

مرزائی ڈکشنری کا نمونہ ملاحظہ ہو

عیسیٰ بن مریم	غلام احمد بن گھسیٹی
دو فرشتے	نور الدین و محمد احسن
کدعہ	قادیان
باب (لُد)	شہر لدھیانہ
منارہ	نور کی جگہ (اور وہ منار جو مرزا جی نے چندہ سے بنایا
دمشق	ظہورِ مسیح
شریف	خاندانِ مغل
قبر	جنت یا دوزخ کا ٹکڑا
قرآن	وہ جو مرزا جی آسمان سے لائے ۔ (معاذ اللہ)
حدیث	وہ جس کو مرزا جی ردی کر کے نہ پھینکیں

وَغَیْرُ ذَالِکَ مِنَ الْمزخرفَات

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

خطبہ امام حسن

حافظ جی نے کسی جگہ حضرت امام حسن علیہ وعلی آبائہ السلام کے خطبہ کے کلمات دیکھ لئے لہٰذا بے سوچے سمجھے لکھ ڈالا تا کہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ ممات مسیح کے ثبوت میں ایک حوالہ دے تو دیا ۔ اگر ذرا عقل ہوتی' عربی زبان کا کچھ بھی علم ہوتا تو سوچتے کہ امام حسن نے حضرت علی کی رحلت کا ذکر فرماتے ہوئے صرف تاریخ کی اہمیت دکھاتے ہوئے حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور وہاں بھی اُسی مسلمانوں کے عام اعتقاد کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتقال کی کیفیت کو قبض کے لفظ سے ظاہر کیا مگر حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے وہ لفظ نہ استعمال کیا بلکہ عرج کہا ۔ اگر دونوں کی کیفیت یکساں ہوتی تو ایک لفظ استعمال ہوتا ۔ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع و عروج کا مسئلہ صحابہ و تابعین سے لے کر آج تک ایسا مشہور چلا آرہا ہے کہ جہاں کہیں کوئی بھی اس واقعہ کا کسی عنوان سے ذکر آتا ہے ۔ اس مخصوص کیفیت عروج کی طرف کسی نہ کسی انداز سے اشارہ کر ہی دیتا ہے ۔ وہی شان اس خطبہ کے کلمات میں بھی موجود ۔ حافظ جی نے حضرت ابن عباس کا نام لیا ہم نے ان کا عقیدہ پیش کیا ۔ اب امام حسن کا ذکر کیا لیجئے ان کا عقیدہ بھی ملاحظہ کیجئے ۔ (مشکوٰۃ ص ۵۸۳/۲)

امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کَیْفَ تَهْلِكُ اُمَّةٌ اَنَا اَوَّلُهَا وَالْمَهْدِیُّ وَسْطُهَا وَالْمَسِیْحُ اٰخِرُهَا ۔ وہ اُمت کیونکر ہلاک ہوسکتی ہے جس کا اوّل میں ہوں وسط امام مہدی ہیں اور آخر مسیح

(علیہ السلام) (یہاں یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ مہدی اور ہیں اور مسیح دوسرے (یعنی وہی مسیح بن مریم یہ مرزائیوں کا فریب ہے کہ مسیح و مہدی دونوں ایک ہی ہیں)

عمر مسیح علیہ السلام

ثبوت موت مسیح میں جناب حافظ صاحب حجج الکرامہ کی ایک روایت پیش کرتے ہیں۔ (غالباً ان کے نزدیک یہ کتاب صحاح ستہ میں داخل ہوگی اس لئے کہ بقول ان کے صحیح حدیثیں تو فقط صحاح ستہ ہی میں ہیں) علمائے محققین نے اس قسم کی تمام حدیثوں کو جمع فرمایا جس میں حضرت مسیح کی عمر کا ذکر آیا اور جو فیصلہ مختلف احادیث میں تطبیق دینے سے کیا جا سکا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۱۲۰ سال ان کی عمر شریف کی وہ پوری مدت ہے جو اس زمین پر انہوں نے گزاری اور گزاریں گے مرزائیوں کی عام عادت ہے۔ وہی مرض حافظ جی میں بھی کہ کہیں سے آدھا پاؤ جملہ لے لیا۔ حدیث کا کوئی جزو ذکر کر دیا تحقیق کرنا پورے جملوں پر نظر ڈالنا تطبیق دینا یہ علماء کا کام۔ حافظ جی کو اس سے کیا نسبت۔ تحریر طویل ہوتی جاتی ہے ورنہ ہم اس کی تفصیل بھی لکھ دیتے۔

قبر مسیح علیہ السلام

سامعین جلسہ وعظ کو یاد ہوگا ہم نے ترجمہ حدیث کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور رسول اکرم ﷺ کے مقبرہ میں دفن ہونگے اور قبر اور مقبرہ کا فرق معمولی اُردو پڑھے ہوئے بھی جانتے ہیں۔ حافظ جی کی دھوکہ دہی دیکھئے کہ اوّل ہمارے لفظ کو بدلا پھر یہ بے ہودہ بات تراشی کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

قبر کو شہید کرنے کی کون مسلمان جرأت کرے گا“۔ پھر قبر کی وہ نئی اصطلاح بتائی جو مرزائی ڈکشنری میں انہیں آنکھ بند کر کے نظر آئی اور اس تحریف نے بھی ان کی کچھ حاجت روائی نہ کی بلکہ موجب رسوائی ہوئی جیسا کہ عنقریب ظاہر ہوگا۔

ان تمام لغو باتوں کے جواب میں ہم اپنے ناظرین کو مختصراً وہ فیصلہ سنا دیں جو احادیث و آثار صحابہ میں موجود۔ ظاہری معنی کو بدلنا اور من گھڑت معنی لینا آپ نے دیکھ ہی لیا۔ اصول کا مسئلہ ہے کہ الحاد ہے۔ حدیث میں جو لفظ آئے ان کا کھلا مطلب آثار صحابہ میں دیکھئے۔

وہ امام بخاری جن کی تعلیق و روایت کردہ اثر پر بھی حافظ جی اور تمام مرزائی پورا اعتماد رکھتے ہیں اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں“ صاحب درمنثور اس کو ص ۲۴۵ ج ۲ پر بدیں الفاظ درج کرتے ہیں اخرج البخاری فی تاریخه عن عبد الله بن سلام قال یدفن عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام معه رَسُولُ اللّٰه صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ و ابی بکر و عمر فیکون قبرًا رابعًا۔ عبداللہ بن سلام جو یہود کے سب سے بڑے عالم، تورات و انجیل کے زبردست فاضل مانے جاتے تھے اور اجل اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دفن کیے جائیں گے۔ پس (ان کی قبر اس مقبرہ میں) چوتھی قبر ہوگی۔

اس مضمون کی ایک مرفوع حدیث علامہ ابن جوزی محدث نے کتاب الوفا میں نقل کی ہے جس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یَنْزِلُ عِیْسیٰ بْنُ

مَرْيَمَ اِلَى الْاَرْضِ فَيَتَزَوَّجُ وَ يُوْلَدُ لَهٗ وَ يَمْكُثُ خَمْسًا وَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَمُوْتُ فَيُدْفَنُ مَعِيَ فِيْ قَبْرِيْ فَاَقُوْمُ اَنَا وَ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ فِيْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ بَيْنَ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ. یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین کی طرف اُتریں گے پھر شادی کریں گے پھر ان کی اولاد ہوگی اور ۴۵ برس کے بعد رحلت فرمائیں گے۔ پھر میرے ساتھ میرے مقبرہ میں دفن کئے جائیں گے پھر حشر کو میں اور عیسیٰ بن مریم ایک مقبرہ سے اُٹھیں گے ابوبکر و عمر کے درمیان رضی اللہ عنہما۔ حافظ جی کہاں تک حدیثوں کا انکار کریں گے اور ان کی تحریف کو حدیثیں چلنے کب دیتی ہیں؛ قبر سے آپ نے باغ جنت مراد لیا تو قطع نظر اس کے کہ قبر کا لفظ اس معنی کیلئے نہ بنایا گیا نہ اس معنی میں مستعمل نہ کسی لغت میں قبر کے یہ معنی آئے نہ زبان عرب کا کوئی محاورہ اس کا شاہد لفظ دفن کو کیا کیجئے گا۔ باغ میں آرام کرنے کو دفن ہونا کس ملک میں بولتے ہیں۔ قادیان کا مخصوص محاورہ ہو تو عجب نہیں کہ وہاں کی ہر بات بے ڈھنگی۔ دنیا میں تو سیر تفریح آرام کو دفن نہیں بولتے پھر قبر کے معنی باغ جنت لینے پر رابعا کی صفت کیسے چسپاں ہو گی اور باغ جنت میں قبروں کی شمار کا کیا طریقہ ہوگا۔ تحریف کرتے شرم تو نہ آئی ہوگی اور تحریف بھی ایسی کھلی اور باطل تحریف کہ کوئی جاہل بھی نہ کرے۔ حدیث شریف میں سلسلہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُتریں گے پھر شادی کریں گے پھر اولاد ہوگی۔ ۴۵ برس دنیا میں رہ کر انتقال فرمائیں گے۔ پس میرے مقبرہ میں دفن کیے جائیں گے۔ ایسے موقع پر کوئی کودن بھی نہ کہے گا کہ قبر کے معنی مزار نہیں ہیں باغ جنت ہے باغ جنت تو اُن حضرات کے غلاموں کیلئے بھی ہے اور ان کی قبریں قطعہ جنت بنی ہوئی

ہیں، مگر قبر کے معنی کا انکار تو کسی طرح بنتا ہی نہیں۔ حدیث میں یہ بھی ہے کہ پھر (حشر کو) میں اور عیسیٰ (علیہ السلام) ایک مقبرہ سے اُٹھیں گے ابوبکر و عمر کے درمیان۔ اب اگر قبر کے معنی واقعی مراد نہ لو تو باغ جنت ہے۔ یہاں کس طرح مراد ہو سکتا ہے۔ حدیث شریف کا ایک ایک کلمہ حافظ جی کی اس تحریف کو باطل کر رہا ہے۔ مرزائیوں کی غیرت پر حیرت ہے کہ انہیں ایسی صریح باطل بات زبان سے نکالنے کی جرأت کس طرح ہوتی ہے۔

حافظ جی نے ہماری نقل کردہ ایک حدیث پر اور ہاتھ صاف کرنے کی کوشش بے جا کی۔ مگر بے چاروں نے حدیث پڑھی ہوتی تو یہ تمیز آتی کہ حدیث پر تنقید کس طرح کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے ناحق براہ عناد یہ لکھا کہ فلاں حدیث معتبر نہیں۔ ان کے لئے سیدھی سی بات وہی تھی جو مرزا جی نے کہی کہ ''جو حدیث ان کی مرضی کے خلاف ہو وہ ردی کی ٹوکری میں'' (معاذ اللہ) وہ ناحق صاحب کنز العمال کو بدنام کرتے ہیں اور ابن عساکر کی تمام روایتوں کو ناقابل اعتبار بتاتے ہیں۔ انہیں اتنی تمیز کہاں کہ کسی کتاب کو نامعتبر کہنا تو کیا حدیث کو ضعیف کرے گا اگر خاص کسی حدیث پر جرح مبہم کی جائے وہ بھی پایہ اعتبار سے ساقط نہیں ہوتی اور جرح مبہم کسی حدیث کو ناقابل استدلال نہیں کر سکتی ورنہ ہر حدیث کو جو چاہے نامعتبر بتا دیا کرے، کبھی اصول حدیث کو خواب میں بھی دیکھا ہے کچھ بودگی تھی تو وجہ ضعف لکھی ہوتی اور ایک حدیث ضعیف بھی ہوتی تو جب اس مضمون کی بکثرت صحیح حدیثیں وارد ہیں اور اس پر اُمت کا اجماع ہے تو انکار کا کیا محل؛ بلکہ فرض کرو کوئی اور حدیث اس مضمون کی نہ ہوتی صرف

ایک حدیث ہی ہوتی اور وہ بھی ضعیف ہوتی تو کیا قابل انکار تھی۔ بقول مرزا صاحب تھی تو حدیث ہی کسی مدعی مہدیت و مسیحیت کے الہام کی ڈیگ تو نہ تھی کیوں نہ مانی جاتی۔ ضعیف حدیث اس وقت چھوڑی جاتی ہے جبکہ وہ قوی صحیح کے معارض ہو۔ اس کا معارض ہی کہاں ہے؟ افسوس بے علمی اور مدارک علیہ میں دخل دے کر اپنا ایمان برباد کرنا' اللہ ہدایت کرے۔

موطا امام مالک کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے اس سے یہ معنی نکالنا کہ حضرت عائشہ کے حجرہ میں تین مقبروں ہی کا ہونا مقدر تھا۔ حافظ جی کی مزید جہالت کا ثبوت ہے۔ حدیث میں اس کی رمق بھی نہیں یہ خالص افترا اور محض بہتان ہے۔ غیرت ہو تو حدیث میں وہ لفظ بتائیں جس کا ترجمہ یہ ہو کہ حجرہ صدیقہ میں تین قبروں ہی کا ہونا مقدر تھا۔ آپ کے دین کا مدار ایسی افترا پردازیوں ہی پر ہے۔

ثبوت شے کا نفی ماعدا کی دلیل کس نے مانا ہے یہ تو ایک علمی اصول ہے۔ آپ اس کو نہ سمجھ سکے تو اتنا سمجھنا بھی آپ کی عقل سے بالاتر تھا کہ خواب میں کسی کو ایک شے کے پیدا ہونے کی خبر ملنا اس کے اور اولاد ہونے کا انکار نہیں۔ خواب کے ذریعہ سے حضرت امام حسن کی ولادت کی خبر دی گئی تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ حضرت خاتون جنت کے اور اولاد ہی نہ ہوگی۔ اگر حضرت صدیقہ کے اس خواب میں ان کے حجرۂ مبارکہ میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین جلیلین کے مدفون ہونے کی خبر ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت صدیقہ کے زمانہ میں یہ تین حضرات آرام فرمائیں گے۔ نہ یہ معنی کہ پھر اور قبر ہی نہ ہوگی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا دفن ان

کے زمانہ میں نہیں اس لئے ان کی خواب میں اس کا بیان بھی نہیں اور بیان کی حاجت بھی کیا جبکہ صحیح حدیثوں میں صراحت کے ساتھ اس کا بیان موجود ہے تو کیا خواب میں اس کا بیان نہ ہونے سے ان تمام صحیح احادیث کا انکار جائز ہو جائے گا؟

نفس امر یہ ہے کہ مرزائی اور حدیث سمجھیں؟ وہ تو سمجھیں ہیں نہ سمجھیں گے۔ دین میں سمجھ کے لئے ایمان شرط۔ جب شرط نہیں تو مشروط کہاں سے آئے؟

حدیث کو مرزا جی اور اُن کے حوارئین کیا سمجھ سکتے ہیں جبکہ بقول حافظ جی مدتوں تک قرآن کریم کے لفظوں کو بھی مرزا جی نہ سمجھ سکے بلکہ ان کے الہام کرنے والے نے بھی ان کو نہ سمجھایا۔ برسوں ایسے عقیدہ میں مبتلا رہنے دیا جو ان کے خلیفہ نمبر ۲ کے نزدیک مشرکانہ عقیدہ ہے"۔ حافظ جی کا دعوئی ہے کہ "جب تک صریح طور پر مرزا صاحب کو خدائے تعالی نے خبر نہیں دی وہ بھی مسلمانوں کے رسمی عقیدہ کو تسلیم کرتے رہے"۔ کیا حافظ جی نے یہ سمجھ لیا ہے کہ دنیا میں کوئی عقل والا رہا ہی نہیں جو اتنی موٹی بات کو بھی جان جائے کہ کسی معاملہ میں حرام و حلال جائز و ناجائز کا امر یا نہی دوسری چیز ہے اور ایک تاریخی واقعہ بلکہ ایک لفظ کے معنی لغوی دوسری چیز' مرزا جی تو یہ دعوئی کرتے ہیں کہ "توفی کے معنی درحقیقت موت ہیں"۔ تمام آیتیں تمام حدیثیں تمام لغت عرب بقول ان کے سب کے سب اسی کی تائید کرتے ہیں۔ پس اس سے اتنا تو ثابت ہو گیا کہ:

(۱) مدتوں برسوں مرزا جی تمام آیتوں' تمام حدیثوں [illegible] (بقول خود) غلط سمجھتے رہے۔ اس وقت تک ان کے [illegible] تمام آیتوں تمام

حدیثوں تمام لغت عرب میں توفی کے معنی درحقیقت موت کے نہ تھے اب اس کے بعد سمجھے تو لغت عرب کے ذریعہ نہ سمجھے۔ قرآن کے ذریعہ نہ سمجھے' حدیث کے ذریعہ نہ سمجھے بلکہ (بزعم خود) صرف اپنے الہام سے سمجھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں (ازالہ اوہام ص ۵۶۱) اور میرے پر اپنے خاص الہام سے ظاہر کیا کہ مسیح بن مریم فوت ہو چکا ہے ''۔ اس الہام سے مرزا جی یہ سمجھے کہ 'توفی کے معنی درحقیقت موت ہی کے ہیں''۔

پس اب نہ (مرزائیوں کو) قرآن سے مطلب نہ حدیث سے' غرض نہ لغت عرب سے بحث' صرف یہ دیکھ لینا ہے کہ مرزا جی کا الہام سچا یا جھوٹا خدا کی طرف سے ہے یا شیطان کی طرف سے۔ اس کی پہچان خدائے قدوس نے قرآن کریم میں بتا ہی دی کہ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۔ (پ۵، سورہ النساء آیت ۸۶) اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو تم اس میں بہت اختلاف پاتے یعنی جن الہاموں میں اختلاف ہو وہ خدا کی طرف سے نہیں۔ انصاف پسند حضرات بغور دیکھیں کہ اس مزعومہ الہام کی رو سے اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کے معنی ہوئے ''میں تجھے مارنے والا ہوں''۔ چنانچہ بقول مرزا جی حضرت عیسٰی علیہ السلام مر گئے۔ اب دوسرا مزعومہ الہام دیکھئے جناب مرزا صاحب براہین احمدیہ ص ۵۱۹۔۵۵۷ میں فرماتے ہیں کہ 'بعد اس کے الہام ہوا یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ اے عیسٰی (یہاں عیسٰی سے مراد جناب مرزا صاحب ہیں اس لئے کہ یہ الہام ان پر ہو رہا ہے۔ ان کے متعلق ہے، معاذ اللہ) میں تجھے کامل اجر بخشوں گا نیز فرمایا اے عیسٰی (مرزا غلام احمد) میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اُٹھاؤں گا''۔

خدارا انصاف شرط ہے۔ للہ! کوئی غور کرے کہ اس مزعومہ الہام میں جبکہ لفظ متوفیک مرزا صاحب کیلئے استعمال کیا گیا تو الہام ہی میں اس کے معنی ''کامل اجر بخشوں گا'' فرمائے گئے۔ ''پوری نعمت دوں گا'' بتائے گئے اور جب یہی وحی ربانی حضرت عیسٰی بن مریم علیہما السلام کے متعلق قرآن کریم میں ذکر ہوئی تو مرزا جی ہی کے مزعومہ الہام میں یہ معنی بتائے گئے کہ ''وہ فوت ہو چکا ہے''۔ وہی لفظ جب مرزا جی کے لئے الہام میں بولا گیا تو الہام کرنے والے نے اور معنی بتائے۔ وہی لفظ بالکل اُسی شان سے اسی عبارت میں جب عیسٰی علیہ السلام کیلئے آیا تو الہام کرنے والا دوسرے معنی بتائے یا تو یہ مرزا جی پر الہام کرنے والا دروغ گو را حافظہ نباشد کا مصداق ہے یا الہام کا مدعی ہی مفتری و کذاب۔

سچے خدا کا الہام ہمیشہ سچا۔

اس شکل کو دیکھتے ہوئے ہمیں یقین ہے کہ مرزائی صاحبان اپنی آئندہ تحریروں میں ''توفی'' کے معنی کے متعلق جہاں اور شرطیں لکھتے رہے اب اس شرط کا اضافہ کر دیں گے اور یہ لکھیں گے کہ ''توفی باب تفعل سے ہو فاعل اللہ ہو مفعول بہ خاص حضرت عیسٰی بن مریم مسیح ناصری علیہ السلام ہوں تو اس کے معنی موت ہی کے ہوں گے''۔ ورنہ اگر وہ یہ شرط نہ لگائیں گے تو ان کے چیلنج کے جواب میں مرزا جی کے مزعومہ الہام براہین احمدیہ ص ۵۱۹، ۵۵۷ کو پیش کر دیا جائے گا۔ اس لئے کہ مرزا جی کو بھی تو اعجازی کلام کا دعوٰی ہے ہی اور اس کے معنی چونکہ وہ ہیں (بزعم مرزا جی) الہام

ہی میں بیان کر دیے گئے ہیں۔لہذا مرزائیوں کو ان کے ماننے میں انکار بھی نہ ہوگا۔

(۲) ''حافظ جی نے اپنی اس عبارت میں یہ بھی مان لیا کہ حیات مسیح مسلمانوں کا رسمی عقیدہ تھا۔اسی لئے مرزا جی اُسے تسلیم کرتے رہے''۔

پس جب حافظ جی کو یہ تسلیم ہے کہ حیات مسیح تمام مسلمانوں کا عقیدہ تھا تو اس میں بھی انہیں تامل نہ ہوگا کہ اس کے بعد (مزعومہ الہام ہی کے ذریعہ سہی) جو عقیدہ ممات مسیح کا سکھایا وہ اس عقیدہ کے خلاف ایک نیا طریقہ تھا۔

اب ہم حدیث شریف میں دیکھتے ہیں کہ پرانے طریقہ کے خلاف نیا طریقہ بتانے والے کون ہوتے ہیں؟ اور ہمیں ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ان بین یدی الدجال کذابون ثلثون او اکثر قال ما ایتهم قال ان یاتوک بسنة لم تکونوا علیها بغیرون بها سنتکم و دینکم فاذا ایتموهم فاجتنبوهم وعادوهم" (رواہ الطبرانی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)

دجال سے پہلے تینتیس (۳۳) یا زیادہ کذاب ہونگے۔ایک صحابی نے پوچھا کہ ان کی نشانی کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا ''کہ وہ تمہارے پاس وہ طریقہ لے کر آئیں گے جس پر تم پہلے نہ ہوگے وہ اپنے اس طریقہ سے تمہارے طریقہ اور دین کو بدل ڈالیں گے۔جب تم انہیں دیکھو تو اُن سے بچنا اور ان سے عداوت رکھنا''۔

(کنز العمال ص ۱۷۱ ج ۷)

ناظرین! آپ نے دیکھ لیا' سن لیا۔حضور رسول علیہ السلام نے ہمیں ذرا ذرا سی باتوں کی بھی خبریں پہلے ہی سے دے دیں ہر قسم کی پہچانیں بتا دیں۔

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ !!!؟

اب بھی اس دجالی فتنہ سے بچو گے؟

حافظ جی کی دو ورقیوں کا جواب مختلف عنوانوں کے ماتحت ختم ہوا۔ان کا اس دو ورقی میں آخری جھوٹ کہ (حافظ جی کی) ''ان تحریروں نے''؛ ''ہمیں پریشان کیا ہے''۔مارشس والوں پر روشن کہ پریشان ہم تھے یا حافظ جی۔جواب کا ''دندان شکن'' ہونا دلائل سے ظاہر۔بہر صورت ہمیں اس فضولیات سے کچھ سروکار نہیں۔وہ ہمیں اس سے زیادہ سب وشتم کر لیں لیکن خدارا اللہ جل علا و رسول سلم اللہ علیہ وصلی پر حملہ سے باز آئیں۔

باوصف مشاغل کثیرہ چلتے چلتے قلم برداشتہ دو نمبروں کے جواب دے ہی چکا تھا۔اب کہ جہاز میں سفر کر رہا ہوں چاروں طرف نصاریٰ کا ہجوم ہے۔خود میری کیبن میں چار کیتھولک پادری' میرے قریب کی کیبن میں پادریوں کا انسپکٹر پروٹسٹنٹ پادری وغیرہ بھی بہت سے آزاد خیال افراد میں بھی بہت سے منچلے......میرا وہی حال ہے جو مارشس میں تھا۔چاروں طرف مختلف قسم کے مسائل پوچھنے والے ہجوم کئے ہوئے اور میں تن تنہا جواب دینے کیلئے۔یکسوئی کے ساتھ تحریر کی مہلت عنقا۔پھر اس پر یہ عجیب ماجرا کہ ایک طرف دائیں آنکھ میں سخت درد' دوسری طرف تکلیف درد

معاہمنہ تعالیٰ اسی حالت میں جو کچھ لکھا گیا وہ حاضر۔

مالک عالم کلام میں اثر دے جو ناظرین کے قلوب کو انوار ہدایت سے بھر دے۔ اگر اسے دیکھ کر ایک مرزائی بھی راہ راست پر آ گیا تو یہ بہترین ثمرہ ہوگا۔ مجھے مسودہ کو صاف کرنا تو کجا بغور نظر ثانی کی بھی فرصت نہیں۔ اس لئے ناظرین سے التجا کہ اگر کہیں سہو وسستی پائیں معاف فرمائیں اور بالفرض ناقل وکاتب صاحب سے کتابت میں غلطی ہو تو مجھے ذمہ دار نہ بنائیں۔ بلکہ خود اصلاح فرمالیں۔ دعائے خیر میں ہمیشہ یاد کرتے رہیں کہ مالک عالم اعدائے دین کی سرکوبی اور دین متین کی صحیح خدمت کیلئے مزید قوت وہمت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ بجاہ طٰہٰ و یٰسین صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

محمد عبدالعلیم الصدیقی القادری
کیبن نمبر ۲۱۹ ایس ایس جنرل وارد
یکم مئی ۱۹۲۹ء

☆☆☆==============☆☆☆

ضروری گذارش

حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صاحب صدیقی مدظلہ العالی کی مستعدی قابل صد ہزار تبریک وتہنیت کہ باوصف مشاغل کثیرہ وتعب سفر۔ نیز ایسی حالت میں کہ نہ حوالہ دیکھنے کیلئے کتابیں موجود نہ غور وتامل کیلئے دماغ کو یکسوئی حاصل' مرزائی حافظ جی کی دو ورقیوں کے جواب قلم برداشتہ ایسے مدلل و جامع و مانع تحریر فرمائے کہ مارشس کے مرزائی حافظ جی تو کیا اگر خود مرزا جی بھی قبر سے اُٹھ کر دیکھیں تو انگشت بدنداں ہی رہ جائیں۔

مرزائی حافظ جی نے اپنی دو ورقیاں جان بوجھ کر ایسے وقت باہر نکالیں جبکہ مولانا مارشس سے روانگی کیلئے پا بر کاب تھی تاکہ جواب نہ دیا جا سکے اور ان کو باتیں بنانے کا موقع ملے۔ مگر زہے ہمت کہ اسی مختصر وقت میں ان کا جواب ڈپلی کیٹر کے ذریعہ نقلیں لے کر مارشس میں تقسیم کیا گیا۔

چونکہ مارشس میں کوئی ایسا مطبع نہیں جہاں مکمل اجوبہ کی بصورت کتاب طباعت ہو سکتی' اتنے دور دراز جزیرہ میں بیٹھ کر ہندوستان میں طباعت کا انتظام کوئی آسان کام نہ تھا۔ پھر مطابع کی حالت بھی ظاہر کہ اہل علم بے علم افراد کے دست نگر باوصف نگرانی اغلاط کتابت سے نجات دشوار' نظر برآں تاخیر اشاعت وبعض اغلاط کتابت پر عفو وتقصیر عرض اور التماس کہ صحت نامہ کے ذریعہ کتابت کی غلطیاں درست فرمالیں۔ الحمد للہ کہ جس کام کو شروع کیا گیا پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ رب العالمین شرف قبول فرمائے اور اپنے جس خاص بندہ کو مصارف طباعت واشاعت برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائی انہیں دارین کی نعمتوں سے مالا مال بنائے۔ آمین ثم آمین۔ "ناشر"

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی حَبِیۡبِہِ الۡکَرِیۡمِ

عزیزی ومحبی حامی دین ناصر شرع متین مولانا الحاج شاہ محمد عبدالعلیم صاحب صدیقی سلمہ العلی الولی وحفظہ من شر کل غوی وایدہٗ بالاید القوی نے مرزائی کا قلم برداشتہ جواب سفر کی رواروی اور جہاز پر ملاقاتوں کے ہجوم میں ایسا لکھا کہ باید وشاید۔ حقیقت واضح ہوگئی اور مرزائیت کے بطلان کا پردہ فاش ہوگیا۔

مرزائی مبلغ کا رد بحمداللہ ابلغ وجہ پر ہوا اور مرزائی دین کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں۔ سلاست بیان، روانی مضمون، قوت دلیل، حسن ادا ایک ایک بات قابل تعریف ہے۔ اللہ تعالیٰ جناب مولانا کی اس تحریر کو گم گشتگان راہ کے لئے ذریعہ ہدایت بنائے۔ درحقیقت مولانا موصوف اسلام کی بہت بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں اور انہوں نے دور دراز ممالک اور جزائر میں پہنچ کر بر و بحر کے سفروں کی صعوبتیں برداشت کر کے اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے اپنی خدمتیں وقف کر دی ہیں۔

جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

کتبہٗ العبد المعتصم بحبلہ المتین محمد نعیم الدین

المرادآبادی غفرلہ الہادی

================

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تبلیغ اسلام کے اصول و فلسفہ

کتاب "How to Preach Islam" کا ترجمہ

مصنف: حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صاحب صدیقی علیہ الرحمۃ

مترجم: خورشید احمد سعیدی

(ایم اے تقابل ادیان (انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی) اسلام آباد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

عرضِ مترجم

یہ اللہ کریم کا مجھ عاجز بندہ پر بہت بڑا کرم ہوا ہے کہ اس نے مجھے اپنے دور کے ایک بلند مرتبہ مبلغ اسلام کے انگریزی لیکچرز کو اردو میں ڈھالنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ ان کے علم کی متنوع جہات کا علم اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ قرآن، حدیث، فقہ، سیرت، فلسفہ، منطق، سائنس وغیرہ علوم وفنون سے جتنی مثالیں انہوں نے دے کر تبلیغ اسلام کی اہمیت کو علوم جدیدہ کے متاثرین کے لیے اجاگر کیا ہے میرے محدود مطالعے میں اور کسی معاصر مصنف ومبلغ نے ایسا نہیں کیا۔ مَیں اس عرض میں ان مثالوں میں سے کوئی اس لیے ذکر نہیں کرنا چاہتا ۔ وہ اپنے اپنے مقام پر جس سلیقے سے بیان کی گئی ہیں ویسے یہاں نہیں ہو سکیں گی۔

ترجمہ کے دوران جن چیزوں کا خیال رکھنا مَیں نے ضروری سمجھا اُن میں سے ایک یہ ہے کہ قرآنی آیات کا متن درج کیا گیا تاکہ دورانِ مطالعہ نہ صرف دلیل سے اطمینان حاصل ہو بلکہ قرآنی الفاظ کو دیکھنے اور پڑھنے سے جو ثواب نصیب ہوتا ہے اس سے بھی قاری محروم نہ رہ جائے۔

دوسری بات قرآنی آیات کے ترجمہ اور فہم کے بارے میں ہے۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ کنز الایمان نقل کیا گیا ہے سوائے ایک مقام کے۔ اس جگہ مجھے غزالیٔ زماں رازیٔ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً کی تعبیر اقرب الی الفہم معلوم ہوئی۔ چونکہ کتاب کا اصل مقصد کسی نکتے پر قرآنی ہدایت کو واضح کرنا تھا اس لیے وہی ترجمہ اختیار کیا گیا جو اس مقصد کے حصول کے لیے زیادہ معاون معلوم ہوا۔

تیسرے نمبر پر احادیث رسول مقبول ﷺ کے متن بھی درج کرنے کی سعی کی تاکہ اس کی برکات سے بھی قاری اپنا حصہ پائے اور بوقتِ ضرورت انہیں کسی جگہ حوالہ کے لیے

بیان کر سکے۔

چوتھے نمبر پر یہ چیز سامنے رہی کہ ان لیکچرز کے مرتب نے جہاں قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کے حوالے نہیں دیئے تھے ان کے حوالے ضرور پیش کیے جائیں۔ بعض مقامات پر یہ مشکل پیش آئی کہ کچھ عبارات کو قرآن کہا گیا تھا حالانکہ وہ احادیث ہیں۔ اس لیے اسے درست کیا گیا۔ بعض مقامات پر کچھ عبارت کو کاموں '''' میں ڈال کر قرآن تو کہا گیا تھا مگر وہ کسی ایک قرآنی آیت کا ترجمہ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ان آیات کا حوالہ ذکر کیا گیا جن سے وہ عبارت ماخوذ معلوم ہوئی۔

ترجمہ میں مذکور قرآنی آیات کی تصحیح کے لیے دارالعلوم حنفیہ ضیاء القرآن، اسلام آباد شعبۂ تحفیظ القرآن کے مدرس محترم قاری محمد طارق ضیائی صاحب نے وقت دیا۔ ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اسی طرح جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے فاضل محمد طیب خاں صاحب نے اس ترجمے میں کتابت کی غلطیوں کو دور کرنے میں مدد کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اجر جمیل عطا فرمائے۔ بعض مقامات پر مناسب تعبیر کے لیے جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی کے ممتاز مدرس حضرت علامہ محمد اسحاق ظفر صاحب نے مشورے عطا کیے۔ میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ کریم انہیں دین متین کی خدمت کے لیے دراز عمر عطا کرے۔

میں یہاں اپنے محترم بھائی محمد زبیر قادری کو کیسے اپنی دعاؤں میں فراموش کر سکتا ہوں جنہوں نے سعادت کے اس کام کی ترغیب دلائی اور مجھ سے مسلسل رابطہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں، اُن کے اہل خانہ اور احباب کو دین کی خدمت کے لیے صحت وسلامتی کی زندگی اور وافر وسائل عطا فرمائے۔ آمین

خورشید احمد سعیدی
بدھ، ۸،رنومبر ۲۰۰۲ء اسلام آباد

تعارف

حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

بیسویں صدی میں اسلام کے ایک سرگرم سفیر:

مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ بیسویں صدی کے ایک مشہور مبلغ اسلام تھے۔ انہوں نے چالیس سال تک دنیا کے کئی ممالک کے باشندوں تک اسلام کا پیغام پہنچایا۔ ایشیا، افریقہ، یورپ اور امریکہ میں ہزاروں غیر مسلموں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ان کی متحرک اور تاباں شخصیت سے لاکھوں مسلمانوں نے دینی اور دنیاوی برکتیں حاصل کیں۔ لاتعداد اسلامی تبلیغی ادارے، مساجد، اسکول، ہسپتال، لائبریریاں، بیت المعذورین، یتیم خانے اور مجلات صرف آپ کی تبلیغی کوششوں سے وجود میں آئے۔

پیدائش:

مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵ر رمضان المبارک ۱۳۱۰ ہجری بمطابق ۳ر اپریل ۱۸۸۲ء کو میرٹھ انڈیا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی حضرت مولانا شاہ محمد عبدالحکیم صدیقی ایک معروف عالم دین، شاعر اور روحانی بزرگ تھے۔

تعلیم وتربیت:

مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی ذہانت اور بے مثال قوت حافظہ سے نوازا تھا۔ آپ کی تعلیم اس وقت شروع ہوئی جب آپ کی عمر صرف تین سال اور کچھ ماہ تھی۔ آپ نے اپنا سارا وقت اسلامی علوم کی تحصیل کے لیے وقف کر دیا تھا۔ یہاں تک آپ نے درس نظامی کا پورا کورس مدرسہ عربیہ قومیہ، میرٹھ میں صرف سولہ سال کی عمر میں مکمل کر لیا۔

اس طرح حاصل کی گئی دینی اور ادبی تعلیم اس وقت کے اکثر مسلمان مذہبی قائدین

کے نزدیک سب کچھ حاصل کر لینے کے برابر تھا لیکن بنی نوع انسان کے جدید مسائل کو سمجھنے اور دنیا کے ہر آدمی تک اسلام کے پیغام کو پہنچانے کے لیے ان کی مستور مگر پُر جوش خواہش نے انہیں جدید انگریزی تعلیم کے حصول پر لگا دیا۔ درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد انہوں نے اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ اور ڈویژنل کالج میرٹھ سے معاصر علوم بھی حاصل کیے۔ انہوں نے ۱۹۱۷ء میں یہ ڈگری امتیاز کے ساتھ حاصل کی۔ انہوں نے قانون کی تعلیم بھی حاصل کی لیکن اس کے پیچھے قابلیت میں اضافے کی غرض تھی اسے پیشے کے لیے حاصل نہیں کیا تھا۔

جہاں تک ان کے دینی مطالعے کا تعلق ہے انہوں نے اسے جدید تعلیم کے بعد ترک نہیں کر دیا تھا بلکہ انہوں نے خود کو مسلسل وقف کیے رکھا۔ خاص طور پر چھٹیوں کے دوران آپ اپنی صدی کے سب سے بڑے مسلمان اسکالر اور مُصلح حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی کے زیرِ نگرانی اپنے اسلامی مطالعے کو وسیع کرتے رہتے تھے۔ درحقیقت آپ نے اسے عملی زندگی میں بحیثیت ایک دینی قائد کے قدم رکھنے کے بعد بھی جاری رکھا۔ اس طرح آپ نے حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محل، مراکو کے حضرت شیخ احمد الشمس اور لیبیا کے حضرت شیخ السنوسی جیسے عظیم مسلمان علماء کے ساتھ بحث و مباحثے اور ان کی لائبریوں سے استفادہ کر کے تفسیر، حدیث، تصوف اور مکہ و مدینہ کے سُنّی مذاہب اربعہ کے علوم کا انبار لگا لیا۔

روحانی تربیت:

جہاں تک آپ کی روحانی تربیت کا تعلق ہے آپ نے اسے اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا شاہ احمد مختار صدیقی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل اور مکمل کیا۔ آپ کو تصوف کے کئی سلاسل میں رُشد و ہدایت کی اجازت بھی حاصل تھی۔

تربیت کی رسمی تکمیل نے جہاں ایک طرف آپ کو مرشد کے درجے تک پہنچا دیا دوسری طرف یہ روحانی تنویر کی مزید کوششوں کا نقطۂ آغاز بن گئی۔ اس نے مزید مجاہدے کو لازم قرار دیدیا اور آپ اس غرض کے لیے اکثر مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ تشریف لے جاتے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ علم و حکمت کے نیرِ اعظم اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قادری بریلوی

اور میدانِ روحانیت کے اپنے وقت کے آفتاب حضرت شیخ احمد الشمس جن کا تعلق مراکو سے تھا، کے پاس حاضر ہوتے تھے۔

تبلیغی کارنامے:

مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بچپن ہی سے مبلغِ اسلام بننے کا عزم کر لیا تھا۔ انہوں اسی وقت سے تبلیغی کام شروع کر دیا تھا جس دن انہوں نے اپنی دینی تعلیم مکمل کر لی تھی۔ جن ممالک کے انہوں نے دورے کیے ان میں برما، سیلون، ملائیشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، ویت نام، چین، جاپان، فلپائن، ماریشیس، ری یونین، مڈگاسکر، جنوبی افریقہ، پرتگال، مشرقی افریقہ، کینیا، تنزانیہ، یوگنڈا، بیلجیئم، کانگو، حجاز، مصر، شام، فلسطین، اردن، عراق، فرانس، انگلینڈ، ویسٹ انڈیز، گیانا، سورینام، ریاستہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا شامل ہیں۔

آپ جس جگہ بھی تشریف لے جاتے وہاں فضول مباحثے، دینی پسماندگی، اعلیٰ اسلامی اقدار سے عدم واقفیت، اجتماعی ذمہ داریوں سے لاپروائی، وسعت نظری کی کمی، منصوبہ بندی کا فقدان اور مسلمانوں میں روحانی جمود کی بہتات، غیر مسلموں میں اسلام سے نفرت اور غلط فہمی کے علاوہ فرقہ بازی جیسے حل طلب مسائل موجود ہوتے۔

ہر جگہ آپ کو اپنا راستہ سنگلاخ چٹانوں میں بنانا پڑتا۔ ہر جگہ آپ کو اپنے عظیم پیغام کی پُرشکوہ عمارت تقریباً نئی بنیادوں پر کھڑی کرنی پڑتی۔ لیکن ہر جگہ آپ نے رُکاوٹوں اور دُشواریوں کو اپنی روحانی قوت کے غیر محدود ذخیرے، اخلاقی سنجیدگی کے نہ ختم ہونے والے خزانے، گہرے اخلاص، تقویٰ، وسیع علم، دانش مندی اور اپنی بے مثال مسکراہٹ کے ساتھ شکست دی۔ آپ کی بلند مگر میٹھی آواز میں سوئی ہوئی انسانیت کو بیدار کرنے کے لیے جادو کا سا اثر تھا۔ جبکہ آپ کی سنجیدہ ترغیب اور پیاری نصیحتوں نے کئی اخلاقی اور فکری خرابیوں کی اصلاح کی۔

عدل و احسان کے استحکام، گناہ کو ختم کر کے نیکی کو عام کرنے، بُرائی کو زیر کرنے، ہم آہنگی کے فروغ اور باہمی کشمکش کے خاتمہ کے لیے آپ کی خوش دلانے والی آواز پہاڑوں،

میدانوں، سرسبز وادیوں، ریتیلے صحراؤں کے ساتھ ساتھ شرق و غرب کے کالوں اور گوروں کے درمیان بھی گونجتی رہی۔ آپ کا پیغامِ الٰہی، اخلاقیات کے احیاء اور روحانی اقدار کی بحالی کا پیغام لاکھوں کانوں اور دلوں تک پہنچا۔ دُنیا بھر کے آپ کے سفر لاکھوں انسانی ارواح کے لیے امن کا سندیسا لائے۔ ہر جگہ آپ کے دوروں سے لوگوں کے دینی جوش کو نئی تحریک ملی۔ بیرونِ ملک آپ کے اسفار اور سرگرمیوں کا ایک مختصر خاکہ یوں پیش کیا جاسکتا ہے:

سیلون، جنوبی افریقہ، پرتگالی مشرقی افریقہ، برطانوی مشرقی افریقہ اور زنجی بار کا دورہ (۱۹۳۴۔۳۵ء):

آپ کے ایک مرید جے مجید نے کولمبو میں ''Star of Islam'' کے نام سے ایک مجلّہ جاری کیا جو اَب تک مسلمانوں کی طرف سے شائع کیے جانے والے مجلات میں سے بہترین مجلّہ ہے۔ آپ کا وہ دورہ جس میں آپ نے خصوصی لیکچرز دیئے، نے جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک میں شعورِ اسلام بیدار کرنے میں بے مثال اثرات مرتب کیے۔ ان سے متاثر ہو کر کئی مقامی قائدین نے اسلام قبول کیا۔ آپ نے ڈربن میں انٹرنیشنل اسلامک سروس سنٹر قائم کیا جہاں سے معروف و مشہور انگریزی مجلات "The Muslim Digest"، "The "Ramadan Annual"، "The Five Pillars" کے علاوہ اسلامی کتب کی ایک سیریز شائع ہوتی ہے جو مکّی پبلی کیشنز کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ نے پرتگالی شرقی افریقہ میں اونچے طبقہ کے لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچایا۔ آپ وہ پہلے مسلمان لیڈر تھے جو اس ملک میں داخل ہوئے۔

آپ کی وجہ سے دنیا کا سب سے شاندار اسلامی ماہنامہ "The Genuine Islam" سنگاپور سے شائع ہونا شروع ہوا۔ موجودہ تاریخ میں پہلی بار اسلام کا پیغام ہندوستان اور چین کے اہل الرائے طبقہ کے ساتھ ساتھ عوام تک پہنچا جن کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کیا۔ آپ نے چین میں اسلام کے احیاء کے لیے کام کیا۔ آپ ہی نے ہانگ کانگ میں مسلم یتیم خانے کی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا۔ آپ نے ٹوکیو، کاروئزاوا (Karuizawa)، اوساکا

(Osaka) اور کوب (Kobe) میں اسلام کے متعلق ممتاز سامعین کے سامنے لیکچرز دیے اور نمایاں شخصیات سے ملاقاتیں کیں۔ نتیجتاً پڑھے لکھے جاپانیوں کی اچھی خاصی تعداد نے اسلام قبول کیا۔ آپ نے ناگویا مسجد (Nagoya Mosque) کا سنگِ بنیاد رکھا؛ قاہرہ الازہر میں آپ نے مسلمان طلبہ بھجوائے تاکہ ان کی بطور مبلغین اسلام تربیت ہو۔

سعودی عرب کا دورہ:

آپ نے مکّہ مکرمہ میں ابن سعود سے ان مشکلات کا تذکرہ کیا جو اسلام قبول کرنے والے یورپی حجاج کو حج کے دوران پیش آتی تھیں۔

آپ نے سیلون (Ceylon) میں حزب اللہ جماعت قائم کی۔ پورٹ لوئیس (Port Louis) کے مقام پر آپ نے مشہور تاریخی عید میلاد کانفرنس کی صدارت فرمائی، وہیں آپ نے ایک بیت المعذورین قائم کیا اور مسلمانوں کے لیے قانون وقف کے نفاذ کے لیے ایک کامیاب تحریک چلائی۔

سعودی عرب ۱۹۴۵ء:

دنیا بھر سے آنے والے مسلم رہنماؤں سے آپ نے حجاز کے احوال کو بہتر بنانے کے لیے تبادلۂ خیال کیا۔

حج ٹیکس کے خاتمہ کے لیے آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے شاہ ابن سعود سے ملاقات کے لیے بھیجے گئے ایک وفد کی آپ نے قیادت فرمائی۔ آپ نے مسلم قائدین سے پریس اور کانفرنسوں کے ذریعے تحریکِ پاکستان کا تعارف کروایا۔ اس سلسلے میں آپ نے مصر اور دوسرے ممالک کی نمایاں شخصیات سے رابطے کیے۔ اسلام کو درپیش متنوع الاقسام مسائل کے فوری حل کے لیے عرب کے علماء بالخصوص ازہر کے علماء کو ابھارا۔ آپ نے مصر میں ایک تبلیغی سوسائٹی قائم کی جس کا نام تعریف بالاسلام رکھا۔ آپ کو عمان کے شاہ عبداللہ کی طرف سے شاہی مہمان کی حیثیت سے دعوت ملی تو آپ نے اس سے اہم اسلامی مسائل پر تبادلۂ خیال کیا۔ آپ نے عراق کے کئی شہروں کا دورہ شاہی مہمان کی حیثیت سے کیا، ذمہ

دار قائدین سے ملاقاتیں کیں اور انہیں مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

آپ ہندوستانی وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے پاس انڈین حکومت کا ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ بُرے سلوک، اسلامی تہذیب و ثقافت کے خاتمے اور ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی کے خلاف شکایت لے کر احتجاج کے طور پر گئے۔ آپ نے بمبئی اور مدراس میں کئی لیکچر دیئے اور متحدہ ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کی مذہبی صورتحال کو بہتر بنایا۔ آپ نے ملایا اور سنگاپور کے سلاطین اور مسلمان قائدین سے ملاقاتیں کیں اور سنگاپور میں آل ملایا مسلم مشنری سوسائٹی اور صدیقی لائبریری کی مستقبل میں نئی عمارت کے لیے منصوبہ تیار کیا۔ آپ نے سنگاپور میں یادگار عید میلاد النبی کانفرنس کی صدارت کی۔ آپ نے سنگاپور میں انٹر ریلی جس (بین المذاہب) آرگنائزیشن (Inter-Religious Organisation) قائم کی۔ آل ملایا مسلم مشنری سوسائٹی نے "The Muslim World" نامی مجلہ شائع کرنا شروع کیا۔ جس نے ملایا کے لیے اسلامک عربیک یونیورسٹی قائم کرنے کا آغاز کیا۔ آپ نے انڈونیشیا میں اعلیٰ اداروں سے رابطہ کی ابتدا کی اور مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کو امن الٰہی کا پیغامِ اسلام پہنچایا۔ آپ نے بتاویہ میں بھی انٹر ریلیجس آرگنائزیشن قائم کی۔

ایک بے مثال دورہ ۵۱۔ ۱۹۴۸ء:

آپ نے دنیا بھر کا اپنا یادگار دورہ ۱۹۴۸ء میں شروع کیا جو ۱۹۵۱ء تک رہا۔ اس دورہ سے آپ کو تاریخ اسلام میں ایک ممتاز اور بے مثال مقام حاصل ہوا کیونکہ آپ پہلے مسلم مبلغ ہیں جنہوں نے دنیا بھر کا دورہ کیا۔ آپ اسلام کا پیغام لے کر فرانس، انگلینڈ، امریکہ، ٹرینیڈاڈ اور دوسرے یورپی ممالک کے غیر مسلموں تک پہنچے۔ اس دورے کے دوران کئی غیر مسلم دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ کئی ممتاز شخصیتیں مثلاً ریاست سرواک (Sarawak) کی شاہزادی گلیڈیز پامر خیر النساء، محمد یوسف مشل اور ٹرینیڈاڈ کی وزیر موریل فاطمہ ڈونادا نے آپ ہی کی تبلیغ پر اسلام قبول کیا۔

تصنیفات اور مطبوعہ لیکچرز:

مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی صرف ایک نمایاں اسکالر، ایک عظیم خطیب اور ممتاز مبلغ ہی نہیں تھے بلکہ آپ ایسے مصنف بھی تھے جن کی تصنیفات کئی بار طبع ہوئیں۔ آپ نے عربی، اُردو اور انگریزی زبانوں میں کئی کتابیں لکھیں۔ آپ کی مطبوعہ تحریروں میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

عربی زبان میں:

۱۔ حقیقۃ المرزائیین
۲۔ ضرائب الحج

اردو زبان میں:

۱۔ ذکرِ حبیب
۲۔ کتاب التصوف
۳۔ بہارِ شباب
۴۔ صوت الحق
۵۔ مرزائی حقیقت کا اظہار
۶۔ احکامِ رمضان

انگریزی زبان میں:

1. Elementary Teachings of Islam
2. Principles of Islam
3. Quest of True Happiness
4. How to Face Communism
5. Islam's Answer to the Challenge of Communism
6. Women and Their Status in Islam
7. A Shavian and a Theologian
8. The Forgotten Path of Knowledge
9. Codification of Islamic Law

رحلت:

تبلیغ اسلام کا عظیم کام سخت محنت اور جہدِ مسلسل کے بغیر کسی صورت میں پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ آپ علیہ الرحمۃ نے اسلام کے جھنڈے کو بلند کرنے اور انسانیت کی بھلائی کے لیے نہایت یک سوئی اور بے لوث اخلاص کے ساتھ کام کیا۔ یہاں تک آپ کی روح مقدس ۲۲ ذوالج ۱۳۷۲ھ بمطابق ۲۲ راگست ۱۹۵۴ء کو اس دارِ فانی سے اپنے رب کے جوارِ رحمت میں منتقل ہو گئی۔ اور آپ کو مدینہ منورہ میں دفن کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی روحِ مبارک پر اپنی رحمتیں نچھاور فرمائے۔ آمین ثم آمین

ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبق نمبر ایک

اس کورس کا مقصد آپ کو یہ بتانا ہے کہ اسلام کی تبلیغ کیسے کی جائے۔ بحیثیت مسلمان ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک اشاعتِ اسلام بھی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ... (سورۃ آلِ عمران:۱۱۰)

ترجمہ: ''تم بہتر ہو اُن سب اُمتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔

بحیثیت ایک انسان ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ دوسروں کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ اگر ہم کسی کو کنوئیں میں گرتا دیکھیں تو کیا اُسے بچانا ہمارا فرض نہیں ہے؟ اسی طرح اگر ہم کسی کو جہنم میں گرتا دیکھیں تو اسے بچانا ہمارا فرض ہونا چاہیے۔

اس لیے ہر ایک مسلمان کا فرض ہے چاہے وہ کوئی عالمِ دین ہو یا کوئی عام آدمی جس کا یہ ایمان ہے کہ اللہ ایک ہے اور حضرت محمد ﷺ اس کے نبی ہیں اسے چاہیے کہ وہ یہ سچائی دوسروں کو بھی سکھائے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ O اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ O (سورۃ العصر: ۲۔۳)

ترجمہ: ''بیشک آدمی ضرور نقصان میں ہے مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی''۔

بدقسمتی سے آج مسلمانوں نے اس فریضہ کی ادائیگی نظر انداز کر دی ہے۔ بہت سے مسلمان کہتے ہیں کہ یہ صرف علمائے دین کا کام ہے۔ ایک عالمِ دین کا کام اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کا فرض لوگوں کو اسلام کی تعلیم تفصیل سے پڑھانا ہے لیکن لوگوں کو سیدھے

راستے کی دعوت دینا ہر ایک مسلمان کا فریضہ ہے۔ اگر ہم ہر آدمی کو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ سکھانے میں کامیاب ہو گئے تو یہ اسے جہنم سے بچانے کے لیے کافی ہے۔

جب ہم یہ جان لیتے ہیں کہ دینِ اسلام کی تبلیغ ہمارا فریضہ ہے تو اگلا سوال یہ ہے کہ ہم اسلام کی تبلیغ کیسے کریں؟ قرآن مجید میں دی گئی پہلی ہدایت یہ ہے:

اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ ... (سورۃ النحل:۱۲۵)

ترجمہ: ''اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو''۔

اس سے معلوم ہوا حکمت بہت بڑی شے ہے۔ حکمت کیا ہے؟ اس کی وضاحت میں بعد میں کروں گا۔ دوسری لازمی چیز یہ ہے کہ نصیحت خوبصورت اور پُرکشش پیرائے بیان سے کی جائے۔ پھر ہمیں بتایا گیا ہے کہ اگر ہم کسی سے مباحثہ کریں تو ہمیں شائستہ اندازِ گفتگو اختیار کرنا چاہیے۔ کوئی غصہ یا ناراضگی نہیں دکھانی چاہیے بلکہ ان کے ساتھ خفگی یا دشمنی کا ذرہ بھر احساس دلائے بغیر ہمیں اچھے الفاظ سے دلیل پیش کرنی چاہیے۔

ہمیں تبلیغ کے کام کے لیے خود کو لازماً تیار کرنا چاہیے۔ دعوت الی اللہ کے داعی کے لیے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی ذات میں غیر متزلزل یقین اور بھروسہ ہو اور دوسری بات یہ ہے کہ اسے خود بھی اعمالِ صالحہ کرنے چاہئیں کیونکہ صرف زبانی الفاظ سے تبلیغ کی کوئی اہمیت نہیں۔ لہٰذا جس کام کی ہم نے تبلیغ کرنی ہے اس پر خود عمل بھی کریں۔ قرآن مجید ہم پر زور دیتا ہے کہ ہم ایمان لائیں اور اعمالِ صالحہ بھی کریں۔ اگر ہم خود نیک اعمال کرتے ہیں تو پھر ہم اُن کی دوسروں کو تبلیغ بھی کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے بطور نمونہ نہیں رکھ سکتے تو ہم ان سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ ان باتوں کو مانیں گے جو ہم اُن سے کہہ رہے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ O (سورۃ الصف:۲)

ترجمہ: ''اے ایمان والو کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے''۔

جیسا کہ ہم نے اُوپر دیکھا تبلیغ کے کام میں پہلی شرط حکمت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو آپ مخاطب کرنے لگے ہیں اس کا جائزہ لینے کے لیے آپ اپنی ذہانت کو استعمال کریں۔ آپ اس کی نفسیات کا مطالعہ کریں اور اپنے آپ سے سوال کریں کہ اس کے پاس کس قسم کا علم ہے۔ وہ ایک عام سا آدمی، فلسفی یا ایک سائنس داں ہے؟ وہ کس کام میں مشغول ہے؟ آپ نے اسے جو کچھ کہنا ہو اس کی بنیاد اس کی ذہنیت کے مطابق کسی چیز پر رکھیں۔ اگر وہ ایک تعلیم یافتہ اور باخبر سائنس دان ہے تو آپ اس کے ساتھ گفتگو کو منطقی اور سائنسی انداز میں کریں لیکن اگر وہ ایک عام سا آدمی ہے تو آپ آسان ترین الفاظ و اصطلاحات کا استعمال کریں اور اسے مثالیں دے کر بات سمجھائیں۔ قرآن مجید میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ سادہ مثالیں استعمال فرماتا ہے: أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ ... (لقمان:۳۱)

ترجمہ: ''کیا تو نے نہ دیکھا کہ کشتی دریا میں چلتی ہے''۔

اس طرح یہ حکمت ہے کہ آپ اپنے سامعین کی ذہنی استعداد کا جائزہ لیکر اسے سامنے رکھتے ہیں اور خود کو ان کی ضروریات کے لیے تیار کرتے ہیں۔

جب آپ اپنے مخاطب لوگوں کی ذہنیت کا مطالعہ کرلیں تو آپ یہ بات اپنے ذہن میں رکھیں کہ بہت سے لوگوں کے نزدیک آج کل دین کی کوئی اہمیت نہیں ہے اس لیے ان کے پاس اس کا کوئی مناسب تصور بھی نہیں ہوتا۔ مثال کے طور ایسے بھی لوگ ہیں جو اپنے آپ کو صرف اس لیے عیسائی کہتے ہیں کہ ان کے آباء و اجداد عیسائی تھے۔ اسی طرح ایسے بھی ہیں جو اپنا مذہب بدھ مت بتاتے ہیں کیونکہ ان کے باپ دادا بدھ مت کے پیروکار تھے۔ یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ دین صحیح معنوں میں ہوتا کیا ہے۔

لوگوں کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو مذہب کو ایک تقریباتی چیز سمجھتا ہے یعنی ان کے نزدیک یہ رسوم و رواج کی مجالس کا ایک مجموعہ ہوتا ہے۔ جب میں جاپان میں تھا میں نے کچھ جاپانی عیسائیوں سے پوچھا کہ تم نے عیسائی بن جانے کے بعد بھی اپنے آبا و اجداد کے بتوں کی پوجا کیوں جاری رکھی ہوئی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہم نے عیسائی مذہب کو جاپانی

رنگ میں رنگ لیا ہے۔ مذہب کو جاپانی رنگ میں رنگ لینے کا طرزِ عمل کئی ممالک میں عام پایا جاتا ہے۔

مذہب کے بارے میں تیسرا غلط تصور یہ ہے کہ اسے صرف خدا سے دعائیں مانگنا اور سادہ سی تقریبات و محافل کا منعقد کر لینا سمجھا جاتا ہے اور یہ کہ زندگی کے دوسرے حقائق کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسلام کا تصورِ دین ان سب سے مختلف ہے اگرچہ کچھ مغربی تعلیم یافتہ مسلمان ایسے بھی ہیں جو اسلام کو مجموعۂ رسوم و رواج اور خالصتاً ایک ذاتی معاملہ سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں ہدایات مہیا کرتا ہے۔ اگر دین ایک ضابطۂ حیات ہے تو پھر ہمیں یہ سوال پوچھنا چاہیے کہ کیا ہمیں کامیاب زندگی کے لیے کسی ضابطۂ حیات کی ضرورت ہے۔ یہ سوال ہمیں ہمارے موضوع "دین و شریعت کی ضرورت" پر سوچ و بچار کی طرف لے آتا ہے۔ اس موضوع پر بحث کرنے کے لیے ہمیں پوری نسلِ انسانی کی نفسیات کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ ایک انسان کی صفات کیا ہیں؟ انسان ہوتا کیا ہے؟ دُنیا میں اس کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟ اس کی فطری ضروریات اور مطالبات کیا ہیں؟

اس دُنیا میں بنی نوعِ انسان کا مقام جاننے کے لیے ہمیں اِس کائنات کا اچھی طرح مشاہدہ کرنا پڑے گا۔ آسمان سے لے کر زمین تک ہم مختلف اجزاء اور اشیاء دیکھتے ہیں۔ آسمان پر ہم سورج، چاند اور ستارے دیکھتے ہیں۔ زمین پر ہم عالمِ جمادات، عالمِ نباتات اور عالمِ حیوانات کو دیکھتے ہیں۔ ہمارے مشاہدے میں اس دُنیا کی ہر ایک چیز سوائے بنی نوعِ انسان کے بعض قوانینِ فطرت کے تحت اس طرح کام کرتی نظر آتی ہے کہ وہ ان کی خلاف ورزی نہیں کر سکتی۔ مثلاً سورج، چاند اور ستارے بعض قوانینِ فطرت کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کے باہم مربوط اجسام کا وجود یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس کا حصہ ہیں۔

جہاں تک حیوانات کا تعلق ہے ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ کچھ جانوروں کو اگر لوگ کسی کام کی تربیت دے دیں تو وہ اس کی بنا پر کچھ عادات اپنا تو لیتے ہیں لیکن اُن کا اِن عادات کو

اختیار کر لینا فطری نہیں ہے۔ کوئی نہ کوئی انہیں سکھاتا ہے اور انہیں اس کام کے لیے مجبور کرتا ہے وگرنہ حیوانات کو بھی قوانینِ فطرت کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ صرف انسان ان قوانین سے حالتِ استثناء میں ہیں۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے ذہن کے استعمال سے محروم ہیں یعنی وہ پاگل اور مجنون ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اختیار و انتخاب کی اپنی صلاحیت کھو چکے ہیں لیکن وہ لوگ جو عقلمندی کا احساس رکھتے ہیں انہیں استطاعتِ اختیار حاصل ہے۔ بعض اوقات وہ کچھ اشیاء کا انتخاب کرتے ہیں تو بعض اوقات کچھ مختلف اشیاء کا۔ انسان بھی یقیناً اپنے انتخاب میں مکمل آزاد نہیں ہے۔ کچھ ایسے قوانین ہیں جن کی پیروی اسے لازماً کرنی پڑتی ہے لیکن اپنے اکثر کاموں میں اصحابِ عقل و خرد اپنی پسند کی چیز کو اختیار کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔

اختیارات کے استعمال میں یہ مشکل پیش آتی ہے کہ ایک شخص اپنے حقِ اختیار کا استعمال کیسے کرے؟ اسے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں؟ دانشمندانہ انتخاب کے لیے اس شخص کو بعض افعال کے فوائد و نقصانات کا علم ضرور ہونا چاہیے۔ لیکن اسے یہ علم کہاں سے حاصل ہوگا؟

ہم دیکھتے ہیں کہ بنی نوعِ انسان شروع ہی سے سیکھنے اور علم حاصل کرنے کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ مثلاً ایک بچہ کسی چیز کو جاننے کے لیے اسے پکڑنا اور گرفت میں لینا چاہتا ہے۔ وہ تجربے کو پسند کرتا ہے اور جوں جوں بڑا ہوتا ہے دوسروں سے سوال کرتا ہے۔ قدرتی طور پر وہ اشیاء کا استعمال اور پھر ان کے فوائد جاننے کا خواہشمند ہوتا ہے تاکہ خود کو نقصان اور پریشانیوں سے بچا سکے۔ کچھ بچے آگ کو پکڑنا پسند کرتے ہیں لیکن ہم جو جانتے ہیں انہیں ایسا کرنے سے روک دیتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں......، لیکن ہم کیسے جانتے ہیں؟ یا تو ہمیں خود آگ کا تجربہ ہو چکا ہوتا ہے یا ہمیں کسی نے بتایا ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک بچے کو رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے ہی بنی نوعِ انسان رہنمائی کے ضرورت مند ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ بالغ ہونے کے بعد بھی۔ یہ ایک فطری احتیاج ہے۔ ہر آدمی کو مختلف اشیاء کی خصوصیات کو جاننے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ فائدے حاصل کر سکے اور خود کو مصیبتوں سے بچا سکے۔ یہ جاننے کے لیے کہ اسے کن چیزوں کی ضرورت ہے ایک ایسے شخص کا ہو

ضروری ہے جو اسے بتا سکے کہ کیا درست ہے اور کیا غلط۔ لوگوں کو کیسے پتہ چلتا ہے کہ درست کیا ہے اور غلط کیا؟ وہ خود تجربے کر سکتے ہیں یا وہ دوسروں سے سیکھتے ہیں۔ ان دوسروں کو علم کیسے ہوتا ہے؟ انہوں نے خود بھی یا تو تجربات سے سیکھا تھا یا پھر دوسروں سے سُنا تھا۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا ہے۔

جہاں تک انسانی علم کا تعلق ہے ہمیں آزمائشوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ علم محدود ہے، وسیع اور جامع نہیں ہے۔ سائنسدانوں نے قوانینِ قدرت و فطرت میں تحقیقات کی ہیں لیکن کیا وہ یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ انہوں نے فطرت کے تمام قوانین کو جان لیا ہے؟

آیئے ہم الڈوس ہکسلے (Aldous Huxley) کا قول نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے:

''یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ علم کے کمال تک رسائی تو ایک طرف رہی ہم تو علم کی ابجد سے بھی آگے نہیں بڑھ سکے''۔ ہیوم (Hume) بھی کہتا ہے کہ جہاں تک قوانینِ فطرت کا تعلق ہے سائنسداں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ فطرت کے وسیع علم کو تشکیل دیتا ہے۔ دُنیا کے بارے میں انسان کا علم بڑھا ہے اور بہت سی ایسی چیزیں جن کے درست ہونے پر زمانۂ قدیم کے علماء کا بھی ایمان تھا آج غلط ثابت ہو چکی ہیں۔ مثلاً کچھ لوگ اس سوچ کے زیرِ اثر تھے کہ پانی کو مزید اجزاء میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ جدید علمِ کیمیا نے اسے غلط ثابت کر دیا ہے اور پانی کو اس کے اجزاء ہائیڈروجن اور آکسیجن میں بانٹ دیا ہے۔ یورپی لوگ نویں صدی تک اس سوچ کے ماتحت تھے کہ سارے انسان گورے ہوتے ہیں۔ اسی طرح افریقہ کے حبشی اس کے نظریے کے حامل تھے کہ بنی نوع سارے سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں۔

انسان کا علم محدود ہے۔ سائنس اور وسیع علم کی روشنی والے اس دور میں بھی ہم صرف ماضی کے متعلق بھی یہ دعویٰ کرنے کے لائق نہیں ہو سکے کہ ہمارا علم مکمل ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ حال کے بارے میں ہمارا علم وسیع اور جامع ہے۔ مستقبل کے متعلق تو ہمارا علم کوئی حقیقی ہے ہی نہیں۔ تو اب کیا ہم کسی چیز یا کام کے طریقۂ کار کے اچھا یا بُرا ہونے کے بارے میں کوئی جامع رائے دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ کیا ہم اس مقام پر پہنچ چکے ہیں؟

مذکورہ بحث سے یہ تو واضح ہے کہ ہم خود اس مشکل کو حل کر لینے کے لائق نہیں ہیں اور

یہ کہ ہم ایک رہنما کے محتاج ہیں۔ آیئے دیکھیں ہمیں کس قسم کا رہنما چاہیے تاکہ ہم اختیارات کے استعمال کے دوران درست امور کا انتخاب کر سکیں اور خود کو پریشانیوں سے بچا سکیں۔

ماضی میں گوتم بدھ جیسے عقلمند لوگ بھی رہے ہیں جس نے اپنا تختِ شاہی، خاندان اور ہر چیز کو چھوڑا اور انسانی مصیبتوں کے سبب کی تلاش کے لیے خود کو وقف کر دیا۔ وہ جنگلوں اور غاروں میں رہا۔ ایک دن اس نے کہا کہ اس نے حکمت و دانش کو پا لیا ہے۔ اس نے کچھ اصول پیش کیے۔ اشوکا (Ashoka) نے انہیں اصولوں کو لیا اور پتھروں پر کندہ کروا لیا۔ گوتم بدھ نے کیا سکھایا؟ اس نے ایسے ذاتی تجربے سے اپنی تعلیمات پیش کیں جسے اس نے اپنے آباؤ اجداد اور دوسروں سے سیکھا تھا اور اسے حکمت و دانش کہا۔ آج بہت سے بدھ خالق کے وجود پر ایمان نہیں رکھتے لیکن بدھوں میں سے زینیا (Zenia) مکتبۂ فکر ایک اعلیٰ ذات کے وجود کو ضرور تسلیم کرتا ہے مگر وہ بھی کہتے ہیں کہ اس اعلیٰ ذات کی صفات نامعلوم ہیں اور کوئی شخص اس تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لیے اسے اہمیت دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

زینیا فرقہ کے معلم نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ گوتم بدھ نے کہا تھا: ''اِپٹی ویٹی کا'' اور ''اُدتا'' یعنی ''اے بھکو (طالب علمو) بلاشبہ ایک نظر نہ آنے والا، نامعلوم، غیر مولود اور غیر مخلوق ہے۔ اگر کوئی ایسی ذات نہیں ہے تو پھر کسی شخص کے لیے اپنی مصیبتوں سے خلاصی پانے کا کوئی راستہ نہیں۔

چین میں ہم کنفیوشس (Confucius) کو دیکھتے ہیں جس نے قدیم چینی فلسفیوں سے تعلیمات اخذ کیں اور انہیں ایک ضابطۂ کار کی صورت میں مدوّن کر دیا۔

ہندوستان میں ہم کرشنا (Krishna) کو دیکھتے ہیں جس نے کچھ اخلاقی اصول سکھائے جو اس کی ذاتی ذہانت جسے وہ دوسروں کی مدد سے بڑھا سکا پر مبنی تھے۔ اس کی کتاب گیتا کہلاتی ہے۔

جہاں تک ویدوں کا تعلق ہے تو انہیں مدوّن کرنے والے نامعلوم ہیں۔ ہندو اسکالر تسلیم کرتے ہیں کہ چاروں ویدیں ایسی کتابیں ہیں جو مصر اور مشرقی ممالک کی کہانیوں پر مشتمل ہیں۔

حق کا متلاشی اپنی پیاس بجھانے کے لیے (کیونکہ وہ کسی ایسی رہنمائی کے لیے صحیح معنوں میں پیاسا ہے جو اچھا اور بُرا بتادے) جب ہندوستان کی طرف دیکھتا ہے اور وہاں کرشنا اور گوتم بدھ جیسے لوگوں کو پاتا ہے جنہوں نے دوسروں سے سیکھی ہوئی اور اپنی ذاتی فہم کی بنیاد پر لوگوں کو تعلیم دی تو وہ ایران کی طرف مڑ جاتا ہے جہاں وہ زرتشتیوں کو دیکھتا ہے۔ ان کے پاس بھی اپنے تجربات اور دوسروں سے سیکھی باتوں کا علم ہے۔ پھر وہ یونان کی طرف آ جاتا ہے۔ یہ افلاطون، ارسطو اور سقراط جیسے عظیم فلسفیوں کی سرزمین ہے۔ وہاں وہ دیکھتا ہے کہ یونانی فلسفیوں نے منطق، اپنی فراست اور سائنسی تجربات سے کچھ حقائق پانے کی کوشش کی تھی۔ یونانی فلاسفہ کا علم ان کی اپنی ذہانت، تجربات اور دوسروں سے سُنی باتوں پر مبنی ہے۔

ان تمام حالتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ معلّمین کے پاس محدود علم تھا۔ ان کا علم جامع اور وسیع بھی نہ تھا کیونکہ وہ ان کی اپنی ذہانت اور تجربات یا جو کچھ انہوں نے دوسرے اشخاص سے سیکھا سے ماخوذ تھا۔

حق کا متلاشی اب تھک چکا ہے۔ اسے ایسے کسی مصدر ومنبع سے رہنمائی کی ضرورت ہے جس کا علم ماضی، حال اور مستقبل کو محیط ہو۔ یہ متلاشی ہماری طرف مڑ آئے گا اور سوال کرے گا: "کیا تمہارے پاس ایسا کوئی مصدر ومنبع ہے؟"

آیئے ہم حق کے متلاشی کی توجہ اس صداقت کی طرف مبذول کروا دیں کہ اس دُنیا میں ہماری تمام احتیاجات اور ضروریات قدرت مہیا کرتی ہے۔ قدرت ہمیں خوراک مہیا کرتی ہے قطع نظر اس کے کہ ہم اسے کس شکل میں حاصل کرتے ہیں۔ اگر ہم پیاس محسوس کریں تو اسے بجھانے کے لیے ہم پانی حاصل کر سکتے ہیں۔ ہماری جو بھی ضرورتیں ہوں قدرت بہم پہنچاتی ہے۔

اگر ہمیں ایک رہنما کی ضرورت ہے تو یقیناً یہ بھی ہمیں مہیا کیا جانا چاہیے۔ آیئے غور کریں ہمارا رہنما کس قسم کا ہونا چاہیے۔ ہم جان چکے ہیں کہ ہمیں قدرتی طور پر ایسے منبع سے رہنمائی کی ضرورت ہے جس کا علم وسیع اور جامع ہو۔ ایسا رہنما جو ہم پر مہربان ہو اور ہم سے محبت کرتا ہو کیونکہ اگر وہ رہنما ہم سے محبت نہیں کرتا تو وہ ہمیں غلط راستے پر ڈال سکتا ہے۔

ایک طبیب اپنے علم میں ماہر ہو سکتا ہے لیکن اگر وہ ہمارا مخالف ہو تو وہ ہمیں دوا کی بجائے زہر بھی دے سکتا ہے۔ ہمارے اور اس رہنما کے درمیان وہ تعلق ہونا چاہیے جو درخت کی جڑوں کو اس کی شاخوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کی رہنمائی اس کے اپنے ہی کسی خود غرضانہ مقصد پر مبنی نہ ہو۔

جہاں تک علم کے لیے ہماری پیاس کا تعلق ہے ہم انسان ہر ایک چیز کو جاننا چاہتے ہیں، نہ صرف وہ چیزیں جنہیں ہم دیکھتے اور زیرِ مشاہدہ لاتے ہیں بلکہ وہ چیزیں بھی جو ہم سے پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔ اس لیے اُس رہنما کا علم اس قدر وسیع اور جامع ہو کہ اس کے پاس نہ صرف مادّی اشیاء کا علم ہو بلکہ اسے غیر مادّی اشیاء اور غیب کا بھی علم ہو۔

ہم نے دیکھا کہ دین ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس کے ذریعے ہم یہ جان سکتے ہیں کہ اچھا کیا ہے اور بُرا کیا، کیا مفید ہے اور کیا مضر۔ ہر شخص اپنی کوشش میں کامیابی چاہتا ہے اور ایک کامیاب زندگی چاہتا ہے تاکہ اسے قلب و ذہن کا سکون نصیب ہو۔ اپنے رہنما کی اتباع میں ہمیں یہ ضمانت ملنی چاہیے کہ ہماری کامیابی یقینی ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ وہ رہنما ایسے ہادی کی طرف سے آیا ہو جو قادرِ مطلق ہو تاکہ اگر ہم اس کے احکامات کی فرماں برداری کریں تو کوئی ہمیں روک نہ سکے۔

اس طرح ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہمارا رہنما علیم (سب کچھ جاننے والا)، قدیر (ہر شے پر قدرت رکھنے والا)، رحیم (ترس کھانے والا مہربان) اور رؤف (بہت محبت کرنے والا) ہو۔

اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد ہم اپنے آپ سے سوال کرتے ہیں: کیا ہمارے پاس ایسا کوئی رہنما ہے بھی سہی؟ کیا ایسا کوئی رہنما ہونا بھی چاہیے؟ کیا ایسا کوئی رہنما کہیں ملتا بھی ہے؟ یہ سوال ہمارے اگلے سبق کا موضوع ہوگا۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق قادرِ مطلق رب پر ایمان رکھنا اور اس کے احکامات کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا انسانی فطرت ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ...(صحیح بخاری، کتاب: الجنائز؛ باب: ما قیل فی أولاد المشرکین) یعنی

ہر پیدا ہونے والا فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔

صحابہ نے عرض کی: فطرت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: طبیعتِ اسلام۔ اس لیے اسلام فطرت کا مترادف ہے اور فطرت اسلام کی مترادف۔ اسلام کی ساری تعلیمات فطرت سے ہم آہنگ ہیں۔

کسی حاکمِ اعلیٰ پر ایمان رکھنا اور اس کے احکامات کی فرماں برداری کرنا انسان کی جبلت میں داخل ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ قوانینِ فطرت اور اپنے وجود کے قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ ایک اعلیٰ و اَرفع ذات پر یقین رکھنے کی یہ جبلت انسان کے لیے ایسے فطری ہے جیسے مچھلی کے لیے پانی میں تیرنا۔ جہاں تک تیراکی کا تعلق ہے پیدا ہونے والی نئی مچھلی کو کسی استاد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور جہاں تک پوری کائنات کا تعلق ہے قادرِ مطلق کے وجود پر یقین رکھنا ہر ذرّے اور ہر ذات کی فطرت میں داخل ہے۔ اس لیے اگر ہم سے قادرِ مطلق کے وجود پر دلیل مانگی جاتی ہے تو اسلام کے مطابق ہمارا جواب یہ ہونا چاہیے کہ خالقِ کائنات کی ذات پر ایمان رکھنا ہر انسان کی فطری جبلت ہے۔ یہ اس قادرِ مطلق کا وجود نہیں جو دلیل کا مطالبہ کرتا ہے بلکہ یہ اس کا عدم وجود ہے جو دلیل مانگتا ہے۔

قادرِ مطلق کے وجود پر تمام انسانوں کا فطری جبلت کی بنا پر یقین رکھنا ہم کیسے ثابت کرسکتے ہیں۔ اسے ثابت کرنے کا واحد راستہ آزمائش ہے۔ جس طرح ایک سائنس دان اپنے مفروضات کو تجربے اور مختلف اشیاء کی آزمائش سے ثابت کرتا ہے ہمیں بھی اسی طرح انسانوں میں حالتِ ایمان کا جائزہ لینا چاہیے۔ پہلے ہمیں اپنی توجہ قدیم قبائل پر مرکوز کرنی چاہیے جنھوں نے کسی تہذیب یافتہ گروہِ انسان سے اثرات قبول نہیں کیے۔ جہاں تک زیادہ ترقی یافتہ قبائل کا تعلق ہے ہم جانتے ہیں کہ بعض تصورات پر ایمان لانے کے لیے انہیں تعلیم و تربیت دی گئی ہے۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ ...'' (صحیح بخاری، کتاب: الجنائز؛ باب: ما قيل في أولاد المشركين) یعنی اس کے والدین اسے یہودی بنائیں یا عیسائی یا مجوسی بنائیں......

خوش قسمتی سے مجھے دُنیا کے کئی حصوں میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا ہے اور شمالی افریقہ

اور برما جیسے ممالک میں مجھے قدیم قبائل کے افراد سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں جب بھی ایسے قبائل سے ملا میں نے اُن سے پوچھا: تمھیں کس نے پیدا کیا ہے؟ ان لوگوں نے ہمیشہ آسمان کی طرف اشارہ کرکے جواب دیا اور وہ یہ کہنے کی کوشش کرتے ہیں کہ انہیں نظر نہ آنے والی ایک اعلیٰ و ارفع ذات نے پیدا کیا ہے۔ قدرتی طور پر ہم جو سوال پوچھیں گے وہ یہ ہے کہ انہیں کس نے سکھایا۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں عطا فرمایا ہے: ''یہ ان کی فطرت ہے۔ ہر شے اللہ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرتی ہے اور اس کی حمد و ثناء بیان کرتی ہے۔'' (دیکھیے: سورۃ الروم: ۳۰؛ سورۃ الاسراء: ۴۴)

پوری کائنات ایک اعلیٰ و ارفع ذات پر ایمان رکھتی ہے کیونکہ ایسا کرنا اس کی فطری جبلت ہے۔ جیسا کہ ہندوستان کے ایک عظیم استاد شاہ عبدالعزیز نے فرمایا: ''ہر ایک چیز میں روح ہے وہ روح اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے۔'' اگر ہم اس روح کا استعمال کریں تو یہ روح ذکرِ الٰہی میں ترقی کرتی ہے لیکن اگر ہم اسے دبائیں تو یہ اللہ کو بھول جاتی ہے۔ مگر ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ روح انسانیت کی فطری جبلت کا حصہ ہونے کی بنا پر موجود رہتی ہے۔

جب بھی ہم کوئی نئی چیز دریافت کرتے ہیں تو سب سے بڑا خیال جو ذہن میں پیدا ہوتا ہے یہ ہوتا ہے: ''کوئی نہ کوئی اس کا خالق ضرور ہے۔'' اگر وہ چیز ہمارے لیے مفید ہوتی ہے اور ہم نے اسے کسی اور شخص کے وسیلے سے حاصل کیا ہو تو دوسرا خیال جو خود بخود آتا ہے یہ ہوتا ہے: ''ہمیں اس شخص کا شکرگزار ہونا چاہیے۔'' کیوں؟ کیا ہم اس کے مرہونِ منت اس لیے نہیں ہیں کہ اس نے اتنی مفید چیز ہمیں دی؟

یہ دونوں خیال اتنے قدرتی ہیں کہ وحشی سے لے کر اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان تک سب کے اذہان کو فوراً گھیر لیتے ہیں بشرطیکہ وہ شخص کچھ سوجھ بوجھ رکھتا ہو کیونکہ صرف ہوشیار ذہن ہی اس انداز سے جواب دے گا۔ انسانی ذہانت جو انسان کو حیوانات سے ممتاز کرتی ہے کا یہ تقاضا ہے کہ ایسے خیالات ہمارے ذہنوں میں لازماً بلا سوچے سمجھے پیدا ہوں۔

اب یہ پوری دُنیا اور اس کی رنگ برنگی نعمتیں مثلاً ہوا، آگ، پانی، نباتات، آسمان اور اس کا نظامِ شمسی بشمول سورج، چاند اور سیارے؛ سمندر اور اس کی متنوع اشیاء اور ان سب

ہر پیدا ہونے والا فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔

صحابہ نے عرض کی: فطرت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: طبیعتِ اسلام۔ اس لیے اسلام فطرت کا مترادف ہے اور فطرت اسلام کی مترادف۔ اسلام کی ساری تعلیمات فطرت سے ہم آہنگ ہیں۔

کسی حاکمِ اعلیٰ پر ایمان رکھنا اور اس کے احکامات کی فرماں برداری کرنا انسان کی جبلت میں داخل ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ قوانینِ فطرت اور اپنے وجود کے قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ ایک اعلیٰ و ارفع ذات پر یقین رکھنے کی یہ جبلت انسان کے لیے ایسے فطری ہے جیسے مچھلی کے لیے پانی میں تیرنا۔ جہاں تک تیراکی کا تعلق ہے پیدا ہونے والی نئی مچھلی کو کسی استاد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور جہاں تک پوری کائنات کا تعلق ہے قادر مطلق کے وجود پر یقین رکھنا ہر ذرّے اور ہر ذات کی فطرت میں داخل ہے۔ اس لیے اگر ہم سے قادر مطلق کے وجود پر دلیل مانگی جاتی ہے تو اسلام کے مطابق ہمارا جواب یہ ہونا چاہیے کہ خالق کائنات کی ذات پر ایمان رکھنا ہر انسان کی فطری جبلت ہے۔ یہ اس قادر مطلق کا وجود نہیں جو دلیل کا مطالبہ کرتا ہے بلکہ یہ اس کا عدم وجود ہے جو دلیل مانگتا ہے۔

قادر مُطلق کے وجود پر تمام انسانوں کا فطری جبلت کی بنا پر یقین رکھنا ہم کیسے ثابت کر سکتے ہیں۔ اسے ثابت کرنے کا واحد راستہ آزمائش ہے۔ جس طرح ایک سائنس دان اپنے مفروضات کو تجربے اور مختلف اشیاء کی آزمائش سے ثابت کرتا ہے ہمیں بھی اسی طرح انسانوں میں حالتِ ایمان کا جائزہ لینا چاہیے۔ پہلے ہمیں اپنی توجہ قدیم قبائل پر مرکوز کرنی چاہیے جنہوں نے کسی تہذیب یافتہ گروہ انسان سے اثرات قبول نہیں کیے۔ جہاں تک زیادہ ترقی یافتہ قبائل کا تعلق ہے ہم جانتے ہیں کہ بعض تصورات پر ایمان لانے کے لیے انہیں تعلیم و تربیت دی گئی ہے۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ ...'' (صحیح بخاری، کتاب: الجنائز؛ باب: ما قيل في اولاد المشركين) یعنی اس کے والدین اسے یہودی بنائیں یا عیسائی یا مجوسی بنائیں......

خوش قسمتی سے مجھے دُنیا کے کئی حصوں میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا ہے اور شمالی افریقہ

اور برما جیسے ممالک میں مجھے قدیم قبائل کے افراد سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں جب بھی ایسے قبائل سے ملا میں نے اُن سے پوچھا: تمھیں کس نے پیدا کیا ہے؟ ان لوگوں نے ہمیشہ آسمان کی طرف اشارہ کرکے جواب دیا اور وہ یہ کہنے کی کوشش کرتے ہیں کہ انہیں نظر نہ آنے والی ایک اعلیٰ و ارفع ذات نے پیدا کیا ہے۔ قدرتی طور پر ہم جو سوال پوچھیں گے وہ یہ ہے کہ انہیں کس نے سکھایا۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں عطا فرمایا ہے: ''یہ ان کی فطرت ہے۔ ہر شے اللہ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرتی ہے اور اس کی حمد و ثناء بیان کرتی ہے۔'' (دیکھیے: سورۃ الروم: ۳۰؛ سورۃ الاسراء: ۴۴)

پوری کائنات ایک اعلیٰ و ارفع ذات پر ایمان رکھتی ہے کیونکہ ایسا کرنا اس کی فطری جبلت ہے۔ جیسا کہ ہندوستان کے ایک عظیم استاد شاہ عبدالعزیز نے فرمایا: ''ہر ایک چیز میں روح ہے وہ روح اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے۔'' اگر ہم اس روح کا استعمال کریں تو یہ روح ذکرِ الٰہی میں ترقی کرتی ہے لیکن اگر ہم اسے دبائیں تو یہ اللہ کو بھول جاتی ہے۔ مگر ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ روح انسانیت کی فطری جبلت کا حصہ ہونے کی بنا پر موجود رہتی ہے۔

جب کبھی ہم کوئی نئی چیز دریافت کرتے ہیں تو سب سے بڑا خیال جو ذہن میں پیدا ہوتا ہے یہ ہوتا ہے: ''کوئی نہ کوئی اس کا خالق ضرور ہے۔'' اگر وہ چیز ہمارے لیے مفید ہوتی ہے اور ہم نے اسے کسی اور شخص کے وسیلے سے حاصل کیا ہو تو دوسرا خیال جو خود بخود آتا ہے یہ ہوتا ہے: ''ہمیں اس شخص کا شکر گزار ہونا چاہیے۔'' کیوں؟ کیا ہم اس کے مرہونِ منت اس لیے نہیں ہیں کہ اس نے اتنی مفید چیز ہمیں دی؟

یہ دونوں خیال اتنے قدرتی ہیں کہ وحشی سے لے کر اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان تک سب کے اذہان کو فوراً گھیر لیتے ہیں بشرطیکہ وہ شخص کچھ سوجھ بوجھ رکھتا ہو کیونکہ صرف ہوشیار ذہن ہی اس انداز سے جواب دے گا۔ انسانی ذہانت جو انسان کو حیوانات سے ممتاز کرتی ہے کا یہ تقاضا ہے کہ ایسے خیالات ہمارے ذہنوں میں لازماً بلا سوچے سمجھے پیدا ہوں۔

اب یہ پوری دُنیا اور اس کی رنگ برنگی نعمتیں مثلاً ہوا، آگ، پانی، نباتات، آسمان اور اس کا نظامِ شمسی بشمول سورج، چاند اور سیارے؛ سمندر اور اس کی متنوع اشیاء اور ان سب

رہنمائی کے ایک کامل ہاتھ کے تحت مشین کی طرح کام کرتا؛ صرف یہی نہیں بلکہ ہمارا اپنا جسم، اس کے اعضاء، اس کے اندرونی حصے، حواس اور ذہانت یہ سب نعمتیں ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور ہم ہر لمحے ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

کیا یہ عقل وخرد کی حدود میں نہیں آتا کہ جونہی یہ اشیاء ہماری نظروں کے سامنے آتی ہیں اور ہم ان کے وجود اور فوائد سے آگاہ ہوتے ہیں مندرجہ بالا دونوں خیال فوراً بلا ارادہ ہمارے ذہن میں ابھرتے ہیں اور ہمیں صرف اس ایک نتیجے پر پہنچاتے ہیں کہ کائنات کی اس حیران کن پیچیدہ مشینری کا صانع اور انجینئر لازماً لامحدود حکمت و دانائی کا مالک ہے۔

فلسفہ جو ہر واقعہ کے وقوع کی بنا علت و معلول یا سبب و مسبب کے بنیادی اصول پر رکھتا ہے ہمیں اس نتیجے پر لے آتا ہے کہ اسباب کے سلسلے کو ایک سب سے بڑا اصل سبب، ایک حقیقی سبب چاہیے۔ اس سب سے بڑے اصل سبب کو سبب کل، عقل کل یا حقیقت مطلقہ سمجھنا چاہیے۔

کیمسٹری اور فزکس کے شعبوں میں اپنی تحقیقات کے بعد سائنسدان پہلے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کائنات کے سارے مادے سے انہیں اس وقت حاصل عمیق ترین اور واضح ترین سائنسی علم نے جو بات ذہن میں راسخ کی ہے وہ ایک مقدس یا پاک وجود (یعنی اللہ) کا احساس ہے۔

مختصر یہ کہ جہاں سائنسدانوں کی تحقیق اپنی انتہا کو پہنچتی ہے وہیں سے دین کی ابتدا شروع ہوتی ہے کیونکہ گھاس کے ایک چھوٹے سے پتے سے لے کر بہت بڑے سیارے تک کا صانع کون ہے؟ کے سوال کے لیے ایک دین دار کا ہمیشہ سے مستقل جواب یہ ہے: ''ان کا خالق صرف ایک ہی ہے جسے مختلف لوگ مختلف نام دیتے ہیں مثلاً سبب الاسباب، سبب اُولی، عقل کُل، حقیقت مطلقہ لیکن یہ دین و مذہب کی اصطلاح میں ''خدا'' یا ''اللہ'' کے نام سے معروف ہے۔ وہی تمام اسباب کا سبب ہے اور اس کے اپنے وجود کا کوئی سبب نہیں۔ اس لیے وہ ابدی ہے۔ وہی تمام مادّے کے پیچھے اصل اور حقیقت ہے لیکن وہ کسی بھی طریقے سے اس کا حصہ یا جزو نہیں ہے۔ اس لیے وہ غیر مادّی ہے۔ وہ پوری کائنات کا خالق ہے۔

نتیجہ یہ کہ وہ خود غیر مخلوق ہے۔

تمام اجسام متغیر ہیں۔ ان کی تحلیل و تجزیے نے ان کی تغیر پذیری کو ثابت کیا ہے اور ان کی تغیر پذیری واضح طور پر ان کی پیدائش کو ثابت کرتی ہے جو پھر قدرتی طور پر ان کی موت کی توثیق کرتی ہے۔ تاہم اللہ غیر مادّی ہے۔ نتیجہ یہ کہ اس کا تجزیہ ناممکن ہے اور اس کی ناتغیر پذیری ناقابل فہم ہے۔ اللہ کا ازلی و ابدی ہونا واجب ہے یعنی وہ قیوم ہے۔

اس طرح اس کے وجود کی نہ تو ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ وہ ابدی، غیر مادّی، غیر متبدّل، خالق کائنات اور واحد حقیقی خالق ہے۔ یہ دین کا پہلا سبق ہے۔

دنیا کے تمام معروف اور مُسلّم ادیان جن کے پیروکاروں کی تعداد اربوں میں ہے وہ اسے مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ اگرچہ مؤخر الذکر نے اپنی ذہانت کے مطابق اس کے بارے میں مختلف انداز کے تصورات تشکیل دیئے ہیں سچائی اس میں بہرحال ہے۔ یہ ہزاروں پردوں کے پیچھے سے اس میں جھانکتا ہے۔ اپنی اصل تعلیمات میں تغیر و تبدّل کے باوجود اس میں اس کی شعاعیں خیرہ کر دینے والی آب و تاب کے ساتھ چمکتی ہیں۔

تمام اصحاب فہم و فراست چاہے وہ فلسفی ہوں یا سائنسدان، دانا ہوں یا انبیاء، پڑھے لکھے ہوں یا معمولی آدمی سب معمولی سی سوچ کے بعد لازماً ایک ہی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ایک ہی ابدی وجود ہے جو سب کا خالق ہے اور یہ کہ وہی اکیلا بلاشک وشبہ ۹۲ کیمیائی عناصر سے مرکب موجودات کا رازق ہے جو عام آنکھ سے نظر نہ آنے والے مختلف اقسام کے ایٹموں سے مرکب ہیں۔ سائنسدانوں کا یقین ہے کہ مادّہ نہ تو پیدا کیا جا سکتا ہے اور نہ معدوم، کائنات میں اس کی مقدار مستقل ہے اور اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا یہ بھی ایمان ہے کہ ہر چیز کے کام کرنے کی صلاحیت کی مقدار بھی متعین ہے اسے بھی تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی مزید تحقیق یہ واضح کرتی ہے کہ ایٹم ناقابل تقسیم نہیں ہے اور کائنات میں مادّے کی کُل مقدار بھی مستقل نہیں ہے۔ انہوں نے مادّے کی تباہی بلکہ اس کی توانائی میں تبدیلی کو ریڈیائی مادے مثلاً ریڈیم، یورینیم وغیرہ میں دیکھا تو انہیں معلوم ہوا کہ تمام ۹۲ مختلف اقسام کے عناصر کے ایٹم بجلی کے منفی اور مثبت اجزاء کی مختلف تراکیب کا نتیجہ ہیں۔ جنہیں پروٹان اور

الیکٹران کہتے ہیں جو ایک خاص انداز میں مادّے میں حالتِ گردش میں پائے جاتے ہیں۔

ان نتائج نے بجلی اور مقناطیسیت کی حقیقت کے بارے میں کچھ مزید حقائق کو آشکار کیا۔ لیکن مزید تحقیقات نے یہ انکشاف کیا کہ بجلی کے ذرّے نور کی شعاعوں کے چھوٹے چھوٹے نکتوں کے سوا کچھ نہیں ہیں جو ایک ایسے مرکز کے گرد مقید ہیں جس کے گرد یہ گھومتی رہتی ہیں۔ اس طرح تمام مادّہ کسی نہ کسی قسم کی توانائی میں ڈھلتا رہتا ہے۔ کیا آپ کو علم ہے کہ توانائی کیا ہوتی ہے؟ کوئی اس کی موروثی حقیقت کو نہیں جانتا لیکن ہم اسے اس کی ظہور کی وجہ سے پہچانتے ہیں اور تعریف کرتے ہیں کہ یہ کام کرنے کی صلاحیت کا نام ہے۔

اس لیے یہ واضح ہو گیا کہ کیمسٹری اور فزکس کی تمام تحقیقات کا نتیجہ یہ دریافت ہے کہ اس مادّے اور توانائی کی دنیا کے سارے متنوع مظاہر صرف کسی وجود کے "کام کرنے کی صلاحیت" کا اظہار ہیں جو ابھی تک سائنسدانوں کو معلوم نہیں ہو سکا۔ وہ وجود جو سائنسدانوں کو معلوم نہیں ہو سکا دین کی سائنس میں اس کا نام خدا یا اللہ ہے۔ سر کلوَر لاج (Cliver Lodge) کہتا ہے: "جب ہم کسی مرحلے پر وجود کے متعلق اپنا فلسفہ بیان کرتے ہیں تو ہمیں لازماً مادّی سائنس کی حدود سے اوپر جانا پڑتا ہے اور مافوق الانسان رہنما اور رہبر طاقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے"۔ ڈاکٹر ڈیوڈ سٹار جارڈن (David Starr Jordon) کہتا ہے: "اگر ہم کافی گہرائی میں جا کر سوچیں تو کیا سائنس ہمیں خدا پر ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتی؟" سر آرتھر کیتھ (Arther Keith) لکھتا ہے: "ہم چاہے سائنسدان ہوں یا معمولی آدمی ہمیں، لازماً کائنات کا ایک رب فرض کر لینا چاہیے"۔

سبق نمبر دو

کوئی چیز چاہے چھوٹی سی ہو یا بہت بڑی پیچیدہ مشینری اس کا بنانے والا اسے بنانے سے قبل یا بناتے وقت یا کم از کم جب وہ اسے مکمل بنا لیتا ہے اس کی خصوصیات اور فوائد جانتا ہے۔ یہ صرف صانع ہی ہوتا ہے جو اس کی تعمیر و تشکیل اور اس کے مختلف پُرزوں کے کام کا علم رکھتا ہے۔ کسی معمولی انجن یا مشین کو دیکھیں تو اس کے مختلف پُرزے ایک خاص منصوبے کے تحت آپس میں جڑے ہوئے نظر آتے ہیں اور اگر کوئی ایک پُرزہ بھی اپنی مقررہ جگہ سے نکال لیا جائے تو مشینری کا پورا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ وہ موجد جس نے اسے بنایا جانتا ہے کہ کس پرزے کو کونسی خاص جگہ پر رکھنا ہے۔ مشین کو تیل، کوئلے یا گیس میں سے کس کے ذریعے کیسے چلانا ہے اور یہ بھی کہ کونسا خاص کام اس مشین کے ذریعے کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے لوگوں کو مکینیکل انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنی پڑتی ہے اور ان اصولوں کو سیکھنا اور ان میں مہارت حاصل کرنا ہوتی ہے جو اصلی موجد وضع کرتا ہے تاکہ مشین سے محفوظ اور مناسب طریقے سے اور صانع کے منصوبے کے مطابق کام لیا جا سکے۔

عظیم ترین فلسفی یا منطقی، سب سے زیادہ زیرک ریاضی داں، سب سے بڑا ماہر نباتات، معدنیات شناس یا ماہر حیوانات اپنے اپنے شعبے میں چاہے جتنے بھی دانشمند ہوں اگر اپنے علم کے ساتھ اس مشین کو چلانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہر ایک یقیناً ناکامی کا سامنا کرتا ہے۔ چاہے ہم یہ بھی فرض کر لیں کہ وہ ایک حد تک ضرور کامیاب ہو جاتا ہے پھر بھی اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ مشین کو ناقابلِ مرمت حد تک تباہ کر بیٹھے گا۔ اور اس بات کے بھی امکانات ہیں کہ وہ اس کوشش میں اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ اگر وہ مشین کو مناسب انداز میں چلانا چاہتا ہے تو اسے مکینیکل انجینئرنگ کا علم لازماً حاصل کرنا ہوگا اور مشین کے موجد کے وضع کردہ اصولوں کو سیکھنا ناگزیر ہوگا۔

تاہم اگر اس کی ذہانت اُس موجد سے افضل ہے اور اُسے ایجاد اور دریافت کی لامتناہی صلاحیت عطا کی گئی ہے تو یہ ممکن ہے کہ وہ اس مشین کے صانع کی طرف سے مکینیکل

انجینئرنگ ہدایات اور تعلیم کے بغیر بالکل ٹھیک طریقے سے اسے چلا سکے۔

تخلیق کے معاملے میں بھی یہی بات ہے جس کا بنانے والا خالقِ مطلق اور مالکِ کائنات ہے۔ جس کا کرم لامحدود ہے اور جس کی عظمت کا پورا اظہار ناممکن ہے۔ کسی انجن میں چھوٹے سے پرزے کی طرح اس نے اس کائنات کے ہر ایٹم کو کسی نہ کسی مقصد کے تحت پیدا کیا ہے۔ اس کائنات کے مختصر ترین ذرّے سے لیکر بلند ترین پہاڑ اور سیاروں تک سب اس کائنات کی مشینری کے پرزے ہیں۔ اسی طرح انسانی مشین کے پرزے عضلات سے لیکر صرف خوردبین سے نظر آنے والے خلیوں تک ایک خاص مقصد اور مقررہ کام کے پیشِ نظر بنائے گئے ہیں۔ اور ایسے ہی انسانی مشین کا ہر جزو ہے۔ ہر عضو کو ایک خاص صلاحیت اور قابلیت بخشی گئی ہے اور اس نے ایک مقررہ کام کرنا ہے۔ اس کے بعد مزید یہ کہ پورا انسانی جسم خاص مقاصد اور اہداف کے لیے بنایا گیا ہے۔ مرد اور عورت، طاقتور اور کمزور، امیر اور غریب، گورے اور کالے میں فرق رکھا گیا ہے جن کا مقصد صرف خالق کو معلوم ہے بالکل ایسے جس طرح مشین کا موجد اس مقصد کو جانتا ہے جس کے پیشِ نظر وہ مختلف اجزاء کو بناتا اور ان کی شکلیں وضع کرتا ہے۔

جس طرح انجن کے وجود سے پہلے اس کے موجد کا موجود ہونا شرط ہے اسی طرح اس کائنات کے خالق کا موجود ہونا واجب ہے جو اس کائنات کی تخلیق کے لیے اوّلین شرط ہے۔ پھر یہ کہ جس طرح اس کا وجود بلاشبہ یقینی ہے اس طرح اس کا علم بھی یقینی ہے؛ جس طرح وہ ازخود موجود ہے اسی طرح اس کا علم ازخود ہے۔ وہ اس وقت بھی موجود تھا جب یہ کائنات نہ تھی۔ فنکار اس وقت موجود تھا جب فن پارہ نہیں تھا۔ اسی طرح جبکہ تخلیق اور مخلوق نہیں تھیں خالق کو ان کا اور ان کے متعلقات کا علم تھا۔ صرف وہی جانتا ہے کہ اس نے کب اس کائنات کو پیدا فرمایا اور کیوں اس نے اُس کام یعنی مخلوق میں تنوع پیدا کیا۔

ہم نے ابھی ابھی یہ واضح کیا ہے کہ ایک ذہین و فطین آدمی کسی مشین کے پرزوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور ان پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے تو شاید مشین کو ایک حد تک چلا لینا اس کے لیے ممکن ہو جائے لیکن وہ یقیناً اس کے تمام کُل پرزوں سے مکمل طور پر واقف نہ ہو سکے

گا کیونکہ اس کا علم اس کے تمام پرزوں کی بناوٹ اور ترکیب کو محیط نہیں۔ اس لیے جامع اور مکمل مہارت میں خامی رہ جانے کی وجہ سے اس کی اہلیت مشکوک ہو جاتی ہے اور اگر وہ مشین کو چلانے میں وقتی اور عارضی کامیابی حاصل کر بھی لے تو اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ یہی انسانی مشین کا معاملہ ہے۔ انسان کے اندر ایک اصول پایا جاتا ہے وہ ایک چیز کو کبھی اچھا سمجھتا ہے تو کبھی بُرا۔ نتیجہ یہ کہ اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا فیصلہ غلط تھا اس بنا پر وہ اپنے تصور میں اصلاح کرتا ہے۔ انسان کا علم زمانۂ حال کے واقعات تک محدود ہے اور زیادہ سے زیادہ وہ ماضی میں سے کچھ جان لیتا ہے۔ اس لیے انسانی ذہن انسانی زندگی کے لیے جو قوانین بھی وضع کرے گا وہ حال اور ماضی کے تجربات سے حاصل ہونے والے اسباق پر مبنی ہوں گے لیکن وہ مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے مکمل طور پر لاعلم ہے کیونکہ کوئی انسان مستقبل میں نہیں جھانک سکتا۔ نتیجہ یہ کہ انسانی قوانین اتنے ناقص ہیں کہ معاصر نسل کے لوگ ماضی کے قوانین میں بہتری کی خاطر ترمیم کو ناگزیر سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ موجودہ دور کے بلند پایہ مفکرین اور قانون دانوں کے ہی وضع کردہ قوانین میں مختصر عرصہ کے بعد زیادہ کامل تجربہ اور آزمائش کی روشنی میں تبدیلی متعارف کروانے کی ضرورت محسوس ہو جاتی ہے مگر اس کائنات کے خالق کا علم اور دانائی ماضی، حال اور مستقبل کو محیط ہے اور وہ مکمل طور پر انسان کی طبیعت کا مدرک ہے۔ اس لیے صرف اس کے ہی قوانین ہیں جو کامل ہیں اور ترمیم سے بے نیاز ہیں۔ ہاں اگر کوئی ایسا ذہن موجود ہوتا جو اس علیم کی عقل سے زیادہ طاقتور اور فہیم ہوتا تو یہ انصاف سے کہا جا سکتا تھا کہ وہ ذہن اس کائنات کی مشینری کو چلا سکتا ہے۔ جبکہ ایسے کسی ذہن یا عقل کے وجود کا تصور ہی مضحکہ خیز ہے جو اس مشینری کو نہ صرف سمجھ سکتا ہے بلکہ خود اس جیسی بنا بھی سکتا ہے۔

ہر فنکار اپنے فن پارے سے محبت کرتا ہے۔ یہ ایک مسلّم سچائی ہے جسے دلائل سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ مشینری کو ایک طرف رکھ دیں ایک معمولی سے فن پارے کو بنانے والا بھی اسے نقصان پہنچانے یا مکمل تباہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ سمجھنے کے لیے کسی فلسفی کے ذہن کی ضرورت نہیں کیونکہ ایک اوسط ذہانت کا شخص بھی سمجھتا ہے کہ اگر کوئی

اپنے ہاتھوں سے مٹی کا ایک کھلونا بھی بناتا ہے تو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے کی خواہش نہیں کرتا۔ ایسی صورت میں کیا یہ قابلِ فہم ہے کہ ایک عظیم فلسفی اور ایک علیم ذات جس نے اتنی بڑی کائنات اپنی قدرت سے بنائی اور انسان کو اس محیر العقول کاریگری پر سوچ و بچار کرنے کے لیے ذہانت عطا فرمائی اور اُسے اِس کے مختلف اجزاء سے فوائد حاصل کرنے کے لیے باصلاحیت بھی بنایا وہ انسان کو اس جگہ کام کرنے کے لیے متعلقہ ضروری اصولوں اور ضابطوں سے جاہل رہنے کی اجازت دے سکتا ہے؟ نہیں، وہ خطوط جن پر جسمِ انسانی کی مشین کو لازماً کام کرنا چاہیے یا اسی جیسی مشین کو ظاہر کرنے کا سبب بننا چاہیے تاکہ مشین غیر فعال نہ رہے، تاکہ اس کا بھرپور استعمال کیا جا سکے۔

ہمارے تیسرے سبق کے تعارف کے لیے میں یہ ذکر ضرور کروں گا کہ جب ہمارے نبی اکرم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرما کر یمن جانے اور وہاں اسلام کی تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا تو انہیں نصیحت فرمائی: ''اے علی انہیں بتانا کہ صرف ایک اِلٰہ پر ایمان لائیں اور اللہ کے سوا کوئی معبودِ حقیقی نہیں۔ جب وہ اس کے قائل ہو جائیں پھر انہیں کہنا کہ محمد (ﷺ) کے اللہ کا نبی ہونے پر ایمان لائیں۔ جب وہ اس کے قائل ہو جائیں تو پھر انہیں نماز سکھانا۔ جب وہ اس کے قائل ہو جائیں تو پھر انہیں زکوۃ، صیام اور حج کے احکام کی تعلیم دینا''۔ [اکثر کتبِ احادیث میں اس مضمون کی حدیث سیّدنا معاذ بن جبل سے متعلق ہے] یہ حدیث ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی نصیحت یہ ہے کہ ہماری اسلام کی تبلیغ و تعلیم بتدریج ہونی چاہیے۔ وقت بدل گیا ہے، بدقسمتی سے علماء، خطباء اور عام مسلمان اسلام کے بنیادی اصولوں اور دوسری غیر ضروری شروط میں فرق نہیں کر سکتے۔ اسلام کو قبول کرنے کے لیے متوقع لوگوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ انہیں اپنے ختنے کروانا ضروری ہے۔ ختنہ صرف ایک سنت ہے اگرچہ یہ بہتر ہے کہ ہر مسلمان مرد اپنا ختنہ کروائے مگر اسے ان لوگوں کے لیے ناگزیر نہ بنا دیا جائے جو اسلام قبول کرنے کے خواہش مند ہوں۔ جب میں زنجی بار (Zanzibar) میں تھا مجھے معلوم ہوا کہ تقریباً پانچ ہزار حبشی اسلام قبول کرنا چاہتے تھے مگر انہوں نے اسے قبول نہ کیا کیونکہ انہیں یہ بتایا گیا تھا کہ ختنہ کروانا ان پر

واجب ہے۔ بعد میں خبر ملی کہ انہی لوگوں نے عیسائیت قبول کر لی ہے۔

اپنے سابقہ سبق میں ہم نے دین، دینی قوانین کی ضرورت اور اُس علیم، قدیر اور رحمٰن ذات جس نے ہمیں پیدا فرمایا سے حصولِ ہدایت کی ضرورت پر بحث کی ہے۔ اب اس سوال کا جواب دیں گے کہ اس عظیم ذات سے ہم تک ہدایت کیسے آ سکتی ہے۔ ہم اس طریقۂ کار کو جانتے ہیں جسے اللہ نے انسانوں کی طرف اپنے انبیاء و رسل بھیجنے کے لیے اختیار فرمایا ہے۔ ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ اس قادرِ مطلق نے اس انداز کو کیوں پسند فرمایا؟ اس نے ہر ایک شخص کو براہِ راست کیوں نہ اِلہام فرما دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ بھی یہی طریقہ اختیار فرماتا تو پھر بنی نوعِ انسان اور کائنات کی دوسری اشیاء میں کوئی فرق نہ رہتا۔ سب کو چاروناچار قوانینِ فطرت کی مجبوراً پیروی کرنی پڑتی۔ تاہم بنی نوعِ انسان کو دانش مندی اور اچھے برے میں تمیز کرنے کی صلاحیت بخشی گئی اور نیکی یا بدی میں سے کسی کا انتخاب کرنے کا اختیار دیا گیا۔ چونکہ انسان کو انتخاب کا یہ اختیار حاصل ہے اس لیے انہیں ایک ایسی ہدایت کی ضرورت ہے جو انہیں یہ بتائے کہ درست کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً کئی علاقوں میں بنی نوعِ انسان کو زندگی گذارنے کا طریقہ سکھانے کے لیے اپنے انبیاء اور رُسل بھیجے۔

اگلا سوال ہم اپنے آپ سے یہ کرتے ہیں کہ ہم کیسے جان سکتے ہیں کہ ایک ہدایت واقعی اللہ کی طرف سے آئی ہے اور کسی انسانی ذہن کی اختراع سے نہیں ہے؟ ہمیں کیسے یقین ہو سکتا ہے کہ ہمیں ملنے والی اس ہدایت کے منبع و مصدر کا علم لامحدود اور جامع ہے؟ اس سلسلے میں اَوّلین اور بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ شخص جو اس ہدایت کو ہم تک پہنچاتا ہے اس نے اسے قادرِ مطلق سے حاصل کیا ہو نہ کہ اپنے ہی ذہن سے اس نے اُسے نکالا ہو۔ اگر یہ پتہ چلتا ہے کہ ہمیں پیغام پہنچانے والا وہ شخص ہمارے ہی جیسا ہے جس نے ہماری طرح علم و حکمت حاصل کیا ہے تو ہم شک کر سکتے ہیں کہ اس کے پاس جو علم ہے وہ اس کے ذاتی تجربات اور جو کچھ اس نے دوسروں سے سیکھا ہے کا نتیجہ ہے۔ اس لیے کسی نبی یا رسول کو جاننے کا معیار یہ ہے کہ اس کا ذہن مکمل طور پر صاف ہو اور اس کے پاس ایسا کوئی علم نہ ہو جسے اس نے

انسانی مصادر سے حاصل کیا ہو۔ اگر اسکولوں کالجوں سے تعلیم یافتہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرے تو ہمیں اُسے کہنا چاہیے کہ تم ایک تعلیم یافتہ آدمی ہو ہمیں کیسے اس بات کا یقین ہوسکتا ہے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہے اور یہ اس میں سے نہیں ہے جسے تم نے اپنے تجربات اور پڑھائی سے سیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ... (سورۃ الجمعۃ: ۲)

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا''۔

اسی طرح وہ معاشرہ جس میں ایک نبی نے نشو ونما پائی اسے بھی ناخواندہ ہونا چاہیے تاکہ معاشرے کے افراد سے حصولِ علم کا امکان ہی نہ رہے۔ نبوت و رسالت کا دعویٰ کرنے والا وہ شخص نہ صرف ناخواندہ اور انسانی تجربات پر مبنی علوم کے حصول سے ناواقف ہو بلکہ اس دنیا کا وہ ماحول جس میں وہ پلا بڑھا اور پرورش پائی بھی ناخواندہ اور جاہل ہو۔ صرف اسی صورت میں ہمیں یقین ہوسکتا ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے اللہ کی طرف سے ہے۔ جیسا کہ اللہ نے قرآن مجید میں ہمارے نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے: وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ (سورۃ النجم: ۳-۴)

ترجمہ: ''وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے''۔

انبیاء ہماری طرح انسان ہوتے ہیں کیونکہ ان میں تمام انسانی صفات ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ... (سورۃ الکہف: ۱۱۰)

ترجمہ: ''تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں''۔

وہ انسان ہوتے ہیں اِلٰہ نہیں کیونکہ اگر وہ اِلٰہ ہوتے تو انسانوں کے لیے نمونۂ عمل نہ بن سکتے۔ ایسے انبیاء کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ کا پیغام پہنچائیں اور خود اس پر عمل کر کے نمونہ بنیں۔ ایک رسول کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک انسان ہو کوئی مافوق الانسان ذات نہ ہو۔

تاہم ہماری سوچ یہ غلطی نہ کرے کہ انبیاء و رسل بھی معمولی انسان ہوتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ان میں انسانی صفات ہوتی ہیں مگر انہیں پیغامِ الٰہی کو وصول کرنے کی عظیم صلاحیت عطا

کی جاتی ہے۔ فہم و فراست کی وہ صلاحیت جسے وجدان بھی کہتے ہیں عام انسانوں میں بھی پائی جاتی ہے مگر یہ انبیاء و رسل میں اپنی اعلیٰ ترین کیفیت کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ہمارے نبی کریم کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا گیا ہے: ''فرماؤ میں تم جیسا ایک انسان ہوں مگر میرے اندر وجدان کی صلاحیت پائی جاتی ہے اور میری طرف وحی کی جاتی ہے''۔

اس لیے عام انسانوں اور انبیاء میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ نبوت عطا ہوتی ہے اسے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ وہ لوگ جو نبی ہیں وہ اپنی پیدائش سے پہلے بھی نبی تھے اور پیدائش کے وقت بھی نبی۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ (سورۃ آل عمران: ۸۱)

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے اُن کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو اکھٹے دیکھا اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ عالمِ ارواح میں اکھٹے موجود ہوں۔

اس لیے نبوت اعمالِ صالحہ کے ذریعے حاصل نہیں کی جاسکتی جیسا کہ قادیانی اور لاہوری دعویٰ کرتے ہیں۔ محمد علی اپنے ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں کہتا ہے: ''یہ (یعنی اسلام) اعلان کرتا ہے کہ اگرچہ نبیٔ پاک حضرت محمد (ﷺ) کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں کیونکہ دین اور دینی قوانین آپ کی آمد سے مکمل ہو گئے ہیں لیکن وحیٔ الٰہی کا دروازہ اب بھی کھلا ہے اور ایک سچا مسلمان اس تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔'' وہ مزید کہتا ہے: ''اس لیے اسلام کا وسیع اصول کہ کوئی بھی اللہ کے ساتھ ہم کلامی کا مقام پالینے سے یا وحیٔ الٰہی کے منبع

سے حصہ پانے سے محروم نہیں ہے اور یہ کہ کوئی شخص بھی قرآن مجید میں مندرج مقدس کلام اللہ کی اتباع سے اسے حاصل کر سکتا ہے۔" سورۃ الفاتحہ کی چھٹی آیت کی تفسیر میں وہ لکھتا ہے: "وہ جن پر انعام کیا گیا چار گروہ ہیں یعنی: انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے مطابق انعام جو انبیاء پر کیا گیا ان میں وحیٔ الٰہی کا تحفہ جو کہ سب سے بڑا انعام ہے اب بھی ان صالحین کو عطا کیا جا سکتا ہے جو صراط مستقیم پر چلتے ہیں۔"

یہ نظریہ ہر لحاظ سے غلط ہے۔ ایک نبی ابتدا ہی سے نبی کی صورت میں پنتا یا پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی طبیعت کے لحاظ ہی سے ایک نبی ہوتا ہے۔ وہ پیغامِ الٰہی کو وصول کرنے کی عظیم ترین وجدانی صلاحیتوں کا ابتدا ہی سے حامل ہوتا ہے۔

یہ تو تھا انبیاء و رسل کی خصوصیات و صفات کا سوال۔ اس کے بعد اگلا سوال یہ ہے کہ وہ پیغامِ الٰہی کا ادراک کیسے کرتے ہیں؟ وہ وحی کو حاصل کیسے کرتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے خود آدمی کو اپنے فائدے کے لیے اس کی حد اور استحقاق کے مطابق مشین کے فہم اور اسے کام میں لانے کی صلاحیت کی ایک مناسب مقدار سے نوازا ہے۔ اس نے بعض افراد کو انسانی طبیعت کی انتہائی پیچیدہ مشینری کو سمجھنے اور اس کے کام کرنے کے اصول سکھانے کے لیے مقرر بھی کیا ہے۔ انہی چنے ہوئے افراد کو اس کا پیغام سُننے، اس کی پوری اہمیت کو سمجھنے اور غیر مہذب لوگوں کو اِسے پڑھانے کی صلاحیت سے بھی نوازا گیا ہے۔

اسی طرح اب ہم آپ کو ایک مثال کے ذریعے یہ سمجھاتے ہیں کہ انبیاء وحی کو کیسے حاصل کرتے ہیں۔ آپ اس مثال سے حقیقت کے ہلکے سے تصور کو پالیں گے۔ اس کائنات کے خالق اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغامات کو کلام کی شکل دی جو نور کے نقطوں کی شکل میں عالمِ نور اور عالمِ ارواح میں انبیاء و رسل کی ارواحِ مقدسہ پر نقش ہو گیا اور جب یہ ارواحِ مقدسہ ان کے طیب و طاہر بشری اجسام میں ڈالی گئیں تب مقررہ وقت پر پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق جبریل علیہ السلام کے واسطے سے ان پر نور کی شعاعیں ڈالی گئیں تو رسولوں نے وہ الفاظ بولے جو ان کے اپنے نہیں تھے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ کو دُہرانا تھا؛ وحی کو سمجھانے کے لیے یہ آسان ترین تمثیل ہے۔

اس طرح بے خودی کی حالت میں جب ربّانی شعاعیں ان پر مرکوز کی جاتیں تو جو الفاظ ان کے منہ سے نکلا کرتے وہ ان کے اپنے نہیں ہوتے تھے بلکہ یہ وہ ہوتے تھے جو بوقتِ تخلیق ان کی ارواح پر اللہ تعالیٰ نے مرتسم کیے تھے۔

اس تفصیل کو بیان کرنے کا مقصد نبوت کی دو ناگزیر صفات یا خصوصیات کو واضح کرنا ہے۔ پہلی یہ کہ وحی الٰہی کے وصول کنندہ یعنی انبیاء و رُسل جن کی ارواح کو اللہ تعالیٰ نے خاص مقصد کے لیے پیدا فرمایا تھا کو اس دُنیا میں پائی جانے والی کسی تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی تھی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے امتیازی سانچے میں پہلے ہی سے ڈھلے ہوئے ہوتے تھے اور اپنے علم اور اس کی تحصیل کے لیے کسی انسان کے محتاج نہیں ہوتے تھے۔ ذرا سی وضاحت تمہیں مطمئن کر دے گی کہ ایسا نظم و نسق بہرحال ناگزیر تھا کیونکہ اگر انہوں نے تجربے اور علم کے منافع اپنے ہی جیسے انسانوں سے سیکھے ہوتے یا اگر کسی انسان نے انہیں کوئی سبق سکھایا ہوتا تو ان کی اصلاح و اضافے کے ذمہ دار مصادر کو اپنے تربیت یافتہ اشخاص یعنی انبیاء و رُسل کے مقابلے میں لازماً زیادہ لائقِ عقیدت سمجھا جاتا۔ علاوہ ازیں اُن کے اذہان ایسی تحصیل کے زیرِ قبضہ رہتے۔ اور دوسروں سے ہٹ کر خود اُن کے لیے ان علوم میں امتیاز کرنا مشکل ہوتا جسے انہوں نے لوگوں سے سیکھا اور جسے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا۔ مزید برآں ہم نہ صرف سخت مشکل میں ہوتے بلکہ ہمارے لیے پیغمبر اور غیر پیغمبر میں امتیاز کرنا ممکن نہ ہوتا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ پیغمبر کی شناخت کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ انسانی مادّی ذرائع سے کسی قسم کی تنویر حاصل کیے بغیر وہ بے نظیر ادبی عبارت لانے، اخلاقی اور مثالی اصولوں کی تشریح کرنے اور موت و حیات کے پیچیدہ ترین مسائل کو حل کرنے کا ذمہ دار ہو جنہیں دوسرے بیان نہ کر سکیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک نبی کا **ناخواندہ** ہونا بنیادی شرط ہے۔

دوسری بات یہ واضح ہوتی ہے کہ نبوت کوئی منصب یا عہدہ نہیں جس پر کسی کو اس کی تعلیمی قابلیت کی بنیاد پر فائز کیا جاتا ہے اور نہ ہی یہ ایسا کوئی مرتبہ ہے جسے کوشش، رعب یا خاندانی مقام، یونیورسٹی کی کسی ڈگری یا ڈپلومہ کی اساس پر حاصل کیا جا سکے۔ ہاں یہ تحفۂ ربّانی اور نعمتِ الٰہیہ ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا مستحق انہیں بنا دیتا ہے جنہیں وہ چُن لیتا ہے اور

ساتھ ہی وہ انہیں تمام ضروری لوازمات سے لیس بھی کر دیتا ہے۔ ایک شخص بلا شبہ تعلیم کے میدان میں اپنے مطالعے سے اعلیٰ ترین مقام حاصل کرسکتا ہے۔ استقامت اور مجاہدہ تو اسے ولایت کی حدود میں داخل کر سکتے ہیں اور اللہ کے کرم سے متقی اور عبدِ صالح کا لقب بھی کما سکتا ہے مگر نبوت خزانۂ خدا کا وہ انمول موتی ہے جسے وہ خود اُن اَرواح کے سپرد فرماتا ہے جنہیں خاص مقاصد کے لیے خصوصاً پیدا کرتا ہے۔

ہم نے دیکھا کہ ایک مشین کو بنانے والا اپنی بنائی مشین کو خوب جانتا ہے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ اگر ایک غیر معین شخص اسے چلانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ یقیناً اسے نقصان پہنچائے گا، شاید اسے تباہ بھی کر بیٹھے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تعلیم و تربیت انسانیت کے کام کو خاص انداز اور اس کی جسمانی و رُوحانی مشینری کو احکامِ الٰہیہ کے ذریعے بااہتمام چلانے اور خود ان پر عمل کر کے نمونہ بہم پہنچا کر پورا کرنے کے لیے گروہِ انبیاء کو پیدا فرمایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انبیاء و رُسل کو ہر دور میں خالق کائنات کے قوانین کو بنی نوعِ انسان تک پہنچانے کے مقصدِ وحید کی خاطر بھیجا گیا تاکہ انبیاء کی تربیت گاہ میں تربیت پا کر وہ اپنے جسم نامی کو عادلانہ کردار اور باقاعدہ چلانے کے لیے نظریاتی اور عملی معلومات کو قبول کر سکیں۔

ماضی کے تمام واقعات جنہیں تاریخ ہمارے سامنے رکھتی ہے کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ تمام ادوار میں اور تمام اَقوام میں کچھ اَفراد کو قائد اور مصلح مانا گیا ہے اور یہ کہ انہوں نے اپنے لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔ اُن میں سے بعض نے منطق، فلسفہ اور سائنس میں مطالعے اور جستجو کے ذریعے ماہر بننے کے بعد کچھ کاموں کی راستی اور خوبیوں کو پہچانا اور لوگوں کی توجہ اُن کی طرف پھیر کر انہیں ان پر عمل کی ترغیب دلائی جبکہ دوسری جانب کچھ دوسرے کاموں کی بُرائیوں اور نقصان کو جان کر لوگوں کو اُن میں پڑنے سے متنبہ کیا اور ان کے لازمی بھیانک نتائج سے انہیں بچانے کی کوشش کی۔ یہ پروفیسر اور فلسفی، معلم، مشیر یا رہنما کے طور پر مشہور ہیں اور یونانی مدرسین اور فلسفی اس نوع کے تحت آتے ہیں کیونکہ ان کی تعلیمات ان کی اپنی تحقیقات، جستجو اور سوچ و بچار کا نتیجہ تھیں اور انسانی ذہن کی پیداوار ہونے کی وجہ سے ان کا بے خطا ہونا نہیں مانا جا سکتا۔ لیکن بعض اشخاص منفرد کہکشاؤں کی طرح ہیں

یعنی انبیاء و رُسل۔ جیسا کہ ہم ان کے بارے میں پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ وہ سیکولر اتالیق سے محفوظ و مامون ہیں، انہیں کسی انسان یا مادّی منافع سے اپنی ذہنی، اخلاقی اور روحانی تنویر کے لیے کسی قسم کی تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے مقررہ وقت پر یکساں پیغام پہنچایا:

"اس دنیا کا خالق ایک ہے۔ ہم جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں ہم تک اسی کی جانب سے پہنچا ہے اس لیے اس کے احکامات کے آگے سرِتسلیم خم کر دو"۔

ہمارے سابقہ لیکچر میں جب ہم کسی پیغمبر کی صفات اور شروط سے بحث کر رہے تھے میں نے کہا تھا کہ بنی نوعِ انسان بھی کشف و وجدان کی صلاحیت رکھتے ہیں جو پیغمبروں میں زیادہ ترقی یافتہ حالت میں پائی جاتی ہے۔ علمائے علمِ افعال الاعضاء کشف و وجدان کی اس صلاحیت کو دماغ کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ وہ خوابوں کی وضاحت بھی اس طریقے سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح بعض اوقات ہم حالتِ بیداری میں اپنے خیالوں میں ایسے گم ہو جاتے ہیں اور سوچوں میں منہمک ہو جاتے ہیں کہ اپنے گرد و پیش کو بھول جاتے ہیں۔ اسی طرح اپنی نیند کے دوران خوابوں میں بھی ہم اپنے جسمانی اعضاء کے بغیر دیکھ اور سُن بھی سکتے ہیں لیکن اگر علمائے علمِ افعال الاعضاء کی یہ توضیح ہے اور اگر خواب صرف ہمارے اپنے ہی دماغ کے کام ہیں تو پھر یہ کیسے ہو جاتا ہے کہ ہم بعض اوقات جن واقعات کو خواب میں دیکھتے ہیں وہ حقیقتاً ہماری زندگیوں میں کئی سالوں بعد بھی رونما ہو جاتے ہیں۔ ہم غیب کی چیزوں کو کیسے جان سکتے ہیں؟ اپنی آنکھوں سے ہم پوشیدہ اشیاء کو کیسے دیکھ سکتے ہیں؟ علمِ نجوم اور علمِ فلکیات کے ماہرین نے مستقبل کو جان لینے کی بڑی کوشش کی ہے مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔

ہم خوابوں میں بعض اوقات دیکھتے، مشاہدہ کرتے، سنتے اور باتیں کرتے ہیں حالانکہ ہمارا جسم اس وقت کام نہیں کر رہا ہوتا۔ لاشعوری کی حالت کی بجائے ہم اپنے خوابوں میں ان امور کے بارے میں شعوری حالت میں ہوتے ہیں جو ہم کرتے اور کہتے ہیں۔ اسی طرح ان چیزوں سے بھی جو ہمارے ساتھ کی جاتی ہیں یا کہی جاتی ہیں۔ قرآن مجید کی سورۃ یوسف میں ہم پڑھتے ہیں: وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّيٓ أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَٰتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ

وَسَبْعَ سُنْبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ○ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ○ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ○ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَی النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ○ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ○ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ○ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ○ (سورۃ یوسف: ۴۳-۴۹)

ترجمہ: "اور بادشاہ نے کہا میں نے خواب میں دیکھیں سات گائیں فربہ کہ انہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیں ہری اور دوسری سات سوکھی اے درباریو میری خواب کا جواب دو اگر تمہیں خواب کی تعبیر آتی ہو بولے پریشان خوابیں ہیں اور ہم خواب کی تعبیر نہیں جانتے اور بولا وہ جو اُن دونوں میں سے بچا تھا اور ایک مدت بعد اُسے یاد آیا میں تمہیں اس کی تعبیر بتاؤں گا مجھے بھیجو اے یوسف اے صدیق ہمیں تعبیر دیجیے سات فربہ گایوں کی جنہیں سات دبلی کھاتی ہیں اور سات ہری بالیں اور دوسری سات سوکھی شاید میں لوگوں کی طرف لوٹ کر جاؤں شاید وہ آگاہ ہوں، کہا تم کھیتی کرو گے سات برس لگاتار تو جو کاٹو اسے اس کی بال میں رہنے دو مگر تھوڑا جتنا کھالو پھر اس کے بعد سات کڑے برس آئیں گے کہ کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لیے پہلے جمع کر رکھا تھا مگر تھوڑا جو بچالو پھر ان کے بعد ایک برس آئے گا جس میں لوگوں کو مینہ دیا جائے گا اور اس میں رس نچوڑیں گے"۔

خوابوں کی حقیقت سے متعلق ایک وضاحت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "احیاء علوم الدین" اور دوسری کتابوں میں ہمیں یوں ملتی ہے: "لاشعوری کی حالت میں ہمارا چلے جانا جسے ہم نیند کہتے ہیں بتدریج ہوتا ہے اور یہ کچھ وقت لیتا ہے۔ ہم پر گہری نیند کے آنے سے پہلے کچھ وقت کے دوران ہمارا دماغ ابھی کام کر رہا ہوتا ہے اور وہ خیال جو ہمیں اس وقت آتے ہیں انہیں قرآن مجید کے الفاظ میں "اضغاث احلام" (سورۃ ۱۲: ۴۴) یعنی پریشان

خوابیں کہا جا سکتا ہے۔ لیکن جب ہم گہری نیند میں ہوتے ہیں اور لاشعوری کی حالت کو پہنچ جاتے ہیں تو اس وقت جو خیالات آتے ہیں وہ مختلف ہوتے ہیں۔ وہ مادی نہیں ہوتے، وہ ہمارے دماغ کی پیداوار نہیں ہوتے بلکہ ان کا تعلق غیر مادی عالم سے ہوتا ہے۔ الڈوس ہکسلے (Aldous Huxley) کے مطابق "ہر ایک انسان میں ایک چیز ہوتی ہے جسے ہم روح کہتے ہیں"۔ یہ روح کیا ہوتی ہے؟ قرآن مجید فرماتا ہے: "وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ"۔ (سورۃ بنی اسرائیل: ۸۵)

ترجمہ: "اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے"۔

قادر مطلق اس مادی عالم کے تین جہات سے وراء ہے، اس کا کوئی مادی جسم یا شکل نہیں ہے۔ اس لیے اس کے احکام کی بھی کوئی شکل نہیں، کوئی حد نہیں اور کوئی جہت نہیں۔ یہ روح نہ صرف انسانوں میں ہوتی ہے بلکہ حیوانات، نباتات اور جمادات میں بھی ہوتی ہے۔ سائنس نے صرف حال ہی دریافت کیا ہے کہ حیوانات میں بھی روح ہوتی ہے جبکہ وہ ابھی تک یہ نہیں جان سکے کہ نباتات اور جمادات میں بھی روح ہوتی ہے۔ اسلام نے اس حقیقت پر زور دیا ہے کہ تمام اشیاء میں زندگی اور روح پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ ... (سورۃ الذّٰریٰت: ۴۹) ترجمہ: "اور ہم نے ہر چیز کے دو جوڑے بنائے"۔

زوج کی یہ صفت تمام مخلوق میں پائی جاتی ہے چاہے وہ انسان ہوں، حیوان ہوں، نباتات ہوں یا دوسری چیزیں جن کا ہمیں علم نہیں۔ پھر یہ کہ فطرت میں متضاد قوتوں کے بھی جوڑے پائے جاتے ہیں مثلاً بجلی کا مثبت اور منفی چارج۔ خود ایٹم مثبت چارج والے نیوکلس یا پروٹانوں پر مشتمل ہوتا ہے جن کے گرد منفی چارج والے الیکٹران ہوتے ہیں اپنے چھتے کے گرد اگرد اُڑنے والی مکھیوں کی طرح۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ... (سورۃ النحل: ۴۹)

ترجمہ: اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں"۔

اس لیے تمام اشیاء میں زندگی لازمی ہونی چاہیے کیونکہ صرف اسی صورت میں وہ بچھ کرسکتی ہیں۔ جدید سائنس نے بھی انکشاف کیا ہے کہ بے جان مادّہ بھی ایسے پروٹانوں پر مشتمل ہوتا ہے جس کے گرد الیکٹران گردش کرتے ہیں۔ جہاں حرکت ہے وہاں زندگی کا ہونا واجب ہے۔ ہمارے مادّی علم کا ناقص ہونا لازمی امر ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: وَمَآ أُوْتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًاO (سورۃ بنی اسرائیل: ۸۵) ترجمہ: ''اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا''۔

مادّی دُنیا کے علاوہ ایک رُوحانی دُنیا بھی ہے۔ اسلامی علوم میں یہ روحانی دُنیا عالَمِ مثال، عالَمِ اَرواح اور عالَمِ برزخ بھی کہلاتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِO بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِO (سورۃ الرحمٰن: ۱۹۔۲۰)

ترجمہ: ''اس نے دو سمندر بہائے کہ دیکھنے میں معلوم ہوں ملے ہوئے اور ہے ان میں روک کہ ایک دوسرے پر بڑھ نہیں سکتا''۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ وضاحت فرماتے ہیں کہ اس عالَمِ برزخ میں تمام ارواح کا عکس ہے جو مادّی دُنیا میں ہیں اور اصلی روحیں جو ظاہر ہوچکی ہیں یا اس میں ظاہر ہوں گی۔ یہ اَرواح اللہ تعالیٰ کے احکام کا ظہور ہیں۔ ہم اپنی ارواح کی وجہ ہی سے دیکھ، سُن اور بول سکتے ہیں۔ اگر ہم مر جائیں یعنی اگر روح ہمارے جسم سے نکل جائے تو ہم دیکھ نہیں سکتے اگرچہ آنکھیں اب بھی ہمارے پاس موجود ہوتی ہیں، ہم کوئی بات سُن نہیں سکتے اگرچہ کان ہمارے ساتھ موجود ہوتے ہیں اور ہم کوئی لفظ بول نہیں سکتے اگرچہ زبان ہمارے ساتھ ہوتی ہے۔ جب ہم گہری نیند میں ہوتے ہیں تو ہماری اَرواح کام نہیں کر رہی ہوتیں اور وہ اپنے گھر یعنی رُوحانی دُنیا کی طرف مائل ہو رہی ہوتی ہیں تو وہ دیکھنا اور مشاہدہ کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ یہ مشاہدات کسی وقت تو ہم پر صاف اور واضح ہوتے ہیں اور کسی وقت نہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ بالکل اسی طرح کہ اگر آئینہ صاف ستھرا ہے تو اس میں عکس بھی واضح ہوتے ہیں اور اگر یہ صاف نہیں ہے تو عکس بھی واضح نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح جب ہم سوتے ہیں اگر ہمارے آئینے صاف ہیں اور ہمارے دماغ روح کے لیے کوئی رُکاوٹ کھڑی نہیں کر رہے تو

خواب صاف اور واضح ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہمارے آئینے صاف نہیں ہیں اور اگر ہمارے دماغ روح کے لیے رُکاوٹ کھڑی کریں تو خواب صاف نہیں ہوتے۔ یہ ہماری اَرواح کے ذریعے ہی ممکن ہے کہ ہم ماضی، حال اور مستقبل کو خواب میں دیکھ سکتے ہیں اور ان کے وسیلے سے ہی ہم اپنے خوابوں میں صاف طور پر دیکھ سکنے کے لائق ہوتے ہیں۔

رُوحانی دُنیا میں ہماری ارواح کے مشاہدے میں دماغ کی رُکاوٹ کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے کہ بعض اَوقات ہمارے خواب معانی کے لحاظ سے اتنے واضح نہیں ہوتے۔ تب ہمیں اُن کی تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں یہاں ملکہ زبیدہ کے ایک خواب کی مثال دینا چاہوں گا۔ اس نے خواب میں مختلف ممالک، نسلوں اور رنگوں کے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس کے ساتھ عملِ مجامعت کر رہے ہیں۔ اسے یہ خواب دیکھ کر بہت دُکھ پہنچا، وہ بہت شرمندہ ہوئی۔ ایک دن اس نے اپنی ایک لونڈی کو امام ابن سیرین کے پاس بھیجا اور اسے ہدایت کی کہ وہ امام ابن سیرین کو یہ بتائے اسی لونڈی نے یہ خواب دیکھا ہے اور وہ اس کی تعبیر جاننا چاہتی ہے۔ وہ لونڈی امام ابن سیرین سے ملی اور خواب بیان کیا۔ خواب سُننے کے بعد امام ابن سیرین نے اس لڑکی کو کہا: ''یہاں سے چلی جاؤ اور ایسے جھوٹ نہ بولو کیونکہ تم اتنی خوش نصیب نہیں ہو کہ اس جیسے خواب دیکھو''۔ اس لیے وہ لونڈی زبیدہ کے پاس لوٹ آئی۔ زبیدہ نے اسے دوبارہ امام صاحب کے پاس بھیجا اور انہیں بتانے کے لیے کاغذ کے ٹکڑے پر اپنا نام لکھ دیا۔ امام صاحب نے لونڈی کو بتایا کہ اسے جا کر کہو: ''وہ ایسا فیاضانہ کام کرے گی کہ دُنیا کے تمام علاقوں کے لوگ آئیں گے اور اس کے اس سرچشمۂ خیر و خوبی سے اپنی ضرورت کی پیاس بجھائیں گے۔'' ایسا ہوا کہ زبیدہ نے اگلے سال حج ادا کیا۔ اس نے ایک نہر کھدوائی اور جبلِ عرفات تک پانی پہنچانے کے لیے ندی بنوا دی۔ اس کا نام نہرِ زبیدہ پڑا جس سے ہر ملک کے لوگ اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔

خوابوں کی تعبیر اور ان کی اہمیت صرف وہ لوگ بتا سکتے ہیں جن کی قرآن مجید پر گہری نظر ہو اور جو صاحبِ بصیرت بھی ہوں۔ وہ علماء جو قرآنی علوم کے ماہر ہیں وہی خوابوں کی تعبیر قرآنی تعلیمات کے مطابق بتا سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر آپ کے خواب میں حاصل

ہونے والا عکس صاف نہ بھی ہو تب بھی اصحابِ بصیرت اپنی روحانی آنکھوں سے اس کی تعبیر بتا سکتے ہیں کیونکہ وہ اس خواب کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں اور اس کا اصل مقصد سمجھ لیتے ہیں۔

مذکورہ بحث اب ہمیں وحی کے سوال پر لے آتی ہے۔ انبیاء کیسے وحی کو وصول کرتے ہیں؟ ہم دیکھ آئے ہیں کہ کشف و وجدان کی صلاحیت جو تمام انسانوں میں پائی جاتی ہے وہ انبیاء میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ انبیاء روحانی علوم میں ترقی یافتہ ہوتے ہیں اور وہ اپنی اَرواح کو کنٹرول کر لینے کے قابل ہوتے ہیں۔ یہ اُن کی روحانی صلاحیت کی طاقت ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ احکاماتِ الٰہیہ کو وصول کر سکتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے پاس پہلی وحی رؤیا صادقہ کی شکل میں تھی۔

روحانی دُنیا میں رسائی کی اس صلاحیت کی تربیت کی جا سکتی ہے اور اس طریقے سے ہمارے لیے مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے یا ایک طویل فاصلے پر رونما ہونے والے واقعات کو جان لینا ممکن ہو سکتا ہے کیونکہ یہ صلاحیت زمان و مکان کی قیود سے وراء ہو جاتی ہے۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے اشخاص ہوتے ہیں جو روحانی آنکھیں رکھتے ہیں۔ ہمارے نبی اکرم ﷺ نے ایک بار فرمایا تھا: لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ (سنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ، باب: فی مناقب عمر بن الخطاب) یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتے۔"

ایک بار عمر رضی اللہ عنہ نے عراق میں فوج بھیجی جس کے سالار کا نام حضرت ساریہ تھا۔ مسجد میں ایک خطبہ کے دوران حضرت عمر نے کہنا شروع کر دیا: اے ساریہ پہاڑ کی طرف ہو جاؤ۔ مسجد میں موجود لوگ حیران تھے اور انہوں نے اس بات کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے جواب دیا: میں نے دیکھا کہ کفار نے ہمارے بھائیوں کو گھیرے میں لے لیا ہے جو ایک ایسے پہاڑ کے پاس تھے جہاں کفار چھپے ہوئے تھے۔ اس لیے میں نے ساریہ کو آواز دی کہ پہاڑ کی طرف توجہ کرو۔" بالکل ایسے جیسے ہم ریڈیو سنتے ہیں اور ایک فاصلے سے آواز سن لیتے ہیں، جس طرح ہم اپنے ٹیلی ویژن کو چلاتے اور آواز سن اور اسکرین پر تصویریں دیکھ لیتے ہیں اسی طرح روحانی لہروں کو بھی سن سکتے ہیں۔ ان لہروں کی کوئی سمت

نہیں ہوتی اس لیے ہم زمان و مکان کے ایک فاصلے سے سُن اور دیکھ سکتے ہیں۔

بعد میں جب فوج واپس آئی انہوں نے بتایا کہ ہم سب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز اس دن سُنی تھی اور پہاڑ پر موجود کفار پر حملہ کیا تھا اور اللہ نے ہمیں فتح دی تھی۔

اس طرح بعض لوگوں کے لیے اپنی روحانی آنکھوں اور کانوں سے دیکھنا اور سننا ممکن ہوتا ہے۔ یہ وہ صلاحیت ہوتی ہے جس سے روحانی لہروں اور پیغامات وصول ہو سکتے ہیں۔ یہ انبیاء میں بدرجۂ اَولیٰ اور اپنی کامل صورت میں موجود ہوتی ہے۔ اسی سے وہ پیغاماتِ ربانی کو سُنا کرتے ہیں۔

جس طرح ہم ریڈیو چلا کر دور دراز سے ہمیں کہی جانے والی باتیں سُن سکتے ہیں، جس طرح ہم ٹیلی ویژن سیٹ کو چلا کر بعید سے آنے والی آوازوں کو سُن اور تصویروں کو دیکھ سکتے ہیں اور جو کچھ ہمیں کہا جا رہا ہوتا ہے اسے سمجھ لیتے ہیں اسی طرح ہم روحانی لہروں کو چلا کر جو کسی سمت اور جہت میں مقید نہیں ہوتیں سے ان واقعات کو دیکھ اور سُن سکتے ہیں جو بہت دور ماضی میں ہوئے تھے، حال میں ہو رہے ہوتے ہیں یا مستقبل میں ہوں گے۔

ہم حدیث میں پڑھتے ہیں کہ حضور ﷺ کو وحی کبھی بجتی گھنٹیوں کی آواز کی بازگشت لگتی تھی۔ ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ جب آپ کے پاس وحی آتی تھی تو آپ کا جسم اتنا بھاری ہو جاتا تھا کہ اونٹ بھی اس کا وزن برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن وہ حضور ﷺ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے آپ کی ایک ران مبارک ان کی ٹانگ پر رکھی تھی۔ اس وقت آپ ﷺ کے پاس وحی آ گئی۔ حضرت عثمان کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی ٹانگ پر اتنا بوجھ محسوس کیا کہ ڈرنے لگے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی ہڈی ٹوٹ جائے۔

وحی وصول کرنے کے دوران انبیاء روحانی لہروں کو وصول کر رہے ہوتے تھے۔ انبیاء کو جو وحی بھیجی جاتی اسے بعض اوقات کتاب کی صورت میں مدوّن کر لیا جاتا اور کبھی نہیں۔ اس طرح ہمارے پاس رسول ہیں جنہوں نے اپنی تعلیمات کو کتابی شکل میں اپنے بعد نہیں چھوڑا اور کچھ انبیاء ایسے ہیں جنہوں نے اپنے پیغامات کو کتابی صورت میں بنا کر چھوڑا۔ انبیاء کے

شدید ترین دشمن بھی یہ نہیں کہا کرتے تھے کہ وہ اپنے ذہن سے بول رہے ہیں۔ وہ کہتے کہ وہ نبی ایک جادوگر ہے یا ایک مجنون ہے یا کوئی جن اسے یہ باتیں بتایا کرتا ہے۔ وہ یہ ماننے پر مجبور تھے کہ جو کچھ اس نے کہا ہے وہ خود اس کی طرف سے نہیں ہے بلکہ کوئی روحانی ذات اسے سکھا رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی جادوگر ہونے کا الزام دیا گیا۔ جادو ہوتا کیا ہے؟ کچھ لوگوں میں دوسروں کو اپنی طرف کھینچ لینے کی مقناطیسی قوت حاصل ہوتی ہے۔ مثال کے طور انبیاء کے پاس روحانی کشش تھی جس کے ذریعے وہ اپنے قریب آنے والوں کو اپنا بنا لیتے تھے۔ یہ روحانی کشش ہوتی ہے جس کی وجہ سے نیک روحیں دوسری نیک روحوں کو جذب کر لیتی ہیں اور بُری اَرواح بُری ارواح کو۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی اللہ کے قریب ہوتا ہے اور اس کا پیارا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ، جبریل کو فرماتا ہے میں فلاں سے محبت کرتا ہوں۔ لوگوں کے دلوں میں بات ڈال دو کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ فرشتوں کے اس الہام کے بعد لوگ اس شخص سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔

ہم مسلمانوں کا ایمان ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور یہ کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے مستند اور مکمل پیغام کا حامل ہے۔ جب ایک بار میں ملایا (Malaya) سے سیلون (Ceylon) کا سفر کر رہا تھا جہاز پر میری ملاقات ایک امریکی سے ہوئی جس نے مجھے اسی نکتے پر چیلنج کیا۔ اس نے مجھے کہا: "تم دعویٰ کرتے ہو کہ محمد آخری نبی ہے اور یہ کہ قرآن آخری کتاب ہے" اگر یہ سچ ہے تو اللہ نے محمد کو اپنے پیغام کے ساتھ اس دُنیا کے آغاز ہی میں کیوں نہ مبعوث کیا؟ کیا یہ بات یقینی نہیں کہ اگر اللہ ایسا کر دیتا تو ہم اتنے زیادہ ادیان جن میں سے ہر ایک اپنے سچا ہونے کا مدعی ہے کے بکھیڑوں سے بچ نہ جاتے؟ میں نے اسے کہا کہ کیا تمہیں اسکول میں اپنا بچپن کا زمانہ یاد ہے جب تم بھی دوسروں کی طرح اپنی کتابیں پھاڑ دیا کرتے تھے؟ پھر میں نے اسے کہا کیا تمہیں وہ دن یاد ہیں جب تم سیکنڈری اسکول کے ایک طالب علم کی حیثیت سے نصابی کتابوں سے خود نوٹس بنا کر یاد کیا کرتے تھے؟ اس نے میرے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ یہ صرف یونیورسٹی کے دن تھے اور اس کے بعد بھی جب میں نے کتابوں کو محفوظ کرنا سیکھا۔ یہی طریقہ جسے ہم اپنی اور

دوسرے مردوں اور عورتوں کی زندگیوں میں دیکھتے ہیں انسانیت کی زندگی میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ اپنے بچپن میں انسانیت وحی الٰہی کی کتب کی اہمیت کا ادراک نہیں کرسکتی تھی؛ جب انسانیت جوان ہوئی اُس نے عطا کردہ کتب سے نوٹس بنائے؛ اور یہ جب پختہ ذہنی کی عمر کو پہنچی تو صرف اس وقت کتاب اللہ کی قیمت جان پائی۔ یہی وجہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدائی انبیاء کی کتب محفوظ نہیں رکھی گئیں۔ جب حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام آئے تو لوگوں نے ان کے اقوال سے نوٹس بنائے اور قرآن مجید صرف اس وقت نازل کیا گیا جب لوگوں نے عطا کی جانے والی کتاب کی اہمیت کو جان لیا تھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَO (سورۃ الحجر: ۹)

ترجمہ: "بیشک ہم نے اُتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں"۔

اللہ اپنا کام اپنے خاص خُدام کے ہاتھوں کرواتا ہے اور اگر قرآن مجید محفوظ ہے تو یہ اللہ کے بندوں ہم انسانوں کے ذریعے سے محفوظ ہے۔ چونکہ تمام قوانینِ الٰہیہ قادرِ مطلق اللہ کے دیئے ہوتے ہیں جو کہ واحد ہے اس لیے مختلف انبیاء کو دیئے گئے پیغام میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ تمام انبیاء و رُسل ایک ہی پیغام لاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ O (سورۃ آل عمران: ۸۴)

ترجمہ: "یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اُترا اور جو اُترا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں پر اور جو کچھ ملا موسیٰ اور عیسیٰ اور انبیاء کو ان کے رب سے ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے حضور گردن جھکائے ہیں"۔

دُنیا کی تاریخ اس حقیقت کی تصدیق کرتی ہے کہ حضراتِ آدم، نوح، ابراہیم علیہم السلام نے یکساں پیغام پہنچایا اور اپنے اپنے دائرۂ اثر میں آنے والے لوگوں کو ایک جیسی تعلیم دی۔ جب فرعون خدائی طاقت اور اختیار کا دعویٰ کر رہا تھا اور بیچارے اسرائیلیوں پر ظلم و ستم کے

پہاڑ ڈھا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولوالعزم رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا جنہوں نے اسے اس کی انانیت، تکبر اور غرور کے انجامِ بد سے خبردار کیا اور اسے اسرائیلیوں کو اذیتیں دینے اور مصیبتوں میں ڈالنے سے اجتناب کرکے خدائے وحدہ لاشریک کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے اور سربسجود ہونے کا حکم دیا۔ اسرائیلیوں نے وفادار رہنے کی قسم کھائی تو ان کی ہدایت کے لیے پیغمبرِ خدا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دور کی ضرورت کے مطابق پیغامِ الٰہی ان کے حوالے کیا۔

جتنا عرصہ اسرائیلیوں نے اللہ کے ساتھ اپنے میثاق کی پابندی کی، توراۃ کے احکامات کی پیروی کی اور اسے اصل صورت میں محفوظ رکھنے کی ذمہ داری نبھائی اتنا عرصہ نہ کسی تازہ پیغام کی اور نہ ہی کسی رسول کی ضرورت پیش آئی؛ مگر جب توراۃ یا احکامِ عشرۃ والی مشہور الواح کا صندوق اس طرح چھپا دیا گیا کہ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیمات کم وبیش تحریف کا شکار ہوگئیں اور لوگوں کی مختصر سی تعداد کے پاس محدود ہوگئیں جو اپنی اغراضِ فاسدہ کی تکمیل کی خاطر ان میں ترمیم کرلینے کو بُرا نہ سمجھتی تھی تو ایک اور ایسے نبی کی آمد امرِ ناگزیر بن گئی جو لوگوں کو اس قدیم کتاب کی تعلیم یاد دلائے اور اصلی تعلیمات کی بازیافت کرے۔

اس لیے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام اسرائیلیوں کی طرف بھیجے گئے جب وہ جذبات ونفسانی خواہشات کی دلدل میں ڈوبے ہوئے تھے، مال وزر کی محبت اور عیش وعشرت کا ان پر اتنا غلبہ ہوچکا تھا کہ نہ صرف عوام بلکہ قائدین اور پڑھے لکھے یہودی علماء (Rabbis) بھی قوانینِ الٰہی کی خلاف ورزی کرنے سے ہچکچاتے نہیں تھے حتیٰ کہ انہیں مذموم مقاصد کے حصول کے لیے تبدیل بھی کردیا کرتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے مختصر دورِ نبوت میں سچائی کے اظہار اور لوگوں کی صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کے مشن کو پورا کرنے کے لیے جن اذیتوں اور مصیبتوں کو جھیلنا پڑا اور آپ کو جو قربانیاں دینی پڑیں وہ اتنی مشہور ہیں کہ یہاں ان کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں مگر آپ کی تعلیمات ایک مدت کے بعد بھلا دی گئیں اور آپ کی تعلیمات کا اصلی ریکارڈ ضائع کردیا گیا۔ اس لیے اللہ کے لیے ہمارے نبی محمد ﷺ کو بھیجنا ضروری ہوگیا تاکہ

آپ اللہ کی بھی ہدایات کو پوری دنیا کے لوگوں تک پہنچائیں۔ حضرت محمد ﷺ کی آمد سے اللہ کا پیغام اپنی کامل صورت میں قرآن مجید کی شکل میں عطا کیا گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: ... اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا... (سورۃ المائدۃ:۳)

ترجمہ: ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا''۔

اس طرح ہم نے دیکھا کہ جب بھی ہدایت مفقود ہوتی اور احکاماتِ الٰہیہ پر مشتمل کوئی مستند کتاب نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر بھیجتا لیکن جونہی قرآن مجید کا نزول ہوا اور یہ کتاب اپنی اصل مستند شکل میں محفوظ ہوگئی اللہ کے لیے کوئی مزید نبی بھیجنا ضروری نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے نبی محمد ﷺ آخری نبی ہیں اور قرآن مجید آخری منزل کتاب ہے۔

ہم نے دیکھا کہ تبلیغِ اسلام کے لیے ہمیں ان لوگوں کی ذہنیت کو سمجھنا چاہیے جنہیں ہم مخاطب کرنے جارہے ہیں۔ ان اسباق میں مجھے بھی اپنے سامعین کی صلاحیت پر غور کرنا اور جاننا ہوگا اس لیے میں زیرِ بحث موضوع کو سمجھانے کے لیے اسے مختلف مراحل میں تقسیم کرنا چاہوں گا۔ اسلامی علوم کا میدان بہت وسیع ہے۔ وہ علم جسے ہم وقتاً فوقتاً حاصل کرتے ہیں اسے ان موتیوں کی طرح سمجھا جاسکتا ہے جنہیں سمندر کی گہرائیوں سے نکالا جاتا ہے لیکن علومِ اسلامی کے جہان سے جمع کرنے کے لیے لاتعداد جواہرات موجود ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے صحابی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں سورۃ الفاتحہ کی تفسیر لکھوں تو میری لکھی کتابوں کو اٹھانے کے لیے سینکڑوں اونٹ درکار ہوں گے اس کے باوجود بھی تفسیر مکمل نہیں ہوگی۔

خالق اور اس کے احکامات کا موضوع غیر محدود ہے اور اسی لیے ان سے متعلق علم بھی غیر محدود ہے۔ آئیں ایک اجنبی کی مثال لیتے ہیں جو کسی گھر میں داخل ہوتا ہے۔ اسے خوراک، کپڑوں، سونے کے لیے بستر وغیرہ جیسی کئی چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ فطری طور پر وہ ان چیزوں کو گھر کے مالک سے جاننے کی کوشش کرے گا جو ان ضروریات کو اس کے لیے

مہیا کرسکتا ہے۔ اس کے ذہن میں مالکِ مکان کی ملکیت مین داخل اشیاء کے خصائص بھی معلوم کرے گا تا کہ اگر کوئی اور شخص آ کر مالکِ مکان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جان سکے کہ کیا وہ واقعی مالکِ مکان ہے یا نہیں۔

بالکل اسی طرح ہم اس دنیا میں خود کو ایک اجنبی سمجھ سکتے ہیں۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس دنیا کا مالک کون ہے اور یہ جاننے کے لیے کہ کون مالک ہے ہمیں مطمئن ہونا پڑے گا کہ مالک کی صفات کیا ہونی چاہئیں اور کیا کوئی ایسا ہے جو اِن صفات سے متصف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس کائنات کے مالک کی صفات سے بحث کی ہے۔ ہم نے دیکھا وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ ہم نے مالکِ کائنات کے پیغمبروں کی صفات سے بھی بحث کی ہے جو اس کا پیغام ہم تک پہنچانے کے لیے بھیجے جاتے تھے۔ اس کے بعد ہم نے ان خصوصیات سے بحث کرنی ہے جو مالک کے احکامات میں ہونی چاہئیں۔

اگر ہم کسی ملک کے قوانین کو جاننا چاہتے ہیں مثلاً سنگاپور کے قانون کو تو ہم فطری طور پر احکامات اور فرامین کو دیکھیں گے۔ اگر کوئی شخص ایک کتاب لے آتا ہے جس کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ یہ ملک کے قوانین پر مشتمل ہے تو ہمیں اس کتاب کا جائزہ لینا اور یہ معلوم کرنا ہوگا کہ کیا اُس کتاب میں مندرج قوانین اس شخص نے خود آپ گھڑے ہیں یا وہ حقیقتاً ملکی قوانین ہیں۔ اگر وہ واقعی ملکی قوانین ہیں تو وہ خود ظاہر کردیں گے کہ وہ قانون کے مطابق وضع کیے گئے ہیں اور انہیں مجاز اتھارٹی نے شائع کیا ہے۔ اگر ہم اسی دلیل کو قادرِ مطلق کے قوانین پر لاگو کریں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کے قوانین کا پہلا بنیادی تقاضا یا مطالبہ پورا ہوتا نظر آئے گا یعنی کتاب یا قانون خود اعلان کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

سبق نمبر تین

دوسرا تقاضا یہ ہے کہ قانونِ شریعت کو مستند ہونا چاہیے اور اس لیے ہمیں سوال کرنا چاہیے کہ یہ کیسے لایا گیا؟ یہ کیسے لکھا اور مرتب کیا گیا؟ ہمیں یہ بھی معلوم کرنا پڑے گا کہ وہ قانون یا قانون پر مشتمل کتاب ہمارے پاس کیسے پہنچی؟ کیا یہ ہمارے پاس اصل صورت میں پہنچی ہے یا اس میں ترمیمات اور تشریحات کو بھی داخل کیا گیا ہے؟ کیا یہ ترمیمات اور تشریحات انسانوں نے کی تھیں؟ ہمیں اس کا اطمینان کرنا پڑے گا کہ جو کچھ ہمارے حوالے کیا گیا ہے اس میں انسانوں کی تشریحات کی کوئی آمیزش نہیں بلکہ یہ انہی الفاظ کا ایک مستند ریکارڈ ہے جو اصل میں اللہ نے لکھوائے تھے۔

شریعتِ الٰہیہ کے لیے تیسری بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ جامع ہو اور ہماری تمام ضرورتوں کو پورا کرتی ہو۔ اگر شریعت جامع نہیں اور ہماری تمام ضرورتوں کو پورا نہیں کرتی تو ہم اپنی زندگی کے سفر میں ایک کامل رہنما سے محروم ہوں گے۔

شریعتِ الٰہیہ کے لیے چوتھی بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ قابلِ عمل ہو تا کہ اسے نافذ کیا جا سکے اور ہم اس کی پیروی کرسکیں۔ مزید برآں ہمیں یہ یقین دہانی کروائی گئی ہو کہ اگر ہم اس کے مطابق عمل کریں گے تو یقیناً کامیاب ہوں گے۔ اسی طرح ہمیں یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ وہ لوگ جو کامیاب رہے ہیں کیا انہیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوا ہے؟

شریعتِ الٰہیہ کی بعض شروط اور اس کے لوازمات پر بحث کر لینے کے بعد اب ہم اُن شریعتوں کا جائزہ لینے کے قابل ہو گئے ہیں جو ہماری زندگی کے سفر میں ہمارا رہنما ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں۔ آج ہمیں ادیان اور مذہبی قوانین کی ایک اچھی خاصی تعداد ملتی ہے جن کے پیروکار یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہماری زندگی کے سفر میں سچے رہنما ہیں اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے احکامات ہیں۔ بعض ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ دنیا میں بہت سے ادیان پائے جاتے ہیں اور ہر ایک سچا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس لیے ہمیں اُن سب کو رَدّ کردینا چاہیے۔ یہ نظریہ احمقانہ ہے۔ اگر ایک شخص کسی مارکیٹ میں گوشت خریدنے کی

نیت سے جائے اور وہاں کئی گوشت فروخت کرنے والے ہوں جن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے کہ صرف اسی کا گوشت تازہ ہے تو یہ یقینی بات ہے کہ گوشت کا خریدار شخص ان تمام گوشتوں کا جائزہ لینے کی کوشش کرے گا اور یہ معلوم کرلے گا کہ کون سا گوشت حقیقتاً تازہ ہے۔ بالکل اسی طرح ہمیں بھی مختلف ادیان کا جائزہ لینا چاہیے اور معلوم کرنا چاہیے کہ ان میں سے کونسا ان شروط اور معیار پر پورا اترتا ہے جو ہم نے قائم کیے ہیں تاکہ وہ خود کو اللہ تعالیٰ ہی کے احکامات ثابت کرسکے۔

ہم آغاز ہندومت سے کرتے ہیں کیونکہ ہندو دعویٰ کرتے ہیں کہ اُن کا دھرم زمانہ ماقبل اَز تاریخ سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کا دھرم ہندوستان میں کسی تاریخ کے وجود سے بھی پہلے پایا جاتا تھا۔ آیئے ہم اس دعویٰ کا جائزہ لیتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہندوستان کے اصل باشندے دراوڑ (Dravidians) ہیں جن کی نسلیں جنوبی ہند میں پائی جاتی ہیں۔ اگر ہم آج کے دراوڑوں کو دیکھیں تو ہمیں پتا چلے گا کہ اُن کے پاس نہ تو کوئی دھرم ہے اور نہ کوئی کتابیں اور یہ بھی کہ وہ اَن پڑھ ہیں۔ ہندوستان میں معلوم اَوّلین ثقافت آریاؤں کی ثقافت ہے اور آریا مشرق وسطیٰ سے آئے تھے۔

آیئے اپنے مقرر کردہ معیار پر ویدوں کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کیا وہ آسمانی کتابیں ہیں جیسا کہ ان کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی پنڈت بھی یہ نہیں دکھا سکتا کہ خود ویدیں آسمانی کتاب ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں۔ ویدوں کی تاریخ یقینی طور پر معلوم نہیں۔ داستانوں اور قصوں کے مطابق یہ مہادیو کے منہ سے نکلی ہیں لیکن ان کا کوئی مستند ریکارڈ موجود نہیں کہ کب اور کیسے یہ نازل ہوئیں؟ اور اصل ریکارڈ کو کہاں اور کیسے محفوظ کیا گیا؟ تاریخ بتاتی ہے کہ آریاؤں کی کتابیں مہابھارت میں تباہ ہوگئیں تھیں اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی اصل تھی تو وہ تباہ ہوچکی ہے۔ اس لیے ہمارے پاس کوئی ریکارڈ نہیں کہ ویدیں نازل کی گئی اصل کتابیں ہیں۔ اگر ہم ویدوں کے مندرجات پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کی بعض صفات کی وضاحت ضرور کرتی ہیں۔

ویدیں ایک ایسی ذات کا ذکر کرتی ہیں جو غیر مقید ہے، اسے کسی نے پیدا نہیں کیا، وہ

آنکھوں سے نظر نہیں آتی اور وہ اس بات پر زور دیتی ہیں کہ خدا ہے لیکن ان تعلیمات کے پیروکاروں نے ان کی تشریح ایسی کی ہے کہ خدائیت کئی حیوانوں اور چیزوں کو بھی مل گئی ہے۔ شنٹو ازم (Shintoism) کی طرح ہندومت نے بھی کئی چیزوں کو خدائیت دے دی ہے کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے پیروکار خدا کے سوا ہر چیز کی پوجا کرتے ہیں۔ ویدوں میں کہانیاں، غیر حقیقی داستانیں اور بے بنیاد واقعات ہیں۔ ہندو قانون کی اساس ایسے ضوابط ہیں جنھیں منو (Mano) نے مدوّن کیا تھا جو ایک پڑھا لکھا قانون دان اور اسکالر تھا اس لیے اس کے متعلق ایک نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں:

(۱) ویدیں خود آسمانی کتابیں ہونے کا دعویٰ نہیں کرتیں،

(۲) کہ ہمارے پاس ان کے مستند ہونے کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے اور یہ کہ ان کے متبعین نے اپنی تشریحات ان میں ڈالی ہوئی ہیں۔

(۳) کہ ان کی تعلیمات جامع اور قابلِ عمل نہیں ہیں کیونکہ ان میں ایسے قوانین نہیں ہیں جن پر زندگی گذارنے کے لیے بطور رہنما عمل کیا جاسکے۔

دوسرے نمبر پر بدھ مت کو ہم زیر غور لائیں گے۔ بدھ مت خالق کائنات کے بارے میں انتہائی کم معلومات مہیا کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ گوتم بدھ کو کسی جگہ سے حکمت حاصل ہونے کی توقع تھی اور یہ کہ زینیا مکتبۂ فکر (Zenia School) ایک عظیم اَن دیکھی اور غیر مولود ذات کے بارے میں ضرور کچھ معلومات پیش کرتا ہے مگر یہ مکتبۂ فکر بھی کہتا ہے کہ کیونکہ وہ اس حقیقت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اس لیے انہیں اس کے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس یہ دکھانے کے لیے کوئی مستند ریکارڈ موجود نہیں کہ گوتم بدھ کو کوئی وحی آئی تھی اور اس کا بھی کوئی ریکارڈ نہیں کہ خود اس نے کیا کہا تھا۔ ہمارے پاس کچھ اصول وضوابط ہیں جن کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ انہیں اشوکا (Ashoka) سے لیا گیا ہے۔ بدھ مت ہمیں اپنے جذبات اور خواہشات کو دبا اور کچل کر اپنے اندر روح کے تزکیے کا سبق سکھاتا ہے۔ یہ پانچ منہیات کا ذکر کرتا ہے: کسی غیر ضروری کو قتل نہ کریں؛ جو چیز ہماری نہیں اسے چوری نہ کریں؛ نشہ آور چیزوں کا استعمال نہ کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم

بے قابو ہو کر غلط کام کر بیٹھیں؛ نقصان دہ نتائج کے خوف سے جھوٹ نہ بولیں؛ بدکار نہ بنیں۔ جوگیوں کے لیے پانچ مزید واجب امور ہیں: مقررہ اوقات کے علاوہ نہ کھائیں، ناچ، گانے اور تھیٹروں سے اجتناب کریں؛ کسی تزئین اور خوشبو کا استعمال نہ کریں؛ زمین پر بچھی چٹائی کے سوا کوئی بستر استعمال نہ کریں؛ اور سونا چاندی حاصل نہ کریں۔ اس طرح بدھ مت میں چند ایک اخلاقی ضابطے تو ہیں لیکن خالق کائنات کے متعلق یہ ہمیں کچھ نہیں سکھاتا۔

اپنے فلسفے کے ذریعے یہ اس دنیا میں ہماری زندگی کے لیے کوئی جامع ہدایت نہیں دے سکتا۔ ہمیں اس میں ایسے کسی پیغام کا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا جسے اللہ سے حاصل کیا گیا ہو اور اس میں کوئی ایسی کتاب نہیں جسے دکھانے کے لیے سند ثابت کیا جا سکے۔

اس کے بعد ہم کنفیوشس ازم (Confucianism) کی طرف آتے ہیں۔ یہاں ہمیں کچھ فلسفی ملتے ہیں جنہوں نے زندگی گذارنے کے لیے کچھ اصول تشکیل دینے کی کوشش کی ہے۔ اُن میں سے کوئی بھی خالق کائنات کے بارے میں بات نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی اس رب سے کسی الہام کے حصول کا دعویٰ کرتا ہے اور نہ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اس خالق کا الہام کردہ ہے۔ ان فلسفیوں نے یہ سکھانے کے لیے کہ درست کیا ہے عقل اور منطق پر مبنی کچھ اصول تشکیل دیے ہیں۔ چونکہ یہ علم انسانی ذہن پر مبنی ہے اس لیے یہ جامع نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد ہم نے جس مذہب کے متعلق بات کرنی ہے اس کے بارے میں یہ فرض کیا جاتا ہے کہ فارس (ایران) کے ایک باشندے زرتشت (Zarasthusa) نے اس کی تعلیم دی تھی۔ زرتشت کی جو تعلیمات پیش کی جاتی ہیں وہ ایک مردہ زبان میں لکھی ہیں یعنی ژند اور پرشند کی زبانیں۔ یہی ایران کی اصل زبانیں تھیں۔ علماء کوشش کے باوجود ان زبانوں میں لکھی مکمل تعلیمات کو جاننے کے قابل نہیں ہو سکے۔ ہمارے پاس زرتشت کی زندگی کا کوئی ریکارڈ نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے ایک پیغمبر، خدا کا ایک رسول ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور اس نے خدا کی کچھ صفات کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ تمام موجودات جنہیں ہم دیکھتے ہیں، ہماری انفرادیت اور دوسری مختلف قسم کی چیزیں جنہیں ہم مختلف صفات سے

متصف دیکھتے ہیں یہ سب خدائی وجود کی شبیہیں ہیں، خدا کی صفات کے پرتو ہیں، خدا کے نور کا عکس ہیں۔ بعد کے ادوار نے ان تعلیمات اور لفظ نور کی غلط تشریحات کیں۔ انہوں نے کہا کہ نور سے مراد سورج ہے اور آگ بھی۔ اس لیے انہوں نے آگ اور سورج کی پرستش کی۔ زرتشت کے پیروکار اس دنیا میں برائی کے وجود کے بارے میں بہت پریشان تھے۔ اگر اس کائنات کا خالق اچھا ہے تو پھر یہاں برائی کیوں پائی جاتی ہے۔ جب ان کے سامنے یہ سوال آیا تو انہوں نے جواب دیا کہ خدا دو ہیں۔ ایک آزرد (Azard) ہے جو نیکی کا خدا ہے اور دوسرا اُہرمن (Ahraman) ہے جو بُرائی کا خدا ہے۔ اس لیے ہمارا نتیجہ یہ ہے کہ

(۱) ہمیں زرتشت کی اصل تعلیمات کا ریکارڈ دستیاب نہیں ہے اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اس کے شاگردوں نے اپنی تشریحات کو اس کی تعلیمات پر فوقیت دی۔

(۲) یہ کہ ہمارے پاس زرتشت کی زندگی کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ اس لیے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایک نبی تھا۔

(۳) یہ کہ نیکی اور برائی کے دو خداؤں میں ایمان ہمیں مطمئن نہیں کر سکتا کیونکہ ہمیں کامیابی کا یقین نہیں ہو سکتا کہ کیا ہم ایک کی فرمانبرداری کریں یا دوسرے کی۔

(۴) یہ کہ زرتشت کی تعلیمات مکمل صورت میں نہیں پائی جاتیں۔ اس لیے وہ ایک جامع ہدایت نہیں ہو سکتیں۔

سبق نمبر چار

اس کے بعد اب ہم یہودیوں کی طرف آتے ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہمارا ایمان ہے کہ یہودیوں کی طرف انبیاء بھیجے گئے تھے لیکن آیئے ان تعلیمات کا جائزہ لیں جن پر یہودی عمل پیرا ہیں اور دیکھیں آیا کہ وہ ہمارے امتحان پر پورا اُترتی ہیں۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کچھ نشانیاں ہیں جو واضح کرتی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک نبی تھے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے پیغامات حاصل کیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دورِ حکومت میں ظاہر ہوئے جو یہ دعویٰ کرتا تھا کہ وہ خدا ہے۔ آپ علیہ السلام قوم بنی اسرائیل میں سے تھے جن کی اس وقت کوئی تہذیب و ثقافت اور کوئی دین نہیں تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے ساتھ فرعون بہت بُرا سلوک کیا کرتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی توجہ ایک الٰہ کی طرف مبذول کروائی۔ آپ نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ آپ کو الٰہ العٰلمین کی طرف سے وحی پہنچی ہے۔

کیا موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تعلیمات محفوظ ہیں؟ ہم پڑھتے ہیں کہ ان پر نازل ہونے والے احکامِ عشرہ کو الواح پر ریکارڈ کیا گیا تھا اور یہ بھی کہ ایک صحیفہ تھا جس میں آپ کو ملنے والی تعلیمات ریکارڈ تھیں۔ لیکن وہ الواح اور صحیفہ اب کہاں ہیں؟ الواح کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اَرضِ مقدس میں مدفون ہیں لیکن وہ نہیں مل پائیں۔ وہ صحیفہ بھی گم ہو چکا ہے اور گبن (Gibbon) نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے تین سَو سال بعد اسرائیلیوں کے پاس اصل کُتب موجود نہیں تھیں۔ ہم یہ پڑھتے ہیں کہ ایک غیر معروف شخص آیا اور کہا کہ اس کے پاس وہ گم شدہ کتاب ہے۔ جو کچھ وہ لایا اس کے مستند ہونے کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے اور ہمارے پاس اُس شخص کی زندگی کا بھی کوئی ریکارڈ نہیں۔ اب ہم کس طرح جان سکتے ہیں کہ یہ وہی اصل کتاب تھی۔ تاہم اُس کتاب کو بعض لوگوں نے قبول کر لیا جنہوں نے اس کا موازنہ اپنی یادداشتوں سے کیا اور انہیں معلوم ہوا کہ اس کا کچھ حصہ صحیح ہے اس لیے انہوں نے اسے لے لیا لیکن غیر معروف شخص کے ہاتھوں ملی اس کتاب

جو لازماً عبرانی میں لکھی ہوگی جو کہ اس وقت ایک مُردہ زبان ہے کا اصل نسخہ بھی اب گم ہے۔ لہٰذا ہم صرف یہی نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ آج ہمارے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا کوئی مستند ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ اصل تعلیمات میں ترمیمات کر کے ان کی ایسی تشریحات کی گئی ہیں جن کے بارے میں ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کی گئی ہیں۔

مزید برآں اس مزعومہ اصل کتاب یا تعلیماتِ موسوی میں کسی جگہ یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ یہ تمام بنی نوعِ انسان کے لیے بھیجی گئی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کو فرعون اور بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے پیغام کو فرعون نے اور نہ ہی اُس کی قوم نے قبول کیا اور ہم پڑھتے ہیں کہ انہیں غرق کر دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اور اسرائیلیوں نے مصر سے شام کی طرف ہجرت کی اور ہم دیکھتے ہیں کہ جتنا عرصہ اسرائیلیوں نے موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کیا کامیاب رہے لیکن چونکہ اب موسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات ضائع ہو چکی ہیں اس لیے وہ ان پر عمل کر ہی نہیں سکتے۔

اس کے بعد ہم نصرانیت (Christianity) کی طرف آتے ہیں۔ یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (Jesus Christ) کا پیغام صرف اسرائیلیوں کے لیے ہے۔ عیسائیوں (Christians) کو یہ اختیار نہیں کہ وہ دوسروں کی توجہ اپنے مذہب کی طرف مبذول کروائیں۔ جب خود عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ صرف اسرائیلیوں کی طرف بھیجے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک عورت آپ کے پاس حاضر ہوئی اور آپ کو بپتسمہ دینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا: ''میں تمہیں کیسے بپتسمہ دے سکتا ہوں جبکہ تم بنی اسرائیل میں سے نہیں ہو۔ مَیں صرف بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کو جمع کرنے آیا ہوں''۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعویٰ کیا تھا کہ آپ کو بحیثیت اللہ کا پیغمبر بھیجا گیا ہے اور یہ بھی کہ آپ جو کچھ فرما رہے ہیں وہ اللہ کی وحی پر مبنی ہے۔ اگر ہم آپ کی زندگی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ناخواندہ تھے آپ نے کسی آدمی سے تعلیم و تربیت حاصل نہیں کی تھی۔ آپ نے لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کی طرف متوجہ کیا لیکن

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لایا ہوا سچا پیغام کہاں ہے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ جو کچھ آپ علیہ السلام نے فرمایا اس کا کوئی مستند ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ عہد نامہ جدید (New Testament) میں متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی کتابیں شامل ہیں لیکن کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ وہ کتاب کہاں ہے جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے؟ وحی الٰہی جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے لائے تھے کا اصل ریکارڈ کہاں ہے؟ کیا جو پیغام انہوں نے دیا اس کا آپ کی زندگی ہی میں مرتب کردہ کوئی ریکارڈ ہے، وہ پیغام جو آپ پر نازل کیا گیا؟ ہمارے پاس ایسا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ جو کچھ دستیاب ہے وہ آپ کی ایسی سوانح عمریاں ہیں جو آپ کے رفع آسمانی کے بعد لکھی گئی تھیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیے گئے الہامات پر مبنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ کلماتِ حکمت کا ریکارڈ تو مل جاتا ہے لیکن ان میں آپ کی تعلیمات کی ایسی تشریحات بھی ملی ہوئی ہیں جو صرف انسانی ذہن کی اختراع ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کئی شاگرد تھے اور ہم پڑھتے ہیں کہ ان میں سے ستر نے آپ کی سوانح عمریاں لکھیں لیکن باقی چھیاسٹھ کہاں ہیں؟ عصرِ حاضر میں برناباس کی لکھی ہوئی کتاب یعنی انجیل برناباس کا ایک نسخہ روم میں پوپ کی لائبریری سے ملا ہے جسے المنار کے ایڈیٹر نے ترجمہ کیا ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ برناباس کی یہ انجیل مستند نہیں ہے لیکن اگر یہ کتاب مستند نہیں ہے تو ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ عہد نامہ جدید میں پائی جانے والی دوسری کتب مستند ہیں؟ درحقیقت انجیل برناباس کے بعض اجزاء ایسے ہیں جو قرآن سے ہم آہنگ ہیں۔ سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ کا نام بھی اس میں مذکور ہے۔ آپ ﷺ کے متعلق کچھ اور باتیں بھی اس میں پائی جاتی ہیں۔ یہ جو کچھ بھی ہو یہاں تک کہ عہد نامہ جدید میں شامل کی گئی کتب اپنی اصل صورت زبان عبرانی میں نہیں ملتی ہیں یہاں تک کہ ان کے یونانی زبان میں اصل ترجمے بھی نہیں پائے جاتے۔

مزید برآں چاروں اناجیل میں مذکور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال و افعال کا ریکارڈ بھی بعض اوقات ایک دوسرے سے مختلف ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ

(۱) عہد نامہ جدید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں کی لکھی کتب نہ یہ دعویٰ کرتی

ہیں اور نہ کر سکتی ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کلام کا اصل ریکارڈ ہیں۔

(۲) یہ دکھانے کے لیے کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے کہ اناجیل میں جو کچھ درج ہے وہ اللہ کی طرف سے الہامات پر مبنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال کا اصل اور مستند ریکارڈ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چھ سو سال بعد ایک یتیم بچہ محمد (ﷺ) ملکِ عرب میں پیدا ہوا جس نے نہ کسی شخص سے تربیت پائی اور نہ تعلیم۔ اس نے چالیس سال کی عمر میں دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر پہلی وحی نازل ہوئی ہے۔ اس وحی کے الفاظ یہ ہیں:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ O الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ O عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ O (سورۃ العلق: ۱۔۵)

ترجمہ: ''پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا، پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم، جس نے قلم سے لکھنا سکھایا، آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا''۔

اگر ہم قرآن پاک کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ بلا شبہ خود بیان کرتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ لہٰذا ہم پڑھتے ہیں:

ا۔ الٓمّٓ O ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ O الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ O وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ O (سورۃ البقرۃ: ۱۔۴)

ترجمہ: ''وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں، اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو، وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں اور نماز قائم رکھیں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں اٹھائیں اور وہ کہ ایمان لائیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اترا اور جو تم سے پہلے اترا اور آخرت پر یقین رکھیں''۔

ب۔ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ ... (سورۃ الانعام: ۱۹)

ترجمہ: ''تم فرماؤ سب سے بڑی گواہی کس کی، تم فرماؤ کہ اللہ گواہ ہے مجھ میں اور تم میں اور میری طرف اس قرآن کی وحی ہوئی ہے کہ میں اس سے تمہیں ڈراؤں اور جن جن کو پہنچے''۔

ج۔ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ ... (سورۃ الانعام: ۹۲)

ترجمہ: ''اور یہ ہے برکت والی کتاب کہ ہم نے اتاری تصدیق فرماتی ان کتابوں کی جو آگے تھیں''۔

ہم یہ بھی پاتے ہیں کہ قرآن پاک ایک مکمل ضابطہ ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: ... وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ... (سورۃ النحل: ۸۹)

ترجمہ: ''اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ ایک بزرگ نے فرمایا: ''اگر میری سوئی گم ہو جائے اور میں اسے ڈھونڈنا چاہوں تو میں اسے قرآن مجید کے ذریعے تلاش کرلوں گا۔''

قرآن مجید ہمارے نبی کریم حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا اور ہم جانتے ہیں کہ آپ ایک امی تھے جس نے کسی اسکول یا یونیورسٹی سے علم حاصل نہیں کیا تھا۔ ہمارے پاس تاریخی ثبوت بھی ہے کہ قرآن مجید کی املاء اور لکھوانے کا کام نبی کریم ﷺ کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا اور یہ بھی کہ اس میں کسی قسم کی ترمیمات یا تبدیلیاں واقع نہیں ہوئی ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید مقرر کردہ تمام معیاروں پر مکمل طور پر پورا اُترتا ہے اس لیے ہم اسے اللہ تعالیٰ کے احکامات کا اصلی اور مستند ریکارڈ قبول کر سکتے ہیں۔

اب ہم قرآن مجید کی ثقاہت پر غور کرتے ہیں اور یہ جائزہ لیتے ہیں کہ کیا یہ ان معیاروں کو پورا کرتا ہے جو ہم نے مقرر کیے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ کسی آسمانی کتاب کی شروط میں سے ہے کہ

(۱) کتاب خود اعلان کرے کہ یہ اللہ کی طرف سے آئی ہے۔

(۲) یہ کسی ترمیم اور انسانی ذہن کی تشریحات کے امتزاج کے بغیر اپنی اصلی شکل میں موجود ہو۔

(۳) اس کے قوانین و ضابطے جامع ہوں اور انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہوں۔

(۴) یہ قوانین قابلِ عمل ہوں اور

(۵) وہ لوگ جو اِن قوانین کی پابندی کریں انہیں کامیابی حاصل ہونی چاہیے۔

قرآن مجید خود یہ اعلان کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

۱) وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (سورۃ الشعرآء: ۱۹۲؛ الواقعہ: ۸۰؛ الحاقۃ: ۴۳)

ترجمہ: ''اور بیشک یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے''۔

۲) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (سورۃ الحجر: ۹)

ترجمہ: ''بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں''۔

۳) ... وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (سورۃ حم السجدۃ: ۴۱-۴۲)

ترجمہ: ''بیشک وہ عزت والی کتاب ہے باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، اُتارا ہوا ہے حکمت والے سب خوبیوں سراہے کا''۔

۴) لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ (سورۃ القیامۃ: ۱۶-۱۸)

ترجمہ: ''تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو بیشک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے، تو جب ہم اسے پڑھ چکیں اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو''۔

اس طرح قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ قادرِ مطلق کی طرف سے ہے۔ اس میں یہ یقین دہانی بھی پائی جاتی ہے کہ اللہ خود اس کے متن کی حفاظت فرمائے گا اور اسے تحریفات سے محفوظ رکھے گا۔ قرآن مجید اس سے بھی آگے جاتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے متن کی تفسیر بھی اللہ کا کام ہوگا۔ ارشاد ہے: ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ (سورۃ القیامۃ: ۱۶-۱۸)

ترجمہ: ''پھر بیشک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے''۔

قرآن مجید کی وہ تفسیر جو ہمیں نبی کریم ﷺ کے ذریعے دی گئی ہے اسے نبی کریم ﷺ نے نہیں بنایا تھا بلکہ یہ بھی خود اللہ کی طرف سے تھی۔ آپ ﷺ کے دل میں معانی کا الہام کیا گیا اور پھر آپ نے انہیں لوگوں تک پہنچایا۔ جیسا کہ قرآن مجید نبی کریم ﷺ کے بارے

میں فرماتا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى○ (سورۃ النجم: ۳-۴)

ترجمہ: ''اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے''۔

اس طرح نبی کریم ﷺ کو وحی متلو کے علاوہ وحی غیر متلو بھی عطا کی گئی اور یہ وحی کی دوسری قسم ہے جس سے ہمیں قرآن مجید کے معانی کی تفسیر بھی ملتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے افعال و اقوال قرآن مجید کی عملی تفسیر تھے اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے افعال قرآنی تعلیمات کا سراپا تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:... وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج... (سورۃ الحشر: ۷)

ترجمہ: ''اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو''۔

ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا گیا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ... (سورۃ الاحزاب: ۲۱)

ترجمہ: ''بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے''۔

قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ردّ و بدل سے خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر بھی نبیٔ اکرم ﷺ کو الہام کی گئی۔ اس لیے کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی خواہش یا علم کے مطابق قرآن مجید کی تشریح کرے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ان لوگوں کو تنبیہ کی ہے جو قرآن مجید کے معانی اور تفسیر کو بدلنا چاہتے ہیں:

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن الرسول، باب: ماجآء فی الذی یفسر القرآن برایہ)

آپ نے ان لوگوں کو مزید خبردار کیا جو جھوٹی تفسیر یا من گھڑت حدیث آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں: مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب: اثم من کذب علی النبی) یعنی جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ کہا تو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔

میں یہاں قرآن مجید کے معانی کی غلط تفسیر کی چند مثالیں دینا چاہوں گا۔ ۱۹۱۴ء میں جب میں برما (Burma) میں تھا ایک بہائی میرے پاس آیا اور کہا تمہیں اسلام کی تبلیغ کیوں جاری رکھے ہوئے ہوں جب قرآن خود کہتا ہے کہ اس کے پیغام کا وقت ختم ہو چکا ہے اور نبی کریم ﷺ کا دور اختتام پذیر ہو چکا ہے۔ اس نے قرآن کی مندرجہ ذیل آیت اپنی دلیل کے طور پر پڑھی:

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ○ (سورۃ السجدۃ: ۵)

ترجمہ: ''کام کی تدبیر فرماتا ہے آسمان سے زمین تک پھر اسی کی طرف رجوع کرے گا اس دن کہ جس کی مقدار ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں''۔

اس نے کہا یہاں ''امر'' کا معنی شریعت یا دین یا قرآن ہے۔ اس لیے اس نے کہا کہ قرآن صاف کہتا ہے کہ ایک ہزار سال کے بعد دینِ اسلام ختم ہو جائے گا اور ایک نیا نبی آئے گا۔ مَیں نے اسے کہا کہ لفظ ''امر'' کا معنی حکم ہے۔ تو اس کا معنی دین کیسے کرتا ہے۔ مَیں نے اسے کہا کیا تو کوئی معیاری ڈکشنری لا سکتا ہے جو امر کا معنی دین کرتی ہو۔ وہ صرف یہ کہہ سکا کہ بہاء اللہ نے ''اَمر'' کی تفسیر دین اور شریعت سے کی ہے۔ اس طرح یہاں ہمارے پاس کسی لفظ کی خواہشِ نفس کے مطابق تفسیر کرنے کی ایک مثال ہے جو مترجم کی دلیل کے لیے موزوں بنتی ہے۔

محمد علی نے قرآن مجید کے اپنے ترجمے میں قرآن مجید کی ایک آیت (؟) کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"Seek a help through the nation with the help of your staff."

یہ ترجمہ بھدا اور بُرا ہے کیونکہ یہ نحوی ترکیب کے بھی خلاف ہے۔ اس کا درست ترجمہ یوں ہونا چاہیے: "Strike with a stick and a stone."

نبی اکرم ﷺ کی سنت کی روشنی میں حاصل شدہ جامعیت اور بنیادی رہنمائی اور اس پر عمل ہمیشہ کے لیے کافی ہے اور قرآن کی تفسیر کے لیے ہمیشہ بے خطا رہتی ہے۔ تاہم تفصیل

کے بعض نکات ایسے ہوسکتے ہیں جو بعض صورتوں میں پیش آسکتے ہیں جن کے معاملے میں قرآن وسنت کی رہنمائی بہت زیادہ واضح نہیں ہوتی۔ ایسے حالات میں ہمیں قرآن وسنت کی مرادی ہدایت کو دریافت کرنا چاہیے۔ خود قرآن کے مطابق ہم ایسا کرنے کے لائق ہیں اگر ہم قرآن کا مطالعہ گہری نظر سے کریں تو اللہ کے الہام سے وہ تفسیر ہمارے دلوں میں یقیناً آجائے گی۔ اسی حوالے سے حدیث شریف میں کہا گیا ہے:

ا) مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب: العلم قبل القول والعمل) یعنی اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے اپنے دین کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے۔

ب) يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (سورۃ البقرۃ: ۲۶۹)

ترجمہ: ''اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے''۔

ج) اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ...(سورۃ النسآء: ۸۲)

ترجمہ: ''تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں''۔

د) فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ... (سورۃ الانعام: ۱۲۵)

ترجمہ: ''اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے''۔

ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ وہ تشریح اور وضاحت جو ہمارے دلوں آئی ایک درست تشریح اور وضاحت ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ (سورۃ القیامۃ: ۱۹)

ترجمہ: ''پھر بیشک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے''۔

اس طرح اگر وہ تشریح قرآن وسنت کی تعلیم کے مطابق ہے تو ہمیں یہ مان لینی چاہیے۔ اور اگر یہ ان کے مطابق نہیں ہے تو اسے رد کردیا جائے گا۔ لہٰذا ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ قرآن مجید خود یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے الفاظ اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور یہ کہ وہ خود آپ تغیر وتبدل سے ان کی حفاظت فرمائے گا اور دوسرا یہ کہ قرآن کی وضاحت اور

تفسیر ہمیں خدا کی جانب سے دی گئی ہے۔

قرآن مجید دعویٰ کرتا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے آیا ہے۔ خدا کی مثل کوئی نہیں۔ اسی طرح اس کی کتاب اور کلام بھی بے مثال ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ... وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ ...(سورۃ البقرۃ: ۲۳۔۲۴)

ترجمہ: ''اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے (ان خاص) بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ... اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لاسکو گے تو ڈرو اس آگ سے''۔

ہم دیکھتے ہیں کہ خود عرب بھی لغوی حوالے سے قرآن مجید کی ایک آیت کی مثل کوئی عبارت نہ لاسکے۔ کوئی شخص بھی ایسی عبارت بنا لینے کا دعویٰ نہیں کرسکا جو قرآن مجید یا اس کی ایک سورت یا آیت کے مفہوم کی جامعیت کو چیلنج کرسکے۔ قرآن مجید کے نزول کو تیرہ سَو سال گذر چکے ہیں اور کوئی بھی قرآن مجید کی کسی آیت کی مثل لانے کے قابل نہیں ہوسکا۔

ہمارا تجربہ ہے کہ انسان خطا اور نسیان کا پتلا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ بھول اور نسیان سے پاک ہے۔ اگر قرآن بھی ایک انسان کا کلام ہوتا تو ہمیں اس میں اختلافات اور تضادات مل جاتے کیونکہ اسے مکمل ہونے کے لیے ایک عرصہ لگا ہے۔ لیکن قرآن میں بیان کردہ تفصیلات میں درحقیقت کوئی اختلافات اور تضادات نہیں ہیں۔ اس کے آسمانی محفوظ کتاب ہونے کا یہ ایک اور ثبوت ہے۔

اس سلسلے میں ایک اہم نکتہ ہمیں اپنے ذہن میں رکھنا چاہیے۔ ہم جانتے ہیں کہ قرآن تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیا گیا۔ اس کے احکامات ایسے لوگوں کو سدھارنے اور ان کی اصلاح کے لیے تدریجاً اور مرحلہ وار اُتارے گئے جو مریض اور بگڑے ہوئے تھے۔ اگر پہلے دن ہی سے وہ اسلام کے مکمل نظم وضبط کے تابع کردیے جاتے تو ان کی پیروی اور تعمیل کو وہ نفسیاتی طور پر لازماً بہت بھاری پاتے۔ شراب نوشی کی مثال لے لیجیے۔ جیسا کہ تاریخ عرب کے تمام طلباء جانتے ہیں بُت پرستی اور شرک کے علاوہ کئی روحانی اور اخلاقی بُرائیوں کے ساتھ ساتھ

شراب نوشی کی عادت عربوں میں اتنی رچی بسی ہوئی تھی کہ دنیا کی کوئی اور قوم بمشکل اتنے بڑے درجے کی لت کا دعویٰ کر سکے۔ اگر شراب نوشی کی ممانعت کا قانون ان پر یکدم مسلط کر دیا جاتا تو ان کی نفسیاتی حالت اور بیمار اعصابی کیفیت انہیں ایمان و اسلام کو شراب پر قربان کر دینے پر مجبور کر دیتی۔ وہ شراب کو ایمان و اسلام پر ترجیح دیتے۔ لیکن کفر و شرک تو گناہوں کی جڑ ہیں جو انسان کو ابدی آگ سے کم کسی چیز پر نہیں چھوڑیں گے جبکہ دوسرے گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، ان کی سزا اس سے کم ہے۔ اگر کسی درخت کی جڑ صحت مند اور محفوظ ہے اس کے دوسرے حصوں کو چاہے جتنی بڑی مصیبتیں پہنچتی رہیں درخت کے باقی رہنے اور دوبارہ سرسبز ہو جانے کی امید بہر حال رہتی ہے لیکن ایک دفعہ جب جڑ بیمار ہو گئی یا کاٹ دی گئی تو پورا درخت ہمیشہ کے لیے یقیناً تباہ ہو جائے گا۔ اس لیے شراب کے معاملے میں پہلے نرم حکم نازل ہوا۔ فرمایا گیا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی ... (سورۃ النسآء: ۴۳)

ترجمہ: ''اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ''۔

بعد میں اسی سلسلے میں دوسری وحی آئی جس میں یہ حکم دیا گیا: ... قُلْ فِیْھِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُھُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا ... (سورۃ البقرۃ: ۲۱۹)

ترجمہ: ''تم فرما دو کہ ان دونوں میں بڑا گ ہے اور لوگوں کے کچھ دنیوی نفع بھی اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے''۔

اس طرح آخر کار جب لوگوں کو شراب سے نفرت سکھا دی گئی تو فیصلہ کن حکم نازل ہوا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ○ (سورۃ المآئدۃ: ۹۰)

ترجمہ: ''اے ایمان والو شراب اور جُوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ''۔

مرحلہ وار طریقہ اپنانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب کُلّی ممانعت کا اعلان کیا گیا تو لوگوں نے فوراً شراب کے مٹکے اور برتن توڑ ڈالے اور ان ٹوٹے برتنوں سے شراب مدینہ کی گلیوں میں

بہہ رہی تھی۔

اس سے ہم آیات کے منسوخ ہونے کا مسئلہ بھی سمجھ سکتے ہیں۔ ہمیں یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ کسی بھی موقع پر جو احکام نازل ہوئے وہ یقیناً مبنی بر حکمت تھے۔ تاہم جب بعض احکامات کسی عارضی صورتحال سے متعلق تھے تو انہیں بعد میں دوسرے احکام سے تبدیل کر دیا جاتا تھا۔ درحقیقت ایسے احکامات کا مطلب یہ نہیں کہ ایک چیز ایک موقع پر سفید ہے اور دوسرے موقع پر سیاہ۔ بلکہ یہ قدم بقدم آگے بڑھنے والی ہدایت کی وحی کو پیش کرتے ہیں جو ابتدائی مسلمانوں کی مرحلہ وار اصلاح سے متصل تھی۔

کسی آسمانی کتاب کے لیے دوسری شرط جیسا کہ ہم دیکھ آئے ہیں یہ ہے کہ یہ اپنی اصلی شکل میں موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ○ (سورۃ الحجر: ۹)

ترجمہ: ''بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں''۔

ہم جانتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اُمّی تھے آپ نے کسی انسان سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا۔ قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے: ... وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ.. (سورۃ النسآء: ۱۱۳)

ترجمہ: ''اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے''۔

نبی کریم ﷺ نے خود فرمایا: اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ (الحدیث) ترجمہ: میرے رب نے مجھے سب سے اچھے آداب سکھائے۔

اس لیے ہمارے نبی نے جو کچھ پڑھایا وہ ان کا کوئی اپنا علم نہیں تھا بلکہ یہ وہ تھا جو جبریل علیہ السلام کے ذریعے آپ پر اُتارا گیا۔

آپ پر قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا۔ جب نبی اکرم ﷺ کو وحی حاصل ہوتی تو آپ اسے خود حفظ فرماتے اور پھر اپنے صحابہ مثلاً حضرت خدیجہ، ابوبکر، علی رضی اللہ عنہم کو پڑھاتے۔ اس طرح وہ بھی اسے زبانی یاد کر لیتے۔

سبق نمبر پانچ

عربوں کی ناخواندہ نسل میں سے مکہ مکرمہ میں صرف چند ایک ایسے تھے جو پڑھ اور لکھ سکتے تھے۔ اس وقت کاغذ، قلم اور لکھنے کی روشنائی کمیاب تھی۔ اللہ کے مسلسل نازل ہونے والے کلام کو قیدِ تحریر میں لانا حقیقتاً بہت مشکل کام تھا لیکن اس کا انتظام کر لیا گیا۔ وہ چند ایک لوگ جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان میں سے کچھ مسلمان ہو گئے۔ قرآن مجید کی آیات کھجور کے پتوں اور چمڑے کی شیٹوں پر لکھ لی جاتی تھیں۔ کچھ صحابہ کی یہ ذمہ داری لگا دی گئی کہ جونہی قرآن مجید کی آیات نازل ہوں وہ انہیں یاد کر لیں۔ صحابہ میں سے کچھ کا خصوصی انتخاب کیا گیا کہ وہ نبی کریم ﷺ سے سبق پڑھا کریں گے۔ ہر سبق قرآن مجید کی دس آیات پر مشتمل ہوتا تھا۔ وہ ان آیات کو زبانی حفظ کرتے، ان کے معانی اور مفہوم کو حضور ﷺ سے سمجھتے اور پھر دوسروں کو سکھاتے۔ ان صحابہ کرام میں عبد اللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن محمد رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا وقت آ گیا۔ مسلمانوں کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھتی رہی۔ مدینہ منورہ میں انہیں ایک متحرک جماعت کی شکل میں منظم کر دیا گیا۔ جہاں حضور ﷺ نے اور بہت سے انتظامات کیے ان میں یہ بھی تھا کہ زیادہ سے زیادہ صحابہ کرام پڑھ اور لکھ سکیں۔ نازل ہونے والی آیات کو پورے نظم وضبط کے ساتھ لکھنے کا کام جاری رہا۔ آپ کے غلام زید بن ثابت ان صحابہ میں سے ایک تھے جنھیں قرآن مجید لکھنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔

جب ہمارے نبی کریم ﷺ پر کوئی وحی نازل ہوتی تو آپ اس کا کوئی ایک حرف بھی نہ بھولتے۔ آپ کاتبین کے سامنے اس کی تلاوت فرماتے اور وہ اسے پڑھتے جسے انہوں نے آپ سے سن کر لکھا ہوتا۔ قرآن کو کتابی شکل میں مدوّن کرنے کی طرف بھی توجہ دی گئی۔ جونہی آیات نازل ہوتیں انہیں نہ صرف لکھ لیا جاتا بلکہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی زیرِ ہدایت اس کی سورتوں کا تعین بھی فرما دیتے اور کاتبین کو ہدایت فرماتے کہ کونسی آیات کو کس سورت

میں کس جگہ رکھنا ہے۔

نہ صرف آیات کی ترتیب اور سورتوں کا تعین نبیٔ اکرم ﷺ نے خود فرما دیا بلکہ آپ نے سورتوں کی ترتیب بھی سارے کام اللہ کے ارشاد کے مطابق پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔

سارا قرآن مجید نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں لکھا گیا۔ آپ کے وصال کے بعد خلیفہ اوّل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان تمام تحریروں کو جمع کیا جو آپ ﷺ کے سامنے مکمل ہوئیں اور انہیں کاتبین وحی کی مدد سے ایک کتاب کی شکل میں مدوّن کر دیا۔ البتہ قرآن کے مختلف اجزاء جسے کئی لوگوں نے لکھا تھا وہ ان کے پاس رہے۔

پھر تیسرے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا۔ اس وقت اسلام مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ جزیرۂ عرب کی سرحدوں کو پار کر کے مصر، فلسطین، شام، عراق اور ایران میں داخل ہو چکا تھا۔ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعداد ہمیشہ بڑھتی رہی۔ تلاوتِ قرآن میں لوگوں کی دلچسپی عالمی سطح کو پہنچ رہی تھی۔ لوگوں کی اکثریت کے پاس قرآن کے صرف بعض اجزاء تھے اس لیے غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ صرف ایسے ایسے اجزاء قرآن کی تشکیل کرتے ہیں اور یہ کہ دوسرے اجزاء اس میں شامل نہیں اس لیے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں مدوّن قرآنی نسخے کی کئی کاپیاں بنوائیں اور انہیں اسلامی سلطنت کے مختلف مراکز میں بھیج دیا۔ وہ نسخہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زیرِ مطالعہ تھا اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے خون کے قطرے بوقتِ شہادت اس پر گرے۔ وہ نسخہ پہلے مدینہ میں محفوظ رہا۔ پھر بعد میں وہاں سے ترکی کے سلطانوں نے اسے شاہی لائبریری استنبول میں منتقل کر دیا۔

جہاں تک تاریخی حقائق کا تعلق ہے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عموماً نامہ نگاروں کے ذریعے ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتے ہیں۔ اسلام نے ان راویوں کی حیات و عادات کے مطالعے کے لیے ایک خاص علم وضع کیا ہے جسے علم الرجال کہتے ہیں۔ ہمارے پاس نہ صرف نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی کا مکمل ریکارڈ ہے بلکہ ہمارے پاس ان تمام راویوں کے حالاتِ زندگی کا ریکارڈ بھی محفوظ ہے جس کے ذریعے ہمیں نبی اکرم ﷺ اور اسلام کے

ابتدائی دَور کا علم ہوتا ہے۔ علم الرجال کے ذریعے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کون سے راوی قابل اعتماد ہیں اور کون سے نہیں۔ مزید برآں اگر کوئی راوی عمر کے کسی حصے میں اپنی یادداشت کھو بیٹھے تو اسے بھی ریکارڈ کرلیا جاتا ہے تاکہ اس کی ان حدیثوں کو رد کرسکیں جو اُس نے اپنی یادداشت کھونے کے بعد روایت کیں۔ صحیح حدیثوں کے لیے ہم قابل اعتماد راویوں کا ایک سلسلہ اس شخص تک مرتب کرسکتے ہیں جس نے خود نبی کریم ﷺ سے سُنا یا آپ ﷺ کو دیکھا۔ اس طریقے سے ہم نبی کریم ﷺ کی حیاتِ پاک، آپ کے افعال اور اقوال کے ساتھ ساتھ اس دور کے مسلمانوں کی زندگیوں کے ریکارڈ کو ایک ایسے مکمل سلسلۂ رُواۃ سے حاصل کرنے کے لائق ہوگئے ہیں جن کے لائق اعتماد ہونے کا امتحان لیا جاچکا ہے۔

اس طرح یہ واضح ہے کہ آج قرآن مجید بلا ریب اپنی اصلیت کے ساتھ موجود ہے یہ نہ صرف تحریری طور پر بلکہ لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے ذہنوں میں بھی موجود ہے۔ یہ حقیقت کسی شخص کے لیے قرآن کے متن میں کسی قسم کی حتی کہ ایک نقطہ میں تبدیلی کو بھی ناممکن بنادیتی ہے۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ قرآن ہمیں ایک جامع رہنمائی عطا کرتا ہے۔ قرآن مجید کی ہدایات اور تعلیمات کے ذریعے ہم اپنی تمام مادّی اور روحانی ضرورتوں کو پورا کرسکتے ہیں۔ مثلاً یہ ہمیں بتاتا ہے کہ کیا کھائیں اور کیا نہ کھائیں، کیا پہنیں اور کیا نہ پہنیں اور یہ ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ اپنی روزی جائز اور حلال طریقوں سے کمائیں۔ قرآن فرماتا ہے:

... وَ أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ...(البقرۃ: ۲۷۵)

ترجمہ: ''اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود''۔

یہ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ جو دولت ہم نے کمائی اسے خرچ کیسے کریں:

وَلَا تُسْرِفُوْا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (سورۃ الاعراف: ۳۱)

ترجمہ: ''اور حد سے نہ بڑھو بیشک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں''۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب: فضل من استبرأ لدینہ)

قرآن مجید کی تعلیمات اعلیٰ حکمت پر مبنی ہیں اور ہمارے فائدے کے لیے بھیجی گئی ہیں۔ اس طرح اللہ نے ہمیں خنزیر کا گوشت کھانے سے منع فرمایا کیونکہ خنزیر ہمارے کھانے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ گندی چیزیں کھانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس طرح وہ اپنے جسم میں نظر نہ آنے والے جراثیموں کو جذب کرلیتا ہے۔ یہ جراثیم خنزیر کے گوشت میں چلے جاتے ہیں اور اگر اس گوشت کو کھایا جائے تو وہ جراثیم ہمارے جسم میں آجائیں گے۔ جدید سائنس نے یہ ثابت کردیا ہے کہ خنزیر کا گوشت اکثر مرض لاتا ہے اور ایسا کوئی طریقہ نہیں جس سے ترخینا جو بیماری کا موجب بنتا ہے کی موجودگی یا عدم موجودگی کا یقین سے تعین کیا جاسکے۔

ہمارا کھانا، پینا، لباس، ہماری جنسی خواہشات یہ سب اور دوسرے معاملات قرآن مجید میں بیان کردیئے گئے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

ا) قرآن مجید میں ہر شے کا علم ہے۔

ب) قرآن مجید ہر ایک سوال کی مکمل وضاحت ہے۔ (سورۃ الاسراء: ۸۹،۴۱)

جہاں تک سائنسی علم کا تعلق ہے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نہ صرف ریسرچ اور سائنسی علوم کی تحصیل پر زور دیتا ہے بلکہ خود اس میں سائنس کی اعلیٰ سچائیاں پائی جاتی ہیں۔ ان میں بعض دریافت ہوچکی ہیں اور بعض ابھی دریافت نہیں ہوئیں۔ جیسا کہ میں اپنے لیکچر ''The Cultivation of Science by the Muslims'' میں واضح کرچکا ہوں۔ علم کی کوئی ایسی شاخ نہیں جو مسلمانوں کی مرہونِ منت نہ ہو۔ اگر مسلمان نہ ہوتے تو یورپ اپنی نشاۃ ثانیہ کو کبھی نہ دیکھ پاتا اور جدید سائنسی دور کی صبح کبھی طلوع نہ ہوتی۔ مزید برآں جس چیز کو جدید سائنس سمجھنے کے لائق ہوسکی ہے وہ قرآن میں شامل علوم کا صرف ایک جزو ہے۔ ہم قرآن میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں پڑھتے ہیں: أَفَتُمٰرُوْنَهُ عَلٰى مَا يَرٰى ○ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً أُخْرٰى ○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ○ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى ○ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ○ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ○ (سورۃ النجم: ۱۲۔۱۸)

ترجمہ: " تو کیا تم اُن سے اُن کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو اور انہوں نے تو وہ جلوہ دو بار دیکھا سدرۃ المنتہٰی کے پاس، اس کے پاس جنت الماویٰ ہے، جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا، آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی، بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں"۔

اس لیے نبی کریم ﷺ کا علم تمام کائنات سے زیادہ ہے، وہ علم کے آفاق کی حدوں سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے۔ جتنا علم حضور نبی کریم ﷺ کو عطا کیا گیا اور جو قرآن میں موجود ہے ہمارے پاس اس کا ایک جزو بھی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا... (سورۃ العنکبوت: ٦٩)

ترجمہ: "اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے"۔

ابن علی عربی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قربانی کے بعد قربانی دیتا ہے اور کوشش پر کوشش کرتا ہے تو اس کے لیے اس کے دل میں کم از کم سوئی کے ناکے کے برابر ایک سوراخ بنا دیا جاتا ہے جہاں سے نور آتا ہے اور وہ شخص اس نور کے ذریعے قرآن مجید کو سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو جاننے کے لیے قرآن مجید ہماری مدد کر سکتا ہے۔ قرآن میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو ہمیں اللہ کی نشانیاں بتاتی ہیں اور یہ کہ ہم اسے کیسے جان سکتے ہیں۔ اسی حوالے سے قرآن میں فرمایا گیا ہے:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ○ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○

(سورۃ الانعام: ١٠٢-١٠٤)

ترجمہ: "یہ اللہ تمہارا رب اور اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں، ہر چیز کا بنانے والا، تو اسے پوجو وہ ہر چیز پر نگہبان ہے، آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں، اور وہی ہے پورا باطن پورا خبردار، تمہارے پاس آنکھیں کھولنے والی دلیلیں آئیں تمہارے رب کی طرف سے تو جس نے دیکھا تو اپنے بھلے کو اور جو اندھا ہوا اپنے

بُرے کو اور میں تم پر نگہبان نہیں"۔

اس طرح قرآن مجید سائنس کی ایک کتاب ہے، قانون کی ایک کتاب ہے اور دین کی ایک کتاب ہے۔ یہ اللہ کے ساتھ، خود ہمارے اپنے ساتھ، دوسرے لوگوں کے ساتھ اور دنیا کے ساتھ ہمارے تعلقات سے بحث کرتا ہے۔

اسلامی رہنمائی کی جامعیت کے سلسلے میں میں اپنی زندگی کا ایک واقعہ ذکر کرنا چاہوں گا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حیدرآباد کی جامعہ عثمانیہ کے جدید تعلیم یافتہ کچھ نوجوان میرے پاس آئے اور متعدد سوالات میرے سامنے رکھے اور مطالبہ کیا کہ میں ان کے ہر سوال کا جواب قرآن سے دوں۔ جب میں نے اُن کا یہ کام کر دیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا قرآن اس معاملے میں کیسے ہدایت مہیا کر سکتا ہے جو اس کے نزول کے وقت موجود ہی نہ تھا؟ مثال کے طور پر انہوں نے مجھ سے قرآن میں اس سوال کا جواب دکھانے کو کہا کہ کیا ایک مسلمان کے لیے سینما میں ایک فلم دیکھنا جائز ہے یا ناجائز۔ میں نے انہیں کہا میں کبھی سینما نہیں گیا ہوں اس لیے میں پہلے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ سینما اصل میں ہوتا کیا ہے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ کیسے پہلے ایک پلاٹ وضع کیا جاتا ہے، پھر ایک کہانی گھڑی جاتی ہے، پھر اداکار لوگ اس کے لیے اداکاری کرتے ہیں اور اس ایکٹنگ کی فلم بنائی جاتی ہے پھر اس کے بعد اسکرین پر بجلی کے ذریعے اسے دکھایا جاتا ہے۔ میں نے انہیں کہا کہ مجھے کہانی نہ سنائیں مجھے اس کی مناسب تعریف بتائیں۔ ایک مختصر بحث کے بعد ہم سینما کی عملیت پر متفق ہو گئے کہ یہ ایک من گھڑت کہانی پر مبنی ڈرامہ ہوتا ہے۔ پھر میں نے اُن سے پوچھا کہ کیا وہ اس متفق فیصلے کی پابندی کرنے کے لیے تیار ہیں اگر قرآن اسے منع کر دے۔ انہوں نے اس کے لیے پکا وعدہ کیا۔ پھر میں نے ان کے سامنے قرآن مجید کی درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ (سورۃ لقمٰن: ٦)

ترجمہ: "اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں بے سمجھے اور اسے ہنسی بنا لیں ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے"۔

اس کے بعد اب ہمیں یہ جائزہ لینا ہے آیا کہ وہ قوانین جو قرآن نے پیش کیے ہیں کیا

وہ قابلِ عمل بھی ہیں یا نہیں؟ اور کیا وہ لوگ جنہوں نے ان کی پابندی کی وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں یا نہیں؟ ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدائی مسلمان قرآن پر صرف ایمان نہیں لاتے تھے بلکہ وہ زندگی بھی قرآنی تعلیمات اور نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق گذارتے تھے۔ معلوم ہوا یہ قوانین قابلِ عمل اور فطری ہیں۔ آیئے ہم مرتفع عرض بلد پر روزوں کے مسئلے کی مثال لے لیتے ہیں۔ شمالی اور جنوبی قطبین کے قریبی ممالک میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ سورج کئی مہینوں تک متواتر غروب نہیں ہوتا اور اسی طرح کئی ماہ تک مسلسل طلوع ہی نہیں ہوتا۔ ایک مسلمان ایسے اوقات میں روزے کیسے رکھے گا اگر روزہ صبح صادق سے لیکر غروبِ آفتاب تک ہوتا ہے؟ اس سلسلے میں ہمیں نبی اکرم ﷺ کے ارشاد میں ہمیں اشارہ ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''روزِ قیامت سے پہلے دن کئی سالوں کے ہوں گے اور راتیں بھی کئی سالوں کی ہوں گی۔'' صحابہ نے عرض کی: تو اس وقت لوگ روزے کیسے رکھیں گے؟ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''بالکل اسی طرح جیسے وہ اپنے کھانے اور پینے کا انتظام کرتے ہیں۔''

اس لیے اگر مرتفع عرض بلد پر لوگ دن اور رات میں فرق کر لیتے ہیں تو وہ دن کو روزہ رکھیں۔ انہیں نماز اور روزے اسی طرح ادا کرنے چاہئیں جیسے وہ زندگی کے دوسرے پروگراموں کو تقسیم کرتے ہیں۔

کیا اسلام ان لوگوں کے لیے کامیابی کا تحفہ لایا ہے جنہوں نے اس کی پیروی کی ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ عربوں نے کامیابی حاصل کی جب انہوں نے قرآنی تعلیمات پر عمل کیا۔ مسلمان طاقت، علم، سائنس اور انداز جہانبانی میں سب سے آگے تھے۔ تاریخ اسلام میں کئی ایسی بزرگ اور مقدس ہستیاں ہیں جنہوں نے قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہوکر اللہ کا قربِ خاص حاصل کیا ہے۔ مزید برآں خود قرآن میں اللہ نے ہمیں یقین دہانی کروائی ہے کہ اگلے جہاں میں کامیابی ہماری ہوگی اگر ہم قرآن میں مذکور اللہ تعالیٰ کے احکامات کے آگے سرِ تسلیم خم کردیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوْا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (سورۃ الحج: ۷۷) ترجمہ: ''اے ایمان والو رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور بھلے کام کرو اس امید پر کہ تمہیں چھٹکارا ہو۔''

سبق نمبر چھ

اسلام کی تبلیغ کیسے کی جائے؟ کے موضوع کو سمجھاتے ہوئے ہم نے بنی نوع انسان کی فطری ضروریات سے بھی بحث کی ہے اور اس پر بھی غور کیا ہے کہ ان کی مطلوبہ اشیاء کس طرح مہیا کی جاتی ہیں۔ ہم نے اللہ کے وجود اور اس کی توحید کے موضوع سے بھی بحث کی ہے۔ اس کے بعد ہم اس بات کو زیرِ غور لائے کہ معبود اور اس کے نبی کی صفات کیا ہونی چاہئیں۔ اس طرح ہمیں کچھ ایسے معیار مل گئے جن کی بنیاد پر ہم کسی مدعیٔ اُلوہیت یا رسالت کی اصلیت کا جائزہ لے سکتے ہیں اور یہ جان سکتے ہیں کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا۔ ہم ان معیارات سے متعلق کچھ ایسے نتائج پر بھی پہنچے جن کے ذریعے ان کتابوں کے مستند یا غیر مستند ہونے کا تعین کر سکتے ہیں جن کے کلامِ الٰہی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ ہم نے دنیا کے بڑے بڑے اَدیان کا سروے کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ صرف قرآن مجید ہی اس معیار پر پورا اُترتا ہے جس کی بنیاد پر کسی کتاب کو کتابِ الٰہی کے طور پر قبول کیا جا سکتا ہے۔

اب ہم اس سوال سے بحث کرتے ہیں کہ کیا قرآن مجید میں پیغامِ الٰہی کو عملی شکل دینا ممکن ہے؟ اور کیا وہ لوگ جنہوں نے اس کا اتباع کیا کامیاب بھی ہوئے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے متعلق فرماتا ہے: هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ: ۲) ترجمہ: ہدایت ہے ڈر والوں کو

جب مَیں طالبِ علم تھا اور قرآن مجید کی تفسیر پڑھنا شروع کر رہا تھا تو مَیں قرآن مجید کی اس آیت پر پریشان تھا۔ مَیں نے اپنے استاد سے عرض کی کہ قرآن مجید کو کافروں کے لیے ہدایت ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کیوں فرماتا ہے کہ یہ ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور خود کو بچا چکے ہیں؟ میرے استاد نے اس مسئلے کی وضاحت کرنے کی کوشش کی مگر مَیں اس وقت مطمئن نہ ہو سکا۔ تاہم جب میں بڑا ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ مَیں نے کتنا احمقانہ سوال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن مجید متقی لوگوں کے لیے ہدایت ہے یعنی ان لوگوں کے لیے جن کے پاس تقویٰ ہے اور جو خود کو مادّی اور غیر مادّی دنیا کے خطرات سے بچا چکے ہیں۔ اگر ایک ڈاکٹر نے ایک مریض کا علاج کیا ہے اور اس سے پوچھا

جائے کہ اس نے مریض کے علاج کے لیے کونسی دوائی استعمال کی تھی تو ہمیں استعمال شدہ نسخہ بتائے گا۔ وہ دوائی پھر اس شخص کے لیے دوائی ہوگی جس کا علاج ہو چکا ہے اور اسے ان لوگوں کے بھی استعمال کیا جا سکے گا جو اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید بھی ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو خود کو محفوظ کر چکے ہیں اور جو خود کو بچانا چاہتے ہیں وہ بھی اسے بطور ہدایت لے سکتے ہیں۔

اللہ بھی فرماتا ہے کہ قرآن مجید ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ لوگ ان اشیاء پر ایمان کیسے لاتے ہیں جو نظر نہیں آتی ہیں یعنی جنت، دوزخ اور یوم حساب؟ جب ہم قرآن مجید کی صداقتوں کے قائل ہوجاتے ہیں اور اس بات کے بھی کہ یہ ایک علیم و قدیر کا کلام ہے تو پھر ہمیں ان تمام باتوں پر ایمان لانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہیں۔ ہم ان پر اس لیے یقین رکھتے ہیں کہ اللہ نے قرآن میں ایسے ہی فرمایا ہے۔

تاریخ اسلام ہمیں بہت سے ایسے افراد کے بارے میں بتاتی ہے جنہوں نے ہر چیز سے منہ موڑا اور خود کو اللہ کے لیے وقف کردیا اور اس تک پہنچنے کے لیے اپنی ان کوششوں کے نتیجے میں انہیں اس کے نور میں خوش آمدید کہا گیا۔ ان لوگوں نے اللہ کا قرب کیسے حاصل کیا؟ انہیں یہ قرآن کی رہنمائی کی بدولت ملا۔

لوگوں کے دلوں میں یہ جذبات کیسے پیدا ہوجاتے ہیں کہ وہ اللہ کی خاطر ہر چیز کی قربانی دے دیتے ہیں؟ اپنے ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں جارج سیل (Sale) اعتراف کرتا ہے کہ ہمارے نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے اللہ اور اپنے لیے صحابہ اور تبعین کے دلوں میں تو بہت زیادہ محبت پیدا کردی لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے شاگردوں کے دلوں میں ایسی محبت پیدا نہ کرسکے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی اللہ تعالیٰ یا اس کے دین کا نام آتا ہے لوگ اپنے مال و جائیداد کی قربانی دینے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔ یہ جذبات کیسے پیدا ہوجاتے ہیں؟ قرآن مجید اس کا جواب یوں دیتا ہے: هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ... وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ○ (سورۃ البقرۃ: ۳)

ترجمہ: ہدایت ہے ڈر والوں کو وہ جو... ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں

اُٹھائیں۔

اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے کہ قرآن مجید ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے:

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ'' (البقرۃ: ۴)

ترجمہ: وہ کہ ایمان لائیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اُترا اور جو تم سے پہلے اُترا۔

لہٰذا یہ صرف قرآن مجید کے ذریعے ہی ممکن ہے کہ ہم قرآن مجید سے پہلے نازل کی گئی کتب پر ایمان لا سکتے ہیں۔

اونٹ چَرانے والے جن کا نہ تو معیارِ زندگی اور نہ ہی ثقافت اعلیٰ تھی، کے لیے یہ کیسے ممکن ہوگیا کہ وہ صرف چند سالوں کے اندر اندر فاتح عالم بن گئے؟ یہ قرآن تھا جو اُن کا رہنما تھا۔ جیسے کہ اللہ فرماتا ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ... (سورۃ الإسراء: ۸۲)

ترجمہ: اور ہم قرآن میں اُتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔

قرآن مجید میں ہمیں ان چیزوں پر ایمان لانے کی تعلیم دی گئی ہے جو غیب ہیں۔ ہم ایسی چیزوں کو کیسے جان اور پھر اُن پر ایمان لا سکتے ہیں جو نظر ہی نہیں آتیں؟ اگر ہم اپنے علم کی حقیقت پر غور کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ علم کے تین مدارج ہیں:

(۱) ایسا علم جسے ہم دوسروں سے سیکھ کر، بذریعہ عقل اور منطق حاصل کرتے ہیں۔ اسے علم الیقین کہتے ہیں:

(۲) ایسا علم جسے ہم آنکھوں سے دیکھ کر اور مشاہدہ سے حاصل کرتے ہیں۔ اسے عین الیقین کہتے ہیں:

(۳) وہ علم جسے ہم حقیقت پر مبنی یقینِ کامل کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ اسے حق الیقین کہتے ہیں۔

جہاں تک اس علم کا تعلق ہے جسے ہم دوسروں سے اور اپنی عقل سے حاصل کرتے ہیں اس کا انحصار سچائی اور ان لوگوں کی ثقاہت پر ہے جن سے ہم سیکھتے ہیں اور خود ہماری اپنی قوتِ استدلال پر منحصر ہے۔ وہ علم جسے ہم اپنے مشاہدے سے حاصل کرتے ہیں وہ غلط بھی

ہوسکتا ہے کیونکہ بعض اوقات ہماری آنکھ ہمیں دھوکہ دیتی ہے اور ہم ایسی چیز دیکھتے ہیں جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ علم جو یقینی اور کُلی صداقت پر مبنی ہوتا ہے وہی علم کی اعلیٰ ترین صورت ہے۔

جہاں تک ان اشیاء کا تعلق ہے جو ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں ہم ان پر اس لیے ایمان لاتے ہیں کیونکہ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ ان کا وجود ہے۔ ہم قرآن اور اصل پیغام ہم تک پہنچانے والے سلسلۂ رُوَاۃ کے مستند ہونے کا جائزہ لے سکتے ہیں اور اگر ہم قائل ہوجاتے ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو پھر ہم اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اس لیے پہلے ہم بذریعہ علم الیقین ایمان لاتے ہیں۔ پھر دوسرے نمبر ہم خود قرآن پڑھتے ہیں اور ان لوگوں کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جنہوں نے اس کی تعلیمات پر عمل کیا وہ کامیاب ہوچکے ہیں۔ اس لیے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ہمیں بھی اس کی تعلیمات کی پیروی کرنی چاہیے۔ یہ عین الیقین ہے۔ اکثر اوقات جب ہم قرآن کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں اور اس کے علوم کے سمندر میں کھنچے چلے جاتے ہیں تو ہمیں حق الیقین حاصل ہوجاتا ہے اور ہم ایمان لے آتے ہیں کیونکہ ہمارا اعتقاد صداقت پر مبنی ہوتا ہے۔

اگر ہم اپنے آپ کا جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہم خاص حواس اور آلات رکھتے ہیں جنہیں ہم بعض خاص مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، کانوں سے سُن سکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں سے چھو سکتے ہیں مگر ہم اپنی آنکھوں سے سُن نہیں سکتے، اور کانوں سے دیکھ نہیں سکتے۔ مزید برآں اگر ہم ایک سنترہ کو چکھیں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ میٹھا ہے لیکن کیا ہم اس مٹھاس کی وضاحت کر سکتے ہیں؟ اگر ہم اس کی وضاحت کسی دوسرے شخص سے کرنا چاہیں تو ہمیں اسے یہ کہنا پڑے گا: ''ایک سنترہ لو، اسے اپنے منہ میں ڈالو اور اُس کا رَس چوسو۔ تب تمہیں اس کی مٹھاس کا علم ہوجائے گا''۔ اسی طرح اگر ہمیں برف کی ٹھنڈک کی وضاحت کرنے کا بھی کہا جائے تو ہم کہیں گے: ''برف کو اپنے ہاتھوں میں لو اور جب تمہارے ہاتھ کا درجۂ حرارت گر کر برف کے درجۂ حرارت کو آئے گا تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ٹھنڈک کیا ہوتی ہے''۔ یہی معاملہ اَن دیکھی اشیاء کا ہے۔ ہم

مکمل طور پر الفاظ کے ذریعے اس کی وضاحت نہیں کرسکتے کہ خدا کیا ہے؟، جنت کیا ہے؟، جہنم کیا ہے؟ خدا، جنت اور جہنم سب غیر مادّی وجود ہیں اور اگر ہم یہ جاننا چاہیں کہ وہ کیا ہیں تو ہمیں لازماً غیر مادّی اشیاء کو جذب کرنے، دیکھنے، سُننے اور محسوس کرنے کے لائق ہونا چاہیے۔ ہم یہ کام کیسے کرسکتے ہیں؟ اس کا طریقہ قرآن میں مہیا کیا گیا ہے۔ قرآن میں ہم پڑھتے ہیں: وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًاO (سورۃ الاسراء: ۸۵)

ترجمہ: ''اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا''۔

اگر ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ روح کیا ہوتی ہے تو ہمیں اسے اپنے روحانی دماغ کے ذریعے جاننا ہوگا، اگر ہم اسے دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اسے اپنی روحانی آنکھوں کے ذریعے دیکھنا ہوگا، اگر ہم اسے چکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اسے اپنی روحانی زبان سے چکھنا ہوگا اور اگر ہم اسے محسوس کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اسے اپنے روحانی ہاتھوں سے چھونا پڑے گا۔ ہمارے اجسام بذاتِ خود اور جن اشیاء کو ہم دیکھتے ہیں سب مادّی ہیں۔ جب قرآن مجید روحانی دُنیا کی بات کرتا ہے یہ مادّی الفاظ و اصطلاحات استعمال کرتا ہے تاکہ لوگ سمجھ سکیں۔ روحانی دنیا کو مادّی زبان کے ساتھ تشبیہات و استعارات کے استعمال کے بغیر بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہم نے روحانی دماغ، روحانی آنکھ، روحانی کانوں اور ہاتھوں کی بات کی ہے لیکن یہ مادّی الفاظ دماغ، آنکھ، کان اور ہاتھ صرف مشابہات و تمثیلات کی تشکیل کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ اس لیے ہمیں انہیں مادّی دماغ، آنکھ، کان اور ہاتھ نہیں سمجھنا چاہیے۔ لہٰذا جب ہم قرآن مجید میں جنت و جہنم کے بارے میں کوئی بیان پڑھیں تو ہمیں انہیں بیان کرنے کے لیے استعمال کی گئی تمثیلات کو لفظی اور مادّی معنوں میں نہیں سمجھنا چاہیے۔

قانونِ ارتقاء کے مطابق اگر ہر شے رُو بہ ترقی ہے تو فطری بات ہے اس کی کوئی انتہا ہونی چاہیے جس کے بعد ترقی کا کوئی مزید نقطہ نہیں ہوسکتا۔ آرام یا خوشی اور غم یا دُکھ دو حالتیں ہیں۔ زندگی میں ہر شخص کو اُن سے واسطہ پڑتا ہے؛ اس لیے ان دونوں حالتوں کا کوئی

آخری نقطہ ہونا چاہیے۔ خوشی اور سکون کا آخری نقطہ ہی جنت کہلاتا ہے اور دَرد وغم کا آخری نقطہ جہنم کہلاتا ہے۔ جس طرح اس دُنیا میں ایسے مادّی وسائل پائے جاتے ہیں جو یا تو خوشی میں اضافہ کرتے ہیں یا درد کو مسلط کرنے میں آلہ بنتے ہیں اسی طرح اگلے جہان میں بھی کسی نہ کسی قسم کے ایسے وسائل ہونے چاہئیں جو حالتِ انبساط یا دُکھ درد پیدا کرنے کا کام کریں۔ جنت کا نقشہ کھینچنے کے لیے اوّل الذکر کی ایک استعاراتی لفظی تصویر بنائی گئی ہے اور جہنم کی رمز بندی کرنے کے لیے عذاب وسزا کا ایک انتہائی خوفناک اور ہولناک نمونہ پیش کیا گیا ہے لیکن ہمیں چاہیے کہ ہم ان کے لفظی بیان کو نہ لے لیں۔ جنت کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ O (سورۃ السجدۃ: ۱۷)

ترجمہ: "تو کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لیے چھپا رکھی ہے صلہ ان کے کاموں کا"۔

جب یہ صورتحال ہے تو پھر کیسے کوئی روحانی دنیا کی اصلیت کو جان سکتا ہے۔ مثلاً جنت کیا ہے؟ قرآن مجید فرماتا ہے: اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ O الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ O (سورۃ آلِ عمران: ۱۹۰-۱۹۱)

ترجمہ: "بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اے رب ہمارے تونے یہ بیکار نہ بنایا، پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے"۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعلق ہے تو وہ غیر مادّی ہے۔ وہ ہمارے قریب ہے لیکن ہم نہ اس کا کلام سُن سکتے ہیں اور نہ اسے چُھو سکتے ہیں۔ ہم نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے قریب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اور ہمارے درمیان کوئی دُوری نہیں ہے۔

دو مقامات کے درمیان موجود دُوری کو ناپا جاسکتا ہے اور اس کی لمبائی معلوم کی جاسکتی ہے جیسے کہ وقت کا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات زمان ومکان کی حدود سے بالا ہے لہٰذا وہ ہم سے کیسے دور ہوسکتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اور ایک آدمی کے درمیان زمان ومکان کا کوئی فاصلہ نہیں ہوسکتا مگر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے دور ہے نہیں بلکہ ہم اس سے دور ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (سورۃ ق: ۱۶)

ترجمہ: "ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں"۔

چند دن پہلے کی بات ہے مَیں جب اپنے غسل خانے میں وضو کرنے جا رہا تھا مَیں نے اپنی گھڑی کو اپنی قمیص کی جیب میں ڈال لیا۔ وضو مکمل کرنے کے بعد میں گھڑی کو تلاش کرنا شروع ہوگیا، مَیں یہ بھول گیا تھا کہ مَیں نے اسے اپنی قمیص کی جیب میں ڈالا تھا۔ گھڑی مجھ سے دور نہیں تھی۔ مگر میں گھڑی کو اس لیے نہ پاسکا کہ مَیں اسے بھول گیا تھا۔ اسی طرح اگر ہم اللہ تعالیٰ کو بھول جائیں تو اللہ تعالیٰ ہم سے دور ہوگا۔ یہ ذکر اللہ ہے جو ہمیں اس کے قریب کرے گا۔

ہمارے نبی کریم ﷺ نے ہمیں یادِ الٰہی سکھائی اور فرمایا: اپنے اندر صفات الٰہی کا عکس پیدا کرو۔ ہمارے مرشد مثلاً ہمیں یہ سکھاتے ہیں کہ ہم یالطیف یالطیف کا کثرت سے ورد کیا کریں۔ ہم ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس عمل کے دوران ہم اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کا ورد کرتے ہیں تا کہ یہ صفت لُطف (شفقت ومہربانی) ہمارے اندر ظاہر ہوجائے۔ جب شفقت ومہربانی کی وہ صفت جو ہمارے اندر ہوتی ہے کو اللہ تعالیٰ کی صفتِ مہر ومحبت کی جلا کے ذریعے روشنی پہنچتی ہے اور یہ ہمارے اندر منعکس ہوجاتی ہے تو صرف اس وقت ہی ہم جان سکتے ہیں کہ مہر ومحبت کیا ہوتی ہے۔ ایک حدیثِ قدسی میں ہم پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ۔ (صحیح بخاری، کتاب: التوحید؛ باب: قول اللہ ویحذرکم اللہ نفسہ)

ترجمہ: "مَیں یقیناً اس خیال کے ساتھ اپنے بندے کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے"۔

جب یہ صورتحال ہے تو کوئی کیسے روحانی اور غیر مادّی اشیاء کو سمجھ سکتا ہے؟ ہم روحانی طاقت کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ جس طرح ہم تربیت اور ریاضت سے اپنی مادّی طاقت حاصل کرتے ہیں اسی طرح ہی سے روحانی طاقت، روحانی ریاضت اور مجاہدہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

(۱) ...أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ O (الرعد: ۲۸)

ترجمہ: ''سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے''۔

(۲) ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ O الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ O وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ O أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ O خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ O (سورۃ البقرۃ: ۲-۷)

ترجمہ: ''وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں اور نماز قائم رکھیں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں اٹھائیں اور وہ کہ ایمان لائیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اترا اور جو تم سے پہلے اترا اور آخرت پر یقین رکھیں وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی مراد کو پہنچنے والے بیشک وہ جن کی قسمت میں کفر ہے انہیں برابر ہے چاہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے نہیں اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کردی اور ان کی آنکھوں پر گھٹا ٹوپ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب''۔

اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں اور اس کی نازل کردہ کتب پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ہمیں ملائکہ پر ایمان لانے کا بھی حکم ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مذہب روحانی اشیاء کے بارے میں بات کرتا ہے۔ کچھ اہلِ مذہب نے تو اپنے معبودوں اور آسمانی مخلوق کے بُت تراش رکھے ہیں مگر یہ غلط ہے۔ معبود صرف ایک ہی ہے جس نے سب کو پیدا کیا اور ملائکہ

بھی اس کی مخلوق ہیں۔ ملائکہ وہ نورانی مخلوق ہیں جو اس کے احکام کا اجراء کرتے ہیں اور انہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے احکام چلتے ہیں۔ وہ چونکہ روحانی وجود ہیں اس لیے ان کے جسم کی کوئی شکل نہیں ہے بلکہ وہ جو شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ جہاں تک ان کے فرائض کا تعلق ہے تو وہ مختلف ہیں۔ ملائکہ کا ایک گروہ ایسا ہے جس کا کام اللہ کی حمد و ثنا کے سوا کچھ نہیں۔ بعض ایسے ہیں جن کا کام مظاہرِ فطرت میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل درآمد کرانا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ O (سورۃ آل عمران: ۴۷)

ترجمہ: جب کسی کام کا حکم فرمائے تو اس سے یہی کہتا ہے کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے۔

آگ ایک مظہرِ قدرت ہے اور یہ اللہ کے حکم کے تحت کام کرتی ہے۔ یہ کیسے کام کرتی ہے؟ یہ اللہ کے اُس اَمر سے کام کرتی ہے جس کا ایک روحانی عکس ہے جسے ہم روح کہتے ہیں۔ یہ آگ ایک فرشتے کے ذریعے کام کرتی ہے جس کی ذمہ داری آگ کے متعلق اللہ کے حکم کی بجا آوری ہے۔ اسی طرح پانی اور دوسرے مظاہر کی ذمہ داریوں کے لیے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم کی بجا آوری کرتے ہیں۔ بعض ملائکہ ایسے بھی ہیں جو دوسروں سے افضل ہیں۔ روحانی دنیا میں اللہ کی طرف سے ان کا وہ منصب ہے جو انبیاء و رسل کا مادّی دنیا میں ہے۔ ان روحانی پیغمبروں میں جبریل علیہ السلام ہیں جنہیں ہمارے نبی کریم ﷺ کی طرف روحانی پیغامات دے کر بھیجا جاتا تھا۔ جبریل کو غلطی سے عیسائیوں نے ایک اِلٰہ سمجھ رکھا ہے اور وہ اسے تثلیث کا تیسرا شخص ہولی گھوسٹ (Holy Ghost) بتاتے ہیں۔ بعض خاص ذمہ داریوں کے لیے مقرر ملائکہ میں میکائیل اور اسرافیل بھی ہیں۔ ہم ملائکہ پر ایمان کیوں رکھتے ہیں؟ ہمارے اس ایمان کی بنیاد قرآن مجید میں ان کا ذکر ہے۔ اگر اپنے جائزے سے ہم اس بات کے قائل ہو چکے ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ ایک سچے انسان تھے اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا مستند کلام ہے تو پھر یقیناً ہمیں قرآن کے فرمان پر ایمان لانا چاہیے۔

انہیں اس جبلت کے ساتھ پیدا کیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے احکام کی تعمیل کریں اور انہیں

دوسروں تک پہنچائیں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جو خالق اور مخلوق کے درمیان رابطہ قائم کرواتی ہیں۔ وہ اس سے احکام حاصل کرتے ہیں اور انہیں اہل دنیا تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہاں ان کا کام نظریات پیش کرنا نہیں بلکہ نمونہ عمل پیش کرنا ہے۔ انسانوں کی یہ مقدس جماعت دین و مذہب کی زبان میں انبیاء اور رسل کہلاتی ہے۔

غیر مادّی پیغامات کو ایک غیر مادّی منبع و مصدر سے سُننا اور نظر نہ آنے والی اشیاء کو نظر نہ آنے والے ذرائع سے جاننا۔ ان اصطلاحات اور محاوروں کے لفظی معانی تو ہیں لیکن ان کے پیچھے درحقیقت کیا ہے؟ کوئی شخص غیر مادّی آوازوں کو کیسے سُن سکتا ہے؟ نظر نہ آنے والی اشیاء کیسے دیکھی جاسکتی ہیں؟ ان امور کی تجربے سے وضاحت صرف اس صورت میں کی جاسکتی ہے اگر کسی کے پاس کام لینے کے لیے غیر مادّی آلات ہوں یا کسی کے پاس سابقہ غیر مادّی نمونے ہوں لیکن صورتحال کے موروثی خاصیت کا ہونے کی وجہ سے ہمارے پاس نہ تو کوئی دوسرا نمونہ ہے اور نہ خدا کا کوئی ثانی۔ خدا بے نظیر و بے مثال ہے۔ ہم اس کا کسی سے موازنہ نہیں کر سکتے۔ پھر کیسے کوئی شخص اس قضیے کی توضیح و تشریح کرسکتا ہے جب وضاحت یا موازنے کے لیے مادّی آلات ہمیں دستیاب نہیں ہیں اور جب ایک مادّی مظہر کو غیر مادّی مظہر میں ڈھالنا بھی ناممکن ہے؟ اسی طرح نظر نہ آنے والی اشیاء نظر آنے والی اشیاء یا مظہر میں بھی منتقل نہیں کی جاسکتیں تو کیسے کوئی شخص اُس طریقہ کار کی وضاحت یا تشریح کرسکتا ہے جس کے ذریعے نظر نہ آنے والی اشیاء دیکھی جاسکتی ہیں؟

قصہ مختصر، کسی قسم کا موازنہ پیش نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کوئی نمونہ بنایا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شاعر کو لے لیں جو اپنے ولولہ انگیز کیف میں بیٹھا ہے۔ اچانک ہی اس کے ذہن میں مسجع مقفی اشعار کا بہاؤ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ کیسے آئے؟ یہ کہاں سے آئے؟ بلاشبہ یہ آئے تو ہیں لیکن ان کے طریقہ کار کو لفظوں میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ ایک فلسفی اپنے سوچ و بچار میں مگن ہے یا اس کے ذہن میں مختلف نظریات گردش کر رہے ہیں۔ انجام کار وہ ایک ایسے جدید نکتے پر پہنچتا ہے جس کی مثال پہلے کہیں نہیں تھی یا اس نے خود بھی اسے نہ تصور کیا تھا اور نہ ہی ممکن سمجھا تھا۔ ایک کیمیا دان اپنی تجربہ گاہ میں متنوع الاقسام

مرکبات کی تیاری میں مصروف ہے۔ بغیر کسی ادنیٰ تامل اور توقع کے اس کے ذہن میں بالکل ایک نئی شے جنم لیتی ہے؛ وہ اس کی آزمائش کرتا ہے اور ایک نیا فارمولہ دریافت کر لیتا ہے۔ یہ کہاں سے آیا؟ اور یہ کیسے آیا؟

یہ کہاں سے آیا؟ کے سوال کا تو شاید یہ جواب ہوسکتا ہے کہ یہ اس کی ذہانت یا دانائی جو اس کے جسم کے بہترین عضو دماغ میں موجود ہے سے آیا لیکن یہ سوال کہ یہ کیسے آیا ویسے ہی رہ جاتا ہے اس کا بالکل کوئی جواب نہیں دیا جاسکتا۔

جب ہم اس طریقہ کار کی وضاحت سے قاصر ہیں جس کے ذریعے اشیاء ہمارے اپنے ذہن سے سامنے آتی ہیں تو ہم کیسے اس طریقہ کار کی حقیقت کی توضیح و تشریح کرسکتے ہیں جس کے ذریعے پیغامات ہمارے ذہن تک پہنچتے ہیں پھر سفر کرتے کرتے ہماری زبان تک آتے ہیں اور آخر میں بولے ہوئے لفظوں یعنی انسانی گفتگو کے ذخیرۂ الفاظ کی معین و محدود صورت اختیار کر لیتے ہیں؟

اس سلسلے میں گراموفون کے وسیلے سے آواز اور گیتوں کی تخلیق مکرر غور و فکر کی مستحق ہے۔ گراموفون بذاتِ خود ایک موٹر پر مشتمل ہوتا ہے جو ایک ایسی پلیٹ پر گھومتی ہے جس پر ریکارڈ کو رکھا جاتا ہے اور جونہی ریکارڈ گھومتا ہے اپنی کی جھریوں والی سطح پر لگائی گئی ایک سوئی ریکارڈ سے ساؤنڈ بکس میں مختلف ارتعاشوں کو منتقل کرتی ہے جو آواز کو فراخی دینے والی ایک جگہ پر لے جاکر ریکارڈ شدہ آواز کو قابلِ سماعت بنا دیتا ہے۔ ریکارڈ محض آنکھ سے دیکھ کر سمجھنے کے لیے ایک بہت پیچیدہ معاملہ ہے بلکہ ایک خوردبین سے دیکھ کر سمجھنے کے لیے بھی یہ ایسے ہی ہے۔ بہرحال اس پر جو نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ سطح باریک لکیروں اور چھوٹے چھوٹے نقطوں کا جنگل ہے ان میں بعض آہستہ اور بعض بلند آواز کے حامل ہوتے ہیں۔ ضربات کی شدت میں تنوع آواز کی لہروں میں تنوع کی وجہ سے ہوتا ہے جنہیں ریکارڈنگ کے عمل کے دوران ریکارڈنگ کے آلات کے ذریعے ایسا جان بوجھ کر بنایا گیا تھا۔ اس طرح ہمارا ریکارڈ بنتا ہے۔ لیکن یہ سارا بیان اس بات کی وضاحت کرنے میں ناکام رہتا ہے کہ اتنی خوبصورتی سے گائے گئے گیت، ماضی میں اور بعض اوقات ماضی بعید میں مسحور کن

انداز میں پیش کی گئی لے کیسے الفاظ و انداز کی اتنی درستی اور صحت کے ساتھ دوبارہ اس لیے سُنی جاسکتی ہے جب ہم اپنے گراموفون کو چلاتے ہیں اور گھومنے والی پُر اسرار پلیٹ پر سوئی کو لگاتے ہیں؟ اس میں قید آواز کو آزادی ملتی ہے، حیران کن موسیقی ہمارا دل موہ لیتی ہے اور ہم اس کے اثر سے ساکت و جامد بیٹھے رہ جاتے ہیں۔ ہاں آج ہزاروں گراموفون استعمال کیے جاتے ہیں لیکن ان کے سُننے والوں میں سے کتنے اس لائق ہیں جو اُس طریقۂ کار کی حقیقت پر اطمینان بخش روشنی ڈال سکتے ہیں جس کے ذریعے مشین کام کرتی ہے؟

عام سامعین کی تو بات ہی نہ کریں اگر آپ ریکارڈ اور گراموفون بنانے والوں سے بھی سوال کریں تو وہ آپ کو صرف یہ جواب دے سکیں گے: "ہاں، ایک طریقِ عمل ہے ہم اس پر چلتے ہیں اس کے ذریعے ہمیں یہ نتائج ملتے ہیں"۔ تاہم گراموفون کی ساخت پر غور کرنے، ریکارڈ کی شکل وصورت کا مشاہدہ کرنے اور آواز سُننے کے بعد ہمیں یہ ایک بات ملتی ہے کہ یہ گیت ہُو بہُو ویسے ہی ہے جیسے یہ ریکارڈ میں ایک مقررہ وقت پر کسی طریقے سے مقید کرنے سے پہلے تھا۔

آیئے اب ہم تازہ ترین دریافت سینما کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ پردہ پر اداکاروں کے نہ صرف حرکات وسکنات منعکس ہوتے ہیں بلکہ اُن کے مکالمے اور آوازیں بھی بیک وقت وجود میں آتے ہیں اور بالکل صاف ہمیں سُننے کو ملتے ہیں۔

جب اداکاروں کی حرکات کو فلم پر نقش کیا جاتا ہے تو ان کی آواز کی لہروں کو ایسا بنایا جاتا ہے کہ وہ ساتھ ساتھ بیک وقت ان کے منہ سے نکلتی نظر آتی ہیں اور جونہی فلم کو مشین پر چلایا جاتا ہے اور بجلی کی شعاعیں ان پر ڈالی جاتی ہیں اداکاروں کی متحرک تصویریں پردہ پر پڑتی ہیں؛ ان کے مکالمے ان کے ہمراہ چل پڑتے ہیں؛ افلام پر شعاعوں کا آواز کے ساتھ رابطہ وہ کام کرنا شروع کر دیتا ہے جو گراموفون پر سوئی کا تعلق کرتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ آپ نے سینما کی فلمیں دیکھی ہوں گی، آپ کی آنکھوں نے مناظر کے عکس دیکھے ہوں گے؛ پردہ پر سے آتی اداکاروں کی آواز بھی تمہارے کانوں نے سُنی ہوگی۔ ہم نے ابھی آپ کے سامنے عام زبان میں اس سارے عمل کو بیان کیا ہے لیکن

کیا اس سارے بیان سے آپ اس سائنسی طریقے کو سمجھنے کے مکمل طور پر لائق ہو گئے ہیں جو اس منظر کو ممکن بناتا ہے؟ تصویروں کا عکس تو شاید تمہارے آئینہ میں اپنی تصویر دیکھنے کے عام تجربے کی وجہ سے قابل فہم ہو لیکن کیا تم اداکاروں کی حرکات کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ادا کردہ مکالموں کی ٹھیک ٹھیک تخلیق مکرر کی فنکاری کا پورا ادراک کر سکتے ہو؟ اب آیئے ہم اپنے جیسے عام کو ایک طرف رہنے دیتے ہیں مگر وہ لوگ بھی جو اس سائنس کے عادی ہیں اور وہ روزانہ اسے اپنے اجتماعات میں استعمال کرتے ہیں حتیٰ کہ خود اس کا موجد بھی پیمائشوں کے سلسلے یعنی اس کے عمل کے لیے درکار کئی طریقوں، مقداروں اور سائنسی طریقِ عمل کو ہمیں سمجھانے کے لیے زبان کے وسیلے کو ناکام پائے گا بالخصوص جب ہم سائنسی زبان میں بات کرنے اور سمجھنے سے ناواقف ہوں۔

قیامت اور یوم الآخر کے سوال پر بحث کرنے سے پہلے ہمیں کائنات کی تخلیق کے بارے میں اسلام کے تصور کو سمجھنا چاہیے۔ جب ہم اس موضوع کو سامنے رکھتے ہیں تو بہت سے سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً ہم خود سے سوال کرتے ہیں: دنیا کو کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ یہ کیسے وجود میں آئی؟ ہم نے خود کو قائل کرلیا ہے کہ ایک قادرِ مُطلق کی ذات ہے جس نے اس پوری کائنات کو پیدا کیا ہے لیکن اس نے اسے کیوں پیدا کیا؟ اور یہ کیسے وجود میں آئی؟ ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "من عرف نفسه فقد عرف ربه" جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

لہٰذا ہمارے نبی کریم ﷺ کے مطابق اگر ہم اللہ تعالیٰ اور اُس کی صفات کو سمجھنا چاہتے ہیں تو ہمیں خود اپنی صفات پر غور کرنا چاہیے۔ ایسا کیوں ہے؟ کائنات میں انسان کا مقام کیا ہے؟ اور ہم اپنی صفات پر غور کرتے ہوئے خدا کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ..(سورۃ البقرۃ: ۳۰)

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں"۔

خلیفہ وہ ہوتا ہے جو اپنے مالک کے پیچھے اس کی جگہ سنبھالتا ہے یعنی جو اپنے مالک کی صفات کے عکس سے متصف ہوتا ہے۔ اس طرح انسان میں اس کے مالک کی صفات منعکس ہوتی ہیں جو زمین پر اس کا خلیفہ ہے اور جب اللہ کی صفات ہمارے اندر منعکس ہوتی ہیں تو ہمیں اپنے اندر دیکھنا چاہیے تاکہ اللہ کی صفات کے عکس کو سمجھ کر ہم اللہ کی صفات کو سمجھ سکیں اور پھر خود اسے سمجھ سکیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ O وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ O

(سورۃ الذّٰریٰت: ۲۰_۲۱)

ترجمہ: ''اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کو اور خود تم میں تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں''۔

اگر اللہ تعالیٰ کو جاننا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے آپ کو دیکھنا چاہیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک فنکار کی صفات اس کے پیدا کردہ فن میں پائی جانی چاہئیں۔ اسی طرح ایک بڑھئی کی صفات اور اہلیت کا مرتبہ اُن کرسیوں اور میزوں میں نظر آتا ہے جنہیں اس نے بنایا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی مخلوق، سورج، چاند، ستاروں اور زمین میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ایک عرب شاعر کہتا ہے: ''ہر ایک چیز میں ایسی نشانیاں پائی جاتی ہیں جو دلالت ہیں کہ انہیں ایک عظیم کاریگر نے بنایا ہے۔''

اگر ہم اس کائنات پر غور کریں تو ہم اللہ تعالیٰ کی بعض صفات دیکھتے ہیں۔ دریاؤں میں پانی بہہ رہا ہے، کھیتوں میں سبزیاں اُگ رہی ہیں اور کانوں میں ہیرے موتی چمک رہے ہیں۔ یہ صفات ہمارے اندر بھی پائی جاتی ہیں۔ اگر پانی کے بہنے کی صفت کو تلاش کرنا چاہیں تو ہم اسے اپنی رگوں میں بہتے خون کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں۔ اگر ہم اُگتی سبزیوں کی صفت کو تلاش کریں تو یہ ہمیں اپنے اُگتے بالوں کی صورت میں ملے گی اور اگر ہم سیپیوں میں چمکتے موتیوں کی صفت کو تلاش کرنا چاہیں تو اسے ہم اپنی آنکھوں کو ان کے خول میں چمکنے کی حالت میں دیکھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کا عکس ہمارے اندر پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً...(البقرۃ: ۳۰)

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا

نائب بنانے والا ہوں''۔

ساری کائنات صفاتِ الٰہیہ کا مظہر اور عکس ہے اور یہی عکس ہمارے اندر بھی ہے۔ اگر ہم کسی درخت کا بیج لیں تو ہمیں بیج کے سوا کچھ نظر نہیں آتا لیکن ہم جانتے ہیں کہ اس بیج میں شاخیں، پتے اور پھل ہیں اور اگر ہمیں ایسی خوردبین مل جائے جو ان اشیاء کو ہمیں دکھا سکتی ہو تو پھر اس بیج میں ہم شاخیں، پتے اور پھل دیکھ بھی سکتے ہیں۔ اسی طرح انسان بھی پوری کائنات کا بیج ہے۔

لہٰذا اگر ہم اس سوال کا جواب حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ساری دنیا کیوں پیدا کی گئی تو ہمیں اپنے آپ پر غور سے دیکھنا پڑے گا۔ اس دُنیا میں ہر انسان کی فطری اور جبلی خواہش ہے کہ کوئی اس کے پیدا کیے گئے فن کو دیکھے اور تعریف کرے۔ مثلاً ایک فنکار کی خواہش ہے کہ کوئی اس کے فن کو دیکھے اور اس کی خوبیاں بیان کرے۔ اسی طرح ایک گلوکار چاہتا ہے کہ کوئی اس کے گیت سُنے اور اس کی تعریف کرے۔ اسی طرح ایک خطیب پسند کرتا ہے کہ کوئی اسے سُنے اور اس کے فنِ خطابت کی تعریف کرے۔ بنی نوع انسان کا یہ وصف درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفت کا عکس ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جو بھی صفات ہیں اس نے یہ چاہا کہ کوئی ایسی لائق ذات ہونی چاہیے جو اس کی ہر ایک صفت کی تعریف کر سکے۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں ایک مخفی خزانے کی طرح تھا۔ میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں اس لیے میں نے ساری کائنات کو پیدا کیا''۔

سبق نمبر سات

جب ہم یہ جان لیتے ہیں کہ کائنات کو ایک علیم و قدیر ذات نے پیدا فرمایا ہے تو ہم اپنے ذہن میں آنے والے دوسرے سوالوں کو بھی حل کرنے کی پوزیشن میں آ جاتے ہیں۔ اگر اللہ ہی نے ہمیں پیدا فرمایا ہے تو پھر کچھ لوگوں کو غریب اور کچھ کو امیر کیوں بنایا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جبراً نیک کیوں نہیں بنا دیتا؟ وہ اس دُنیا میں بُرائی کو باقی رہنے کی اجازت کیوں دیتا ہے؟ اگر ایک فنکار کوئی منصوبہ یا تصویر بنائے اور کچھ چیزوں کو ایک جگہ اور کچھ کو دوسری جگہ رکھے، مثلاً وہ اپنے گھر میں غسل خانے کو ایک خاص جگہ بناتا ہے اور دوسری جگہ نہیں اور ہم پوچھیں کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے؟ تو اس کا جواب یقیناً یہی ہوگا کہ اس نے یہ جگہ ایسے ہی منتخب نہیں کی بلکہ اس کے علم میں کچھ تقاضے ہیں اس نے انہیں پورا کرنے کے لیے ایسا کیا ہے۔ اگر ہم پھر بھی جاننا چاہیں کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے تو ہمیں اس کے ساتھ رہنا پڑے گا اور ہم سمجھ جائیں گے کہ اس کے ذہن میں کیا ہے۔ مزید برآں اگر ہم جاننا چاہیں کہ کوئی کاریگر کسی ڈیزائن کو ایک خاص انداز میں کیوں بناتا ہے تو ہمیں خود ایک کاریگر بننا پڑے گا۔ ایک فنکار اور کاریگر ہی جانتا ہے کہ اس نے ایک چیز ایسے کیوں بنائی ہے اور ویسے کیوں نہیں بنائی۔ کوئی غیر فنکار اس راز کو نہیں جان سکتا۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو انتخاب اور اختیار کرنے کی صلاحیت بخشی ہے کہ ایک چیز کو وہ منتخب کرے اور دوسری کو نہ کرے تو اللہ ہی جانتا ہے کہ اس نے اسے ایسا کرنے کی اجازت کیوں دی۔ اگر ایک سُنار سونے کو صاف کرنا چاہتا ہے تو وہ اسے آگ ہی میں جلائے گا۔ اب اگر ہم اس سے پوچھیں کہ وہ سونے کو آگ میں کیوں جلاتا ہے اور اسے کیوں اذیت پہنچاتا ہے تو وہ جواب دے گا کہ اسے معلوم ہے سونے کو صاف کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر بھی بعض اوقات دوائیوں میں زہر ملا دیتے ہیں۔ اگر ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں تو ہم خود ڈاکٹر بن کر ہی اسے سمجھ سکیں گے۔ ہمیں بعض چیزیں فضول اور احمقانہ نظر آئیں گی لیکن فنکار جس نے انہیں بنایا ہے اس کی نظر میں وہ ایسی نہیں۔ اگر ہم یہ ایمان

رکھتے ہیں کہ اللہ حکیم ہے اسے ہر چیز کا علم ہے تو ہمیں یقیناً یہ ماننا پڑے گا کہ اس کے ہر کام کا کوئی نہ کوئی مقصد بھی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱) إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ○ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (سورۃ ال عمران: ۱۹۰-۱۹۱)

ترجمہ: "بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ بیکار نہ بنایا پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے"۔

۲) وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِينَ ○ (سورۃ الانبیاء: ۱۶)

ترجمہ: "اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عبث نہ بنائے"۔

ہر چیز ایک مقصد کے تحت پیدا کی گئی ہے۔ ہر چیز کو حکمت کے تحت پیدا کیا گیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ○ (سورۃ المومنون: ۱۱۵)

ترجمہ: "تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار بنایا اور تمہیں ہماری طرف پھرنا نہیں"۔

اس دُنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک صاحبِ عقل کوئی چیز خواہ مخواہ نہیں بناتا تو پھر اللہ کے لیے کائنات یعنی آسمانوں، زمین اور انسانوں کو بلا مقصد پیدا کرنا کیسے ممکن ہے۔ خدا نے ہمیں کیوں پیدا کیا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان ہم نے ساری کائنات تیرے لیے پیدا کی ہے اور تجھے اپنے لیے۔

ایک حدیث قدسی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ مجھے اور میری صفات کو جانا اور سمجھا جائے۔ اس لیے میں نے کائنات کو پیدا کیا۔"

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (سورۃ الذٰریٰت: ۵۶)

ترجمہ: ”اور میں نے جن اور انسان کو نہیں پیدا کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں“۔ (البیان، علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ)

معلوم ہوا ہماری تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جانیں اور اس کی عبادت کریں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اس صورت میں کرسکتے ہیں کہ اسے جانتے ہوں۔

جب میں سیلون میں تھا میرے ساتھ میرے ایک شاگرد تھے مسٹر سوراج، جو اَب فوت ہوچکے ہیں۔ انہوں نے ایک بار مجھ سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی مادے کے کائنات کو کیسے پیدا کیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اللہ سے پہلے کچھ نہیں تھا“۔

اس نے مجھے کہا کہ جب اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا تو پھر کیسے اللہ تعالیٰ نے عدم سے کائنات کو پیدا کیا؟ میں نے اس سے پوچھا: بمبئی میں تاج محل ہوٹل کبھی گئے ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ میں نے اس سے پوچھا: کیا تمہیں یاد ہے کہ اس کی عمارت کتنی بڑی ہے اور اس کے کمرے کتنے بڑے ہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ پھر میں نے اس سے پوچھا: کیا تو دہلی کی جامع مسجد گیا ہے اور کیا تمہیں اس کا شاندار حسن یاد ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ اسی طریقے سے میں نے اس سے پوچھا: کیا تمہیں دوسری وہ عمارتیں بھی یاد ہیں جو تم نے دیکھی ہیں؟ پھر میں نے اسے کہا: جب میں نے تم سے تاج محل ہوٹل کے بارے میں پوچھا تو کیا ہوٹل تمہارے ذہن میں نہیں تھا اور کیا تم نے اس کی ساری تفصیل دیکھی نہیں تھی؟“ اس نے کہا: ہاں ایسے ہی ہے۔ پھر جب میں نے تم سے جامع مسجد کے بارے میں پوچھا تو کیا تم نے تاج محل ہوٹل سے اپنی توجہ ہٹا نہیں لی تھی؟ اس نے کہا: ہاں۔ کیا تاج محل ہوٹل تمہارے ذہن میں تباہ نہیں ہوگیا تھا؟ اس نے کہا: ہاں۔ اس سے دوسری عمارتوں کے بارے میں اسی جیسے کچھ سوالات کرنے کے بعد میں نے اسے کہا: تم نے یہ ساری عمارتیں کیسے تعمیر کرلی تھیں؟ کتنے ٹن سیمنٹ اور کتنے پتھر تم نے استعمال کیے؟ اسے یہی جواب دینا پڑا: کہ انہیں اس نے ذہن میں تعمیر کیا تھا۔ جونہی اس نے ان کا خیال کیا وہ موجود ہوگئے اور جب اس نے انہیں بھلایا

ان کا وجود ختم ہوگیا۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ (سورۃ الانعام: ۷۳)

ترجمہ: ”اور وہی ہے جس نے آسمان و زمین ٹھیک بنائے اور جس دن فنا ہوئی ہر چیز کو کہے گا ہو جا وہ فوراً ہو جائے گی“۔

زمان و مکان کا وجود اسی وقت تک رہتا ہے جب تک مادّی اشیاء سے ہمارے علم کا تعلق رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ زمان و مکان سے پاک ہے۔ اس نے فرمایا ہے: ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے خیال و ارادے میں ہے۔

یہ اس وقت تک رہے گی جب تک وہ چاہے گا اور یہ ختم ہو جاتی ہے اگر وہ اسے نہ چاہے۔ اس لیے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ایک یوم آخر ہونا چاہیے۔ جیسے کہ قرآن مجید فرماتا ہے: اللہ تھا، اللہ ہے اور وہ رہے گا۔ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی صفات کا عکس ہیں۔

سائنسدان پوچھ سکتے ہیں کہ کیسے پہاڑ، سمندر، سورج، چاند اور ستارے غائب ہوسکتے ہیں۔ اگر کوئی شخص سائنس کا مطالعہ کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ زمین و آسمان میں تمام اجسام پہاڑ، سمندر، سورج، ستارے اور سیارے اپنے اندر توانائی رکھتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ تمام مادہ الیکٹرانوں اور پروٹانوں کی گردش پر مشتمل ہے۔ اس لیے مادہ کسی نہ کسی قسم کی توانائی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ سورج، سیارے، زمین اور چاند مقناطیسی قوت کی وجہ سے اپنی جگہوں پر برقرار ہیں جو کہ خود توانائی کی ایک قسم ہے۔ توانائی یا کشش ثقل۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ سورج زمین کو کھینچتا ہے اور زمین سورج کو۔ اسی طرح یہ معاملہ دوسرے سیاروں کے ساتھ بھی ہے۔ جتنا عرصہ یہ مقناطیسی قوت اور یہ توانائی باقی رہے گی اتنا عرصہ یہ سارا نظام ٹھیک طور پر چلتا رہے گا۔ آیئے اب یہ معلوم کریں کہ کیا یہ توانائی یا مقناطیسی قوت بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے۔ سائنسدانوں کا جواب یہ ہے کہ تحقیق نے یہ ثابت کیا ہے کہ کائنات کی توانائی درحقیقت کم ہو رہی ہے۔ ہر گھنٹے، ہر منٹ، ہر سیکنڈ یہ توانائی خرچ ہو رہی ہے اور گھٹ رہی ہے۔ کمی کی رفتار یقیناً سست ہے لیکن یہ مسلسل جاری ہے اور ایک وقت ایسا آئے گا جب ساری توانائی خرچ ہوکر ختم ہو جائے گی اور پھر سارا مادہ

بھی غائب ہو جائے گا اور پورا نظام شمسی خود بخود تباہ ہو جائے گا۔

اگر ہم مادّہ پر فلسفے کے نقطۂ نظر سے غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ فلاسفہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دُنیا ہر روز تبدیل ہو رہی ہے۔ یہ مفروضہ فلاسفۂ یونان کا قائم کردہ ہے اور اسے دوسرے تمام فلاسفہ نے قبول کیا ہے۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو تبدیل ہو رہی ہے کسی نہ کسی طرح ایک دن اپنے اختتام کو پہنچے گی اور غائب ہو جائے گی۔ اس طرح ہمارے پاس دو مقدمات ہیں: دُنیا تبدیل ہو رہی ہے اور تبدیل ہونے والی ہر شے کو ختم ہو جانا ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا کو ختم ہو جانا ہے۔

عقلِ سلیم پر مبنی ہماری یہ دلیل ظاہر کرتی ہے کہ ساری مخلوق ایک دن کافور ہو جائے گی۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ جب وہ توانائی کہ جس پر مادّہ باقی ہے ختم ہو جائے گی تو تمام اشیاء مفقود ہو جائیں گی۔ فلاسفہ بھی کہتے ہیں کہ ایک دن سب چیزیں ناپید ہو جائیں گی۔ اور اخیر میں تمام ادیان و مذاہب بالخصوص ہمارے نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی تعلیمات اور جو قرآن مجید میں ہے وہ بھی ہمیں یہی سمجھاتی ہیں کہ ایک آخری دن "یوم الآخر" ہوگا۔ اسی لیے یوم الآخر پر ہمارا ایمان لانا ناگزیر ہے۔

یہ آخری دن کیسے آئے گا؟ ہم اس کے بارے صرف اتنا ہی جانتے ہیں جتنا اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن مجید میں بتایا ہے۔ دُنیا اس وقت ختم ہو جائے گی جب اللہ تعالیٰ اسے حکم فرمائے گا۔ بالکل ایسے جیسے اس کی تخلیق کے وقت اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا۔ ہم جان چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام فرشتوں کے ذریعے نافذ کیے جاتے ہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس مقصد کے لیے اس کے ایک عظیم فرشتے کی ڈیوٹی لگ چکی ہے۔ اس کا نام اسرافیل ہے۔ ایک حدیث میں ہے، ہمارے رسول ﷺ نے فرمایا: اسرافیل اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کر رہا ہے۔ جب اسے حکم ملے گا وہ صور اپنے ہاتھ میں اُٹھائے گا اور اُسے پھونکے گا۔ پہلے پہل لوگ ایک لذیذ موسیقی سُنیں گے اور اپنے گھروں اور بستیوں سے باہر آ جائیں گے۔ پھر یہ موسیقی سخت اور ناپسندیدہ بنتی جائیگی حتیٰ کہ پوری دُنیا اپنے تمام قدرتی مظاہر کے ساتھ تباہ ہو جائے گی۔ (مثلاً حوالے کے لیے دیکھیے: مسند امام احمد، کتاب: مسند المکثرین من

الصحابہ، باب: مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص)

آخرت سے متعلق واقعات قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں۔ تاہم ہمیں اس بیان کو لفظی طور پر نہیں لینا چاہیے۔ پوری تصویر اسے بیان کرنے کے لیے شاعرانہ انداز میں کھینچی گئی ہے کیونکہ اسے مناسب انداز میں لفظوں میں پیش نہیں کیا جا سکتا اور اسے ہماری انسانی صلاحیتیں موجودہ محدود قوت کے ساتھ سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔

۱) فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ۝ وَإِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝ وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ ۝ لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ۝ (سورۃ ۷۷: ۸-۱۲)

ترجمہ: "پھر جب تارے محو کر دیئے جائیں اور آسمان میں رخنے پڑیں اور جب پہاڑ غبار کر کے اڑا دیئے جائیں اور جب رسولوں کا وقت آئے کس دن کے لیے ٹھہرائے گئے"۔

۲) فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ وَّحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۝ (سورۃ الحاقۃ: ۱۳-۱۶)

ترجمہ: "پھر جب صور پھونک دیا جائے ایک دم اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر دفعتاً چورا کر دیئے جائیں وہ دن ہے کہ ہو پڑے گی وہ ہونے والی اور آسمان پھٹ جائے گا تو اس دن اس کا پتلا حال ہوگا"۔

۳) إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ۝ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا ۝ (سورۃ الواقعۃ: ۴-۶)

ترجمہ: "جب زمین کانپے گی تھرتھرا کر اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے چورا ہو کر تو ہو جائیں گے جیسے روزن کی دھوپ میں غبار کے باریک ذرّے پھیلے ہوئے"۔

۴) يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ قُلُوبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝ (سورۃ النازعات: ۶-۹)

ترجمہ: "جس دن تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی، اس کے پیچھے آنے والی، کتنے دل اس دن دھڑکتے ہوں گے، آنکھ اوپر نہ اٹھا سکیں گے"۔

۵) يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ○ (سورۃ الحج: ۲)

ترجمہ: ''جس دن تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے کو بھول جائے گی اور ہر گابھنی اپنا گابھ ڈال دے گی اور تو لوگوں کو دیکھے گا جیسے نشہ میں ہیں اور وہ نشہ میں نہ ہوں گے مگر ہے یہ کہ اللہ کی مار کڑی ہے''۔

۶) يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○ (سورۃ المؤمن: ۱۶)

ترجمہ: ''جس دن وہ بالکل ظاہر ہو جائیں گے اللہ پر ان کا حال چھپا نہ ہو گا آج کس کی بادشاہی ہے ایک اللہ سب پر غالب کی''۔

ہمارے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب یوم لآخر آئے گا اور کچھ بھی نہیں ہو گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اب فتح کس کی ہے؟'' اللہ خود ہی فرمائے گا: ''اللہ تھا اور اللہ ہے''۔

آخری دن کے بعد ایک اور دنیا ہو گی یعنی عالمِ قیامت، دوبارہ جی اُٹھنے کا دن۔ اس کے متعلق ہم اگلے سبق میں بات کریں گے۔

ہم نے اپنے گذشتہ سبق میں یوم لآخر اور پوری کائنات کی تباہی سے بحث کی تھی پھر اس موضوع پر عقلی، سائنسی تحقیقات، فلسفے اور اخیر میں قرآن مجید کے حوالے سے بھی بحث کی تھی۔ جہاں تک غیر مادّی اور مافوق الطبیعات اشیاء کا تعلق ہے ہم انہیں کسی تجربے اور عقلی دلائل سے اپنی ذہانت کی گرفت میں نہیں لے سکتے بلکہ ہم ان کے بارے میں صرف قادرِ مُطلق کی وحی سے جان سکتے ہیں۔ اس دنیا کا خالق اللہ تعالیٰ ہر شے جانتا ہے اور یہ اس کے پیغمبروں پر نازل کردہ وحی سے ممکن ہوا ہے کہ ہم غیب کی چیزوں کے بارے میں جان سکے ہیں۔

قرآن مجید قیامت کے بارے میں بات کرتا ہے اور دوسرے مذاہب نے بھی دوبارہ پیدائش اور کائنات کی حیات بعد الممات کے بارے میں بحث کی ہے۔ ہم اس حیات بعد الممات کے متعلق صرف وحیِ الٰہی کے وسیلے سے ہی جان سکتے ہیں کیونکہ کوئی دوسرا طبیعی ذریعہ

موجود نہیں۔ ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنا ہو گی کہ وحیِ الٰہی ہی حیات بعد الممات کے بارے میں معلومات بہم پہنچاتی ہے۔ وہ سوال جس پر ہمیں غور کرنا ہے یہ کہ کیا یہ ممکن بھی ہے؟ غیر مسلم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس یہ اعتراض لے کر آئے تھے اور کہا تھا: ''یہ کیسے ممکن ہے جبکہ ہم مردہ اور تباہ ہو چکے ہوں گے، جب پوری دنیا تباہ ہو چکی ہو گی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم دوبارہ پیدا ہو جائیں؟'' حضور نبی کریم ﷺ نے جواب دیا تھا: ''اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں عدم سے پیدا کر لیا تھا تو کیا اس کے لیے تمہیں دوبارہ پیدا کرنا مشکل ہے؟''

ایک وقت تھا جب بنی نوع انسان کا وجود نہیں تھا۔ اگر ہم یہ یقین کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو ہمیں یہ یقین بھی کرنا چاہیے کہ وہ ہمیں دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔ اگر ہمیں اپنی تخلیق کے بارے میں شک ہے تو تب ہم حیات بعد الممات کے بارے میں بھی شک کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱) مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ .. (سورۃ طٰہٰ: ۵۵)

ترجمہ: ''ہم نے زمین ہی سے تمہیں بنایا اور اسی میں تمہیں پھر لے جائیں گے''۔

۲) جیسا ہم نے تمہیں پہلی بار بنایا تھا ویسے ہی دوسری بار بنائیں گے۔ (دیکھئے: سورۃ الکہف: ۴۸؛ سورۃ الانعام: ۹۴؛ سورۃ الاسراء: ۵۱)

سبق نمبر آٹھ

آیئے دیکھیں حیات بعد الموت کے امکان کے بارے میں فلسفی کیا کہتے ہیں۔ فلسفی امکان کی تعریف یوں کرتے ہیں: ''جس چیز کا ہم تصور کر سکتے ہیں اس کے ممکن ہونے کے بارے میں کوئی شک نہیں۔'' اگر ہم اپنی پیدائش کا تصور کر سکتے ہیں تو ہم اپنی دوسری پیدائش کا تصور بھی کر سکتے ہیں۔ کیا حیات بعد الموت ہوگی یا نہیں ہم اسے فلسفے کے ذریعے نہیں جان سکتے کیونکہ ہم مستقبل کے بارے میں نہیں جان سکتے۔ جہاں تک ہمارے ماضی کے تجربے کا تعلق ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ہم عدم سے وجود میں آئے لہٰذا ہم دوبارہ عدم سے وجود میں آسکتے ہیں۔

جب ہم اصحابِ سائنس کے نقطۂ نظر کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سائنس اس قابل نہیں کہ ہمیں بتا سکے کہ ہم اس دُنیا میں کیسے آئے ہیں۔ زندگی کیا ہے؟ اور اس زندگی کو کہاں پایا جا سکتا ہے؟ سائنس دان ان سوالوں کے جواب نہیں دے سکتے۔ وہ صرف یہ کہہ سکنے کے قابل ہوئے ہیں کہ دماغ میں کوئی چیز ہے جو ہمیں زندگی عطا کرتی ہے مگر یہ چیز کیا ہے؟ جب ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ سائنس دان ہمیں زندگی کے بارے میں نہیں بتا سکتے تو کیسے وہ ہمیں حیات بعد الموت کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں؟

ہمارا وجود (Self) جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔ نیند کے دوران ہمارے جسم اور روح میں کسی حد تک علیحدگی ہو جاتی ہے۔ جب ہم مر جاتے ہیں یہ جدائی مقابلۃً زیادہ ہو جاتی ہے لیکن اس کے باوجود بھی یہ کامل جدائی نہیں ہوتی۔ جسم اور روح میں ایک تعلق پھر بھی رہتا ہے اور ان کا دوبارہ اکٹھا ہو جانا ممکن ہے۔

ہمارا انسانی جسم کیا ہے؟ مادّہ کیا ہے؟ سائنسی ترقی کے دورِ حاضر میں ابھی مادّے کی تعریف کرنا ممکن نہیں کیونکہ مادّہ حقیقت میں جو کچھ ہے ایک ایسا معمہ ہے جسے بہترین انسانی دماغوں کی کوششوں کے باوجود حل نہیں کیا جا سکا۔ کیمیائی طریقے سے اس کا کامیاب تجزیہ تو دور کی بات ہے بڑے بڑے سائنسدان اس کی حقیقت کی صرف تصویر بھی نہیں کھینچ سکے۔ اس

وقت تک کی سائنسی تحقیق کا نقطۂ عروج پروٹان اور الیکٹران کا صرف نظریہ قائم کرتا ہے جس کے مطابق پروٹان اور الیکٹران کی شعاع ریزیاں کائنات کی بنیاد ہیں اور اپنی ٹھوس حالت میں ہر جسم انہی شعاعوں کا نتیجہ ہے۔ ''The World of Wonder'' میگزین مادّے کے بارے میں کہتا ہے۔ ''مادّہ بہت ٹھوس نظر آتا ہے لیکن سائنسدان ہمیں بتاتے ہیں کہ اگر ایٹموں کی وہ خالی جگہیں جو ہمارے جسم کی تشکیل کرتی ہیں کو ختم کر دیا جائے اور ان ایٹموں کے نیوکلئس اور الیکٹرانوں کو کمیت میں بدل دیا جائے تو جوان مَردوں کے جسم کا سارا مادّہ اتنا چھوٹا رہ جائے گا کہ اسے آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکے گا''۔ لہٰذا انسانی جسم الیکٹرانوں اور پروٹانوں کی تھرتھراہٹ (vibrations) کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جب ہم فوت ہو جاتے ہیں تو ایٹم بکھر جاتے ہیں۔ جیسا کہ ہم دیکھ آئے ہیں یہ ایٹم الیکٹرانوں اور پروٹانوں پر مشتمل ہوتے ہیں جو کہ الیکٹرانی ارتعاش کی کمیت ہوتی ہے۔

اگر کوئی شخص ایک ڈنڈے کے ایک سرے کو کپڑے سے ڈھانپ دے اور پھر اس سرے کو پٹرول میں ڈبونے کے بعد آگ لگا دے اور دوسرے سرے کو ہاتھ میں پکڑ کر ڈنڈے کو گول گول گھمائے تو ہم جو کچھ دیکھیں گے وہ روشنی کا ایک دائرہ ہوگا لیکن کیا یہ درحقیقت ایک دائرہ ہے؟ اس کا جواب نفی میں ہے کیونکہ یہ اس رفتار کی وجہ سے ایک دائرہ نظر آتا ہے جس سے اس ڈنڈے کو گھمایا جاتا ہے۔ الیکٹرانی ارتعاش بھی جو ہمیں ایٹم میں ملتا ہے کائنات میں دراصل روشنی کی صفات کا ایسے ہی عکس ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ يَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ O (سورۃ النور: ۳۵)

ترجمہ: ''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی سا چمکتا روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑ زیتون سے جو نہ پورب کا نہ پچھم کا قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک

اٹھے اگر چہ اسے آگ نہ چھوئے نور پر نور ہے اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ مادّی جسم اللہ کے نور کا عکس ہے۔ روح اللہ کے اَمر کا عکس ہے جسے انسانی جسم میں اس کے نور کے عکس میں رکھا گیا ہے۔ موت جسم اور روح کی جدائی کا نام ہے۔ یہ جدا ہونے والی روح اللہ کے پاس ہوتی ہے اور وہ یقیناً اسے لوٹا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "جب ساری کائنات ختم ہو جائے گی اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ جو شے یہاں پہلے تھی دوبارہ ایک ہی وقت پر موجود ہوگی"۔

اگر ہم قرآن مجید میں وحی الٰہی کی سچائی سے مطمئن ہیں تو ہمیں قیامت پر لازماً ایمان لانا چاہیے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ یہ ممکن ہے اسی لیے ہم نے نتیجہ نکالا کہ قیامت ضرور ہوگی۔

کچھ لوگ ہیں جو یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ کیوں پیدا فرمائے گا؟ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ... (سورۃ النساء: ۸۲)

ترجمہ: "تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں"۔

ہم نے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس انداز سے پیدا فرمایا ہے کہ ہم اسے جان سکیں۔ تخلیق کا مقصد اللہ کو جاننا ہے۔ اب ہمیں اپنے آپ سے سوال کرنا پڑے گا کہ کیا ہم نے یہ مقصد پورا کیا ہے یا نہیں؟ ہم سب کو اختیار دیا گیا ہے اور ہم سب پر اللہ کو جاننا لازم قرار دیا گیا ہے۔ اپنے بچپن ہی سے ہمارے اندر اللہ کو جاننے کا میلان ہوتا ہے۔ اس لیے جو سوال کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا ہم نے اللہ کو جاننے کا اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اگر ہم یہ فرض ادا کر چکے ہیں تو پھر اگلی دنیا میں ہمارے لیے ایک دروازہ کھول دیا جائے گا اور اگر ہم نے اپنا فرض ادا نہیں کیا ہے تو بھی اگلی دنیا میں ہمارے لیے ایک دروازہ کھول دیا جائے گا۔

ہم جانتے ہیں کہ اگر ہم نے قوانین قدرت کی خلاف ورزی کی تو ہمیں مصیبتیں لاحق ہو سکتی ہیں۔ بالکل اسی طرح اگر ہم نے قوانین الٰہیہ کی خلاف ورزی کی تو ہم پر تباہی ضرور آئے گی۔ قانونی فلاسفر یہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ سزا کا مقصد مجرم کی اصلاح ہے۔ اسی طرح

قوانین الٰہیہ کی خلاف ورزی کی صورت میں ہمیں جو سزا ملے گی وہ ہماری اصلاح کے لیے ہو سکتی ہے۔ کچھ مسلمان یہ سوال کر سکتے ہیں ایسا کیوں ہے کہ وہ اشخاص جو گناہ کرتے ہیں انہیں اس دنیا میں کامیاب ہونے دیا جاتا ہے؟ مثلاً غیر مسلم لوگ اس دنیا میں کیوں اتنے خوش حال اور کامیاب ہیں؟ اَدویہ کے متعلق قدیم یونانی نظریہ میں ہم پڑھتے ہیں کہ ایسا شخص جس کا پسینہ بہہ رہا ہو اگر ٹھنڈی ہوا میں نکلا تو اسے ضرور سردی لگ جائے گی۔ کچھ لوگوں پر سردی، نزلے اور وبائی زکام کا حملہ ہو سکتا ہے۔ وہ کچھ وقت کے لیے تو ان امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں لیکن صحت یاب بھی ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو گلے میں سوزش ہو جاتی ہے لیکن ان کے ناک کا زہریلا پانی ان کے پھیپھڑوں میں جائے گا تو انجام کار تپ دق کا سبب بنے گا۔ اسی طرح اگر دو آدمی جو قوانین الٰہیہ کو توڑتے ہیں تو ممکن ہے کہ صرف ایک کو اس دنیا میں سزا ہو اور دوسرے کے لیے سزا اگلی دنیا میں اس سے زیادہ سخت ہوگی۔ اگر ہم میں سے کوئی دو لڑکوں کو کوئی شرارت کرتے دیکھتا ہے ان میں سے ایک تو اس کا بیٹا ہے دوسرا اس کا اپنا بیٹا نہیں تو وہ اپنے بیٹے کو بلائے گا اور اس کی اصلاح کے لیے اسے سزا دے گا لیکن وہ دوسرے کو جانے دے گا کیونکہ اس کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

مسلمان کیوں کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی پسندیدہ قوم ہیں؟ مسلمان اپنے لیے جنت کی توقع کیوں کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کیونکہ ہمارا تعلق اللہ کے نبی ﷺ سے ہے اس لیے کہ ہم ان کے پیروکار ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا تعلق اللہ سے ہے کیونکہ آپ اس کے رسول ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو اپنی غلطیوں کی سزا اکثر اس دنیا میں ملتی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝ (سورۃ القصص: ۶۱)

ترجمہ: "تو کیا وہ جسے ہم نے اچھا وعدہ دیا تو وہ اس سے ملے گا اس جیسا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کا برتاؤ برتنے دیا پھر وہ قیامت کے دن گرفتار کر کے حاضر لایا جائے گا"۔

ایک طرف اللہ یہ فرماتا ہے کہ ہم نے کافروں کو ڈھیل دی ہوئی ہے اور یہ کہ ہم نے

کافروں کی نگاہ میں دنیا کی زندگی آراستہ کردی ہے۔ (دیکھئے: سورۃ البقرۃ: ۲۱۲ اور آل عمران: ۱۷۸) اور دوسری جانب فرماتا ہے: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ○ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○ (سورۃ البقرۃ: ۱۵۶)

ترجمہ: ''اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور خوش خبری سُنا ان صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو کہیں ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا''۔

یہ وہ مقام ہے جس میں نبی کریم ﷺ کے نواسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے خود کو میدانِ کربلا میں پایا۔ آپ کو ہزاروں مشکلات نے گھیر لیا، آپ گھر سے دور تھے، لاتعداد ظالم وحشیوں نے آپ کو اپنے نرغے میں لے لیا، آپ اپنے رشتہ داروں اور ساتھیوں سمیت تین دن رات تک کچھ کھائے پیے بغیر رہے لیکن آپ کے پائے استقامت متزلزل نہ ہوئے۔ ایک طرف آپ کو یزید کا سامنا تھا جس نے آپ کو اپنے آگے سرنگوں ہو جانے کا حکم دیا تھا۔ وہ یزید جسے اللہ کا کوئی خوف نہ تھا اور جس نے کئی گناہوں کا ارتکاب کیا تھا۔ دوسری طرف یادِ الٰہی تھی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بخوشی اپنے بھائیوں، بھتیجوں، چچا / ماموں زاد بھائیوں، نوجوانوں حتیٰ کہ ایک بچہ جس کی عمر چھ ماہ تھی کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں، دوستوں اور ساتھیوں کی زندگیاں اللہ کی خاطر قربان کردیں۔ یہ اسلامی تعلیمات کا زندہ معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ○ (سورۃ التوبۃ: ۲۴)

ترجمہ: ''تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ

پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا''۔

اگر ان لوگوں کی مصیبتیں جو حکمِ الٰہی کو توڑتے ہیں اس دنیا میں ان کی اصلاح کے لیے کافی ہیں تو وہ آزاد ہو جائیں گے۔ اگر وہ سزائیں کافی نہ تھیں تو یہ انہیں ضرور ملیں گی اس دنیا میں نہ سہی مرنے کے بعد تو ہر صورت میں پوری ہوں گی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب ایک آدمی مرتا ہے اور دفن کردیا جاتا ہے تو دو فرشتے اس کے پاس آتے اور پوچھتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ اگر وہ سچا مسلمان ہے تو وہ جواب دے گا: اللہ میرا رب ہے۔ وہ پھر سوال کریں گے: تیرا دین کیا ہے؟ اگر وہ سچا مسلمان ہے تو وہ جواب دے گا: میرا دین اسلام ہے۔ پھر فرشتے حضور نبی کریم ﷺ کی شبیہ اس کے سامنے کر کے سوال کریں گے: کیا تم ان کو پہچانتے ہو؟ اگر وہ سچا مسلمان ہے تو جواب دے گا: یہ تو نبی کریم ﷺ ہیں۔ (دیکھئے مثلاً: مسند احمد، کتاب: اوّل مسند الکوفیین؛ باب: حدیث البراء بن عازب؛ سنن ابی داؤد، کتاب: السنۃ، باب: فی المسالۃ فی القبر وعذاب القبر)

ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ وہ لوگ جو ان سوالوں کے جواب نہیں دے سکیں گے انہیں جنت کا ایک منظر دکھایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اگر وہ ان سوالوں کے جواب دیتے تو انہیں جنت میں جانے کی اجازت ہوتی لیکن چونکہ انہوں نے جواب نہیں دیئے اس لیے جہنم میں ان کی صفائی ہوگی۔ وہ شخص جو ایماندار تو تھا لیکن کچھ گناہ بھی کیے اسے جہنم میں عذاب جھیلنا پڑے گا۔ اس کی روح کو عذاب ہوگا ساتھ ہی اس کا جسم بھی اس عذاب کو محسوس کرے گا۔ یہ بالکل ایسے ہے جیسے ہمارا جسم خواب میں اسے محسوس کرلیتا ہے جو کچھ روح پر واقع ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس دُنیا میں بھی ہمیں اس احساس کا تجربہ ہوتا ہے چاہے ہم احساس کے سبب سے دور کیوں نہ ہوں۔ ایک بار میں ہندوستان کے ایک قصبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا۔ جب میں دوسرے خطبہ کے اختتام کے قریب پہنچا میں نے اپنے دل میں ایک جھٹکا محسوس کیا۔ میں اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا، جلدی سے خطبہ ختم کیا اور ایک دوسرے آدمی کو نماز کی امامت کرنے کا کہا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اسی لمحے جب مجھے جھٹکا لگا تھا میری بیٹی اپنے گھر میں فوت ہوئی تھی۔ جہاں میں تھا اس جگہ سے اس کا گھر ایک ہزار میل کے فاصلے پر تھا۔

میں نے وہ جھٹکا اس لیے محسوس کیا کہ اس کے جسم کو میرے ساتھ ایک تعلق تھا اور وہ میرے جسم میں ایک طویل عرصے تک رہی تھی۔ بالکل اسی طرح وہ سزا جو روحانی دُنیا میں ہوتی ہے اسے جسم بھی محسوس کرتا ہے۔ یہ سزا اس شخص کے تزکیہ کے لیے ہوتی ہے۔ جب اس کا تزکیہ ہو جائے گا تو وہ جنت میں جانے کے لیے تیار ہو جائے گا۔

جب ساری دُنیا فنا ہو جائے گی تو بعث بعد الموت ہوگی، نہ صرف سارے لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے بلکہ فرشتے، جن، حیوانات، پرندے اور وہ تمام اشیاء جو پہلے اس کائنات میں رہی تھیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْـًٔا وَتَرَی الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰی وَاَنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ (سورۃ الحج: ۵۔۶)

ترجمہ: ''اے لوگو اگر تمہیں قیامت کے دن جینے میں کچھ شک ہو تو یہ غور کرو کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا مٹی سے پھر پانی کی بوند سے پھر خون کی پھٹک سے پھر گوشت کی بوٹی سے نقشہ بنی اور بے بنی تاکہ ہم تمہارے لیے اپنی نشانیاں ظاہر فرمائیں اور ہم ٹھہرائے رکھتے ہیں ماؤں کے پیٹ میں جسے چاہیں ایک مقرر میعاد تک پھر تمہیں نکالتے ہیں بچہ پھر اس لیے کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں کوئی پہلے ہی مر جاتا ہے اور کوئی سب میں نکمی عمر تک ڈالا جاتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ جانے، اور تو زمین کو دیکھے مرجھائی ہوئی پھر جب ہم نے اس پر پانی اتارا تر و تازہ ہوئی اور ابھر آئی اور ہر رونق دار جوڑا اُگا لائی یہ اس لیے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور یہ کہ وہ مردے جلائے گا اور یہ کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے''۔

ہم پڑھتے ہیں کہ سب سے پہلے حضور نبی کریم ﷺ اپنے روضۂ مبارک سے باہر

تشریف لائیں گے۔ آپ کے بعد دوسرے انبیاء اور متقین اپنی اپنی قبروں سے باہر آئیں گے اور پھر تمام دوسرے لوگ اور ساری مخلوق باہر آئے گی اور ایک جگہ جمع ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے حساب کا دروازہ کھولنے کا حکم فرمائے گا۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

ا) وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ○ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ○ وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ○ (سورۃ الزمر: ۶۸۔۷۰)

ترجمہ: ''اور صور پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں مگر جسے اللہ چاہے، پھر وہ دوبارہ پھونکا جائے گا جبھی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے اور زمین جگمگا اُٹھے گی اپنے رب کے نور سے اور رکھی جائے گی کتاب اور لائے جائیں گے انبیاء اور یہ نبی اور اس کی امت کہ ان پر گواہ ہوں گے اور لوگوں میں سچا فیصلہ فرما دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا اور ہر جان کو اس کا کیا بھرپور دیا جائے گا اور اسے خوب معلوم ہے جو وہ کرتے تھے''۔

ب) وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ ○ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ○ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ○ (سورۃ یسٓ: ۵۱۔۵۳)

ترجمہ: ''اور پھونکا جائے گا صور جبھی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑتے چلے گے کہیں گے ہائے ہماری خرابی کس نے ہمیں سوتے سے جگا دیا یہ ہے وہ جس کا رحمٰن نے وعدہ دیا تھا اور رسولوں نے حق فرمایا وہ تو نہ ہوگی مگر ایک چنگھاڑ جبھی وہ سب کے سب ہمارے حضور حاضر ہو جائیں گے''۔

ج) یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ○ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ○ (سورۃ النبا: ۱۸۔۱۹)

ترجمہ: ''جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم چلے آؤ گے فوجوں کی فوجیں، اور آسمان کھولا جائے گا کہ دروازے ہو جائے گا''۔

د) زمین سرخی مائل سفید ہو جائے گی، کھیتوں میں کوئی درخت اور پودے نہیں ہو گے اور نہ پہاڑ اور دریا۔ سورج سر کے اوپر تھوڑے سے فاصلے پر چمکے گا۔

پھر یوم حساب آئے گا جب اللہ تعالیٰ ہم سب کا حساب لے گا۔ اللہ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ کیا سزا کے ذریعے ہمارا تزکیہ ہو چکا ہے یا نہیں۔

یوم حساب فرشتے بہت بڑے اور خوفناک جسموں کے ساتھ آسمان سے اُتریں گے۔ وہ مجرموں کی پیشانیوں سے پکڑیں گے اور انہیں رب کے سامنے حساب والی جگہ لے جائیں گے۔ سوالوں سے پہلے عرش سے نور کی کرنیں چمکیں گی۔ جیسے کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (سورۃ الزمر: ٦٩)

ترجمہ: ''زمین جگمگا اُٹھے گی اپنے رب کے نور سے''۔

اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ قادر مطلق لوگوں کے اعمال کا حساب شروع کرنے والا ہے۔ فرشتے قطاروں میں کھڑے ہو جائیں گے (دیکھئے: سورۃ النبا: ٣٨) جب اللہ رسولوں کو جمع فرمائے گا اور ان سے پوچھے گا:

..مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ (سورۃ المائدۃ: ١٠٩)

ترجمہ: ''تمہیں تمہاری تبلیغ کا کیا جواب ملا؟'' عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں، بیشک تو ہی ہے سب غیبوں کا جاننے والا''۔

حضرت نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا اور ان سے سوال ہوگا: ''کیا تم نے میرا پیغام پہنچا دیا تھا؟'' وہ جواب دیں گے: ''ہاں''۔ اللہ تعالیٰ آپ کی امت سے پوچھے گا: ''کیا نوح نے تمہیں میرا پیغام پہنچا دیا تھا''۔ وہ کہیں گے: ''ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں تھا''۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا جائے گا: ''اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنالو اللہ کے سوا''۔ وہ عرض کریں گے:

...قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ

عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (سورۃ المائدۃ: ١١٦)

ترجمہ: ''پاکی ہے تجھے، مجھے روا نہیں کہ وہ بات کہوں جو مجھے نہیں پہنچتی، اگر میں نے ایسا کہا ہو تو ضرور معلوم ہوگا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے بے شک تو ہی ہے سب غیبوں کا خوب جاننے والا، میں نے تو ان سے نہ کہا مگر وہی جو تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کو پوجو جو میرا بھی رب اور تمہارا بھی رب، اور میں ان پر مطلع تھا جب تک میں ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگاہ رکھتا تھا اور ہر چیز تیرے سامنے حاضر ہے اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا''۔

اس طرح ہر نبی کو مرتبے کے لحاظ سے الگ الگ بلایا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کو فرمائے گا: ''اے جبریل آگ میرے پاس لے آؤ''۔ جبریل فوراً تعمیل ارشاد الٰہی کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آگ بتا تیرا خالق کون ہے؟ اس وقت تقریباً ہر شخص خوف سے ساکت و جامد ہو جائے گا اور اپنے رب کے آگے جھک جائے گا۔ اس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (سورۃ الجاثیۃ: ٢٨)

ترجمہ: ''اور تم ہر گروہ کو دیکھو گے زانو کے بل گرے ہوئے، ہر گروہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا آج تمہیں تمہارے کیے کا بدلا دیا جائے گا''۔

باغی اور ظالم بلند آواز میں چیخیں اور دھاڑیں ماریں گے اور نیکوکاروں میں ہر ایک اللہ اللہ کر رہا ہوگا۔ جب وہ اسی حالت میں رہیں گے تو آگ دوسری بار اپنی تپش پھیلائے گی اور لوگ خوف اور دہشت سے مسحور ہو جائیں گے۔ تیسری بار لوگ اپنے منہ کے بل گر پڑیں

گے اور: وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ○ يُبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ ○ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ○ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ○ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ○ (سورۃ المعارج: ۱۰۔۱۴)

ترجمہ: ''اور کوئی دوست کسی دوست کی بات نہ پوچھے گا، ہوں گے انہیں دیکھتے ہوئے، مجرم آرزو کرے گا کاش اس دن کے عذاب سے چھٹنے کے بدلے میں دیدے اپنے بیٹے اور اپنی جورو اور اپنا بھائی اور اپنا کنبہ جس میں اس کی جگہ ہے اور جتنے زمین میں ہیں سب پھر یہ بدلہ دیتا اسے بچالے''۔

پھر لوگ رب کے سامنے حساب کے لیے ایک ایک کرکے پیش کیے جائیں گے۔ ان سب سے ان کے اچھے اور بُرے اعمال کے بارے میں دنیا کی ابتدا سے انتہا تک کی ساری مخلوق کے سامنے سوال ہوں گے جو اپنے جسموں اور اعضاء و جوارح کے ساتھ وہاں موجود ہوں گے۔ [اسی مرحلے پر قرآن مجید فرماتا ہے]: وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ○ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (سورۃ حٰم السجدۃ: ۲۰۔۲۳)

ترجمہ: ''یہاں تک کہ جب وہاں پہنچیں گے ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے سب ان پر ان کے کیے کی گواہی دیں گے اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے تم نے ہم پر کیوں گواہی دی وہ کہیں گی ہمیں اللہ نے بلوایا جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی اور اس نے تمہیں پہلی بار بنایا اور اسی کی طرف تمہیں پھرنا ہے اور تم اس سے کہاں چھپ کر جاتے کہ تم پر گواہی دیں تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں لیکن تم تو یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اللہ تمہارے بہت سے کام نہیں جانتا اور یہ تمہارا وہ گمان جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا اور

اس نے تمہیں ہلاک کردیا تو اب رہ گئے ہارے ہوؤں میں''۔

پھر اعمال نامے ان کے ہاتھوں میں تھما دیے جائیں گے۔ اس میں چھوٹی بڑی ہر چیز کا ریکارڈ ہوگا: وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ○ (سورۃ الکہف: ۴۹)

ترجمہ: ''اور نامۂ اعمال رکھا جائے گا تو تم مجرموں کو دیکھو گے کہ اس کے لکھے سے ڈرتے ہوں گے اور کہیں گے ہائے خرابی ہماری اس نوشتہ کو کیا ہوا نہ اس نے کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا جسے گھیر نہ لیا ہو اور اپنا سب کیا انہوں نے سامنے پایا اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا''۔

اللہ فرماتا ہے: وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ○ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ○ (سورۃ الاسراء: ۱۳۔۱۴)

ترجمہ: ''اور ہر انسان کی قسمت ہم نے اس کے گلے سے لگا دی اور اس کے لیے قیامت کے دن ایک نوشتہ نکالیں گے جسے کھلا ہوا پائے گا فرمایا جائے گا کہ اپنا نامہ پڑھ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے''۔

''اعمال نامہ'' کی اصطلاح کا لفظی معنی نہیں لینا چاہیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ موسیقی کو الفاظ میں ریکارڈ کیا جا سکتا ہے، اور الفاظ اور موسیقی کو گراموفون ریکارڈز میں؛ اس لیے یہ یقینی اور ممکن بات ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال کا مکمل ریکارڈ لائے گا۔

حساب کھلا اور شفاف ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ○ (سورۃ الانبیاء: ۴۷)

ترجمہ: ''اور ہم عدل کی ترازوئیں رکھیں گے قیامت کے دن تو کسی جان پر کچھ ظلم نہ ہوگا اور اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب کو''۔

ان کے تمام اچھے اعمال کا ان کے بُرے اعمال کے مقابلے میں وزن کیا جائیگا۔ تمام بُرے اعمال میں سے 'کفر' سب سے بُرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ○ (سورۃ المآئدۃ: ۳۶۔۳۷)

ترجمہ: ''بے شک وہ جو کافر ہوئے جو کچھ زمین میں ہے سب اور اس کی برابر اور اگر ان کی مِلک ہو کہ اسے دے کر قیامت کے عذاب سے اپنی جان چھڑائیں تو ان سے نہ لیا جائیگا اور ان کے لیے دکھ کا عذاب ہے دوزخ سے نکلنا چاہیں گے اور وہ اس سے نہ نکلیں گے اور ان کو دوامی سزا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا فرمایا اور زمین پر اپنے خلیفہ کی حیثیت سے بھیجا اس لیے وہی حساب لینے اور یہ دیکھنے کا مستحق ہے کہ ہم نے اس کے احکامات کی پیروی کس حد تک کی۔ اگر دنیا میں ہم نے اللہ کو جاننے کی کوشش کی ہوگی تو آخرت میں ہمارے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ وہاں اللہ کے انعامات اور نعمتیں ہوں گی۔ وہ اس کی صفات کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور اللہ کے بارے میں ان کا علم ترقی کے مزید مدارج طے کرے گا اور وہ اس کے حسن و جمال کے مزے لوٹیں گے جبکہ جو اللہ کو بُھلا چکے ہیں جہنم میں ان کی دُھلائی ہوگی جب ان کی صفائی ہوجائے گی تو انہیں بھی جنت میں لے آیا جائے گا۔ لیکن جو کافر ہیں ان کے عذاب کی کوئی انتہا نہیں ہوگی اپنے علم کی حد تک جتنا ہم تصور کرسکتے ہیں کیونکہ جہنم میں ان کی سزا دائمی ہوگی: أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ (سورۃ المآئدۃ: ۴۰)

ترجمہ: ''کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی سزا دیتا جسے چاہے اور بخشتا ہے جسے چاہے اور اللہ سب کچھ کرسکتا ہے''۔

OOOOOOO